قرآنک انسائیکلوپیڈیا

اُردو ترجمہ

جلد ہفتم

مؤلف

پروفیسر اشفاق احمد خان

(۱) مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (سورۃ الانعام : ۳۸)
''ہم نے (اپنی اس) کتاب میں کوئی چیز چھوڑ نہیں رکھی۔'' (۳۸ : ۶)

(۲) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ (سورۃ الانعام : ۵۹)
''اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب میں (موجود) ہیں۔'' (۵۹ : ۶)

(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (سورۃ النحل : ۸۹)
(اے محبوبِ مکرّم!) ''ہم نے آپ پر ہر بات کو کھول دینے والی کتاب اتاری ہے۔'' (۱۶:۸۹)

(۴) وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ○ (سورہ یٰسٓ : ۱۲)
''اور ہر چیز کو ہم نے روشن کتاب میں احاطہ کر رکھا ہے۔'' (۱۲ : ۳۶)

(۵) وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (سورۃ القمر : ۵۳)
''اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔'' (۵۳ : ۵۴)

قرآنک انسائیکلوپیڈیا (اُردو ترجمہ)

(جلد ہفتم)

مؤلّف : پروفیسر اشفاق احمد خان
سابق صدر شعبہ عربی۔ گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان

مترجم : پروفیسر اشفاق احمد خان (مؤلّف انسائیکلوپیڈیا ہٰذا)

ثاقب پرنٹرز اینڈ پبلشرز

5۔ شالیمار کالونی' عقب ٹویوٹا شوروم۔ بوسن روڈ ملتان
موبائل : 0308-9217883
0301-7422684

طبع اوّل : اگست 2014ء

ملنے کے پتے :

اندرونِ ملک :

(۱) پروفیسر اشفاق احمد خان ۔ ۵ شالیمار کالونی، عقب ٹویوٹا شوروم ۔ بوسن روڈ ملتان
موبائل : 0308-9217883
0301-7422684 (محمد جمیل ۔ مارکیٹنگ منیجر)

(۲) ملتان کتاب گھر ۔ بالمقابل گورنمنٹ کالج، بوسن روڈ ملتان
فون: 6750226 -061

(۳) مکتبہ قاسمیہ ۔ کچہری روڈ، نزد چوک گھنٹہ گھر ۔ ملتان
موبائل : 0300-7300097
فون : 061-4542085

بیرونِ ملک : پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سلیم
drhafizsaleem@yahoo.com.uk.
Landline Tel: 0044-1628-823632

قیمت : ایک ہزار روپے (Rs. 1000/-)

موبائل : 0308-9217883
0301-7422684

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ أَوْرَاقِ الْأَشْجَارِ

DEDICATED TO

him who is paid glowing tributes even by his anti-block in the words:

"He preserved to the end of his career that modesty and simplicity of life which is the crowning beauty of his character.......Power, as the saying is, no doubt, puts the man to the test. It brought new temptations and therefore new failures, from which the shepherd of the desert might have remained free. But happy is the man who living 'in the fierce light that beats upon a throne, and blackens every blot', can stand the test as well as did Muhammad."

("Muhammad and Muhammadenism" --- Bosworth Smith, Page : 93 --- 1874 Edition)

انتساب

اُس ذاتِ مقدّس کے نام جن کے حضور اُن کے دشمن طبقہ نے بھی پُر جوش خراجِ تحسین بہ ایں الفاظ پیش کیا:

''اپنے سفرِ حیات کے آخر تک آپ نے اُس انکساری اور سادگی کو قائم رکھا جو آپ کی جبینِ کردار کا حسین و جمیل جھومر ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ طاقت و اختیار یقیناً انسان کے لئے آزمائش ہوا کرتے ہیں۔ یہ طاقت و اختیار آپ کے لئے نئی جاذبیّتوں یا ناکامیوں کو پیدا کر سکتا تھا جن سے وہ صحرا نوردِ انسان بالکل ہی آزاد تھا۔ مسرور اور مبارک ہے وہ شخص جو جہالت کی اتھاہ تاریکیوں میں رہتے ہوئے تختِ شاہی کو لات مارے، ہر زہرِ ہلاہل کو زہر ہی کہے اور صحیح معنوں میں ہر آزمائش پر پورا اُترے! وہ انسان صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔'' (''محمد اینڈ محمڈنزم'' ۔۔ باسورتھ سمتھ ص ۹۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

محتویات (CONTENTS)

اور لیبر ۔ دماغی لیبر ۔ اچھے مزدور کی خصوصیات ۔ باہمی تعاون کی بنیاد پر تعلیمی ترقی ۔ لیبر کی حرکت پذیری ۔ پیشے کی آزادی ۔ لیبر کے حقوق ۔ نفع میں حصہ داری کی سکیمیں ۔ بیروزگاری کا بیمہ ۔ آجر اور اجیر کے درمیان تعلقات ۔ اجرتوں کا بالعموم نظریہ (Marginal Product Theory) کسی بھی سماجی تنظیم کی ہموار انجام دہی کے لئے آجر اور اجیر کے دوطرفہ تعلق کو اللہ نے قائم کیا ہے ۔ ''دولت کی برابر تقسیم'' کے سوشلسٹ اور کمیونسٹ خیالی نظریہ کی تردید ۔ مرد و عورت دونوں کو کمائی کا حق حاصل ہے ۔ دن اور رات دونوں میں روزی کمانا جائز ہے ۔ دورانِ سفر تجارت کرنا اور روزی کمانا جائز ہے ۔ مزدوروں کی مختتم پیداواری مالیت کے قانون پر اعتراضات ۔ منصفانہ اور کم سے کم اجرت ۔ کم سے کم اجرتوں کا تصور ۔ انتہائی اجرت (Wage Ceiling) ۔ اجرتوں میں اختلاف ۔ آجر کے مفادات کا تحفظ ۔ کوالٹی کنٹرول اور کوالٹی شعور ۔ بیع المنابذہ اور بیع الملامسہ ۔ اسلامی اقتصادی اصولوں میں عدم دلچسپی کی وجہ ۔ تنخواہ دار روزگار ۔ روزگار کی ممنوعہ شکلیں ۔ ممنوعہ پیشے ۔ روزی کمانے کا عمومی اصول ۔

(۱۲۱) رضاعت (Lactation) --- --- --- --- --- --- --- ۳۱۱۷

تعریف ۔ مدتِ رضاعت ۔ رضاعت سے متعلق چند اہم نکات ۔ شیرِ مادر کی اہمیت ۔ دو سال کی مدتِ رضاعت میں قرآنی منطق ۔ والدہ کے لئے رضاعت کی برکتیں اور فوائد ۔

(۱۲۲) سرقہ (چوری Larceny) --- --- --- --- --- --- --- ۳۱۲۲

سرقہ کا اصطلاحی معنیٰ ۔ چور کی سزا از روئے قرآن ۔ چور کا ہاتھ کاٹنے میں حکمت ۔ مالِ مسروق کی شرائط ۔ سرقہ کی جگہ کی شرائط ۔ حرز کیا ہے؟ سرقہ کی اقسام ۔ حد اور تعزیر ۔ کن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا؟

(۱۲۳) قانونِ شریعتِ اسلامی (LAW) --- --- --- --- --- --- ۳۱۲۹

تعریف ۔ قانونِ الٰہی کی تعریف ۔ نبی علیہ السلام کے اختیارات بطور قانون ساز ۔ نبی علیہ السلام بطور قانون ساز مستشرقین کی نظر میں ۔ قانون کا احترام ۔ قانون اور نظم و ضبط ۔ قانون کی حاکمیت عدل کی تعریف ۔ عدل و انصاف بطور قانون کی بنیاد ۔ عدل و انصاف کا معیار ۔ قانونِ فضل (رحم و رعایت کا قانون ۔ عدل کی عملداری کے لئے خصوصی اصول وضوابط ۔ قسم (حلف) ۔ اسلام میں گواہی کی اہمیت ۔ گواہی کے چھپانے کی ممانعت ۔ ''حدود'' کے جرائم میں شہادت کی حیثیت ۔ گواہوں کا نصاب ۔ اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر کیوں؟ جھوٹے اور فاسق کی گواہی قابلِ قبول نہیں ۔ دشمن کے لئے بھی سچی گواہی ۔ کسی بھی فریق کی امارت و

غربت گواہی کی صداقت پر اثر انداز نہ ہونے پائے۔ کاتب اور گواہ کو نقصان پہنچانا ناجائز ہے۔ گواہی سے انکار کرنا۔ شک کا فائدہ (Benefit of Doubt)۔ اعترافِ جرم مجرم کو سزا سے بَری نہیں کرے گا۔ واقعاتی گواہی۔ دستاویزی ثبوت۔ ایک آزمودہ کار کی شہادت۔ قاضی (جج) کا ذاتی علم۔ عدل و انصاف کے دو آفاقی راہ نما اصول۔ وکلاء صاحبان۔ جرمیات اور تعزیرات۔ ''حد'' کے استحکام کی بنیاد۔ تعدی (Transgression)۔ جرم کیا ہے؟ فوجداری قانون کا منصبی کام۔ جرم کے ثبوت کے ذرائع۔ ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ اسلام کا تعزیراتی نظام غیر مہذّب اور ظالمانہ نہیں۔ زنا اور اس کے نقصانات۔ منشیات اور اُن کے اثرات۔ الکوحل کی نفسیاتی اثرات الکوحل جو بذاتِ خود ایک بیماری ہے' دوا نہیں بن سکتی۔ الکوحل کے ضرر رساں اثرات پر مستند شہادتیں۔ اسلامی تعزیراتی ضابطہ کی شدّت کے پس پردہ منطق۔ اسلام میں ہرجانہ اور حق تلفی کا قانون (Law of Tort)۔ ٹارٹ کیا ہے؟

ٹارٹ کی مختلف شکلیں: (1) زنا کاری: تعریف۔ لفظ مُحصَن کی وضاحت۔ لفظ غیر مُحصَن کی وضاحت۔ زانی مُحصَن کی سزا۔ زانی غیر مُحصَن کی سزا۔ زنا کاری کے ثبوت کے ذرائع۔ زنا کے حرام ہونے کی وجوہ۔ مجرم کو کیسے سنگسار کیا جائے؟ (2) ارتداد (دین سے پھر جانا Apostasy) موت کی سزا کے علاوہ ارتداد کے چار دیگر قانونی نتائج۔ سزا کا جواز۔ (3) دیت: خوں بہا دیت کی اقسام۔ (4) حبسِ بے جا (نظر بندی) اور اس کی اقسام۔ (5) ہتکِ عزت (6) غیبت غیبت کی بعض جائز صورتیں۔ کسی پر شک و شبہ اور عیب جوئی کی ممانعت۔ (7) مے نوشی: خَمر کیا ہے؟ شراب نوشی کی ممانعت کے تین تدریجی مراحل۔ شراب کی ممانعت میں احادیثِ مبارکہ۔ مے نوشی کی سزا۔ اَسّی دِرّوں کا ثبوت سنّتِ نبوی میں۔ (8) غاصبانہ قبضہ: غاصب پر قانونی پابندیاں۔ (9) دھوکہ دہی۔ (10) قانونی سر پرست اور نابالغ فاتر العقل یتیم بچے اور بیوگان: یتیم کے سر پرست کی ذمہ داریاں۔ (11) قید/اسیری (12) عدالتی حکم برائے حاضری شخص (HabeasCorpus)۔ سورہ یوسف میں (Habeas Corpus) کی مثال۔ (13) قذف/بہتان: تعریف اور حرمت۔ قذف کی سزا۔ قاذف کی شرائط۔ مقذوف کی شرائط۔ قذف کے الفاظ کی شرائط۔ (14) قتل: قتل کی سزا۔ سزا کا مقصد۔ قتل کی ممانعت کے ذریعے حیاتِ انسانی کا تقدّس۔ اسلام کا قانونِ قصاص اور تحفظِ حیاتِ انسانی۔ قتل کی اقسام: قتلِ عمد اور اس کی سزا۔ قتلِ عمد میں قصاص کی مصالحت۔ قتل شبہ العمد اور اس کی سزا۔ قتلِ خطا اور اس کی سزا۔ قتل شبہ الخطا۔ قتل بالسبب۔ (15) جسمانی ضرر: قصاص برائے جسمانی اعضاء۔ قصاص برائے جسمانی ضرر۔ ضرر میں اعضاء کی معدومیت کے لئے خوں بہا۔ (16) ناگواری اور زحمت کا باعث باتیں۔ (17) کسی کی خلوت گاہ یا گھر میں جھانکنا۔ (18) دروغ حلفی (19) خلوت گاہ: بچوں کا داخلہ (20) کم ناپ تول (21) لوٹ مار اور ڈکیتی: عام قتل اور ڈکیتی میں

فرق۔ (22) جاسوسی اور سراغ رسانی: کن صورتوں میں تلاشی لینا جائز ہے؟ (23) بغاوت: بغاوت کی شرائط۔ بغاوت کی ممانعت۔ بغاوت کی سزا۔ (24) اغلام بازی: سزا (25) خودکشی: خودکشی کی وجوہات۔ (26) دہشت گردی: دہشت گردی اسلام کے نام پر سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔ دشمنِ اسلام ہمارے صبر اور بُردباری کو آزما رہا ہے۔ (27) لُقطہ (گری پڑی چیز) ۔حجاج کرام کی گری پڑی چیزیں۔ فرعیات۔ (28) غیر ہنر مند معالجین۔ پیدائش سے قبل کی چوٹ۔ بچانے والوں کا فرضِ نگہداشت۔ غلط مشورے دینے میں وکلاء کی ذمہ داری۔ ٹریفک حادثات۔ (29) حملہ اور ضرب شدید: قانون کی بالادستی کی ایک مثال۔ بیوی کو نظم وضبط میں رکھنے کا حق۔ مشتبہ اور مجرموں کو زدوکوب کرنا۔ (30) عدالتیں: فقہِ اسلامی میں خیالی زندگی کا نظریہ۔ (31) نازائیدہ بچہ (Unborn Child): اسقاطِ جنین اور اس کی سزا (32) دیوالئے۔ قانون کی اقسام۔ چند متعلقہ اصطلاحات (بالخصوص توہینِ عدالت' سیفٹی ایکٹ۔ کورٹ آف اپیل) قرآنِ حکیم کی روشنی میں۔ اسلامی قوانین اور ہمارا قانونی ڈھانچہ۔ اسلامی نظامِ قانون پر مستشرقین کے الزامات کی تردید۔

(۱۲۴) لیلۃ البراءۃ --- --- --- --- --- --- --- --- ۳۲۷۵

نزولِ قرآن شبِ قدر یا شبِ برأت؟ رضائے الٰہی کا حصول بذریعہ نماز۔ شبِ برأت اور شعبان المعظم کے فضائل۔ شبِ برأت کے اوراد و نوافل۔

(۱۲۵) لیلۃ القدر --- --- --- --- --- --- --- --- ۳۲۸۳

وجہ تسمیہ۔ سورۃ القدر کا شانِ نزول۔ ایک نادر نکتہ۔ شبِ قدر کو مخفی رکھنے کی حکمتیں۔ فرشتوں کو زمین پر نازل کرنے کی حکمتیں۔ فرشتوں کا سلام۔ ثواب میں اضافہ۔ گناہ میں اضافہ۔ لیلۃ القدر کے فضائل۔ لیلۃ القدر میں عبادت کا طریقہ۔

(۱۲۶) اسلام میں قیادت و امامت کا تصور --- --- --- --- --- --- --- ۳۲۹۰

امامت کی تعریف۔ امام کا شرعی معنیٰ۔ امامت کے وجوب پر دلائل۔ اسلام کا تصورِ قیادت۔ حکمران کے بارہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ خلیفہ اور بادشاہ کے مابین فرق۔ مطلق العنان بادشاہ کی ذہنیت۔ سربراہِ مملکت کی اہلیت کی شرائط۔ سربراہِ مملکت کے فرائض۔ سربراہِ مملکت کی ذمہ داریوں سے متعلق احادیثِ مبارکہ۔ اسلامی سربراہِ مملکت کے اختیارات۔ اختیارات کی حدود۔ حاکمِ وقت کو اپنے آپ سے خوشامدیوں کو دُور رکھنا چاہئے۔ حکمران کب اپنے لقب اور مختار کاری سے محروم ہو جاتا ہے؟ نماز کی امامت اور اجتماعی نماز کی اہمیت

نماز با جماعت کی فضیلت ۔امام کی ذمہ داری اور اس کی جواب دہی ۔نماز با جماعت میں مقتدیوں کے لئے رعایت ۔صفوں کے خلا کو پُر کرنے میں بڑا ثواب ہے ۔نماز کی امامت کا زیادہ حقدار کون ہے؟ فاسق کی امامت بطور سربراہِ مملکت ۔فاسق کی امامت نماز میں ۔بچے کی امامت ۔خواتین کی امامت ۔نابینا آدمی کی امامت ۔تیمم والے کی امامت ۔مفضول کی امامت ۔مسافر کی امامت ۔مقتدی کا امام کے ساتھ کھڑا ہونا۔

(۱۲۷) فارغ اوقات قرآن کی نظر میں -- --- --- --- --- --- --- --- ۳۳۱۲
ذکرِ الٰہی کو زندہ رکھنے والوں کے لئے باہمی مبادلہ (Reciprocity) کی نوید۔
شیطان کے ذکر۔

(۱۲۸) آزادی (Liberty) --- --- --- --- --- --- --- ۳۳۱۵
اسلام میں آزادی کا مطلب ۔آزادی کی مختلف صورتیں: آزادیِ اظہارِ رائے ۔آزادیِ تنقید۔ جماعت (انجمن) سازی کی آزادی ۔آزادیِ مذہب وعقیدہ۔

(۱۲۹) زندگی --- --- --- --- --- --- --- --- --- ۳۳۲۴
(الف) حیاتِ دنیاوی: ایک خطرناک مغالطہ/ واہمہ۔ عبادت کی ہیئتِ ترکیبی اور روح۔ عبادت کی ظاہری شکل وصورت اور روح کی بابت قرآن وسنت کے حوالہ جات۔ نجاتِ اخروی کا معیار۔ اس حیاتِ فانی کی حقیقت۔
(ب) برزخ (قبر) کی زندگی: برزخ کا معنیٰ ۔مرنے والے کو لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کی تلقین کرنا۔ مسلم اور غیر مسلم کی موت کی علامات ۔قبر کے اندر کی کیفیت ۔قبر کی ہولناکیاں ۔تمام لوگوں میں عقلمند ترین کون ہے؟ عذابِ قبر۔ عذابِ قبر کے منکرین کے جواب میں ۔عذابِ قبر کی مختلف صورتیں از روئے احادیثِ مبارکہ۔ عذابِ قبر سے کیسے نجات پائی جائے؟ قبرستان کا ہر کونہ مسلمان میّت کے اعزاز میں مزیّن اور بارونق ہوتا ہے جبکہ کافر اور نافرمان میّت کے لئے اس کے الٹ ہوتا ہے۔
(ج) آخرت کی زندگی: روزِ محشر کے لئے مختلف قرآنی نام ۔ہر شخص کی موت اُس کے لئے قیامت ہے ۔دابّۃ الارض ۔صور کا پھونکا جانا' مُردوں کا قبروں سے نکلنا اور اُن کا ایک جگہ جمع ہونا ۔نفخہ اُولیٰ ۔الحساب (جوابدہی کا وقت) ۔میزان کو مجازی معنیٰ میں لینے کی تردید۔ پُل صراط ۔پُل صراط کا تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہونے کا مفہوم ۔جس کی جواب طلبی ہوگئی وہ ہلاک ہوگیا ۔روزِ قیامت کی مقدار ۔روزِ

قیامت اور شفاعت ۔جہنم کی ہولناکیاں ۔ دوزخیوں کا لباس اور کھانا ۔جہنم کی گہرائی اور حدّت ۔جہنم کی دیواریں ۔جہنم کے دروازے ۔جہنم کے مختلف نام ۔ دوزخیوں کی سرداروں کے لئے بددعائیں اور قائدین کے خلاف بیزاری کا اظہار ۔ نارِ جہنم کا درجہ حرارت ۔ دوزخ کا غیظ وغضب ۔
جنت کی کامل مسرتیں اور شادمانیاں ۔ ادنیٰ جنتی کا مرتبہ ۔ ایک الجھاؤ اور اُس کا سلجھاؤ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کو سلام کا تحفہ ۔ قولِ باری تعالیٰ وَلَدَيْنَا مَزِيد اور لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ" کی تفسیر ۔ مقامِ اعراف ۔ جنت کا موسم اور درجہ حرارت اہلِ جنت اور مواصلت ۔ آیا جنت اور جہنم پہلے ہی سے موجود ہیں؟ جنت کے ناقابلِ تصوّر طول وعرض کا ثبوت سائنس کی رُو سے ۔ جنت کے ایک درجہ کی وسعت ۔ جنت کے دروازے ۔ جنت کے دروازوں کی وسعت ۔ جنت کے درختوں کی نوعیت ۔ جنتیوں کے لباس ۔ سبز رنگ کو مخصوص کرنے کی وجہ ۔ جنت کے گھر کی تعمیر کس میٹیریل سے ہوئی ہے؟ زمین اور آسمان کے تبدیل ہونے میں حکمت ۔ کیا زمین وآسمان کی تبدیلی سے مراد ذات کی تبدیلی ہے یا فقط اُن کی صفات کی تبدیلی؟ آسمان کی تبدیلی ۔ قیامت کی علامات ۔ یاجوج وماجوج ، مہدی علیہ السلام اور دجّال کا ظہور ۔ جنتی حوض "کوثر" ۔
(د) حیاتِ انبیاء علیہم السلام : قرآنِ حکیم کی روشنی میں ۔ احادیث کی روشنی میں ۔

(۱۳۰) لعان --- --- --- --- --- --- --- --- --- --- ۳۳۸۳
لعان کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ ۔ لعان کا طریقہ ۔ لعان کا وجوب ۔ لعان کا اثر ۔ لعان کے احکام ۔

(۱۳۱) استماعِ قرآن --- --- --- --- --- --- --- --- --- --- ۳۳۸۶
استماع اور انصات ۔ تلاوتِ قرآن مجید کی فضیلت ۔ استماعِ قرآن کی حیثیت ومقام ۔ استماعِ قرآن نبی اکرم ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہے ۔ استماعِ قرآن صحابہ کرام کا عمل رہا ہے ۔ استماعِ قرآن ملائکہ کا عمل ہے ۔ تلاوتِ قرآن کے آداب ۔ قرآن پاک کی تلاوت اور لفظ "اللہ" کی تکرار کے اثرات ۔

(۱۳۲) علم ادب (لٹریچر) اور قرآن --- --- --- --- --- --- ۳۳۹۵
(الف) لٹریچر قرآن مجید میں (قرآن مجید کے ادبی محاسن)
الفاظ کا حسن ۔ مجسمہ طرازی اور نقش گری (Imagery) ۔ سبق آموز حکایات (Parables)

معکوس یا منقلب ترتیب (Hysteron Proteron)۔

(ب) قرآن مجید لٹریچر میں

(۱) قرآن مجید عربی لٹریچر میں: شاعرِ دربارِ رسول ﷺ جناب حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شاعری پر قرآن مجید کے اثرات۔ قرآن مجید کا اثر عربی نثر پر۔

(۲) قرآن مجید فارسی لٹریچر میں: قرآن مجید کی عربی نثرِ مسجع کے گہرے اثرات فارسی لٹریچر پر۔ ابن منصور اسدی کی ''مناظرہ نظم''' عمر الخیام کی رباعیات۔ فرید الدین عطار کی مَنطِقُ الطّیر۔ شیخ سعدی کی ''مجالسِ پنجگانہ'' اور ''گلستانِ سعدی۔ فارسی لٹریچر میں قرآن مجید سے براہِ راست حوالہ جات۔ کلامِ رومی اور قرآن مجید۔ مثنوی مولانا روم اور قرآن مجید۔ فارسی ادب میں قرآن مجید کے رسمی نمایاں اوصاف اور نقش گری۔

(۳) قرآن مجید پنجابی لٹریچر میں: بابا بلھے شاہ' بابا فرید اور شاہ حسین کا کلام۔

(۴) قرآن مجید اردو ادب میں: ڈپٹی نذیر احمد کی ''توبۃ النصوح''۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ کی ''مدّ و جزرِ اسلام''۔ خواجہ میر درد' ابوالکلام آزاد اور ابراہیم ذوقؔ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب نظیر اکبرآبادی۔ امام احمد رضا خان بریلوی۔ علامہ اقبال کے کلام پر قرآن مجید کے اثرات۔ خواجہ حسن نظامی' نعیم صدیقی کا نثری کلام۔ اردو نثر نگاروں اور شاعروں کے کلام میں قرآنی آیات وتراکیب کے کثیر الوقوع حوالے۔

چند ادبی اصطلاحات وتراکیب قرآن مجید کی روشنی میں۔

انسان کی آزادیٔ عمل اور اس کی حدود۔ نظریہ جبر وقدر قرآن حکیم کی روشنی میں۔

آزادیٔ عمل کے حامیوں کے دلائل۔ اللہ تعالیٰ کا ''لوحِ محفوظ'' میں لکھنے کا مطلب ''قضاء'' اور ''قدر'' کا معنیٰ۔

بہ ظاہر جبریت کی طرف اشارہ کرنے والی آیات کو اگر اُن کے صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو غلط فہمی کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ مشیّتِ الٰہی اور رضائے الٰہی۔

قرآنِ حکیم کی منظر نگاری۔ قرآنِ حکیم میں فواصل وقوافی کا نظام۔ قرآن کریم کا فنی نظم و نسق۔

(۱۳۴) مویشی بانی (Livestock) --- --- --- --- --- ۳۴۸۱

تعارف۔

جدید مویشی بانی: گھوڑے۔ اونٹ۔ بھینسے اور خش گاؤ (Yak)۔ بکریاں۔ بھیڑیں۔ مال مویشی۔

مویشی بانی کے فوائد قرآن کی روشنی میں۔ جانوروں کا انسانی خدمت کے لئے مامور ہونا رب تعالیٰ

کچھ مؤلف کے بارہ میں

قارئینِ کرام !اَلحَمدُ للّٰہ ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' (حصہ اردو مترجم) کی جلد ہفتم آپ کے مطالعہ کے لئے پیشِ خدمت ہے جبکہ اس سے قبل حصہ انگریزی کی چھ جلدیں (مشتمل بر 6100 صفحات) اور اردو ترجمہ کی چھ جلدیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر آچکی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پروفیسر صاحب (مؤلف) کی قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ سے والہانہ شیفتگی اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا سبب بنی۔

وجہِ تالیف ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' : ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' کی وجہِ تالیف خود پروفیسر موصوف کی زبانی سنتے ہیں :۔

راقم الحروف نے پوچھا کہ حضرت !اس نادر' فقید المثال کام کی تحریک (Motivation) آپ میں کیسے پیدا ہوئی ؟ کہنے لگے : زمانہ طالبعلمی ہی سے سورۃ الانعام کی آیت (۵۹) : ''نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر اِس روشن کتاب میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے۔'' میرے تجسس اور تحقیق کو رہ رہ کے اُکساتی تھی کہ قرآن میں جب سب کچھ ہے' تو اے ربّ العالمین !میرے لئے موافق اسباب پیدا فرما جن کے تحت میں تیرے اس اعلان کے تقاضا کو تیرے بندوں کے سامنے لاسکوں اور اُن کی ایمان کی تازگی کا سبب بن سکوں۔ اسی مقصد کی تکمیل کی خاطر میں نے عربی زبان کو ہمیشہ اپنے تدریسی مضامین میں سرِ فہرست رکھا۔

کہنے لگے کہ ''زمانہ طالبعلمی میں اتنی اہلیت اور جرأت نہ تھی کہ احکم الحاکمین کے کلام کے بارے میں کچھ لکھ سکوں۔ اُس دَور میں کچھ لمحے لیلائے وقت کے گیسو سنوارنے میں گزرے تو کچھ احباب کی دلداری کے نذر ہوئے۔ عملی زندگی میں آنے کے بعد اور والدِ محترم کے وصال سے تو مصروفیات ایک ٹڈی دل کی طرح حملہ آور ہوگئیں۔ تاہم ایک کسک اور خلش رہ رہ کے ستاتی تھی کہ کوئی صورت نکلے' آسمان کی رفتار بدلے' حالات موافق ہوں' ہوائیں سازگار چلیں اور یہ مقدس خواب شرمندۂ تعبیر ہو۔''

''بہرحال ؎ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ 1997 میں اس مچلتے ہوئے خواب کی تعبیر میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لی۔ دستِ قدرت نے یاوری کی اور بحمدہٖ و بعونہٖ تعالیٰ میں اس قابل ہوا کہ سولہ سال کی تحقیق و تدقیق کے بعد 2013ء تک انگریزی کی چھ جلدیں منظرِ عام پر لاسکا۔ اور اُس کے بعد سے اب (جولائی 2014ء تک) اسی انسائیکلوپیڈیا کے اردو ترجمہ کی سات جلدیں (مشتمل بر ۴۵۰۰ صفحات) چھپ کر آگئی ہیں۔''

''یہ تو تھی بات پروفیسر صاحب کی اپنی زبانی۔ اُن کی ذات کے بارے میں میرے اپنے ذاتی تاثرات یہ ہیں کہ دستِ قدرت نے اُنہیں اپنی آخری کتاب کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس پیرانہ سالی (75 سال کی

عمر میں) کسی تھکاوٹ کے محسوس کئے بغیر مسلسل دس' بارہ گھنٹے کتاب اللہ کے اسرار و رموز اور اُس کی گہرائیوں میں مستغرق رہنا کیا کتاب اللہ سے دلی وابستگی کا منہ بولتا ثبوت نہیں ہے؟

دراصل قرآن کی دنیا روحانیت کی دنیا ہے جسے دنیا دار لوگ اور ہما شما کیا جانیں! وہ تو متاعِ دنیا ہی کو سبھی کچھ سمجھے بیٹھے ہیں' اُنہیں کیا معلوم کہ ربِّ محمد ﷺ نے اپنے آخری کلام کی شکل میں کیسی نعمتِ لازوال اُنہیں بخشی ہے۔

''قرآنک انسائیکلو پیڈیا'' کے جستہ جستہ مطالعہ سے راقم الحروف نے جو بات امتیازی طور پر محسوس کی ہے وہ زبان کے شستہ پن اور اس کی نفاست وعمدگی کے پہلو بہ پہلو صاحبِ قرآن ﷺ کی عظمت و رفعت کو اجاگر کرنے میں مؤلّف موصوف نے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مثلاً سورۃ النساء کی آیت ۶۵ کے حوالے سے جلد ہفتم کے صفحہ ۳۲۶۶ کے ذیلی نوٹ میں ''کورٹ آف اپیل'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''بارگاہِ رسالت کی عدالت کی کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے جن کے فیصلے کو ربِ تعالیٰ نے جزوِ ایمان قرار دیا اور اُس پر تنگی محسوس کرنے کو خارج از ایمان ہونے کا الٰہی فیصلہ سنایا گیا۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اس دنیا کی عدالت سے کسی مجرم کے خلاف صادر شدہ فیصلہ پر مجرم خوشی کا اظہار تو نہیں کرتا بلکہ جج کے خلاف وہ سراپا کینہ اور بغض ہوتا ہے۔ اس بغض رکھنے پر دنیا کا کوئی ضابطہِ اخلاق یا کوئی بھی عدالت اُسے سزا دینے کی مجاز نہیں۔ لیکن سورۃ النساء کی آیت ۶۵ کو بار بار پڑھئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس اعلیٰ وارفع مقام کا اندازہ لگایئے جو اُن کے خالق و مالک نے اُنہیں عطا فرمایا ہے۔ دربارِ نبوی سے صادر شدہ فیصلہ کو مجرم کا بہ صدقِ دل' بخوشی تسلیم کر لینا ہی صحیح ایمان کا تقاضا ہے' ورنہ وہ ''توہینِ عدالت "Contempt of Court" کا مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان کی دولت سے بھی محروم رہے گا اور غضبِ الٰہی کا بھی مورد بنے گا۔''

ہم پروفیسر صاحب کے نہاں خانہ دل سے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے اردو خواں طبقہ کی درخواست کو پذیرائی بخشتے ہوئے انسائیکلو پیڈ کے اردو ترجمہ کے کام کا بھی بیڑا خود اُٹھایا ہے۔ جزاءُ اللہُ اَحْسنَ الْجَزاء۔

آخر میں راقم اور اُس کے جملہ لواحقین واحباب ربِّ ذوالجلال والاکرام کے حضور دست بہ دعا ہیں کہ وہ اپنے اِس بندے کو ایمان اور صحت کی سلامتی کے ساتھ عمرِ خضری عطا فرمائے اور اس مقدّس کام کو اُن کے' اُن کے والدین و لواحقین کے لئے سرمایہ نجات بنائے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ۔

۵ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ
4 جولائی 2014ء

محمد تسلیم قریشی

ڈاکٹر محمد تسلیم قریشی
(میڈیکل سپرنٹنڈنٹ' ریلوے ہسپتال۔ ملتان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱۱۸) علم وتلمذ (Knowledge & Learning)

نالج اور علم : انگریزی کے لفظ Knowledge کے لئے اسلام میں ''علم'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اگرچہ اس کے لئے ''معرفت'' اور ''شعور'' وغیرہ جیسے الفاظ بھی مستعمل ہیں لیکن دوسری تمام اصطلاحات اپنے معانی میں تنگیِ داماں کی حامل ہیں جبکہ ''علم'' کا لفظ اپنے اندر وسعت اور جامعیت رکھتا ہے۔

علم کے مترادف لفظ Knowledge کے بارے میں Rosenthal رقمطراز ہے :
''نالج کا لفظ علم کے تمام حقیقی اور جذباتی مشمولات کے اظہار میں کوتاہ ہے۔ کیونکہ ''علم'' اُن نظریات میں سے ایک ہے جو پورے اسلام پر چھایا ہوا ہے اور اُس نے مسلم تہذیب کو اُس کی امتیازی حیثیت اور قدرتی رنگ عطا کئے ہیں۔ درحقیقت کوئی ایسا نظریہ نہیں جو مسلم تہذیب کے تمام پہلوؤں کی توضیح کرنے میں اس قدر وسیع طور پر فعّال ہو جیسا کہ ''علم'' ہے۔ ("Knowledge Triumphant". pp. 1, 2)

علم کی اقسام : علم کی دو قسمیں ہیں : ایک علمِ نظری اور دوسرا علمِ عملی۔ اسلام نے تمام تر زور علمِ عملی پر دیا ہے اور اس سلسلہ میں فرمانِ رسول ﷺ حسبِ ذیل ہے :
''تمہارا علم اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک تم اُس پر عمل نہ کرو۔ جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اُس پر عمل بھی کرتا ہے تو اُسے اس نیکی پر دو اُجر ملیں گے۔ اگر اُسے علم حاصل ہے لیکن وہ اُس پر عمل نہیں کرتا تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی ایک مرتبہ فرمانبرداری کی اور ایک مرتبہ نافرمانی کی اور جس کے پاس نہ تو علم ہے اور نہ ہی عمل تو وہ دو مرتبہ تجاوز عن الحد کا مرتکب ہوا ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، صفحات ۴۶۹، ۴۷۰)

ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اپنے کلامِ پاک میں ''علم'' کو کبھی تو معرضِ تعریف میں ذکر فرمایا اور وہی علمِ نافع ہے اور کبھی مذمّت کے طور پر ذکر فرمایا اور یہ وہ علم ہے جو نفع بخش نہیں ہوتا۔

علم نافع کی تعریف : علمِ نافع سے مراد حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے اُس کی بندگی کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اس علم کی مثال شمع یا چراغ کی سی ہے کہ جب وہ کسی بندے کے دل میں ڈالا جاتا ہے تو اُس کی شعاعوں اور انوار سے اُس بندے کا دل پُر ہو جاتا ہے اور تمام شکوک اور توہمات خواہ وہ دین سے متعلق ہوں یا دنیا سے، زائل ہو جاتے ہیں اور ہر امر میں یقین اور حقیقت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور شہوات و کدورت کی تاریکی اُس کے دل سے دُور ہو جاتی ہے۔ درحقیقت علم جس کا نام ہے وہ یہی ہے اور جس علم کی یہ شان اور تاثیر نہ ہو وہ علم ہی نہیں۔ لہٰذا علمِ نافع وہ ہے جس سے خوفِ خدا پیدا ہو یعنی دل میں حق تعالیٰ کی عظمت وجلال پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی اہلِ علم کی بابت فرماتا ہے :

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓءُ (فاطر : ۲۸)

''بس اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔'' (۲۸ : ۳۵)

علمِ نافع کا ذکر قرآن حکیم میں :

(۱) شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ (آلِ عمران : ۱۸)

''اللہ تعالیٰ نے اس کی گواہی دی کہ بجز اُس کے کوئی لائقِ عبادت نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہلِ علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کا ہے کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والا ہے۔'' (۳:۱۸)

(۲) قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا (طٰہٰ : ۱۱۴)

''یہ دعا کیجئے کہ اے میرے پالنہار! میرا علم بڑھا دیجئے۔'' (۱۱۴ : ۲۰)

(۳) اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓءُ (فاطر : ۲۸)

''بس اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔'' (۲۸ : ۳۵)

(۴) قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (الزُّمر : ۹)

''فرما دیجئے کیا علم والے اور جہل والے کہیں برابر ہوتے ہیں؟'' (۹ : ۳۹)

(۵) ابوالبشر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے تذکرہ میں اور اُنہیں تمام اشیاء کے ناموں کا علم دینے کے بعد فرشتوں پر اُن چیزوں کو پیش کرنے کے ضمن میں فرشتوں کا مقولہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ○ (البقرۃ : ۳۲)

''آپ تو (ہر عیب سے) پاک ہیں، ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہمیں دیا، بے شک آپ بڑے ہی علم والے، حکمت والے ہیں۔'' (۳۲ : ۲)

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اُن کا حضرت خضر علیہ السلام سے یہ کہنا نقل فرمایا ہے:

ہَلۡ اَتَّبِعُکَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ○ (الکہف : ۶۶)

''کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اُس علم میں سے کچھ سکھائیں گے جو آپ کو منجانب اللہ سکھایا گیا ہے؟'' (۶۶ : ۱۸)

علومِ نافعہ سے استفادہ کا طریقہ : قرآن وحدیث سے متعلق علم صرف ونحو کا حاصل کرنا، اُن کے معانی کو سمجھنا، اس میں حلال وحرام کے متعلق جو حضرات صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے اقوال وتشریحات مروی ہیں، اُن کا پابند رہنا۔ اسی طرح زہد اور رقائق (قلوب میں رقت پیدا کرنے والی باتیں) اور معارف ونکات اور واردات کے متعلق بھی جو مضامین ہیں، سب علوم نافعہ ہیں۔ جن سے استفادہ کرنے کی اوّلیں شرط یہ ہے کہ صحیح وسقیم کا لحاظ کیا جائے، پھر اس کے معانی ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اُن پر عمل کیا جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا خوف علم کے ثبوت کے لئے کافی ہے اور اللہ

تعالیٰ سے بے خوف رہنا جہالت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

علمِ نافع کی خوبیاں اور منافع : خشیتِ الٰہی پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علمِ نافع دو باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے: اوّل اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کی معرفت اور جن اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ اور افعالِ عظیمہ کا وہ مستحق ہے' اس پر واقفیت کا وہ ذریعہ بنتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی' خشیت و ہیبت اور تعلق و محبت' اُسی پر آسرا اور اُسی سے امید' اُسی پر بھروسہ اور اعتبار و یقین' اُسی کے فیصلے پر راضی رہنا اور ابتلاء (آزمائش) کے موقع پر صبر اور سرِ تسلیم خم ہونے کی کیفیت پیدا ہونا ایک لازمی نتیجہ اور ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے۔

دوم : اُن باتوں کا علم ہو جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو اور اُن باطل اور نا جائز امور و اعتقادات اور اعمالِ ظاہرہ و باطنہ کا پتہ چل جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اور ناراض ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ انسان اپنے کریم خالق کی رضا و محبت حاصل ہونے والے اعمال کی طرف پورے ذوق و شوق سے لگتا ہے اور اُن اعمال سے دُور بھاگتا ہے جن میں اپنے کریم مولا کی ادنیٰ سی ناراضگی کا بھی شائبہ ہو۔

علم جب اس طرح عالم کو اپنا ثمرہ دیتا ہے تو اسی کو ''علم کا نفع'' کہا جاتا ہے اور جب علم کا نفع انسان کو حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اُس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے تو دل خشیتِ الٰہی سے بھر جاتا ہے اور خالقِ ذی الجلال کی ہیبت اور عظمت و محبت کے سامنے اُس کا نفس عاجزی اور فروتنی اختیار کرتا ہے اور جب دل میں خشیتِ الٰہی اور عاجزی و انکساری جیسی صفات پیدا ہو جائیں تو انسان کا نفس تھوڑی سی دنیا یعنی رزقِ حلال پر قناعت کر لیتا ہے اور اسی سے سیری اور آسودگی حاصل ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں قناعت اور تقویٰ (دنیا سے بے رغبتی) حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ اُن تمام فانی مال و جاہ اور فضول اخراجات سے بھی دُور بھاگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کی آخرت کی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے تیار کر رکھی ہیں' اُن میں کمی واقع ہو جائے اگرچہ وہ اللہ کے نزدیک مقرب ہو' پھر بھی وہ ڈرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں ہے:

''میرا بندہ نوافل اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے ترقی کرتے کرتے اتنا تقرب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اُسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر وہ جو مانگے' میں اُسے ضرور دیتا ہوں اور اگر کسی چیز سے پناہ چاہے تو میں ضرور اُسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہوں۔''

بس اِسی کیفیت کے حاصل ہونے کا نام معرفتِ الٰہی کا حصول ہے جس سے بندے کو اپنے رب سے خاص قسم کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب وہ جو کچھ بھی اُس سے مانگے گا' اللہ تعالیٰ ضرور اُس کی مراد پوری فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو جانے کا نام ''علم'' ہے۔

اور حتمی مرتبت ﷺ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو جو وصیتیں فرمائیں اُن میں سے ایک یہ ہے :
''تم اللہ کو یاد رکھا کرو، وہ تمہیں یاد رکھے گا' اللہ کو یاد رکھو' اُسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ خوش عیشی اور فراخی کے وقت اللہ تعالیٰ سے لَو لگاؤ اور اُس سے تعلق رکھو' وہ تنگی اور مشکلات کے وقت تمہارا خیال رکھے گا۔''

علمِ نافع کی علامات : (۱) علمِ نافع اپنے حامل کو دنیا کے پھندوں سے دُور رکھتا ہے جن میں سب سے زیادہ خطرناک ریاست' ناموری اور تعریف وتوصیف کی خواہش ہے۔ اگر بچنے بچانے کے باوجود ایسے شخص کو ان چیزوں میں سے کسی کا سامنا ہو جائے تو اُس پر بہت زیادہ خوف اور گھبراہٹ سوار ہو جاتی ہے کہ کہیں انجام بُرا نہ ہو' کہیں آزمائش وابتلا نہ ہو جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام جب مشہور ہوا اور اُن کا چرچا دُور دُور تک پھیل گیا تو اُنہیں اپنے بارے میں بہت خوف آتا تھا۔

(۲) علمِ نافع کا حامل علمیّت کے دعووں اور اُس پر فخر وغرور سے دُور رہتا ہے' وہ دوسروں کو جاہل نہیں ٹھہراتا' ہاں جو شخص احادیثِ مبارکہ اور محدّثین کی مخالفت کرتا ہو' اُسے جاہل ٹھہرانا قابلِ ملامت نہیں بلکہ قابلِ تعریف ہے۔ کیونکہ اُس وقت اُس کا بُرا بھلا کہنا اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور اپنی بڑائی جتانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اُس کا غصہ رب تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے۔

(۳) علمِ نافع کے حاملین علمائے اسلاف کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں اور دل وجان سے اُن کی فضیلت اور اُن کی برتری کے معترف ہوتے ہیں اور اُن مراتب تک اپنی رسائی کو محال سمجھتے ہیں۔

(۴) وہ اپنے سے بڑے مرتبہ والوں پر حسد نہ کرتا ہو اور اپنے سے کم مرتبہ والوں سے تمسخر نہ کرتا ہو۔ وہ علومِ الٰہیہ پر اجر وجزا نہ لیتا ہو۔ اس بات کے ہم معنیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فرمان منقول ہے کہ علمِ نافع والوں کا علم جتنا بڑھتا ہے' وہ اتنے ہی متواضع' خشیّتِ الٰہی اور عاجزی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

علمِ نافع کے سوال اور علمِ غیر نافع سے پناہ مانگنا : صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ یہ دعا فرماتے تھے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّایَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّایَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَاتَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَۃٍ لَا یُسْتَجَابُ لَھَا

''اے اللہ! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو' ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو' ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔''

نسائی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام یہ دعا فرماتے تھے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ

''اے اللہ! میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو نفع بخش ہو اور ایسے علم سے تیری حفاظت چاہتا ہوں جو نقصان پہنچانے والا ہو۔''

علمِ غیر نافع کا ذکر قرآنِ حکیم میں: اللہ تعالیٰ نے علمِ غیر نافع کا مذمت کے ساتھ ذکر فرمایا:

(۱) یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ O (الروم: ۷)

''یہ لوگ صرف دُنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بے خبر ہیں۔'' (۳۰:۷)

یعنی یہ لوگ دُنیوی زندگی کی ظاہری سطح، یہاں کی آسائش و آرائش، کھانا پینا، اوڑھنا، بونا، جوتنا، دھن دولت کمانا، مزے اڑانا پس یہی اُن کے علم و تحقیق کی انتہائی جولان گاہ ہے۔

(۲) فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ O (المؤمن: ۸۳)

''غرض جب اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے اُس علمِ معاش پر بڑے نازاں ہوئے جو اُنہیں حاصل تھا اور اُن پر وہ عذاب آپڑا جس کا وہ تمسخر کرتے تھے۔'' (۴۰:۸۳)

علمِ غیر نافع کی پہچان: (۱) جو علم نفع نہیں پہنچاتا، اُس کی پہچان یہ ہے کہ اُس کا حامل اپنے اوپر نازاں ہوتا ہے، فخر و غرور اُس کا شعار اور تعلّی اور لوگوں پر برتری اور مال و جاہ کی حرص و ہوس اُس کا مطمحِ نظر ہوتے ہیں۔ علماء سے فخر اور بے وقوفوں سے مقابلہ بازی اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا اُس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ اسی کے بارے میں فرمانِ رسول ﷺ بطورِ وعید ہے جس میں آپ نے تنبیہ کی:

''جو شخص علم کو اِن باتوں کی وجہ سے حاصل کرتا ہے، اُس کے لئے آگ ہے، آگ''

اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''عالم ہونے کا دعویٰ کرنے والا جاہل ہے۔''

(۲) غیر نافع علم کے حاملین حق بات قبول نہیں کرتے اور نہ حق بات سننے کے روادار ہوتے ہیں بلکہ حق گو سے خار کھاتے ہیں اور اُنہیں بہ نظرِ حقارت دیکھتے ہیں خصوصاً جبکہ لوگوں میں حق گو کا مرتبہ اُن کے مقابلہ میں کم ہو۔ وہ باطل پر اَڑے رہتے ہیں کہ کہیں لوگوں کو حق بات کا پتہ نہ چل جائے۔ وہ بسا اوقات لوگوں کے سامنے اپنی کی اور اپنے نفس کی تحقیر و تذلیل بھی کرنے لگتے ہیں حالانکہ یہ سب زبانی جمع خرچ (Lip-service) ہوتا ہے۔

افضل و اعلیٰ علوم: سب سے زیادہ فضیلت والا علم تفسیر و حدیث اور حلال و حرام کے متعلق وہ ہے

جو صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سے منقول ہو کر مشہور و مقتدیٰ فقہاء و ائمہ اسلام تک پہنچا ہو اور پھر معتبر ذرائع سے بعد والوں تک پہنچا ہو۔

حصولِ علم کی فرضیت و اہمیت : بطورِ معلّم آپ ﷺ نے حصولِ علم کی اہمیت پر زور دیا اور اُسے ہر مسلمان کے لئے لازمی اور ضروری قرار دیا۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَة" عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (ابن ماجه، باب: فضل العلماء)

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔''

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علم چاہے غیر مسلم سے بھی حاصل کرنا پڑے تو ضرور حاصل کیا جائے۔ جنگِ بدر کے کفار اسیران میں کچھ قیدی ایسے بھی تھے جن کے پاس فدیہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، یہی اُن کا فدیہ ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا: حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ چیز ہے، وہ اُسے جہاں پائے، وہی اس کا حقدار ہے۔

قرآن پاک کی پہلی وحی تعلیم و تعلم اور لکھنے پڑھنے سے متعلق تھی۔

سورۃ القلم میں خدائے قدوس نے قلم اور اُن جواہر پاروں کی قسم کھائی ہے جو قلم سے لکھے جاتے ہیں۔

اشاعتِ علم کی ضرورت : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ صرف حصولِ علم پر زور دیا ہے بلکہ اُسے آگے پھیلانے کی بھی تلقین کی۔ آپ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

(۱) بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (مسند احمد بن حنبل ۲/ ۱۵۹)

''میری تعلیم لوگوں تک پہنچا دو چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور بنی اسرائیل سے واقعات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''

(۲) اَلَا لِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّهٗ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى لَهٗ مِنْ سَامِعٍ (سنن ابن ماجہ، باب من بلغ علما)

''خبردار! حاضر شخص غائب تک میری تعلیم پہنچا دے کیونکہ بعض اوقات جس کی طرف علم پہنچایا جاتا ہے، وہ سننے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے۔''

(۳) اَفْضَلُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ (مسند احمد بن حنبل، جلد ۱، ص ص ۵۷، ۵۸)

’’تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید سیکھتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔‘‘

علم کی فضیلت از روئے احادیث مبارکہ:

(۱) عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (صحیح بخاری: کتاب العلم؛ صحیح مسلم: کتاب الزکوۃ؛ مسند احمد؛ سنن الدارمی)

’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کرنا چاہتا ہے، اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔‘‘

’’دین کی سمجھ‘‘ (فقاہت) سے مراد قرآن وحدیث کا فہم، دین کے مسائل واحکام کا علم اور حلال وحرام کی تمیز ہے۔

(۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُل ” آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَ رَجُل “ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (صحیح بخاری: کتاب العلم؛ صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین)

’’حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں: ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا، پھر اُسے راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور دوسرا وہ جسے اللہ نے دانائی سے نوازا، پس وہ اس کے ساتھ (لوگوں کے معاملات کے) فیصلے کرتا اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔‘‘

یہاں حَسَد رشک کے معنی میں ہے۔ حسد کرنا حرام ہے۔ اور اِس صورت میں رشک کرنا جائز ہے کہ جب انسان یہ دیکھے کہ فلاں پر مال و دولت کی شکل میں اللہ کا انعام و اِکرام ہو رہا ہے تو یہ آرزو کرے کاش! مجھے بھی اللہ کی طرف سے یہ نعمتیں حاصل ہوں اور میں بھی اُسی کی طرح اُسے راہِ حق میں خرچ کر کے رب کی رضا حاصل کروں۔ وہ حاسد کی طرح جلے کڑھے نہیں بلکہ خوش ہو کر اللہ سے دعا کرے۔ حکمت سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے کیونکہ یہی انسان کے لئے نافع ہے اور اس کے ذریعے ہی سے لوگوں کے درمیان صحیح فیصلے کئے جا سکتے ہیں۔ اس میں مال کے ساتھ علمِ نافع کے حاصل کرنے کی بھی ترغیب ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اِن دو چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز میں رشک کرنا جائز نہیں ہے (اور حسد کرنا تو بالکل حرام ہے)۔

(۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ (صحیح بخاری: کتاب المغازی؛ صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب: من فضائل علی ابن طالب رضی اللہ عنہ)

"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ کی قسم! تیرے ذریعے سے کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ کا ہدایت دے دینا تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔" (بخاری و مسلم)

"سرخ اونٹوں سے بہتر" ہر بہتر چیز کے لئے تمثیل ہے۔ عرب میں سرخ اونٹ بہت بیش قیمت ہوتا تھا۔ اس حدیث میں دعوت الی اللہ کی فضیلت اور لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانے کی ترغیب ہے۔ تاہم اس کے لئے پہلے ضروری ہے کہ انسان خود بھی ہدایت کے راستے سے آگاہ اور واقف ہو۔ اس لئے قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دیا جاسکتا۔

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ (صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم (دین) کی تلاش کے لئے کسی راہ پر چلے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت کی راہ آسان فرما دیتا ہے۔"

(۵) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْا لَهُ (صحیح مسلم: کتاب الوصیۃ)

"سابق راوی ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب اُسے ملتا رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے فائدہ اُٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اُس کے لئے دعائے خیر کرتی رہے۔"

"علم جس سے فائدہ اُٹھایا جائے" کا مطلب ہے دوسروں کو علم سکھانا یا تالیفات و تصنیفات کے ذریعے سے علم پھیلانا۔ جب تک اس کا سلسلہ تلمذ قائم اور کتابیں محفوظ و موجود رہیں گی اور لوگ اُن سے برابر فائدہ اٹھاتے رہیں گے تو اُن کا اجر بھی استاذ یا مصنف کتاب کو ملتا رہے گا۔ اولاد کی نیک تربیت بڑی ضروری ہے تاکہ وہ بعد از وفاتِ والدین اُن کے حق میں دعائے خیر کرتی رہے کیونکہ اولاد کی دعاء والدین کے حق میں مفید اور مستجاب ہے۔

(۶) وَعَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا (سنن ترمذی: کتاب الزھد)

"سابق راوی ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں سامان ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے متعلقات کے

اور عالم یا متعلم کے۔''

اس حدیثِ مبارکہ کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی دنیا اور اس کا ساز و سامان ملعون ہے بلکہ دُنیا کا وہ مال و متاع ملعون ہے جو انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دے یا اُس کے لئے ملعون ہے جسے دنیا میں اللہ یاد ہی نہ آئے۔ حدیث میں عالم اور متعلم کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

(۷) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ (سنن ترمذی: ابواب العلم)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے تو وہ لوٹنے کے وقت تک اللہ کی راہ میں (شمار) ہوتا ہے۔''

اس حدیث میں طلبِ علم کو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

(۸) عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى أَدْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَه، وَأَهْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ حَتّٰى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِي النَّاسِ الْخَيْرَ (سنن ترمذی)

''حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عابد پر عالم کی فضیلت ایسے ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ایک ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتے اور آسمان و زمین کی مخلوق حتیٰ کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلی تک (پانی میں) لوگوں کو بھلائی سکھلانے والوں پر (اپنے اپنے انداز میں) رحمت بھیجتی اور دعا کرتی ہیں۔''

چونکہ عابد کے نوافل اور کثرتِ ذکر کا فائدہ اُس کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے جبکہ عالم کے علم کا فیض دوسرے لوگوں تک بھی پہنچتا ہے اس لئے وہ عابد پر بہت زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ صلوٰۃ کی نسبت اگر اللہ کی طرف ہو تو معنی ہوتے ہیں رحمت بھیجنا، فرشتوں کی طرف ہو تو معنی ہیں مغفرت کی دعا کرنا اور دوسری مخلوق (انسان و حیوان) کی طرف ہو تو معنی ہوتے ہیں دعا و التجا کرنا۔ گویا معلمِ خیر پر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے، فرشتے اُس کی بخشش طلب کرتے ہیں اور دوسری مخلوق اُس کے حق میں خیر کی دعائیں کرتی ہے۔ اس میں عالم کی فضیلت اور علماء کی توقیر و تکریم کا بیان ہے۔

(۹) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ (سنن ابی داؤد: کتاب العلم؛ سنن ترمذی: ابواب العلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے علمِ دین کی کوئی بات پوچھی جائے، پھر وہ اُسے چُھپائے تو روزِ قیامت اُسے آگ کی لگام دی جائے گی۔''

''اِس سے معلوم ہوا کہ سائل کو دین کی صحیح بات نہ بتلانا سخت گناہِ کبیرہ ہے جس پر جہنم کی شدید وعید ہے۔ بدقسمتی سے فقہی جمود اور حزبی تعصب میں مبتلا حضرات اور اہلِ علم، کتمانِ علم (علم کو چُھپانے) کے اس جرمِ عظیم میں عام طور پر ملوّث ہیں۔ اللہ اُنہیں ہدایت عطا فرمائے''۔ (ریاض الصالحین۔۔امام النووی، ج ۲، ص ۳۰۹)

(۱۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَہٗ، کَمَا سَمِعَہٗ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ (سنن ترمذی : ابواب العلم)

''حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا : اللہ تعالیٰ اُس آدمی کو تروتازہ رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے، پھر وہ اُسے اِسی طرح دوسروں تک پہنچا دے جس طرح اُس نے سنا، اِس لئے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہیں بات پہنچائی جائے، سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

(۱۱) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ النَّاسِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِمًا اِتَّخَذَالنَّاسُ رُؤُوْسًا جُہَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا (صحیح بخاری : کتاب العلم ؛ صحیح مسلم : کتاب العلم، باب : رفع العلم وقبضہ)

''حضرت عبداللہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ علم اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اُسے لوگوں (کے سینوں) سے کھینچ لے لیکن وہ علم کو علماء کی وفات کے ذریعے سے اُٹھالے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہیں رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے۔ پس اُن سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور (یوں) خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

یہ قربِ قیامت کی ایک علامت کا بیان ہے کہ علمائے دین ناپید ہو جائیں گے اور جاہل لوگ پیشوا، سردار اور امام بن جائیں گے جو قرآن و حدیث کا علم نہ رکھنے کے باوجود مفتی اور مجتہد بنے ہوں گے اور اپنے فتوں اور خود ساختہ مسئلوں سے اپنے ساتھ دوسروں کی بھی گمراہی کا باعث بنیں گے۔ اِس میں جہاں اس امر کی ترغیب ہے کہ علمائے دین زیادہ سے زیادہ تیار کئے جائیں، وہاں اس کی بھی تاکید ہے کہ جاہلوں کو دین کا پیشوا بنانے سے گریز کیا جائے۔

(۱۲) عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَھَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًی بِمَا یَصْنَعُ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ حَتّٰی الْحِیْتَانُ فِی الْمَاءِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَہٗ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (سنن ابی داؤد: کتاب العلم باب الحث علی طلب العلم؛ سنن ترمذی: ابواب العلم باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: فرشتے طالب علم کے لئے اُس کے اس عمل سے خوش ہو کر اپنے پَر رکھ دیتے ہیں اور عالم کے لئے آسمان وزمین کی ہر مخلوق' حتی کہ مچھلیاں بھی پانی میں بخشش کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے' اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے اپنے ورثے میں دینار اور درہم نہیں چھوڑے' وہ تو (دین کا) علم ہی ورثے میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ پس جس شخص نے وہ علم حاصل کیا' اُس نے (شرف وفضل کا) ایک بڑا حصہ حاصل کیا۔''

فرشتوں کے پَر رکھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے پَروں کو بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں جیسے علم وذکر کی دوسری محفلوں کو وہ گھیر لیتے ہیں۔ (''ریاض الصالحین''۔۔۔امام یحیٰ بن شرف النووی' ج دوم' صفحہ ۳۰۸) امام ابن الاثیر الجزری (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں: ''فرشتوں کے پَر جُھکانے یا پَر بچھانے کا معنی یہ ہے کہ وہ طالب علم کی تعظیم اور توقیر کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنا اُڑنا موقوف کر کے طالب علم کے ساتھ رہنے کو اختیار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے پَروں پر طالب علم جہاں جانا چاہے' اُسے اٹھا کر لے جاتے ہیں یعنی اُس کی مدد کرتے ہیں۔''
(جامع الاصول' ج ۸' ص ۶' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ۔۔۔بحوالہ ''تبیان القرآن'' ج ۱۰' ص ۱۹۴)

ابن عبدالبرّ فرماتے ہیں: ''علم نیکی ہے اور نبی معظم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: علم حاصل کرو کہ علم صاحبِ علم کو حق وباطل کی تمیز سکھاتا ہے' جنت کا راستہ آسان بناتا ہے۔ جب دوست واحباب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں تو یہ ہمارا ساتھی ہوتا ہے۔ علم خوشی وشادمانی کی طرف ہماری راہ نمائی کرتا ہے' مصیبت میں ہمارا سہارا ہوتا ہے۔ علم دشمنوں کے خلاف ہتھیار ہے اور دوست واحباب میں زیور ہے۔ علم ہی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اقوامِ عالم کو رفعت اور بلندی بخشتا ہے' نیکی کے کاموں میں اُن کی راہ نمائی فرماتا ہے اور اُنہیں سیادت (سرداری) عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ اُن کے نقوش ہائے قدم کی پیروی کی جاتی ہے' اُن کے کارناموں کی نقل کی جاتی ہے' اُن کی آراء کو قبول کیا جاتا ہے اور اُنہیں تعظیم وتکریم بخشی جاتی ہے۔'' (''فضل العلم''۔۔۔ابن عبدالبرّ)

علاوہ ازیں نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ :

(۱) ایک فقیہ (احکامِ شرعیہ کا عالم) شیطان پر ایک ہزار عابدوں کی بہ نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے (سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۶۸۱ ؛ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۲ ؛ المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۱۰۹۹ ؛ مسند ابن عباس رقم الحدیث ۳۲۰۲)

(۲) طالب علم جاہلوں کے درمیان اس طرح ہے جس طرح زندہ مُردوں کے درمیان ہو (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۲۶)

(۳) طالب علم، طالبِ رحمت ہے۔ طالبِ علم اسلام کا رکن ہے، اُسے نبیوں کے ساتھ اجر دیا جائے گا۔
(کنز العمال رقم الحدیث ۲۸۷۲۹، ۲۸۸۳۴)

یہ اِنہی قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کا اثر تھا جنہوں نے عرب وعجم کے مسلمانوں کی دلچسپی کو اُبھارا اور اُنہوں نے علم کی طلب، (تلاش) میں دُور دراز کے سفر کئے اور اس طرح انسانی فکر اور ارتقاء کے پروان چڑھانے میں خاصا کردار ادا کیا۔ عربی زبان بہت ہی جلد طبیعیات، کیمیا، ارضیات، حیاتیات اور نباتیات وغیرہ جیسے مادّی علوم (Natural Sciences)، طب اور فلسفہ کی زبان ہوگئی۔ آٹھویں صدی کے آغاز سے تیرھویں صدی ہجری کے وسط تک اُمّتِ مسلمہ تمام دنیا میں تہذیب وتمدّن کی نمایاں اور ممتاز مشعل بردار ملت بن گئی اور یونان، ایران اور بھارت کے قدیم علوم اور ذہنی ورثے مغرب کو منتقل کئے گئے جس نے مغربی یورپ میں اِحیائے علوم کو ممکن بنا دیا۔

علم کے معاملے میں اسلام نے رنگ ونسل، عمر اور جنس کی قیود کو بھی ختم کر دیا اور بچوں، بوڑھوں، غلام وآزاد، گورے، کالے، مرد وعورت سب کے لئے علم کا حصول لازمی قرار دیا۔

<u>تعلیم اطفال کا تصوّر</u> : معلّمِ انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بچوں کی تعلیم پر خاص زور دیا ہے۔ بچوں کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکمتِ تعلیم ایک خاص نقطہ نظر دیتی ہے۔ آپ نے بچوں کے بارے میں فرمایا: ''بچے جنت کے باغوں کے پھول ہیں۔''

تمام انسانوں کی تخلیق فطرتِ اسلامی پر ہوئی جس کی بابت سورۃ الروم میں ارشاد ہوا :
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (الرّوم : ۳۰)
''اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت (اسلام) ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے (اسے اختیار کرلو)

اللہ کی پیدا کردہ (سرشت) میں تبدیلی نہیں ہو گی' یہ دینِ مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ (ان حقیقتوں کو) نہیں جانتے۔'' (۳۰:۳۰)

اس کی وضاحت اس حدیث میں کی گئی ہے :

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ ۔۔۔ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَأَيْتَ الَّذِيْ يَمُوْتُ وَهُوَ حَضر قَالَ :اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ (مؤطا امام مالک: کتاب الجنائز)

'' ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اُس کے والدین اُسے یہودی یا نصرانی یا آتش پرست بنا دیتے ہیں ۔۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی بچپن میں ہی فوت ہو جائے تو آپ نے فرمایا: اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ زندگی میں کیا کام کرتے ۔''

''اس کی تشریح اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ختمی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ ہر فرزندِ آدم کے اندر ایک آواز فرشتے کی ہوتی ہے اور ایک آواز شیطان کی ۔ یعنی اُس کے اندر خیر وشر کے دوگونہ رجحان پائے جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ اُسے تمیزِ خیر وشر کا میلان بھی دیا گیا ہے ۔ حدیث شریف میں ہے :

''انسان کے ساتھ شیطان اور فرشتہ کا وسوسہ ہوتا ہے ۔ شیطان کا وسوسہ یہ ہوتا ہے کہ برائی بار بار آتی ہے اور حق کو جھٹلایا جاتا ہے ۔ فرشتہ کا وسوسہ یہ ہوتا ہے کہ نیکی بار بار آتی ہے اور حق کی تصدیق ہوتی ہے ۔ پس جس شخص کو فرشتے کا وسوسہ آئے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو شخص دوسرا وسوسہ پائے تو وہ اللہ سے شیطان کی پناہ مانگے ۔'' (صحیح ترمذی: ابواب التفسیر سورۃ البقرۃ ۲۶۸' باب: اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ)

پھر آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی :

اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرۃ : ۲۶۸)

'' شیطان تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے ۔''

''اِس ارشادِ پاک کی رو سے یہ بات گھر' مدرسے اور معاشرے کی تعلیمی سرگرمیوں پر منحصر ہے کہ وہ بچے کے اندر نیکی کی ملکوتی آواز کو زوردار بنا دیں یا بدی کی شیطانی پکار کو غالب کر دیں ۔''

''بچوں کی تربیت کے سلسلے میں حضورِ اکرم ﷺ نے والدین کو تلقین کی کہ وہ اپنی ساری اولاد سے مساوات کا معاملہ کیا کریں ۔ مسند احمد بن حنبل میں یہ الفاظ ہیں :

قَارِبُوْا بَيْنَ أَبْنَاءِ كُمْ أَیْ سَوُّوْا بَيْنَهُمْ (مسند احمد بن حنبل ۲۶۸/۴)
''اپنی اولاد کو قریب قریب رکھو یعنی اُن کے درمیان مساوات قائم کرو۔''

ایک اور حدیث میں ہے:
مَا نَحِلَ وَالِدٌ وَلَدَهٗ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ (مسند احمد بن حنبل ۴۱۱/۳)
''والد اپنے بیٹے کو جو بہترین تحفہ دے سکتا ہے' وہ حسنِ ادب ہے۔''

ایک اور حدیث اس طرح ہے:
عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ أَبَاهُ نَحَلَ إِبْنًا لَهٗ غُلَامًا فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ يُشْهِدُ فَقَالَ: أَكُلَّ وَلَدِكَ قَدْ نَحَلْتَهٗ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: لَا قَالَ: فَارْدُدْهُ (ترمذی: کتاب الاحکام باب: ماجاء فی النحل والسویّة بین الولد)
''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُن کے والد نے اپنے ایک بیٹے کو غلام عطا کیا۔ وہ اُسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے تا کہ آپ کو گواہ بنایا جائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو یہ تحفہ دیا ہے؟ اُنہوں نے کہا: نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اُس سے (بھی) وہ تحفہ واپس لے لو۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اساتذہ کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ وہ تمام طلباء کے ساتھ مساویانہ سلوک کریں۔

''جنگِ بدر میں کفار کے قیدیوں میں سے جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے' اُن سے جرمانہ یا بیگار لینے کی بجائے اُنہیں دس دس بچوں کو کتابت سکھانے پر مامور کر دیا گیا۔ مساجد میں بچوں کی تعلیم کا انتظام ایک لازمی امر تھا۔ علاّمہ ذہبی ''طبقات القرّاء'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں سینکڑوں طلبہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حاضری لی تو سولہ سو (۱۶۰۰) کے قریب طلبہ تھے۔ آپؓ دس دس طلبہ کی جماعتیں بنا کر ایک ایک استاد کے سپرد کر دیتے اور خود مسجد میں ٹہلتے ہوئے اُن کی آوازوں پر کان لگائے رکھتے۔ قرأت و کتابت کے علاوہ بچوں کو شہسواری اور پیراکی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ بعد میں اموی اور عباسی خلفاء کے عہد میں عصری تقاضوں کے تحت حساب' جغرافیہ اور دیگر علوم بھی نصاب میں شامل کر دئیے گئے۔''

''**تعلیم نسواں کا تصوّر**: عہدِ رسالتمآب ﷺ میں چھوٹی بچیوں کے لئے گھریلو مدرسے قائم کئے گئے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گھر انہی مدارس میں سے ایک تھا۔ بڑی عمر کی عورتوں کی تعلیم و تربیت گھر کے مردوں کے ذمہ تھی۔ قرآنِ حکیم نے عورتوں کو اپنے گھر کے مردوں سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے:
وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب: ۳۴)

''اور تم اللہ کی آیتوں کو اور (رسول ﷺ کی) سنت وحکمت کو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے' یاد رکھا کرو۔'' (۳۴ : ۳۳)

''مردوں کے ذمہ اپنے گھر کی عورتوں بلکہ خادماؤں اور کنیزوں تک کی تعلیم وتربیت کا کام لگایا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین قسم کے لوگوں کے لئے دوہرے اجر کی خوشخبری دی ہے۔ اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنی کنیز کی تعلیم وتربیت کرے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے :

وَرَجُل'' كَانَتْ عِنْدَه' أَمَة'' فَادَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَادِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَه' أَجْرَانِ (صحيح بخاری : كتاب العلم)

''(اور اُن تین میں سے) ایک وہ شخص ہے جس کے پاس کنیز ہو' وہ اُسے اچھا ادب سکھائے اور اچھی تعلیم دے' پھر وہ اُسے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے آئے تو اُس کے لئے (بھی) دوہرا اجر ہے۔''

اس کے علاوہ بعض اوقات خود حضور ﷺ عورتوں کی تعلیم کے لئے خاص دن مقرر فرمایا کرتے تھے۔

''**تعلیم بالغاں کا تصوّر** : جو لوگ بچپن میں تعلیم وتعلّم سے بے بہرہ رہ جائیں' اُنہیں بھی اسلام نے علم سے محروم نہیں رہنے دیا اور فرمایا:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ

''پنگوڑے (بچپن) سے لے کر لحد (موت) تک علم حاصل کرتے رہو۔''

''ہجرت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجدِ نبوی میں ایک مکتب قائم کر دیا تھا جو 'صُفّہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک چبوترہ سا تھا جہاں اطرافِ ملک سے شائقینِ علم آکر مقیم ہوتے تھے اور حضور علیہ السلام اُن کے معلم تھے۔ یہ لوگ محنت مزدوری کر کے روزی کماتے اور پھر زیادہ وقت حضور ﷺ کی صحبت میں گزارتے۔ ان میں ہر عمر کے لوگ موجود ہوتے تھے۔''

''جو لوگ روزمرّہ کی ضروریات یا دُور رہائش کے سبب زیادہ وقت حضور علیہ السلام کی صحبت میں نہیں رہ سکتے تھے' وہ بھی اپنے لئے کوئی نہ کوئی وقت نکال لیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ مدینہ منوّرہ سے باہر ایک گاؤں میں رہتے تھے' اس لئے اُنہوں نے اپنے ایک انصاری ساتھی سے مل کر باری مقرر کر لی تھی۔ ایک دن ایک ساتھی حاضر ہوتا اور وہ جو کچھ سیکھتا' جا کر اپنے ساتھی کے ساتھ گاؤں میں مذاکرہ کر لیتا۔ دوسرے دن دوسرا ساتھی اسی طرح کرتا۔'' (بخاری: کتاب العلم بحوالہ ''معلم کی شخصیت وکردار'' از ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم' ص ص ۳۱۔۳۶)

اس کے علاوہ حضور ﷺ بیرونی قبائل کی درخواست پر اساتذہ اور مبلّغین روانہ فرمایا کرتے تھے جو

کھیتوں، حجروں میں جا کر لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔"

"غلاموں کی تعلیم کا تصوّر : اسلام نے اوّلیں کوشش تو یہ کی کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا غلام نہ رہے۔ بہ ایں ہمہ جو لوگ اُس زمانے میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، اُنہیں بھی اسلام نے زیورِ علم سے محروم نہیں رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ گورنر مکہ سے پوچھا کہ تم نے جنگلات کا افسر کسے مقرر کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ابن انبریؓ کو جو (کسی زمانے میں) غلام تھے۔ حضرت عمرؓ نے غلام کو امیر اور افسر بنانے کی وجہ پوچھی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ کتاب اللہ کا عالم ہے۔"

"حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام اور خادم عکرمہ رضی اللہ عنہ کی ایسی تعلیم و تربیت فرمائی کہ وہ بعد میں "حِبرُ الاُمّۃ" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔"

"مفت تعلیم کا نظریہ : اسلام نے تعلیم و تعلّم کی راہ میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹوں کو ختم کر دیا، بالخصوص مالی مشکلات کو اس راستے میں آڑے آنے نہیں دیا اور تعلیم کو مفت قرار دیا تاکہ علم صرف اصحابِ ثروت میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔"

"قرآنِ کریم نے یہودیوں کے اِس عملِ قبیح کی سخت مذمّت کی ہے کہ اُنہوں نے علمِ دین کو کسبِ زر کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ قرآن مجید نے اکثر انبیاء علیہم السلام کے اس قول کو نقل فرمایا ہے :

وَمَا اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡر (سورۃ الشُّعراء)

"اور میں تم سے اِس (تبلیغِ حق) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔"

"خود حضور ﷺ نے تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اصحابِ صُفّہ میں سے ایک شخص کو قرآن مجید کا کچھ حصّہ سکھایا۔ اُس نے خوش ہو کر اُنہیں ایک کمان دے دی۔ جب اس بارے میں حضرت عبادہؓ نے آنجناب ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا :

"اگر تو یہ پسند کرتا ہے کہ تیرے گلے میں آگ کی کمان ڈال دی جائے تو تو یہ قبول کر لے۔"

چنانچہ اُنہوں نے وہ کمان واپس کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ اور بعد کی اسلامی حکومتوں میں تعلیم ہمیشہ مفت رہی۔ اساتذہ کی تنخواہیں اور طلبہ کی حوصلہ افزائی اور مالی امداد کے لئے وظائف اور تحقیقی و علمی کام کرنے والے علماء کے لئے انعامات اور مدارس کے جملہ اخراجات بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام سرکاری حکام کو یہ حکم دیا تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے وظائف مقرر کر دئے

جائیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا خَيْرَ فِي مَنْ كَانَ مِنْ أُمَّتِي لَيْسَ بِعَالِمٍ وَلَا مُتَعَلِّمٍ

''میری اُمت کے اُس شخص سے خیر (کی کوئی توقع) نہیں جو عالم یا طالب علم نہ ہو (یعنی یا تو خود سیکھے یا اوروں کو سکھائے)۔''

''یہی وجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ ہی کے دور میں ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح تعلیمی نظام سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ عام شہروں اور قریبی قبائل میں تعلیم و تعلّم کا چرچا عام تھا۔ البتہ خانہ بدوش بدّو تعلیم سے گریز کرتے تھے۔ چنانچہ خلافتِ فاروقی میں ایک کمیٹی ابوسفیان نامی ایک شخص کی سربراہی میں اس غرض سے قائم کی گئی کہ وہ مختلف علاقوں کا دورہ کرے، تعلیمی معیار کا جائزہ لے تاکہ تعلیم سے گریز کرنے والوں کو سزا دی جائے۔ اسی طرح عام شہریوں کے لئے ضروری تھا کہ ہر شخص کم از کم سورۃ البقرۃ، سورۃ المائدۃ اور سورۃ النور لازمی طور پر سیکھے، اس لئے کہ ان سورتوں میں روزمرہ زندگی کے لئے احکام و فرائض مذکور ہیں۔ اس طرح اسلام نے ہر شہری کی لازمی تعلیم کا بندوبست حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل کر دیا۔'' (''معلم کی شخصیت و کردار''۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم، صفحات ۳۶ تا ۳۸)

''**تعلیم میں اعتدال**: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تعلیم میں اعتدال کو ہمیشہ نظر رکھتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اسی طریقۂ تعلیم کو اختیار کیا۔ حدیث شریف ہے:

كَانَ عَبْدُاللهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يذكر النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَه' رَجُل'': يَاأَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَرْتَنَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ: اما إِنَّه' لَيَمْنَعُنِيْ عَنْ ذٰلِكَ إِنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ وَإِنِّيْ أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تتخولنا بها مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا (مشکوٰۃ)

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے۔ ایک آدمی نے اُن سے کہا: اے ابوعبدالرحمن! میں چاہتا ہوں کہ آپ روزانہ ہمیں وعظ و نصیحت فرمایا کریں۔ آپؓ نے کہا: ایسا میں اس لئے نہیں کرتا کہ تم اُکتا نہ جاؤ۔ میں نصیحت کے معاملے میں اس طرح خبر گیری کرتا ہوں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ خبر گیری فرماتے تھے اور ہمارے اُکتا جانے کا خیال رکھتے تھے۔''

ادب واحترام کا خیال: تعلیم نبوی کا ایک مقصد ادب و احترامِ آدمیت سکھانا بھی ہے کیونکہ معلم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ مزکی و مربی بھی تھے۔ احترامِ آدمیت کے بارے میں آپ کا ارشادِ پاک ہے:

(۱) لَا يُقِيْمَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسَ فِيْهِ (صحیح ترمذی: کتاب الاستیذان)

''تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کو مجلس میں سے نہ اٹھائے کہ خود اُس کی جگہ پر بیٹھ جائے۔''

(۲) لَا يَحِلُّ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اِثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا (صحیح ترمذی: باب ماجاء فی کراھیۃ الجلوس بین الرجلین بغیر اذنھما
''کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ مجلس میں دو آدمیوں کو علیحدہ کر کے خود بیٹھ جائے' البتہ اُن کی اجازت سے۔''

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
''ایک بار رسولِ اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے اردگرد لوگ بھی تھے۔ تین آدمی داخل ہوئے۔ دو آدمی رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے آئے اور ایک واپس چلا گیا۔ جو دو کھڑے تھے' اُن میں سے ایک نے مجلس میں جہاں جگہ دیکھی' وہیں بیٹھ گیا۔ دوسرا مجلس کے آخر میں بیٹھ گیا۔ جب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتگو سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا میں تمہیں تین لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ایک نے اللہ سے پناہ مانگی تو اللہ نے اُسے پناہ دی۔ دوسرا شرمایا تو اللہ بھی اُس سے شرمایا۔ تیسرے نے منہ موڑا تو اللہ نے بھی اُس سے منہ موڑ لیا۔'' (فتح الباری: کتاب العلم)

''آپ ﷺ کی مجلسِ علم نہایت پُر وقار اور پُر سکون ہوتی تھی۔ صحابہ کرام ہمہ تن گوش ہو کر خوب غور سے آپ کی بات سنتے اور پُر سکون اور باادب بیٹھتے کہ اُن کے اس ادب اور سکون کو دیکھ کر دیکھنے والا یوں سمجھتا کہ گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ نیز صحابہ کرام کی تعداد اگر کم ہوتی تو آپ ﷺ اُن کے ساتھ بیٹھ کر اُنہیں پڑھاتے اور اگر تعداد زیادہ ہوتی تو آپ منبر پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پڑھاتے۔''

آنحضور ﷺ بامعنی سوالات کو پسند فرماتے تھے کیونکہ بامعنی سوال آدھا علم ہوتا ہے لیکن آپ کثرتِ سوالات اور مابعد الطبیعیاتی (Metaphysical) سوالات کو ناپسند فرماتے تھے مثلاً تقدیر کے بارے میں سوال کرنا' خدا کی ابتداء کے بارے میں سوال کرنا۔ آپ نے فرمایا (بحوالہ مسند احمد بن حنبل ۲/۳۲۷):
اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا وَرَضِيَ لَكُمْ ثَلَاثًا اَنْ تَعْبُدُوْهُ لَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ شَيْئًا وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَاَنْ تَنْصَحُوْا لِوُلَاةِ الْاَمْرِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ
''اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تمہارے لئے ناپسند کیا ہے اور تین کو پسند کیا ہے: پسندیدہ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم صرف اُسی کی عبادت کرو' اُس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور تم سب اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو' اپنے حاکموں کے لئے خیر خواہی کرتے رہو۔ تین ناپسندیدہ باتیں یہ ہیں: فضول باتیں کرنا' مال کو ضائع کرنا اور کثرت سے سوال پوچھنا (جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔''

علمی اور جسمانی تعلیم: اِن دونوں کا ذکر علی الترتیب ذیل کی آیات میں آیا ہے:۔
(۱) كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ٥ (البقرۃ: ۱۵۱)

''جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تمہارے رُوبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے' اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اُس کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔'' (۲: ۱۵۱)

(۲) اِنَّ اللهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرۃ: ۲۴۷)

''بے شک اللہ نے اُسے (طالوت کو) تمہارے مقابلہ میں منتخب کر لیا ہے اور اُسے علم اور جسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے۔'' (۲: ۲۴۷)

''**سزا کے بارے میں حکم**: تعلیم کے دوران سزا کے بارے میں ختمی مرتبت ﷺ نے فرمایا:

أَنْفِقْ عَلٰى عَيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا وَأَخِفْهُمْ فِى اللهِ

''اپنی اولاد پر اپنی دولت میں سے خرچ کرو' اُنہیں ادب سکھانے کے لئے ڈنڈا استعمال کرو مگر خدا کے لئے سزا میں نرمی اختیار کرو۔'' (مسند احمد بن حنبل ۲/ ۴۱۱)

''آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ سات سال کی عمر سے شدید ضرورت کے تحت سزا دی جا سکتی ہے' دوسرا یہ کہ ایسی جسمانی سزا نہیں دینی چاہئے جو نشان چھوڑنے والی ہو۔ سخت قسم کے تھپڑ یا گھونسے نہیں لگانے چاہئیں۔ یہ ضروری نہیں کہ سزا جسمانی ہی ہو بلکہ اس کی دوسری صورتیں بھی ہیں۔''

''آپ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا' نہ کسی عورت کو' نہ کسی بچے بوڑھے کو' نہ ہی کسی خادم اور غلام کو اور نہ ہی کسی سواری والے جانور کو۔''

''**علامہ ابن خلدون نے طلبہ پر سختی کو مضر قرار دیا ہے**: یہ بات اہم ہے کہ تعلیم کے سلسلے میں مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ مضر ہے' خصوصاً چھوٹے بچوں کے حق میں' کیونکہ یہ استاد کی نااہلی اور غلط تعلیم کی نشانی ہے۔ جن بچوں کی نشوونما ڈانٹ ڈپٹ اور قہر و تشدد سے ہوتی ہے' خواہ وہ پڑھنے والے بچے ہوں' یا لونڈی غلام ہوں یا نوکر چاکر ہوں' اُن کے دل و دماغ پر استاد کا قہر ہی چھایا رہتا ہے' اُن بے چاروں کی طبیعت بجھ کر رہ جاتی ہے' امنگ و حوصلہ پست ہو جاتا ہے' شوق و ذوق جاتا رہتا ہے اور طبیعت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو دماغ ہی معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور اخذِ علم کی صلاحیت اور خودداری سلب ہو جاتے ہیں۔ نیز تشدد سے جھوٹ اور بدباطنی جیسی خبیث عادتیں جنم لیتی ہیں۔'' (''معلم کی شخصیت و کردار'' ۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم' ص ص ۴۰۔

''**طلبہ کی اخلاقی تربیت کے اصول**: مسلمان مفکرین نے جہاں مطالعہ اسلام کی روشنی میں اساتذہ کی تربیت کے لئے کچھ اصول منضبط کئے' وہاں اُنہوں نے معلّمِ انسانیت ﷺ کے کردار و عمل کی روشنی میں

طلبہ کی سیرت کی نشو ونما اور اخلاقی تربیت کے لئے کئی ایک مفید اصول متعین کئے اور بتایا کہ بچے کی تہذیب و تربیت ایک نہایت ضروری امر ہے۔ وہ اپنے والدین اور اساتذہ کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ چند ایک اصول حسب ذیل ہیں:

(۱) بچے کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز پاکیزگی نفس ہے۔
(۲) بچے میں پہلے غذا سے رغبت پیدا ہوتی ہے' اس لئے اُس کی تعلیم کی ابتدا کھانے کے آداب سے کرنی چاہیئے۔
(۳) بچے کو محنت اور مشقت کا عادی بنایا جائے۔
(۴) بچے کو سادہ اور سفید کپڑے پہننے کا شوق دلایا جائے۔
(۵) جب شاگرد کوئی اچھا کام کرے تو تعریف کر کے اُس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اُسے انعام وصلہ دینا چاہیئے۔
(۶) دن میں کام کے وقت سونے سے منع کرنا چاہیئے اور صرف دو پہر کو سونے کی ترغیب دی جائے۔
(۷) اس بات پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے کہ بچہ کوئی کام چھپ کر نہ کرے۔ اُس کی خلوت و جلوت دونوں حالتوں پر والدین اور اساتذہ کی کڑی نگاہ ہونی چاہیئے۔
(۸) ہر روز کچھ پیدل چلنا اور ورزش کرنا بچے کے لئے ضروری ہے نیز اُسے مناسب کھیل کھیلنے کا موقع دیا جائے۔
(۹) اس امر کی بچے کو سخت تاکید کی جائے کہ اپنے پڑھنے لکھنے کے عمدہ سامان پر فخر و غرور نہیں کرنا چاہیئے
(۱۰) بچہ اگر غریب ہو تو اُسے بتایا جائے کہ کسی سے کچھ لینا حوصلہ مندی کے خلاف ہے۔
(۱۱) جب تک طالب علم کسی ایک فن کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات حاصل نہ کر لے' اُسے کسی دوسرے فن کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیئے۔
(۱۲) بچوں میں اس بات کا جذبہ پیدا کیا جائے کہ تمام علوم کی تحصیل کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

"صُفّہ دنیا کی سب سے پہلی دانش گاہ : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجدِ نبوی میں ایک باقاعدہ مکتب قائم کیا جو "صُفّہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک چبوترہ ہے جو مسجدِ نبوی کی شمالی جانب واقع ہے جس میں ملک کے طول و عرض سے شائقینِ علم آکر مقیم ہوتے تھے۔ ان کے معلم خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ تعلیم کا یہ سلسلہ چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے جاری رہتا تھا۔ اصحابِ صُفّہ کی تعداد تقریباً چار سو تک تھی۔ حضرت بلال' حضرت صُہیب رومی' حضرت عمار بن یاسر' حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم صُفّہ کی اسی درسگاہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں جو لوگ قرآن کی تعلیم زبانی حاصل کر لیتے' وہ "قُراء" کہلاتے تھے۔"

"اصحابِ صُفّہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ یہ لوگ محنت مزدوری کر کے روزی کماتے اور پھر زیادہ سے زیادہ وقت حضور ﷺ کی صحبت میں گزارنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگوں کو کبھی کبھی فاقے بھی برداشت کرنا پڑتے تھے لیکن نہ تو اُن کی آتشِ شوق کبھی سرد ہوئی اور نہ ہی اُن کی خودداری دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کو برداشت کرتی تھی۔ ربِّ ذوالجلال والاکرام نے غالباً انہی کی تعریف میں فرمایا ہے:

۳۰۵۷ (علم وتلمذ)

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ لَا يَسۡـَٔـلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا (البقرۃ : ۲۷۳)

''(اصل) حق اُن حاجتمندوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں' ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے' ناواقف اُن کی احتیاطِ سوال کے باعث اُنہیں غنی خیال کرتا ہے' تو اُنہیں اُن کے بشرہ ہی سے پہچان لے گا' وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔'' (۲ : ۲۷۳)

''اہلِ مدینہ بھی اُن کی مدد کر دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تربیت حاصل کر کے اپنے اپنے قبیلے کو تعلیم دیتے تھے۔ بعض اوقات اگر کسی علاقے سے معلمین کی فراہمی کی درخواست آتی تو حضور ﷺ اصحابِ صُفّہ میں سے کچھ لوگ بھیج دیا کرتے۔ صُفّہ دنیا کی پہلی اقامتی دانش گاہ (یونیورسٹی) تھی جس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی دی جاتی تھی۔''

''حضور ﷺ معاشرے کی تعلیمی حالت سُدھارنے کے کس قدر خواہشمند تھے' اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کفارِ مکہ کے ستر قیدی جنگِ بدر میں آپ کے ہاتھ آئے جنہیں بعد میں زرِ فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ ان قیدیوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زرِ فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے لیکن وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے اُن کی رہائی کے لئے یہ شرط عائد کی کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ دنیا میں یہ شاید پہلی مثال ہے کہ کسی رہنما نے قیدیوں سے حصولِ علم کا کام لیا ہو۔ قیدیوں سے بالعموم جسمانی مشقت لی جاتی ہے' سڑکیں اور عمارتیں تعمیر کرائی جاتی ہیں' کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرایا جاتا ہے لیکن معلّمی کا کام لینے کی یہ پہلی اور انوکھی مثال ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کس کس طریقے سے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دُور فرمانے میں کوشاں تھے۔''

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلیمی انقلاب اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ آپ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو بھی لازمی قرار دیا۔ قرآن نے بھی آپ کو صرف معلّم ہی نہیں بلکہ مزکّی بھی قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ (البقرۃ : ۱۲۹)

''وہ اُنہیں (یعنی مسلمانوں کو) اللہ کی آیات سناتا ہے' اُنہیں پاک کرتا ہے اور اُنہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (۲ : ۱۲۹)

''کتاب وحکمت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ کا ذکرِ خاص اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ صرف معلومات میں اضافے کو ہی تعلیم نہیں سمجھتے تھے بلکہ لوگوں کی اخلاقی اصلاح کو بھی جزوِ تعلیم قرار دیتے تھے۔ آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے تعلیم کو تزکیہ سے علیحدہ کر رکھا ہے' لہٰذا ہمارے ہاں پڑھ لکھ کر بھی بعض لوگ انسان نہیں بنتے۔ اُن کی اخلاقی تربیت خام رہ جاتی ہے اور وہ اپنے علم کو خواہشات کی تسکین اور حصولِ معاش کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔''

''علم کا مقصد زندگی کو مفید تر اور پاکیزہ تر بنانا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب علم حاصل کرنے والا علم پر عمل بھی کرے۔ اگر وہ عمل نہیں کرتا تو ایسے علم کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالمِ بے عمل کو چراغ کے فتیلہ سے تشبیہ دی ہے جو لوگوں کے لئے تو روشنی مہیا کرتا ہے لیکن خود جل کر رہ جاتا ہے۔ آپ ﷺ اپنی دعاؤں میں بے فائدہ علم سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ قیامت کے دن سب سے شدید عذاب اُس عالم کو ہوگا جس کے علم نے اُسے کچھ فائدہ نہیں دیا۔''

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بناء پر بھی دنیا کے سب سے بڑے معلم اور محرکِ تعلیم ہیں کہ آپ نے علم پر سے مخصوص طبقوں کی اجارہ داری ختم کر دی۔ آپ ﷺ سے قبل علم ہر شخص کی دسترس میں نہ تھا۔ مثلاً ہندو برہمن، یہودی احبار اور عیسائی رُہبان علم کے خزانوں پر سانپ بن کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس برہمیت کو ختم کر دیا اور علم کا دروازہ نہ صرف ہر ایک کے لئے کھول دیا بلکہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض کر دیا۔ یہ ایک انقلابی اِقدام تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں حتیٰ کہ غلاموں میں بھی بڑے بڑے عالم پیدا ہونے شروع ہو گئے اور مسلم خواتین بھی حصولِ علم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگیں۔''

''حضور اکرم ﷺ نے تعلیم کو با مقصد، ضروری اور مفت بنا کر دنیائے علم میں زبردست انقلاب برپا کیا جس سے دنیا پر علم کی نئی راہیں کھلیں۔'' (''معلم کی شخصیت و کردار'' ۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم، ص ص ۵۳-۵۵)

''معلم کی جسمانی خصوصیات: معلّم اپنے کام کو اُس وقت تک سرانجام نہیں دے سکتا جب تک اُس میں مندرجہ ذیل جسمانی خصوصیات نہ پائی جائیں:

(۱) معلّم صحت مند ہو۔ کمزوری اور بیماریوں سے مبرّا ہو۔ مریض استاد اپنا فرضِ منصبی اس طرح ادا نہیں کر سکتا جس طرح صحت مند استاد کر سکتا ہے۔ بیماری اُسے اپنے فرائض کی انجام دہی سے روک دیتی ہے اور طلباء اپنی تعلیمی زندگی میں بہت سے مفید مواقع سے محروم رہ جاتے ہیں۔

(۲) معلم جسمانی نقائص سے مبرّا ہو جیسے بہرہ پن، کانا ہونا، اٹک کر بولنا اور زبان میں لکنت وغیرہ کا ہونا کیونکہ یہ عیوب فطرۃً اُسے اُس کے کام کرنے سے قاصر کر دیتے ہیں جس کے سبب طلباء اُس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اُس پر تنقید کرتے ہیں۔ ان عیوب میں سے پنڈلیوں کا مڑنا، کبڑہ پن، ظاہری سوجن اور غدود کا باہر نکلنا بھی شامل ہے۔

(۳) استاد چست ہو کیونکہ سست استاد اپنے کام میں لاپرواہی کرتا ہے اور وہ سرگرم متحرک استاد کی طرح اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ کبھی یہ سستی عادتاً ہوتی ہے، کمزوری یا بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی اور کبھی سستی کی بنیاد نفسیاتی کمزوری ہوتی ہے۔ بہرحال شاگرد ہی کو اس سستی کے نتیجے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

(۴) معلم خوش لباس، صاف ستھرا اور منظم ہو کیونکہ معلم شاگردوں کے لئے نمونہ ہوتا ہے۔ اُس کا اپنے لباس کی طرف توجہ نہ دینا بسا اوقات عدمِ احترام کا باعث بنتا ہے۔ اچھے لباس میں رنگوں کا انتخاب بھی شامل ہے۔

استاد کی عقلی خصوصیات : خواہ اساتذہ نرسری، پرائمری سکول سے تعلق رکھتے ہوں یا اعلیٰ تعلیمی اداروں سے وابستہ ہوں، اُن کی ذہنی سطح بلند و بالا ہونی چاہئے۔ اس کے لئے مطلوبہ عقلی خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) **ذہانت** : علم حاصل کرنے کے لئے استاد کا ایک خاص ذہنی معیار تک پہنچنا ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا معیار ہے جس تک ذہانت کے بغیر درسی مضامین تک رسائی ناممکن ہے۔ استاد کا شاگردوں اور اُن کی مشکلات سے مسلسل رابطہ ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکمت و دانائی سے کام لے اور مشکلات کو حل کرنے کے قابل ہو۔ اگر استاد ذہین نہیں تو وہ طلبہ کی مشکلات اور اُن کے مسائل کو کیسے حل کر سکتا ہے؟

(۲) **مضمون میں مہارت** : اپنے مضمون میں مہارت پیدا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ استاد کی اپنے مضمون میں کمزوری اُسے طلبہ تک علم پہنچانے میں قاصر بنا دے گی۔ وہ اُنہیں اس کے بارے میں غلط علم دے گا۔ پھر یہ کمزوری طلبہ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائے گی اور وہ اُن کی نظروں میں گر جائے گا۔ ایسی صورتِ حال میں معلم کے لئے اپنا کام سرانجام دینا بہت مشکل ہو جائے گا۔ معلم کے لئے مضمون سے متعلقہ چیز کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کر دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس بات کے کہ وہ طلباء کو غلط معلومات دے اور کہے کہ یہ صحیح ہے۔

(۳) **طلباء کی نفسیات کا لحاظ** : استاد کا اپنے ہر ایک شاگرد سے اُس کی خاص ذہنیت اور نفسیات کے مطابق معاملہ کر سکنا انتہائی اہم ہے۔

(۴) **تدریسی قواعد میں مہارت** : تدریسی قواعد میں مہارت پیدا کرنا جو شاگرد اور مضمون کے لئے مناسب ہوں، استاد کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

(۵) **طبعی رُجحان** : معلم فطری طور پر تدریس کے لئے تیار ہو اور اس کی طرف طبعی رجحان رکھتا ہو۔ جب تک استاد کا طبعی رجحان (میلان) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ صلاحیت نہ ہو، تو وہ اُس وقت تک اعلیٰ درجے کا معلم نہیں بن سکتا۔

(۶) **جدید معلومات و تجربات سے واقفیت** : استاد اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرے۔ بسا اوقات طلبہ کی معلومات اساتذہ سے زیادہ ہوتی ہیں اور محدود معلومات رکھنے والا استاد تنگ نظر ہوتا ہے اور جب کوئی ذہین و ہوشیار طالب علم اُس سے سوال یا بحث کرتا ہے تو اُسے غلطیوں کا سامنا

کرنا پڑتا ہے حالانکہ معلومات وقتاً فوقتاً بڑھتی رہتی ہیں۔ اس لئے معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن نئی تربیتی اور نفسیاتی آراء سے واقفیت حاصل کرے جو اُس کے پیشے سے تعلق رکھتی ہوں۔''

(۷) اخلاقیات و سیاسیات سے واقفیت: استاد کو اخلاقیات اور سیاسیات سے واقف ہونا چاہئے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ درحقیقت معاشرے کی تشکیل کر رہا ہے اور اس معاشرے کے بچے کو تیار کر رہا ہے جو اُس کا حصہ ہے۔ اُس کی یہ تیاری اُس وقت تک صحت مند اور مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہ معاشرے کے اخلاقی اور سیاسی معیار کو جان نہیں لیتا حتی کہ بچے کو بنانے اور اس کی تربیت میں ان اخلاقی قدروں کو ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔

معلم کی اخلاقی خصوصیات: استاد جس طرح بچوں کی جسمانی اور ذہنی تربیت کرتا ہے' اُسی طرح وہ اُن کی اخلاقی اور روحانی تربیت بھی کرتا ہے۔ استاد ایک مثالی نمونہ ہوتا ہے جس سے متاثر ہو کر بچے اُس کی اقتداء کرتے ہیں۔ اُس کا کردار اور رویہ بچوں کے لئے زبردست فعّال ہوتا ہے۔ اس لئے استاد کو صفاتِ حسنہ اپنانی چاہئیں جو درج ذیل ہیں:۔

(۱) طلباء کے ساتھ مہربانی اور نرمی: استاد طلباء پر سخت گیر اور سنگدل نہ ہو کہ طلباء اس سے نفرت کرنے لگیں' اُس سے استفادہ کرنے سے گریز کریں اور اس کے پاس آنا جانا' اٹھنا بیٹھنا ختم کر دیں۔ وہ اُن پر اس قدر بھی مہربان نہ ہو کہ استاد اُن سے کسی چیز کا لالچ کرنے لگ جائے اور اپنا احترام کھو بیٹھے جس سے نظم وضبط بھی جاتا رہے۔

(۲) صبر وتحمل اور برداشت: بچے غیر پختہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں' اُنہیں احساسِ ذمہ داری کا علم نہیں ہوتا۔ وہ حسنِ تدبیر اور حکمتِ عملی کے محتاج ہوتے ہیں اور استاد کا بچوں کی نفسیات کو سمجھنا اُس وقت تک مفید نہیں ہو سکتا جب تک وہ اُن کے معاملات میں پُر امید اور مخلص نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عورتیں بچوں کی تعلیم وتربیت میں مَردوں کے مقابلے میں زیادہ باصلاحیت ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں صبر وتحمل اور مشقت کا مادہ مَردوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے اور اس کے علاوہ ممتا کی خصوصیت کی بناء پر وہ مَردوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔

(۳) عقلمندی اور ہوشیاری: استاد تنگ نظر' بداخلاق' کنجوس اور تیز غصے والا نہ ہو ورنہ وہ طلباء کے سامنے اپنے وقار واحترام کو کھو بیٹھے گا۔ تندرُو' غیر مستقل مزاج اور جلد طیش میں آنے والا شخص تدریس کے مقدس پیشہ کی طرف نہ آئے۔

(۴) وہ اپنے کام میں مخلص ہو' اس سے محبت کرے اور اس سے دلی لگاؤ رکھے۔

(۵) وہ اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کے ساتھ فطری رویہ اپنائے اور تکلف نہ کرے۔ اُسے نبی ﷺ

کے اُسوۂ حسنہ کے اس پہلو کا بطورِ خاص خیال رکھنا چاہئے جس کے متعلق قرآن نے فرمایا :

مَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ O (سورہ صٓ : ۸۶)

''میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' (۸۶ : ۳۸)

(۶) غلطیوں کی اصلاح مثبت انداز سے کرنا : یعنی جماعت سے باہر نکالنے سے گریز کرنا' تھوڑے سے وقفے کے بعد پہلے طالب علم کو دوبارہ موقع دینا وغیرہ۔

(۷) مسکراہٹ' اشاروں اور اچھی باتوں کے ذریعے طلباء کو حصولِ علم کا شوق دلانا' مثلاً حَسَنًا (خوب)' شُکْرًا' اَحْسَنْتَ (اچھا کیا) اور جَزَاکُمُ اللّٰہ کے الفاظ کہنا۔ تحسین کے ایسے الفاظ سے طلباء میں حوصلہ مندی اور کام میں لگن پیدا ہوتی ہے۔

''بعثتِ نبوی سے قبل تعلیمی صورتِ حال : امام الانبیاء ﷺ کی بعثت سے قبل عرب کے پورے ملک میں جہالت کا دَور دَورہ تھا۔ کہیں کوئی سکول یا مدرسہ نہ تھا۔ گنتی کے چند پڑھے لکھے وہ لوگ تھے جنہیں تجارت کے سلسلے میں دوسرے ممالک میں جانا پڑتا تھا۔ مکہ مکرّمہ پورے ملک کا مرکزی شہر تھا جہاں ہر طرف سے لوگ حج کے لئے آیا کرتے تھے۔ اِس مرکزی شہر کی پوری آبادی میں سے صرف سترہ اشخاص ایسے تھے جو معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اِس سے پورے ملک کی تعلیمی حالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہودِ مدینہ جو تھوڑے بہت پڑھے لکھے تھے' عربوں کو حقارت سے ''اُمّی'' یعنی اَن پڑھ کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنے اشعار زبانی تو یاد تھے لیکن ان اشعار کو تحریر میں لانے کا رواج نہیں تھا۔ لہٰذا یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے قبل کا عرب معاشرہ کسی قسم کی علمی تحریک سے آشنا نہ تھا۔''

''ظہورِ اسلام کے وقت دُنیائے بشری میں اخلاقی انحطاط' حیوانی ہوس رانی اور عیش وعشرت کا ایسا زبردست سیلاب آیا تھا جس نے نوعِ انسانی کے جملہ اعلیٰ اقدار اور بلند محاسن کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر معاشرہ کی عمارت کو متزلزل کر دیا تھا۔ ایرانی' رومی' برہمنی' کلیسائی' یہودی اور دیگر مروّجہ نظام ہائے تعلیم وتربیت اور اصولِ تمدّن ومعاشرت میں آسمانی ہدایت وروشنی اور انبیاء علیہم السلام کی عملی سیرتوں کے نمونے یا تو کلی طور مفقود تھے' یا پھر اُن میں کتمان' تحریف اور حق فروشی کی وجہ سے انسانی افکار وخیالات اور حیوانی طرق وتدابیر کا اضافہ کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں روئے زمین پر کسی کے پاس بھی تو اللہ تعالیٰ کا پیغام اور نہ ہی وقت کی عملی سیرت اپنی اصلی الہامی شکل وصورت میں موجود نہ تھی۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس ممزوج ومرکب علم پر چند افراد یا خاندانوں اور طبقوں کا قبضۂ کُلّی اور نا قابلِ شکست اجارہ داری تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ نوعِ انسانی کی عظیم اکثریت جہل ونادانی اور ناخواندگی کا شکار چوپایوں کی سی زندگی بسر کر رہی تھی۔''

''روم میں عیسائی تسلط کے بعد علم اور اہلِ علم پر جو تباہی گزری' وہ تاریخِ انسانی کا انتہائی بدنما باب ہے۔ دین کے نام پر عملی بات کو غیر مسیحی قرار دے کر فنا کر دیا گیا۔ مجالسِ تفتیش و احتساب قائم ہوئیں اور جس شخص پر بھی صاحبِ علم ہونے کا الزام لگتا' وہ جور و استبداد کی چکی میں پس جاتا۔ محکمہ احتساب نے لاکھوں آدمیوں کو سزائیں دیں جن میں سے بتیس (۳۲) ہزار صرف وہ بدنصیب تھے جنہیں زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔''

''یہودیوں میں اَحبار اور رُہبان (علماء اور مذہبی پیشواؤں) نے علم پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور عوام کو ''اُمّی'' قرار دے کر تعلیم و تعلم کو اُن کے لئے شجرِ ممنوعہ قرار دے دیا گیا تھا اور اس طرح علم عوام کی دسترس سے باہر تھا۔''

''ہندو اپنے قدیم علوم کا بڑا چرچا کرتے تھے لیکن اُن کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا کہ یہ علوم صرف برہمنوں تک ہی کیوں محدود تھے اور غیر برہمن اُنہیں کیوں حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ ہندوؤں کے ہاں ذات پات کی تمیز آج بھی بڑی سخت ہے لیکن آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل حالت یہ تھی کہ شودر کے کان میں اگر وید کی آواز بھی پڑ جاتی تو اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اُنڈیل دیا جاتا تھا۔ اِسی لئے شودر ہاتھ میں لاٹھی لے کر زمین پر ''ٹھک ٹھک'' کی آواز نکال کر چلتا تھا تاکہ برہمن یہ آواز سن کر کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جائے اور شودر بیچارے کو خواہ مخواہ اپنے کانوں سے محروم نہ ہونا پڑے۔''

''ان تاریخی حقائق سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام سے پہلے علم پر مخصوص طبقوں کی اجارہ داری قائم تھی اور مٹھی بھر لوگ علم کے ذریعے اپنی برتری قائم کر کے اُسے عام لوگوں کے استحصال کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔'' (''معلم کی شخصیت و کردار''۔۔۔ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم' صفحات ۵۰' ۵۶۔۵۸)

''**امام المُرسلین ﷺ بہ حیثیت معلّم**: دُنیا کے مؤرّخین اس بات پر حیران ہیں کہ حضور ﷺ جنہوں نے اگرچہ خود کسی مدرسہ سے تعلیم حاصل نہیں کی' کس طرح ایک زبردست علمی تحریک کے محرّک ثابت ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل کے اہلِ عرب اَن پڑھ اور جاہلِ مطلق تھے لیکن حضور علیہ السلام کے فیضِ صحبت سے وہ دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف خود زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو گئے بلکہ اُن کی قیادت میں ایک ایسی علمی تحریک برپا ہوئی جو آئندہ کئی صدیوں تک دنیا کو علم کی روشنی سے منور کرتی رہی۔ کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ یہ ''اُمی'' لوگ چند ہی برسوں میں پڑھی لکھی دنیا کو درسِ علم دینے لگے اور ایک صدی بعد بھی گزرنے نہیں پائی تھی کہ دنیا بھر کا علمی خزانہ عربی زبان میں منتقل ہو گیا۔''

آپ ﷺ کا مشہور ارشاد ہے کہ ''مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' اِسی ایک فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو معلم بنانے والی ہستی خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے (سورۃ النساء: ۱۱۳) اور آپ صحیح معنوں میں تلمیذ الرحمٰن

یعنی اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے علم میں اضافے کی دعا کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف خود علم حاصل کرنے کا حکم دیا بلکہ حاصل کردہ علم کو دوسروں تک پہنچانے کی بھی پُر زور ہدایت فرمائی۔ آپ کا ارشاد ہے: بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً (مجھ سے جو سنو' آگے پہنچا دو اگرچہ وہ ایک ہی آیت ہو)۔ یعنی تبلیغ مسلسل کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہونے پائے اور ہر نسل اپنا علم آنے والی نسل کو منتقل کرتی جائے۔ اشاعتِ تعلیم کے سلسلے میں رسالت مآب ﷺ کے چند مزید ارشادات درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اُس بندے کو خوش رکھے جس نے میرا کلام سنا' اُسے یاد رکھا اور پھر آگے پہنچایا۔

(۲) اللہ بزرگ و برتر سب سے بڑا فیاض ہے اور میں اولادِ آدم میں فیاض ترین ہوں۔ میرے بعد تم میں فیاض ترین وہ ہوگا جس نے علم سیکھا اور پھر اُس کی اشاعت کی۔ ایسا شخص قیامت کے دن تنہا (پوری) امت کی شان سے اٹھایا جائے گا۔

(۳) اگر کسی سے علم کے بارے میں کوئی بات پوچھی جائے اور وہ جانتے بوجھتے ہوئے نہ بتائے تو قیامت کے دن اُسے آگ کی لگام دی جائے گی۔

"**نبی کریم ﷺ کے طریقہ ہائے تدریس**: حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ تعلیم بڑا مؤثر اور پُر کشش تھا۔ موجودہ دَور کی طرح آپ نے دو چار یا دس سال کا نصاب مقرر نہیں فرمایا تھا اور جس شخص کو جتنی فرصت ملتی وہ اُتنی ہی فرصت میں کافی علم حاصل کر لیتا اور اپنے علاقے کا داعی یا مبلّغ بن کر حضور علیہ السلام سے رخصت ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تعلیم بھی قرآن مجید کے طریقہِ تعلیم کی طرح تھا۔" یعنی اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا' علم وحکمت کی باتیں اُنہیں بتانا اور تزکیہ باطن وظاہر کرنا۔

"**عملی تعلیم**: اسلام کی تعلیمات اکثر عملی تعلیمات ہیں بالخصوص عبادات۔ اِن تعلیمات کو سمجھانے کے لئے آپ ﷺ اُنہیں اپنے عمل سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کو دیکھ کر اُنہیں سیکھ لیتے تھے۔ چنانچہ جب نماز کی فرضیت کا حکم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے نماز ادا فرمائی۔ صحابہ آپ کو دیکھ رہے تھے اور اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کے بعد آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ أُصَلِّیْ (تم اسی طرح نماز ادا کرو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے)۔"

"جب حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے خود حج ادا فرمایا اور اعلان فرما دیا: خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ (تم مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو)۔ چنانچہ آپ علیہ السلام اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر مناسکِ حج ادا فرما رہے تھے اور آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام بھی ویسے ہی احکام بجالاتے تھے اور یہی حال بقیہ احکام کا تھا۔"

"آپ ﷺ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بیش قدر اور اہم چیزیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ بتایا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کی غلطی سے آگاہ کرنا چاہئے مگر آگاہ اس طرح کیا جائے کہ اُسے ناگوار نہ گزرے۔ اور جب کوئی تمہارے سامنے کسی کو کسی غلطی پر ٹوک رہا ہو تو تمہیں بھی اُس سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور اُسی وقت اپنی اصلاح کر لینی چاہئے۔''

''آپ ﷺ کو جو حکمتِ تعلیم سکھائی گئی' اُس کا تقاضا یہ ہے کہ معلّم نرم خو ہو' تند خو نہ ہو۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو ہدایات دیں کہ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا یعنی ''لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرو' مشکلات پیدا نہ کرو۔'' بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا ''اُنہیں بشارت دینے والے بنو' نفرت دلانے والے نہیں''۔ آپ ﷺ کے سامنے اپنا تعلیمی نصب العین پوری طرح واضح تھا یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند ایک ایسی مرکزی جماعت کا تیار کرنا جو ساری انسانیت کے سامنے خدا پرستانہ نظامِ حیات کی صداقت کی گواہی دے سکیں اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس نظامِ حیات کو چلانے کے لئے ایمان و کردار سے آراستہ قائدین' افسر' کارکن اور شہری تیار کئے جائیں۔''

''حضور نبی کریم ﷺ کی حکمتِ تعلیم ہمیں مصلحانہ کام کا مشنری تصوّر دلاتی ہے۔ ہر نبی نے اپنی مخاطب قوم کو تعلیمِ حق دیتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ میں تم سے اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ کے ہاں ہے۔ آپ نے ان الفاظ میں یہ سبق دیا :

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُوالْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَلَیْہِ ضَیْعَۃَ' وَیَحُوْطُہ' مِنْ وَّرَائِہٖ (سنن ابی داؤد: کتاب الادب' باب: فی النصیحۃ)

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے' مؤمن مؤمن کا بھائی ہے۔ وہ اُسے نقصان پہنچانے سے پرہیز کرتا ہے اور اُس کی عدم موجودگی میں اُس کی حفاظت کرتا ہے۔''

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ (قوم کا سردار اُن کا خادم ہوتا ہے)۔

آپ ﷺ نے اس چھوٹے سے جملے میں امارت وحکومت کے فرائض کو کس خوبی سے واضح کر دیا ہے!

ایک اور موقع پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص کسی قوم یا علاقے یا شہر کا سردار ہو' وہ اُتنا ہی زیادہ ذمہ دار ہے اور اُتنی ہی زیادہ قوم کی خدمت اُس کے ذمہ ہوتی ہے۔

''نبی کریم ﷺ کا اندازِ گفتگو

(الف) طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو: رسولِ اکرم ﷺ لوگوں سے اُن کی عقل اور فہم کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کا لہجہ صاف ہوتا تھا۔ بولتے وقت ایک ایک لفظ سمجھ میں آ جاتا تھا۔ عموماً آپ ایک

جملے کو تین مرتبہ دہراتے تھے۔ آپ کا وعظ مختصر ہوتا تھا تا کہ طبیعت میں ملال اور اکتاہٹ پیدا نہ ہو۔ اِس طریقۂ تعلیم کے متعلق آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی کار آمد نصیحتیں فرمائی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ أَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه‘ (صحیح بخاری: کتاب العلم)

''لوگوں کو وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ جانتے ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول کو جھٹلایا جائے؟''

(ب) اندازِ بیان صاف اور شُستہ: آپ ﷺ کا اندازِ بیان نہایت صاف اور شستہ ہوتا تھا۔ آپ ہر بات کو احسن طریق سے پیش فرماتے تھے۔ آپ جب کوئی اہم بات کرتے تو اُسے تین بار دُہراتے تھے اور اتنی جلدی نہ کرتے تھے کہ مفہوم مخاطب کو سمجھ نہ آسکے۔ حدیث شریف میں ہے:

اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ (مشکوٰۃ المصابیح ۸۱/۱)

''جب آپ ﷺ کوئی بات کہتے تو تین مرتبہ اُس کا اعادہ فرماتے یہاں تک کہ لوگ اُسے اچھی طرح سمجھ لیتے۔''

(ج) گفتگو میں ٹھہراؤ: رسول اللہ ﷺ مختصر مگر جامع تقریر فرماتے تھے۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر تقریر فرماتے تھے تا کہ سننے والے اُسے اچھی طرح سمجھ پائیں۔ اہم چیز پر زور دینے کے لئے اُسے تین بار دہراتے تھے۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يسرد الْكَلَامَ كَسَرْدِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّه‘ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ فَصْلٍ يَحْفَظُه‘ مَنْ جَلَسَ اِلَيْهِ (شمائل ترمذی ' باب: کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ)

''رسولِ خدا ﷺ اپنی بات ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایک بیّن اور مفصّل کلام سے گفتگو فرماتے تھے تا کہ جو آپ کے پاس بیٹھا ہو' وہ اُسے یاد کر لے۔''

(د) موقع محل کے مطابق کلام: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام موقع محل کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ جب بھی کسی محفل میں جاتے تو بڑے ہی غور سے لوگوں کی باتیں سنتے اور موقع کے مطابق بات کرتے۔ یہی درست طریق ہے کہ جب بھی محفل میں بیٹھیں تو پہلے پوری بات لوگوں سے سنیں اور بعد میں جواب دیں اور جواب موقع محل کے مطابق ہونا چاہئے۔ حدیث پاک میں ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِذَا مَشٰى اِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِيْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَأْمُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِيْ كُلَّ جُلَسَائِهٖ بِنَصِيْبِهٖ لَا يَحْسِبُ جَلِيْسُه‘ اَنَّ اَحَدًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْهُ مِنْ جَالِسِهٖ (شمائل ترمذی ' باب: ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ)

''حضور اکرم ﷺ کھڑے اور بیٹھتے ہر وقت اللہ کو یاد کرتے۔ جب کسی محفل میں جاتے تو جہاں جگہ ملتی' وہاں بیٹھ جاتے یہاں تک کہ مجلس کے آخر میں بھی اور صحابہ کو بھی اسی کا حکم دیا کرتے تھے۔ آپ اپنے ہر

شریک محفل کو اُس کا حق ادا کرتے تھے تا کہ دوسرے یہ شک نہ کریں کہ کسی خاص شریکِ محفل کے ساتھ امتیاز برت رہے ہیں۔''

''(ھ) مختصر کلام کی پابندی اور طویل گفتگو سے پرہیز: طول کلامی آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں وہ عربی ہوں جسے کلام میں اختصار دیا گیا اور بامعنیٰ' جامع کلام سے نوازا گیا۔ آپ کا اندازِ بیان نرالا اور انوکھا تھا جس میں روانی' سلاستِ بیان اور وضوح کامل تھے۔ اِس بنا پر آپ ہمیشہ مختصر تعلیمی خطاب فرماتے تھے۔ آپ کا سب سے طویل خطبہ حجۃ الوداع کا خطبہ ہے مگر وہ بھی اپنی جگہ بے حد مختصر ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

اُوتِيتُ جَوَامِعُ الْكَلِمِ وَنُصِرتُ بِالرُّعبِ وَبَيْنَمَا اَنَا نَائِم'' اُوتِيتُ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوَضَعْتُ فِيْ يَدَيَّ (صحيح بخاری' کتاب الجهاد ؛ سنن نسائی' کتاب الجهاد)

''مجھے جوامع الکلم یعنی گفتگو کے الفاظ کم اور معانی زیادہ عطا کر کے نبی بنایا گیا ہے اور میرے رُعب کی وجہ سے مجھے فتح دی جاتی ہے۔ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے تمام خزانے عطا کئے گئے جنہیں میں نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔''

''تعلیم بذریعہ ٹھوس اشیاء: آپ ﷺ ٹھوس اشیاء واجسام کی خصوصیات کی صورت میں صحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے مثلاً انسان کون ہے؟ تو اس میں انسان کو سیرت و کردار کے انداز میں دیکھتے۔''

''تعلیم بذریعہ علامات و اشارات: بعض اوقات کسی چیز کی وضاحت کے لئے آپ ﷺ علامات، واشارات کا استعمال فرماتے تھے۔ مثلاً قیامت کی وضاحت کے لئے آپ نے فرمایا:

بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ هٰكَذَا وَقرن شُعْبَةُ بَيْنَ اِصْبَعَيهِ الْمسبحةِ وَالْوُسْطٰى (صحیح مسلم: کتاب الفتن)

''میرے اور قیامت کے مابین اتنا فاصلہ ہے جتنا دو اُنگلیوں کے درمیان۔ حضرت شعبہ نے اپنی درمیان کی اور شہادت کی انگلیاں ملا کر اشارہ کر کے بتایا۔''

اسی طرح آپ نے فرمایا:

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَاَشَارَ بِاِصْبَعَيْهِ يَعْنِي اَلسَّبَابَة وَالْوُسْطٰى (صحیح ترمذی: ابواب البر والصّلة' باب: ما جاء في اليتيم)

''میں اور یتیم کی نگہداشت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کا اشارہ کر کے بتایا۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

أَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ

''تم سے (اللہ کے ہاں) میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟''

صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ اس پر آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ (سیرت النبی ﷺ از شبلی نعمانی؛ السیرۃ النبویہ لابن کثیر؛ صلح السیر لعبد الرءوف راناپوری)

(اے اللہ! گواہ رہنا' اے اللہ! گواہ رہنا' اے اللہ! گواہ رہنا)

تعلیم بذریعہ امثال: کسی علمی نکتہ کی وضاحت کے لئے آپ کوئی نہ کوئی مثال پیش فرماتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ موسمِ خزاں میں آپ نے ایک درخت کی ٹہنی کو پکڑ کر ہلایا تو بہت سارے پتے جھڑ گئے تو آپ نے فرمایا کہ ''پانچ وقت کی نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے۔'' (ابو داؤد: کتاب الطہارۃ' باب فی المجروح)

اچھے اور بُرے ساتھی کے اثرات کو بیان فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اچھے اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بیچنے والے اور بھٹیارہ کی دوستی۔ مشک بیچنے والا یا تو تمہیں مشک پیش کرے گا یا تم خود اُس سے مشک خریدو گے یا (کم از کم) اُس کے پاس سے خوشبو سونگھو گے اور بھٹیارہ یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا (کم از کم) اُس سے تم بدبو سونگھو گے۔'' (بخاری' مسلم)

ایک اور جگہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُه' بِبَعْضٍ وَشَبَّكَ أَصَابِعَه' (بخاری: کتاب الصلوٰۃ باب: تشبیك الاصابع فی المسجد)☆

''مومن مومن کے لئے ایک دیوار کی مانند ہے جس کے بعض حصے بعض حصوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے پھنسا کر بتایا۔''

☆نبی اکرم ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسا کر (بالخصوص مسجد میں) بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس فرمانِ عالی کا علم مجھ کوتاہ علم کو تب ہوا جب میں چند سال قبل لاہور کی ایک جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کے دوران انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر واعظ کا وعظ سن رہا تھا تو ساتھ بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے مجھے حدیثِ مبارکہ کا حوالہ دے کر ایسا کرنے سے منع کیا۔ میں نے استغفار پڑھا' اُن صاحب کا شکریہ ادا کیا اور بہ توفیقِ الٰہی آئندہ ایسا کرنے سے توبہ کی۔

''تعلیم بذریعہ نقشہ اور خط: بعض مضامین ایسے ہوتے ہیں جنہیں سمجھانے کے لئے تختہ سیاہ اور نقشہ کی ضرورت ہوتی ہے جن کے ذریعے حقائق کا سمجھانا آسان ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے بعض معنوی حقائق کو سمجھانے کے لئے یہ وسائل بھی اختیار فرمائے ہیں۔''

''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے ایک مربع خط کھینچا، پھر اُس مربع خط کے درمیان ایک اور خط کھینچا جو مربع خط سے گزرتا ہوا باہر چلا گیا۔ پھر اُس درمیانے خط کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خوب توجہ سے یہ سب نقشہ دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جانتے ہو یہ کیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ اللہ اور اُس کا رسُول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ درمیانہ خط انسان کی مثال ہے اور اس کے دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے خطوط وہ عوارض ہیں جو انسان کو زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر ایک سے چھوٹ گیا تو دوسرا پکڑ لیتا ہے۔ مربع خط انسان کی اجل ہے اور جو خط اس سے باہر جا رہا ہے، وہ انسان کی اُمیدیں اور آرزوئیں ہیں۔'' (مسند امام احمد ۲۳۷/۵)

حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صراطِ مستقیم کی تفسیر اس طرح فرمائی:

خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَطًّا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ مُسْتَقِيْمًا ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يُمْنِ ذٰلِكَ الْخَطِّ وَعَنْ شِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ: وَهٰذِهِ السُّبُلُ لَيْسَ فِيْهَا سَبِيْلٌ اِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ الْاٰيَةَ: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا (''ترجمان القرآن''۔ ابوالکلام آزاد ۲۵۵/۱)

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا: یوں سمجھو کہ اللہ کا راستہ بالکل سیدھا ٹھہرایا ہوا ہے۔ اس کے بعد اُس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں اور فرمایا: یہ طرح طرح کے راستے ہیں اور ان میں سے کوئی راستہ ایسا نہیں جس کی طرف بلانے کے لئے شیطان موجود نہ ہو۔ پھر آپ نے سورۃ الانعام کی یہ آیت ۱۵۳ پڑھی: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا (اور یہ کہ یہی (شریعت) میرا سیدھا راستہ ہے۔)

''تعلیم بذریعہ حفظ: بعض مضامین کو یاد کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے ہمارے سکولوں میں گنتی اور پہاڑے۔ اسی طرح اسلامی مضامین میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا یاد کرنا ضروری ہے جیسے قرآن کریم کی آیات اور ماثور دعائیں وغیرہ۔ آپ ﷺ صحابہ کرام کو اُن کا صحیح تلفظ سکھاتے اور اُنہیں یاد کراتے۔ آپ ﷺ پہلے اُنہیں بہ آوازِ بُلند پڑھتے، پھر صحابہ کرام مل کر اُسے دُہراتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُ النَّاسَ التَّشَهُّدَ عَلَى الْمِنْبَرِ كَمَا يُعَلِّمُ اَهْلُ الْمَكْتَبِ الصِّبْيَانَ

''رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہو کر لوگوں کو تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح مکتب والے بچوں کو سکھاتے ہیں۔'' (الفقیہ والمتفقہ للخطیب بغدادی ۲/۱۲۴)

''تعلیم بذریعہ مذاکرہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ سے علم حاصل کرتے اور اُسے یاد کر لیتے۔ بعض صحابہ پہلے لکھ لیتے اور پھر اُسے یاد کرتے۔''

''آپ کے وصال کے بعد صحابہ کرام آپس میں علم کا مذاکرہ فرماتے۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی مجلس میں کبھی ساٹھ ساٹھ کی تعداد میں ہوتے۔ آپ ﷺ ہمیں علم سکھاتے۔ پھر ہم آپس میں اُس علم کا مذاکرہ کرتے۔ ہم میں سے ہر ایک سب کے سامنے اُسے دہراتا اور جب ہم مجلس سے نکلتے تو وہ علم ہمارے دلوں میں محفوظ ہو چکا ہوتا۔ کبھی کبھی تو پوری رات مذاکرۂ علم میں گزر جاتی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک دن عشاء کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ اُنہوں نے پوچھا: اے ابوموسیٰ! اِس وقت کیسے آنا ہوا؟ اُنہوں نے عرض کیا: فقہ کا تذکرہ کرنے آیا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ہم دیر تک مذاکرہ کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو ابوموسیٰ نے فرمایا: کچھ نماز پڑھ لیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نماز میں ہی مشغول ہوں۔ پھر ہم مذاکرہ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ فجر قریب ہوگئی۔'' (ایضاً ۲/۱۲۷، ۱۲۸ بحوالہ ''معلم کی شخصیت و کردار'' صفحات ۶۸ تا ۷۷)

فرضِ عین اور فرضِ کفایہ علوم: علوم کی تحصیل میں دو اقسام بیان کی گئی ہیں: ایک فرضِ عین اور دوم فرضِ کفایہ۔

فرضِ عین علوم کی تحصیل میں اللہ بزرگ و برتر کے بارے میں صحیح عقیدہ اور اُس کے نبی آخر الزماں ﷺ کی وساطت سے اللہ کا اپنے بندوں سے تعلق شامل ہے۔ ایک فرد، سماج اور اُس کی عزت و آبرو اور جان و مال کے تحفظ کے لئے یہ انتہائی شریف اور معزز ترین علم ہے۔ اِسی طرح ختم المرسلین ﷺ بشمول انبیائے سابقہ، تمام کتب و صحائفِ آسمانی، اللہ کے فرشتوں، یومِ آخرت والحساب، قضا و قدر پر ایمانِ صحیح رکھنا بھی فرضِ عین میں شامل ہے۔ احکامِ طہارت و پاکیزگی اور جنابت کے بعد کے غسل کے احکام کا جاننا بھی میاں بیوی دونوں کے لئے فرضِ عین ہے۔ وضو اور تیمم کے مسائل، صوم و صلوٰۃ، زکوٰۃ، مناسکِ حج اور اسلامی قوانین جن میں نکاح و ازدواج، طلاق، وہ الفاظ جن سے طلاق واقع ہوتی ہے، رضاعت کی عمر وغیرہ کا معلوم ہونا بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ اپنے ابنائے جنس سے صحیح، پاکیزہ خطوط پر احسن تعلقات جن میں خلوص اور خیر خواہی شامل ہیں، جھوٹ اور سود خوری کے گناہِ کبیرہ، غیبت، چغل خوری، ہتکِ عزت، زنا، کم ناپ تول، ذخیرہ اندوزی اور بقائے حیات کے لئے ضروری اشیاء کا مہنگے داموں کے وقت کے انتظار میں اکٹھا کئے رکھنا، ناجائز منافع خوری وغیرہ ان سب کے گناہوں کا علم ہونا بھی فرضِ عین میں شامل ہے جن کا علم ہر مسلمان کو ہونا ضروری ہے۔

۳۰۷۔ (علم وتلمّذ)

فرضِ کفایہ کے علوم میں علمِ زراعت وفلاحت، باغبانی، ہیئت، طب، علم الماء، انجینئرنگ، علم الآفاق وکائنات (کاسمولوجی)، ٹیکنالوجی اور اقتصادیات وغیرہ جیسے دنیاوی علوم اور سائنسز شامل ہیں جن کا سیکھنا اور حاصل کرنا لوگوں کی ذہنی صلاحیتوں اور رُجحانات پر منحصر ہے۔ اس لحاظ سے وہ فرضِ کفایہ ہیں یعنی اگر مسلم سماج کے کچھ افراد اپنے رجحان کے مطابق اُن علوم کی تحصیل کر لیں تو پوری اُمتِ مسلمہ کی ذمّہ داری کی تکمیل ہو جائے گی۔ اور اگر اُمتِ مسلمہ میں سے کوئی بھی فرد اُن کی تحصیل نہ کرے تو پوری اُمت گنہگار ہو گی اور اللہ کے حضور جوابدہ ہو گی۔ مثلاً علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ زراعت کا علم فروضِ کفایہ میں سے ہے۔ اگر لوگ اس کی طرف سے غفلت برتیں تو اسلامی حکومت کو چاہئے کہ لوگوں کو جبراً کاشتکاری کی طرف راغب کرے اور باغات اور درخت لگانے کا حکم دے۔ (تفسیر قرطبی، بحوالہ ''ضیاء القرآن''، جلد اوّل، صفحہ ۱۸۴)

الغرض یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ تاریخِ عالم کسی ایسی قوم کو نہیں جانتی جس نے اس قدر کم وقت میں علم وتعلم کی اتنی خدمت کی ہو جتنی مسلمانوں نے کی۔ قاہرہ، دمشق، بغداد اور قرطبہ وغیرہ جیسے مشہورِ زمانہ مسلمان دار الخلافے تعلیم وتعلم کی نشر واشاعت اور سائنسی تحقیقات کرانے کے عظیم مرکز بن گئے۔ انسانی فکر وترقی میں مسلمانوں کی خدمات کا تصوّر اس حقیقت سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے کہ جب عالمِ اسلام پر بالعموم اور ہسپانوی عربوں، فرانس اور اٹلی پر بالخصوص مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تو یورپی اقوام کے لئے انتہائی قیمتی مالِ غنیمت جو اُنہوں نے اکٹھا کیا، کثیر التعداد میں قابلِ قدر عربی کتب اور مسوّدات تھے۔ پروفیسر عمر الدسوقی کے بیان کے مطابق یورپیوں نے اڑھائی لاکھ سے زائد قابلِ قدر عربی کتب اور نادر مسوّدات اکٹھے کئے اور اُن سے اپنی لائبریریوں کو مزیّن کیا۔ برلن، پیرس، لندن، لیپزگ، لیڈن، آکسفورڈ اور مدرید وغیرہ کی لائبریریاں علم کی مختلف شاخوں پر مشتمل کثیر التعداد اُن نادر عربی کتب کی وجہ سے مشہور ہیں جنہیں مسلمانوں نے متعارف کرایا۔ (An Encyclopaedic Survey of Muslim Culture, Vol. 17, p. 64)

تعلیم وتعلم کی تحریص وترغیب کے نتائج: تعلیم وتعلم میں اسلام کی حوصلہ افزائی کے قابلِ محسوس ثمرات واثرات معجزاتی حد تک حیران کن ہیں۔ قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبوی سے تحریک پا کر مسلمان ہر میدان میں تحصیلِ علم کے لئے خواہ وہ علم دنیاوی ہو یا روحانی، بڑے ہی مشتاقانہ انداز میں دُور دراز کے ممالک میں گئے اور اس سلسلہ میں اعصاب شکن سفروں اور دوسری رکاوٹوں کی ذرّہ بھر پروا نہیں کی۔ بالآخر رضائے الٰہی کے حصول میں اُن کی دقّت طلب کوششیں اُس بلند وبالا اسلامی تہذیب کے پیدا کرنے میں بارآور ثابت ہوئیں جس نے علم وآگہی کے میدان میں ایسی نفیس ولطیف اور دل پذیر شخصیات پیدا کیں کہ آج اس نئی روشنی اور بے مثال سائنسی ترقی کے دور میں دُنیا اُن پر نازاں ہے۔ علمِ طب اور فلسفہ میں ابو بکر الرازی اور ابنِ سینا، جراحی میں ابو القاسم الزہراوی، روحانیت اور الٰہیات میں غزالی، فلسفہ اور معقولیت میں ابنِ رُشد، تاریخ نگاری اور عمرانیات میں ابنِ خلدون، دورانِ خون کی بناء معلوم کرنے میں ابنِ نفیس، فزکس (علم الطبعیات) اور علم البصر (Optics) میں ابن الہیثم، علم کیمیا (کیمسٹری) میں جابر بن حیّان، الجبرا میں الخوارزمی کے اسمائے گرامی اُس کثیر تعداد میں سے چند ایک ہیں۔

(۱۱۹) کرسی ۔۔ الآیۃ

قرآنِ پاک کی انتہائی عظیم و مقدس آیت الکرسی جو جمہور مفسرین کے مطابق اسمِ اعظم کو شامل ہے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۵ ہے جو حسبِ ذیل ہے:

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَؤُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ O

''اللہ۔ اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں' ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے (سارے عالم کو) قائم رکھنے والا ہے' نہ اُسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے' کون ایسا شخص ہے جو اُس کے حضور اُس کے اذن کے بغیر سفارش کر سکے' جو کچھ مخلوقات کے سامنے (ہو رہا ہے یا ہو چکا) ہے اور جو کچھ اُن کے بعد (ہونے والا) ہے (وہ) سب جانتا ہے اور وہ اُس کی معلومات میں سے کسی بھی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔ اُس کی کرسی (سلطنت و قدرت) تمام آسمانوں اور زمین کو محیط ہے اور اُس پر اِن دونوں (یعنی زمین و آسمان) کی حفاظت ہرگز دشوار نہیں' وہی سب سے بلند رتبہ' بڑی ہی عظمت والا ہے۔'' (۲ : ۲۵۵)

آیت الکرسی کے مفردات اور جملوں کی تشریح

اَللّٰہ: یہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ ذاتی ہے جس کا معنیٰ ہے وہ ذات جو واجب الوجود (قدیم بالذات) ہو' تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہو' تمام نقائص سے بَری ہو اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہو۔

اَلْحَیّ: جو ہمیشہ سے ازخود زندہ ہو' اپنی حیات میں کسی کا محتاج نہ ہو' ہمیشہ زندہ رہے اور کبھی اُس پر موت نہ آئے۔

اَلْقَیُّوم: جو اَزخود قائم ہو' دوسروں کا قائم کرنے والا ہو' جو تمام کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے اور اُن کے نظام کی تدبیر فرماتا ہے: وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ (الرّوم: ۲۵) ''اور اللہ کی نشانیوں میں سے (ایک) یہ ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں۔''

اونگھ اور نیند سے بَری: تھکاوٹ اور سستی سے غفلت کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے' وہ اونگھ ہے اور نیند کی ابتدائی صورت ہے۔ نَوم (نیند) کا معنیٰ ہے' دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا پڑ جانا جس کے بعد علم اور ادراک معطل ہو جاتا ہے اور حواس کا شعور اور اِدراک بھی موقوف ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ معنیٰ محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے غفلت محال ہے۔ وہ اس عظیم کائنات کا موجد اور اُس کے نظام کو جاری رکھنے والا ہے اور ہر آن اور ہر لمحہ اس کائنات میں جو تبدیلی اور تغیر واقع ہو رہا ہے' اُس کے علم اور اُس کی توجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ ہر وقت ہر چیز کے حال کا عالم ہے' بے خبر اور سونے والا نہیں ہے۔

اس جملے کا مقصد یہ ہے کہ (۱) نینداوراونگھ اُسی کی مخلوق ہیں ۔ وہ معبود ہی کیا جس پر اُس کی مخلوق غالب آجائے! (۲) جب اُس پر نینداوراونگھ جیسی چیزیں غالب نہیں آسکتیں جو سلاطین اور شہنشاہوں کو بھی دبالیتی ہیں تو اور کوئی چیز اُس پر کیا غالب آسکتی ہے!

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اُسی کی ملکیت ہے : تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق' سب اُسی کے بندے اور اُس کی ملکیت ہیں' ہر چیز اُس کی قدرت اور اُس کی مشیت کے تابع ہے ۔ اُس کا ارشادِ پاک ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًاO (مریم : ۹۳)

''آسمانوں اور زمینوں میں ہر ایک رحمان کے حضور عبد بن کر حاضر ہوگا۔''

نوٹ :اگرچہ آیت الکرسی میں ما کا لفظ غیر عاقلین کے لئے وضع ہوا مگر یہاں اس سے عاقل وغیر عاقل سب ہی مراد ہیں ۔ چونکہ دنیا میں عاقل کی قسمیں کم اور غیر عاقل کی زیادہ ہیں' اس لئے سب کو لفظ مَا سے تعبیر کیا گیا۔

''اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور شفاعت نہیں ہوگی : اللہ تعالیٰ کی عظمت' جلالت اور اُس کی کبریائی کا یہ تقاضا ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اُس کے حضور شفاعت نہیں کر سکے گا۔ حشر کے دن تمام انبیاء' رُسُل' اولیاء' علماء اور شہداء اللہ تعالیٰ کے جلال سے سہمے ہوئے ہوں گے ۔ اُس دن ہمارے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں سجدہ ریز ہوں گے ۔ رب تعالیٰ فرمائے گا: اے سراپا حُسن وستائش! ذرا مکھڑا تو دکھایئے' آپ کہئے آپ کی ہر بات سنی جائے گی ۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی ۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک حد مقرر فرمائے گا اور اُس کا پیارا رسول ﷺ اُس حد کے مطابق شفاعت فرمائے گا۔''

قرآنی جملہ میں مَن استفہام انکاری ہے ۔ جملہ کے دو معنیٰ ہیں: ایک یہ کہ کون ہے جو رب کے نزدیک بلا اجازت کسی کی سفارش کر سکے ۔ دوم یہ کہ جو بندے رب کے نزدیک رہتے ہیں' اُن میں سے بھی بغیر اجازت کون کسی کی سفارش کر سکتا ہے ۔ جب نزدیکوں کا یہ حال ہے تو وہ بُت جنہیں رب سے دُور کا بھی تعلق نہیں' وہ کیا شفاعت کر سکتے ہیں (روح البیان) ۔ اس جملہ میں دھونس کی شفاعت کا انکار اور شفاعت بالاذن کا ثبوت ہے ۔ لہٰذا شفاعت کا انکار نادانی اور دین سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے ۔

''اُس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور لوگوں کو اُتنا ہی علم ہے جتنا اُس نے دیا: اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات کے ماضی' حال اور مستقبل کو محیط ہے' وہ دنیا اور آخرت کے تمام امور کو تفصیلاً جانتا ہے ۔ اُسے ایک ذرّہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے ۔ مثلاً ایک ذرّہ کو کتنے انسانوں' کتنے جانوروں' کتنے جنات اور کتنے فرشتوں نے دیکھا ۔ اُس ایک ذرّہ کی دیگر ذرّات کے ساتھ کتنی نسبتیں ہیں' اُس پر ہوا کے کتنے جھونکے اور بارش کے کتنے قطرے گرے' اُس میں کتنے فائدے' کتنے نقصانات' کتنی حکمتیں ہیں' اُس ذرّہ کی عمر کیا ہے' وہ کہاں کہاں رہا اور ایسی بے شمار وجوہ ہیں ۔

تمام کائنات کا علم تو الگ رہا، ایک ذرہ کے متعلق اللہ کا علم کتنا وسیع ہے، انسان کی عقل اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ مخلوق کو اُتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وہ عطا فرماتا ہے۔"

اس جملہ کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ کوئی بھی اُس کی معلومات کو نہیں جانتا مگر اُسی کے چاہنے سے۔ اس استثناء میں انبیائے کرام اور اولیاء اللہ داخل ہیں کہ رب تعالیٰ اُنہیں علومِ غیبیہ عطا فرماتا ہے۔ (کبیر و خازن)

"اُس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے : کرسی کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) کرسی سے مراد علم ہے۔ اسی وجہ سے علماء کو بھی کَرَاسی کہتے ہیں۔

(۲) یا اس لئے کہ انسان کرسی پر ٹیک لگاتا ہے اور اعتماد کرتا ہے اور علماء کا اعتماد بھی علم پر ہوتا ہے۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ کرسی سے مراد عظمت ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ کرسی سے مراد ملک، حکومت اور اقتدار ہے۔

(۵) امام مقدسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کرسی تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور وہ اس طرح چرچراتی ہے جیسے نیا پالان سواروں کے بوجھ سے چرچراتا ہے۔"

امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کرسی کے متعلق بہت سی احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں :

(۱) امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو بچھا دیا جائے تب بھی وہ کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے ایک انگشتری کسی وسیع میدان میں پڑی ہو۔

(۲) امام ابن جریر، امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے کرسی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! سات آسمان اور سات زمینیں کرسی کے مقابلے میں اس طرح ہیں جیسے کسی جنگل میں انگوٹھی کا چھلہ پڑا ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر اس طرح ہے جیسے جنگل کی فضیلت اُس انگوٹھی کے چھلے پر ہے۔

(۳) امام ابوالشیخ نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔ (الدُّرُّ المنثور، ج ۱، ص ۳۲۸)

(۴) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ کرسی ایک عظیم جسم ہے جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کو محیط ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بغیر کسی دلیل کے ظاہر قرآن اور ظاہر حدیث سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۲، ص ص ۳۱۲، ۳۱۳ مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

''کرسی کا معنی ہے جس پر کوئی شخص بیٹھے اور بیٹھنے کے بعد اُس میں جگہ نہ بچے اور یہاں یہ کلام بہ طورِ تمثیل ہے ورنہ نہ تو کوئی کرسی ہے اور نہ کوئی بیٹھنے والا۔ اکثر متاخرین نے یہی کہا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ہونا لازم نہ آئے۔ توہم جسمیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا انکار لازم آئے گا۔ متقدمین نے یہ کہا کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور حقیقت میں اس سے کیا مراد ہے؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔'' (روح المعانی' ج ۳' ص ۱۰)

مفتی احمد یار خاں گجراتی اپنی تفسیر نعیمی میں لکھتے ہیں کہ کرسی کوئی جسم وغیرہ نہیں۔ اس کلام سے لوگوں کے ذہن میں رب کی عظمت کا نقشہ کھینچنا مقصود ہے جیسے کعبہ کو بیت اللہ قرار دیا گیا' اُس میں دروازہ لگایا گیا' اُس کے گرد طواف کرایا گیا' وہاں دعائیں منگائی گئیں حالانکہ نہ وہاں رب رہتا ہے اور نہ وہ رب کا مکان ہے۔ یہ سب کچھ اظہارِ عظمت کے لئے ہے۔ ایسے ہی اُس کے لئے عرش و کرسی کا ثابت ہونا ہے۔ (تفسیر نعیمی' جلد سوم' صفحہ ۲۰)

آسمانوں اور زمین کی حفاظت اللہ کو نہیں تھکاتی : ان دونوں کی حفاظت اللہ پر بھاری اور دشوار نہیں ہے بلکہ اُس کے نزدیک بہت سہل اور آسان ہے۔ وہ ہر چیز کو قائم رکھنے والا' ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے۔ وہ جو چاہتا ہے' کرتا ہے۔ اُس کا ارادہ اٹل ہے۔ جس کا ارادہ وہ کرلے' اُسے ضرور کر گزرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر شے سے بلند اور برتر ہے اور وہی سب سے عظیم ہے۔ کبریائی' عظمت اور بڑائی اُسی کو زیبا ہے۔'' (''تبیان القرآن'' جلد اوّل)

آیت الکرسی کے فضائل وفوائد

(۱) امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھا' اللہ تعالیٰ دوسری نماز تک اُسے اپنی حفاظت میں رکھتا ہے اور آیت الکرسی کی حفاظت صرف نبی' صدّیق یا شہید ہی کرتا ہے۔

(۲) امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھے' اُسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہوگی اور وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (مجمع الزوائد لحافظ الہیثمی ؛ المعجم الکبیر' ج ۸' ص ۱۱۴؛ عمل الیوم واللیلۃ لا مام ابن السنی ؛ طبرانی ؛ امام نسائی ؛ سنن کبریٰ' ج ۶' ص ۳۰)

(۳) حدیث شریف میں ہے کہ آدم علیہ السلام سیّد البشر ہیں' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سیّد عرب وعجم ہیں' سلمان فارسی سیّد اہلِ فارس' صُہیب سردارِ روم' بلال سردارِ حبشہ' طور پہاڑوں کا سردار' جمعہ سیّد الایام' قرآن سیّد الکلام' سورۃ البقرۃ سیّد القرآن اور آیۃ الکرسی سیّد البقرۃ ہے۔

(۴) امام احمد نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آیۃ الکرسی چہارمِ قرآن ہے۔

(۵) امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ہمیں آیۃ الکرسی عرش کے نیچے عنایت فرمائی گئی۔(الدُّرُ المنثور)

(۶) آیۃ الکرسی پڑھنے والے پر ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جو اُس کی نیکیاں لکھتا اور گناہ مٹاتا رہتا ہے۔ دوسرے دن کی اُسی ساعت تک وہ یہی کرتا رہتا ہے۔(ایضا)

(۷) ابن سنّی نے امام زین العابدین سے نقل کیا کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دردِزہ کی تکلیف ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے اُمّ سلمہ اور زینب بنت جحش کو حکم دیا کہ فاطمہ کے پاس جا کر آیۃ الکرسی اور سورۃ الفلق اور سورۃ والناس پڑھیں (ایضا)۔اس سے معلوم ہوا کہ آیۃ الکرسی دردِزہ کے لئے مفید ہے۔

(۸) ایک صحابی نے بارگاہِ نبوی میں بے برکتی کی شکایت کی کہ میرے گھر میں برکت نہیں ہوتی۔آپ نے فرمایا کہ آیۃ الکرسی پڑھا کرو۔(ایضا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیۃ الکرسی برکت کے لئے مفید ہے۔

(۹) ترمذی شریف میں ہے کہ ہر چیز کی کوئی زینت ہے۔قرآن کی زینت سورۃ البقرۃ ہے اور اس میں آیۃ الکرسی قرآن کی سردار ہے(تفسیر خازن)۔

(۱۰) علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جنگِ بدر کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ سجدہ میں سر رکھے ہوئے یَاحَیُّ یَاقَیُّوْم کا وِرد فرمارہے تھے۔میں میدانِ جہاد میں گیا پھر لوٹ کر آیا تو آپ علیہ السلام کو یہی پڑھتے ہوئے پایا۔میں بار بار آتا جاتا رہا اور ہر دفعہ آپ کو یہی پڑھتے ہوئے پایا یہاں تک کہ فتح ہوگئی(تفسیر کبیر)۔

(۱۱) جو کوئی کہیں پارسل وغیرہ بھیجے تو اُس پر آیۃ الکرسی دَم کردے تو انشاء اللہ خیریت سے پہنچے گا(مجرب)۔

(۱۲) جو کوئی نمازِ پنجگانہ کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے اور جب وَلَا یَؤُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا تک پہنچے تو اپنی پانچوں انگلیوں کے پورے دونوں آنکھوں پر رکھ کر گیارہ بار یہ لفظ پڑھے اور پھر ایک بار وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم پڑھ کر اپنے پوروں پر دَم کرکے آنکھوں پر پھیر دے تو انشاء اللہ اندھا نہ ہوگا۔نہایت مجرب ہے(تفسیر نعیمی، ج ۳، ص ۲۲)

(۱۳) آیۃ الکرسی سے شیطان بھاگتے ہیں، بے چین دل کو چین آتا ہے اور مرگی والے کو فائدہ ہوتا ہے(ایضا)

(۱۴) جو کوئی سفر میں یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ پڑھتا رہے تو انشاء اللہ سفر آسان ہوگا۔(ایضا)

(۱۵) جو کوئی سوتے وقت بستر پر لیٹ کر آیۃ الکرسی پڑھ لے تو اُس کا اور اُس کے پڑوسیوں کا گھر چوری، ڈکیتی اور آگ لگ جانے غرض ساری اچانک مصیبتوں سے صبح تک محفوظ رہے گا(کبیر)۔

(۱۲۰) محنت کشی (LABOUR)☆

"محنت کشوں اور مزدوروں کے طبقے کا نام "لیبر" ہے۔ تاہم خصوصی اور تکنیکی لحاظ سے اقتصادیات میں لیبر کا معنیٰ ایسی قابلِ قدر خدمت ہے جو کوئی شخص زر اور دولت کمانے میں کرتا ہے' سرمایہ کی فراہمی یا اس کا اکٹھا کرنا یا وہ خطرات اس کے علاوہ ہیں جو ذمہ دارانہ منصوبہ بندی اور کاروباری کارگزاری سے ناقابلِ جدا ہیں۔" (Encyclopaedia Britannica, Vol. XIII, p. 535)

اس طرح لیبر نام ہے اُس جسمانی یا دماغی محنت و مشقت کا جو کسی مالی منفعت کی خاطر کی جائے۔ تمام کام خواہ وہ جسمانی ہوں یا ذہنی' لیبر کی ذیل میں آتے ہیں۔

(الف) محنت کی عظمت (ازروئے قرآنِ حکیم) : قرآنِ حکیم میں محنت و مشقت پر بہت زور دیا گیا ہے اور قرآن مجید کی متعلقہ آیات واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ انسان کو اپنے روزگار کے حصول کی خاطر محنت و مشقت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس حقیقت کی حامل سورۃ النجم اور سورۃ البلد کی مندرجہ ذیل آیات ہیں :۔

(۱) لَيۡسَ لِلۡاِ نۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى O وَاَنَّ سَعۡيَهٗ سَوۡفَ يُرٰىO (النجم : ۳۹' ۴۰)

"انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی اور یہ کہ اُس کی ہر کوشش عنقریب دکھادی جائے گی (ظاہر کردی جائے گی)۔" (۳۹' ۴۰ : ۵۳)

(۲) لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡ كَبَدٍO (البلد:۴)

"بے شک ہم نے انسان کو (مشقت میں رہنے والا) پیدا کیا ہے۔" (۴ : ۹۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی ترقی اور کامیابی و کامرانی کا انحصار اُس کی کوشش پر منحصر ہے اور اُسے اپنی محنت و مشقت کے تناسب سے معاوضہ ملنا ہے۔ یہ محنت و ریاضت جتنی سخت ہوگی اُس کا ثمر بھی اُتنا ہی زیادہ ہوگا۔ قدرت کے اس عام اصول کو سورۃ النساء کی اس آیت میں مزید واضح کیا گیا ہے :

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ (النسآء : ۳۲)

"مردوں کے لئے اُس میں سے حصّہ ہے جو اُنہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اُس میں سے حصّہ ہے جو اُنہوں نے کمایا۔" (۴: ۳۲)

لہٰذا یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت' مسلم اور غیر مسلم' گورے اور کالے میں کوئی

☆ میڈیکل کی اصطلاح میں Labour کا معنیٰ وضعِ حمل کا عرصہ ہے خصوصاً رحم کے کھچاؤ سے ولادت تک کا عرصہ۔

امتیاز روا نہیں رکھا اور ہر شخص اپنی محنت کے مطابق معاوضہ پاتا ہے۔ قدرت کا یہ اصول افراد اور اقوام دونوں کے لئے یکساں طور پر درست ہے۔ سورۃ الانفال اور سورۃ الرّعد میں مزید یہ کہا گیا ہے :

(۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الانفال:۵۳)
''یہ (عذاب) اس وجہ سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو ہرگز بدلنے والا نہیں ہے جو اُس نے کسی قوم پر ارزانی فرمائی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ از خود اپنی حالتِ نعمت کو بدل دیں۔'' (۸ : ۵۳)

یعنی کفرانِ نعمت اور معصیت و نافرمانی کے مرتکب ہوں اور پھر اُن میں احساسِ زیاں بھی باقی نہ رہے، تب وہ قوم ہلاکت و بربادی کی زد میں آجاتی ہے۔

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (اَلرَّعد : ۱۱)
''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی کر ڈالیں۔'' (۱۱ : ۱۳)

یعنی ''عروج و ترقی، عزّت و خوشحالی اور امن و عافیت کی جن نعمتوں سے کوئی قوم بہرہ ور ہوتی ہے، اُن سے اُسے بلاوجہ محروم نہیں کیا جاتا بلکہ جب وہ خود اپنے اچھے اعمال کو بُرے اعمال سے، پسندیدہ خِصال کو ناپسندیدہ اطوار سے، فرض شناسی، محنت اور جفاکشی کی صفات کو فرض ناشناس، سہل نگاری اور دوں ہمتی سے بدل دیتی ہے تو اُس وقت قدرت کا اٹل قانون اُسے عزت کی بلندیوں سے ذلت و نامرادی کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۲)

سورۃ الرّعد کی آیت ۱۷ میں بقائے اصلح (Survival of the Fittest) کا قانون بتایا گیا ہے جس کے مطابق کوئی فرد یا قوم اُس وقت تک قدرت کے انعامات سے نوازی جاتی رہتی ہے جب تک وہ خداداد صلاحیتوں سے اپنی محنت و کوشش کے ذریعے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ اور جب بھی کوئی چیز اپنی افادیت کھو بیٹھے، وہ کسی وقت کتنی ہی عزیز اور گراں کیوں نہ ہو، اُسے اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۰۱ میں ہمیں رب تعالیٰ سے مانگنے کا یہ طریقہ سکھایا گیا ہے :
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِO
''اے ہمارے پالنہار! ہمیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔'' (۲ : ۲۰۱)

قرآنِ حکیم کا مطالبہ یہ ہے کہ اِس دُنیا سے اُسی قدر لیا جائے جو اگلی دنیا کے سفر کے لئے ضروری اور ناگزیر ہو۔

۳۰۷۸ (محنت کشی ـ۔ LABOUR)

محنت کشی (لیبر) کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ ہر محنت و مشقت اور مشکل کے بعد اللہ تعالیٰ راحت و آرام لاتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں بیان ہوا :

(۱) سَیَجۡعَلُ اللّٰہُ بَعۡدَ عُسۡرٍ یُّسۡرًاO (الطلاق : ۷)
''اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش پیدا فرمادے گا۔'' (۶۵ : ۷)

(۲) اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًاO(الانشراح : ۶)
''یقیناً دشواری کے بعد آسانی ہے۔'' (۹۴ : ۶)

یہ آیات محنت و مشقت کے لئے زبردست محرک اور بنی نوعِ انسان کے لئے پُر امید پیغام ہیں کہ وہ صبر و استقلال کے ساتھ کمر ہمت باندھیں اور زندگی کی مشکلات اور ناہمواریوں سے دل برداشتہ ہو کر حوصلہ نہ ہاریں۔ کامیابی اور کامرانی اور خوشحالی اُن کے قدم چومے گی اگر وہ اُس آرام و راحت کو نظر انداز نہ کریں جو طول طویل عرصہ مشکلات کے بعد اُن کی منتظر ہے۔

رجائیت اور پُر امید رسائی میں قرآنِ حکیم ایک بار پھر ایک حفظانِ صحت کی اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے کہ انسان کو اپنی روزمرّہ زندگی میں آنے والی مشکلات اور ناموافق حالات کو برداشت کرنے کی اہلیت حاصل ہے۔ اُس کے خالق نے اُسے حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا کہ وہ بہ آسانی ڈگمگا جائے۔ بلکہ اُس نے اُسے جسمانی طور پر ایسا مضبوط بنایا ہے کہ وہ مصائب و آفات کو جھیل سکتا ہے۔ سورۃ الدّھر میں بیان ہوا:

نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ (الدّھر : ۲۸)
''ہم ہی نے اُنہیں پیدا فرمایا ہے اور اُن کے جوڑ جوڑ کو مضبوط بنایا ہے۔'' (۷۶ : ۲۸)

محنت و مشقت (لیبر) کے روحانی پہلو کا بھی یہی حال ہے۔ سورۃ العنکبوت کی مندرجہ ذیل اختتامی آیت اِسی حقیقت کو آشکارا کرتی ہے :

وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۶۹)
''اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (یا محنت و مشقت) کرتے ہیں، تو ہم یقیناً اُنہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں۔'' (۲۹ : ۶۹)

جنت کی زندگی دراصل انسان کو اس بات کی یاد دہانی کراتی ہے کہ وہاں اُس کی خوشی و مسرت اور آرام و راحت اِس حیاتِ دنیاوی میں کی گئی محنت و مشقت پر منحصر ہے۔ جو شخص اپنی زندگی کو سستی، کسلمندی یا فضول مشاغل میں گزار دیتا ہے تو اُسے آرام و راحت کے پُر مسرت انعام سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ سورۃ القارعۃ کی ذیل کی آیات ۶ تا ۹ میں اس حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے:

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗO فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ O وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗO فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ O

''پس وہ شخص جس (کے اعمال) کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ خوشگوار عیش و مسرت میں ہوگا اور جس (کے اعمال) کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اُس کا ٹھکانہ ہاویہ (جہنم کا گڑھا) ہے۔'' (۶-۹:۱۰۱)

نفس کشی اور اپنے آپ کو ناجائز اور ممنوعہ (حرام) مشغلوں سے بچانا بھی محنت و مشقت کے روحانی پہلو کے لحاظ سے ایک نمایاں وصف ہے۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ صالح مسلمانوں کی یہ صبر آزما محنت و ریاضت ضائع نہیں جائے گی اور اُن کا خالق اُنہیں ضرور بالضرور اُن کی جزائے خیر دے گا جیسا کہ فرمایا:

(۱) لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (آلِ عمران: ۱۹۵)

''میں تم میں سے کسی محنت والے کی مزدوری ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔'' (۳:۱۹۵)

(۲) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (النحل: ۹۷)

''جو کوئی نیک عمل کرے (خواہ) مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اُسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور اُنہیں ضرور اُن کا اجر (بھی) عطا فرمائیں گے' اُن اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے تھے۔'' (۹۷ : ۱۶)

(۳) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى O فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى O (النازعات)

''اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو (بُری) خواہشات و شہوات سے روکے رکھا تو بے شک جنت ہی (اُس کا) ٹھکانہ ہوگا۔'' (۴۰' ۴۱ : ۷۹)

(ب) محنت کی عظمت (از روئے سنت نبوی ﷺ): نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر محنت و مشقت پر خاصا زور دیا ہے اور مزدوروں کی حسنِ کارکردگی کی اکثر تعریف کی ہے۔ آپ کا یہ ارشادِ پاک بہت مشہور ہے: ''اپنی روزی ایمانداری اور مستعدی سے کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔''

تمام انبیائے کرام بہ شمول ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنی روزی بڑی محنت و مشقت سے کماتے تھے۔ آپ ﷺ نے تجارت بھی کی جس میں آپ نے محنت کی عظمت کو برقرار رکھنے میں اپنی ذاتی مثالیں پیش کیں۔ آپ نے وہ کام بھی سرانجام دئے جنہیں آج حقیر اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے جیسے دینِ اسلام کی دوسری مسجد یعنی ''مسجد نبوی'' کی تعمیر میں آپ علیہ السلام کو ہم ایک عام مزدور کی طرح اپنے صحابہ کے ساتھ گارا اور پتھر اُٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جنگِ خندق (احزاب) میں مکہ کے اتحادی کافروں کے خلاف آپ ایک عام مزدور کی طرح پتھر اٹھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہاں چند ممتاز مستشرقین کا حوالہ دیا جاتا ہے جنہوں نے نبی ﷺ کے عظیم کردار کو پُر جوش خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

۳۰۸۰ (محنت کشی -- LABOUR)

(۱) ''محمد (ﷺ) کو شان و شوکت اور کرّ وفر سے نفرت تھی۔ آپ انتہائی سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے اور اپنے ہاتھوں سے انتہائی ادنیٰ درجے کے کام انجام دیتے تھے۔ آپ خود آگ جلاتے تھے، جاروب کشی کرتے تھے، مینڈھوں اور جانوروں کا دودھ دوہتے تھے، اپنے کپڑوں کی رفو گری کرتے تھے اور اپنے پاپوش مبارک کی مرمت کرتے تھے۔ آپ کے انداز میں بالالتزام خالص پسندی تھی۔'' ("The Arabs"... Thomas Bertram, p. 66)

(۲) ''آپ (ﷺ) کی زندگی کیسی ہی سادہ اور کفایت پسند تھی! آپ اپنے ٹوٹے ہوئے جوتوں کی خود مرمت کیا کرتے تھے اُس وقت بھی جب آپ کی زندگی کے آخری ایام میں آپ کے گرد ہزاروں لوگ آپ کے حضور آپ کو بطور پیغمبر تسلیم کرنے کے جھکتے تھے۔ اُس مردِ خدا کا کردار ایسا سادہ، شریف اور ایسا دیانتدارانہ تھا۔'' ("The Life and Teachings of Muhammad" ... Mrs. Annie Besant, p.324)

(۳) ''اُس تمام سادگی کے ساتھ جو ایک عظیم ذہن کے لئے قدرتی بات ہے، آپ (ﷺ) خانہ داری کے انتہائی ادنیٰ کام انجام دیتے تھے کیونکہ آپ کو کرّ وفر سے نفرت تھی۔ ملکِ عرب کے حاکم ہوتے ہوئے بھی آپ اپنے پاپوش مبارک اور اپنے اونی ملبوسات کی خود مرمت کیا کرتے تھے، مینڈھوں کا دودھ دوہا کرتے، چولھے کی صفائی کرتے اور آگ جلاتے تھے۔۔۔ آپ (ﷺ) انتہائی ادنیٰ کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے اور آپ بالالتزام خالص پسند تھے۔'' ("An Apology for Muhammad and the Koran"... John Davenport, p. 53)

(۴) ''آپ (ﷺ) کا ذوق ہمیشہ سادہ اور نام و نمود اور دکھاوے سے پاک رہا۔ اقتدارِ حکومت ملنے کے بعد بھی آپ نے سرگروہی زندگی (Patriarchal Life) کی با کفایت عادات کو برقرار رکھا۔ آپ کا گھر کھجور کی شاخوں اور کچی اینٹوں کا ایک معمولی سا جھونپڑا تھا جس میں چمڑے کا ایک پردہ دروازے کا کام دیتا تھا۔ آپ ہر بات میں ایسے متواضع اور منکسر المزاج تھے کہ آپ کو اپنی نبوّت و رسالت کے عظیم منصب کا بھی خیال نہ تھا کہ اپنے جوتوں کی خود مرمت کرنا، اپنی بھیڑ بکریوں اور مویشیوں کی نگرانی کرنا اور بسا اوقات اپنی ازواجِ مطہرات کے خانہ داری کے کاموں میں اُن کا ہاتھ بٹانا۔'' ("History of the Moorish Empire in Europe"... S. P. Scott, p. 99)

(۵) سرگروہی سادگی آپ کی زندگی کو محیط تھی۔ اپنا کام خود کرنا آپ کی عادت تھا۔ ''نہیں'' کہنا آپ کو پسند نہ تھا۔ آپ کے کردار کی تمام شکلوں کو مہربانی اور مشفق مزاجی محیط ہے۔'' ("Life of Muhammad" ... Sir William Muir, p. 512)

۳۰۸۱ (محنت کشی۔۔LABOUR)

جسمانی محنت ومشقت کے ساتھ آپ ﷺ کی محبت آپ کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جب ایک مرتبہ آپ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مصافحہ کیا تو آپ ﷺ نے اُن کی ہتھیلی پر کچھ نشانات اور کھردراپن دیکھا۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ نے حضرت جابر سے پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ وہ گھوڑوں کی نعل بندی کا کام کرتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چوم لیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) ''اگر تم میں سے کوئی ایک رسّی لے اور اپنی کمر پر ایندھن کی لکڑی کا گٹھا لا کر اپنے روزگار کے لئے اُسے بیچ دے تو یہ بات اُس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے دستِ سوال دراز کرے کہ لوگ اُسے دیں یا نہ دیں۔'' (صحیح بخاری)

(۲) ''کسی نے اُس شخص سے بہتر روزی نہیں پائی جو اپنے ہاتھوں سے روزی کماتا ہے اور اللہ کے نبی جناب داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔'' (ایضاً)

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انصار نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کھجور کے درختوں کو اپنے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کرنے کا کہا جس کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت نہیں دی۔ لیکن جب انصار نے مہاجرین سے اُن کے باغوں میں کام کرنے اور پیداوار میں حصہ دار بننے کا کہا تو انہوں نے فوراً اس پیشکش کو قبول کرلیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اہتمام سے بہت خوش ہوئے۔ (ایضاً)

سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کردیا۔ مواخات کا یہ رشتہ میرے اور سعد بن ربیع کے درمیان قائم ہوا۔ سعد تمام انصار میں امیر ترین تھے اور وہ مجھے اپنی آدھی دولت اور اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی دینے کے لئے تیار تھے۔ میں نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا اور اُن سے کہا کہ وہ براہِ کرم مجھے کسی تجارتی مرکز کا پتہ بتا دیں۔ اُنہوں نے مجھے قینقاع بازار کا بتایا تو دوسری صبح میں وہاں پہنچ گیا اور کچھ دہی اور گھی بغرض فروخت لایا۔ میں ہر روز وہاں اس غرض کے لئے جایا کرتا تھا۔ (ایضاً)

ایک مرتبہ ایک بے روزگار انصاری نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے لئے کچھ مالی امداد کرنے کو کہا۔ نبی علیہ السلام نے اُس سے پوچھا کہ اُس کا کوئی اثاثہ ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ اُس کے پاس اپنا جسم ڈھانپنے کے لئے ایک کمبل اور ایک پیالہ پانی پینے کے لئے ہے۔ آپ ﷺ نے اُس سے اِن کے لانے کو کہا۔ جب وہ اُنہیں لا چکا تو آپ نے اُنہیں اپنے قبضہ میں لے کر اُنہیں لوگوں میں نیلام کردیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے ایک درہم کی پیش کش کی۔ دوسرے شخص نے دو درہم پیش کئے اور اُنہیں خرید لیا۔ نبی علیہ السلام نے وہ دو درہم اُس آدمی کو دئے اور اُسے ہدایت کی کہ وہ ایک درہم سے کلہاڑا خرید لے۔ جب وہ کلہاڑا خرید لایا تو نبی اکرم ﷺ نے اُس میں اپنے دستِ مبارک سے ہینڈل لگایا اور اُسے اُس آدمی کو دے کر کہا: جنگل میں جاؤ' اس کلہاڑے سے لکڑیاں کاٹو اور میرے پاس پندرہ دن سے پہلے نہ آنا۔ دو ہفتوں کے بعد جب وہ واپس آیا

۳۰۸۲ (محنت کشی۔۔LABOUR)

۔تو نبی اکرم ﷺ نے اُس سے اُس کی کیفیت معلوم کی۔اُس نے جواب دیا کہ اُس نے اس عرصہ میں بارہ درہم کمائے ہیں جن سے اُس نے کچھ کپڑا اور گندم خریدے ہیں۔اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ گداگری سے اور روزِ قیامت اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں میں ذلیل کرنے سے بہتر ہے۔'' (ترمذی' ابوداؤد)

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک مضبوط و توانا نوجوان مسجد میں داخل ہوا اور حاضرین سے کہا کہ کیا کوئی جہاد میں اُس کی مدد کرسکتا ہے۔ جنابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے بلایا اور اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ کوئی اس نوجوان کو اپنی زمین میں کام پر لگا سکتا ہے۔ایک انصاری نے اُسے کام پر لگانا منظور کرلیا۔ جنابِ عمر نے اُس نوجوان سے پوچھا کہ وہ کیا معاوضہ لے گا اور پھر اُسے اُس انصاری کے ساتھ جانے کو کہا۔ کچھ ماہ بعد جب جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ آدمی کی کارگزاری خوب اور احسن ہے تو آپ نے انصاری کو کہا کہ وہ اُس نوجوان کو اُس رقم کے ساتھ لے آئے جو اُس نے کمائی ہے۔نوجوان کو جنابِ عمر کے سامنے درہموں سے پُر بٹوہ سمیت پیش کیا گیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس نوجوان کو کہا کہ بٹوہ لے کر یا تو وہ جہاد پر چلا جائے یا اپنے گھر کی راہ لے۔ (کنزالعمال)

اس سے معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے محنت و مشقت اور ریاضت کو بطور اکتسابِ رزق' جہاد پر ترجیح دی کیونکہ آپ زندگی میں اقتصادی کوشش کو بخوبی جانتے تھے۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ کے ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسی کمائی پاکیزہ تر ہے تو آپ نے جواب دیا:

''آدمی کا اپنے ہاتھوں سے کمانا اور ہر دیانتدارانہ لین دین پاکیزہ تر کمائی ہے۔''

<u>جسمانی محنت و مشقت</u>: انبیاء علیہم السلام کے قصّوں میں قرآنِ حکیم جسمانی اور ذہنی محنت و ریاضت کا حوالہ دیتا ہے۔مثلاً سورہ ھُود کی آیت ۳۷ میں پیغمبر نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔سورۃ الکہف میں جبکہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام دونوں ہم سفر تھے' محنت و مشقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''اُن دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی تو خضر علیہ السلام نے اُسے سیدھا کردیا۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس (تعمیر) پر مزدوری لیتے۔'' (۱۸ : ۷۷)

پھر اُسی سورۃ الکہف کی آیات ۹۵'۹۶ میں ذوالقرنین کے قصہ میں ایک آہنی دیوار کی تعمیر کا ذکر ہے۔

سورۃ القصص میں شعیب علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے یوں خطاب کرتے نظر آتے ہیں:

''میں چاہتا ہوں کہ اپنی اِن دو لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کردوں' اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرے ہاں اجرت پر کام کریں پھر اگر آپ نے اگر دس سال پورے کردئے تو آپ کی طرف سے احسان ہوگا اور میں آپ پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔'' (۲۸ : ۲۷)

۳۰۸۳ (محنت کشی -- LABOUR)

سورۃالانبیاء کی آیت ۸۰ میں داؤدعلیہ السلام کی بابت بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے اُنہیں لوہے کو موڑنا اور اُس سے کام لینا سکھا دیا تھا۔

سورہ سَبا کی آیات ۱۰'۱۱ میں داؤدعلیہ السلام کو جنہیں قرآن میں ''دستکار'' کہا گیا ہے' کشادہ زرہیں اور زرہ بکتر بنانے کا فن سکھایا گیا۔ داؤدعلیہ السلام کے لئے لوہے کا نرم کئے جانے کا مطلب اُن دنوں جنگوں اور دوسرے کثیر المقاصد کے لئے لوہے کا وسیع استعمال ہے اور یہی مقصد کشادہ زرہوں کے بنانے میں ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے کاریگروں اور دستکاروں کی مہارتِ نامہ کا ذکر سورہ سَبا کی آیت ۱۳ میں ہوا ہے۔

اقتصادی خوشحالی کو سخت محنت و مشقت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے جس کے بغیر پُر امن اور پُر مسرت زندگی کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یوں لگتا ہے کہ مغربی اقوام نے جنہوں نے گزشتہ ڈیڑھ صدی کے دوران مادّی لحاظ سے زبردست ترقی کی ہے' محنت کی عظمت کا اصول اللہ کی آخری کتاب قرآنِ حکیم سے اخذ کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے قصّے اس بات کا ثبوت ہیں کہ تمام انبیاء و رُسل محنت و مشقت کے کام کرتے تھے۔ اقتصادیات پر لکھی گئی کتابیں بھی انبیاء علیہم السلام کے پیشوں پر بحث کرتی ہیں۔ علامہ شیبانی (۱۸۹ھ/۸۰۴ء) کی طرف منسوب ایک کتاب میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام پیتل کی دھات سے چیزیں بنانے کا فن جانتے تھے جیسا کہ سورہ سبا کی آیات ۱۲' ۱۳ میں بیان ہوا۔ پیغمبر نوح علیہ السلام بڑھئی تھے' پیغمبر ادریس علیہ السلام درزی تھے' پیغمبر آدم علیہ السلام کسان تھے جبکہ پیغمبر موسیٰ علیہ السلام بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ (''کسب'' -- علامہ شیبانی' صفحہ ۷۶)

سورۃالزُّخرُف کی درج ذیل آیت ملاحظہ ہو:

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا (الزُّخرُف : ۳۲)

''ہم نے تو اُن کے درمیان اُن کی دنیوی زندگی (تک) میں اُن کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔'' (۴۳:۳۲)

معلوم ہوا کہ (۱) معاشرہ میں فرقِ مراتب بالکل فطری وطبعی ہے۔ کوئی دولتمند ہوگا تو کوئی نادار' کوئی افسر کوئی ماتحت۔ بے طبقات معاشرہ (Classless Society) کا لفظ ہی سرے سے بے معنی ہے یعنی بڑے چھوٹے کا فرق تو قائم رہے گا اور اسے قائم رہنا بھی چاہئے۔ (۲) مال و دولت میں عدم مساوات فطری وطبعی ہے اور تقسیم دولت میں مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلافِ فطرت ہے۔ فقہاء اور مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفیِ مساوات صراحت کے ساتھ نکالی ہے۔ (جصاص)

<u>صوفیائے کرام اور لیبر</u>: صوفیائے قدیم پر بایں وجہ تنقید کی جاتی ہے کہ اُنہوں نے روزی کمانے کی

بجائے صدقات وخیرات پر زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی۔ روزی کمانے کے فریضہ کی احمد بن حنبل (۲۴۱ھ/۸۵۵ء) جیسے علماء نے وکالت کی ہے۔ یہ علمائے کرام اپنے موقف کے ثبوت میں انبیاء علیہم السلام اور اُن کے صحابہ کی مثالوں کے ذریعے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حرام کمائی سے بچنے کے لئے محنت و مشقت کی کمائی پر انحصار کرنا ضروری ہے اور یہ کہ محنت و مشقت کرنے میں موروثی طور پر کوئی بے عزتی کی بات نہیں۔ علامہ شیبانی کا استدلال یہ ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی فرائض کی تعمیل کر ہی نہیں سکتے جب تک اگر کچھ لوگ دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ وضو کے پانی اٹھانے کے لئے برتن نہ بنائیں اور نماز پڑھنے کے لئے کپڑوں کی بُنائی نہ کریں۔'' (Encyclopaedia of the Quran, Vol. 3, pp. 253-254)

دماغی لیبر: سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام اور مصری بادشاہ کے مابین مکالمہ میں دماغی اور ذہنی لیبر کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ O قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ O وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ O

(یوسف: ۵۴تا ۵۶)

'' بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسے (یوسف علیہ السلام کو) میرے پاس لے آؤ' میں اُسے اپنی ذات کے لئے چُن لوں گا' پھر جب اُس نے آپ سے گفتگو کی (اور مطمئن ہوگیا) تو کہا: آپ آج سے ہمارے ہاں بڑے محترم (اور) قابلِ اعتماد (درباری) ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے' بے شک میں (اُن کی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں۔ یوں ہم نے یوسف کو (سرزمینِ) مصر میں اقتدار بخشا' ہم اپنی رحمت سے جسے چاہیں سرفراز کرتے ہیں اور ہم عمدہ کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔'' (۱۲ : ۵۴ تا ۵۶)

آیتِ بالا کا آخری حصہ اس حقیقت کی تائید میں ہے کہ ہماری جسمانی اور دماغی ہر قسم کی محنت کا ثمر بالآخر ہمیں خوشحالی کی افزائش اور بہتر گزران کی صورت میں مل کر رہتا ہے۔

اچھے مزدور کی خصوصیات

حُسنِ کارکردگی (Efficiency): سرمائے کی پیداوار میں اضافہ اور گاہکوں میں ساکھ (Goodwill) قائم کرنے کے لئے کام میں دیانتداری' مستعدی اور پھرتیلے پن کا نام ''حُسنِ کارکردگی'' ہے۔ جدید دورِ مسابقت میں جہاں میکانیت اور آٹومیشن (ذہنی و جسمانی محنت بچانے کے لئے خود کام کرنے والے طریق یا کلوں کا استعمال) بہ سرعت تمام ترقی پر ہیں' مارکیٹ میں ساکھ قائم کرنے کے لئے حُسنِ کارکردگی ناگزیر ہے۔ مزدوروں کے اس پہلو پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ کے مطابق حسن

۳۰۸۵ (محنت کشی --LABOUR)

کارکردگی کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت زیرِ بحث لایا جا سکتا ہے :

''(الف) جسمانی اور اخلاقی صحت : اجیر میں حسنِ کارکردگی کی خصوصیت کا حوالہ سورۃ القصص میں شعیب علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہوا ہے جب شعیب علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر نے اپنے بابا جان سے کہا تھا :

يَاَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ O (القصص : ۲۶)

''اے ابّا جان! اُنہیں نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو' امانتدار ہو۔'' (۲۸:۲۶)

یعنی جس کے قوائے جسمانی بھی اچھے ہوں' محنت سے اپنے کام انجام دے سکے اور اخلاقی صفات سے بھی وہ متصف ہو' خدمت کی بجا آوری میں خیانت و بددیانتی سے کام نہ لے۔ موسیٰ علیہ السلام میں یہ سب خصوصیات موجود تھیں لہٰذا اُنہیں ملازمت دیئے جانے کی سفارش کی گئی۔ دراصل ایمانداری اور دیانتداری انسان کا ایسا وصف ہے جو اُسے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا ہمہ وقت احساس دلاتا رہتا ہے اور اپنے فرائض کا یہ احساس ایک مزدور کے حسنِ کارکردگی کو ترقی دینے میں اہم عامل ہے۔

کام میں دیانتداری اور ذمہ داری کے احساس کی عظیم اہمیت کے پیشِ نظر نبی اکرم ﷺ نے ایک دیانتدار مزدور کی یوں تعریف کی ہے :

''سچے اور ایماندار تاجر کا ساتھ انبیاء علیہم السلام' سچے لوگوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی)

مزدوروں کی جسمانی صحت کا انحصار بہت حد تک کام کرنے کے حالات اور اُس کھانے پر ہے جو وہ کھاتے ہیں۔ مزدوروں کی صحت پر موجودہ شماریات امیر مغربی اقوام میں بھی بڑی ناامید ہے۔ مختلف جائزوں کے مطابق تقریباً ۳۰ سے ۴۰ ملین امریکیوں کو ہیلتھ انشورنس حاصل نہیں۔ ایک جدید رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آئے دن کے حادثات ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ۱۷۶ بلین ڈالر سالانہ میں پڑتے ہیں۔ ڈکیتیاں' منشیات کی لعنت' غیر محفوظ جنس اور غیر ارادی مجروحات کا خرچ ہر سال اس کے علاوہ کئی بلین ڈالر ہے۔ اس صورتِ حال پر اسلامی اصول ہی کے ذریعے قابو پایا جا سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے آجروں اور مالکوں کو پُرزور ہدایت کی کہ وہ اُن لوگوں کا خیال رکھیں جو اُن کے زیردست ملازم ہیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا :

''تمہارے نوکر تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تمہارے اختیار میں دیا ہے۔ سو جس کسی کا بھائی اُس کے کنٹرول میں ہے' اُسے اُس میں سے کھلانا چاہئے جس میں سے وہ خود کھاتا ہے اور اُسے ویسا ہی لباس دینا چاہئے جیسا وہ خود پہنتا ہے۔ خبردار! اُن پر ایسے کام کا بوجھ مت ڈالو جو اُن کی طاقت و ہمت سے باہر ہو اور اگر اُن پر ایسے کام کا بوجھ ڈالو تو اُس کی تکمیل میں اُن کی مدد کرو۔'' (An American Journal of Islamic Social Sciences, Vol. 10, Summer 1993, pp. 210,211)

۳۰۸۶ (محنت کشی -- LABOUR)

''یہ حدیث مبارکہ آجروں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے اجیروں کو عمدہ کھانا اور عمدہ لباس دیں جس کا نتیجہ اُن مزدوروں کی عمدہ جسمانی اور ذہنی صحت میں ہوگا۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے آجروں کو ہدایت کی کہ وہ مزدوروں پر اُن کی ہمت واستطاعت سے باہر کام کا بوجھ نہ ڈالیں کیونکہ ہمت سے باہر کام مزدوروں میں تناؤ پیدا کرتا ہے جو اُن میں اخلاقی بگاڑ' واتعاتی حادثات اور کم مقدار کی پیداوار پر منتج ہوتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں کئی وائٹ کلر مزدور کام کے حد درجہ بوجھ کی وجہ سے منشیات کے عادی ہو گئے ہیں۔''

''جدید مغربی تحقیق بھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ مزدوروں کی صحت کا خیال فرم کی اوّلیں ترجیحات میں سے ہونا چاہیئے۔ ''جرنل آف دی امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن'' میں شائع شدہ جدید رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایک فرم نے اپنے مزدوروں کو مناسب غذا لینے' وزن کی کمی کی تلافی کرنے اور سگریٹ نوشی سے پرہیز کا حکم دے کر امراضِ قلب کی شکایات میں ۵۷% اور حفظانِ صحت کی شکایات میں ۸ ۷ فیصد کمی پائی۔'' (ایضاً' صفحہ ۲۱۱)

''(ب) ذہنی موزونیت: ذہانت اور عمومی قابلیت ایک اور ایسا اہم عامل ہے جو مزدور کی حسنِ کارکردگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک کوتاہ عقل اور ست الوجود آدمی کی نسبت ایک ذہین اور قابل آدمی بہتر طور پر کام کر سکتا ہے۔ اس خصوصیت کا ذکر سورہ یوسف کی اس آیت میں کیا گیا ہے جس میں یوسف علیہ السلام نے شاہِ مصر سے کہا تھا:

اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ O (یوسف: ۵۵)

''مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے' بے شک میں (اُن کی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں۔'' (۱۲: ۵۵)

یوسف علیہ السلام کے یہ الفاظ ذہانت اور اہلیت واستعداد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کیونکہ کسی ست اور کند ذہن شخص کو کسی ملک کے خزانوں کا امین نہیں بنایا جا سکتا۔

''(ج) تعلیم وتربیت: تعلیم وتربیت بھی مزدور کی حسنِ کارکردگی میں اضافہ کرتے ہیں۔ ایک تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ مزدور میں غیر تربیت یافتہ اور جاہل مزدور کی نسبت زیادہ حسن کارکردگی ہوتی ہے۔ تعلیم وتربیت کی فضیلت سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بیان ہوئی ہے:

وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا (البقرۃ: ۲۶۹)

''اور جسے حکمت عطا ہوگئی' اُسے یقیناً خیرِ کثیر عطا ہوگئی۔'' (۲: ۲۶۹)

یہ حکمت ودانائی ہرگز نہیں کہ جو کچھ بھی کمایا جائے' سب یہیں اپنے نفس کی لذتوں اور خواہشوں پر اُڑا دیا جائے۔ عین دانائی اور حکمت یہ ہے کہ اِس آج سے کل کا ذخیرہ جمع کیا جائے' آج تخم ریزی ایسی کی جائے کہ کل

پھل ہی پھل ہاتھ لگیں اور ایمان و اطاعت کا ایسا بیمہ کرا دیا جائے جو آئندہ کی دائمی اور غیر منقطع زندگی میں برابر کام آتا رہے۔

یہاں تعلیم و تربیت کو چھلک جانے والے فوائد سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اِن اوصاف کو کثیر مالداری اور مرفہ الحالی کے برابر سمجھتا ہے۔ بظاہر ایک جاہل اور غیر تربیت یافتہ مزدور کی حسنِ کارکردگی اور پیداوار ایک تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ مزدور کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اس حقیقت کو قرآن نے بھی اس آیت میں بیان کیا ہے :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزُّمَر : ۹)

''فرما دیجئے : کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے' (سب) برابر ہو سکتے ہیں؟'' (۳۹:۹)

بادشاہ طالوت کی جسمانی اور دماغی فوقیت کو سورۃ البقرۃ کی اِس آیت میں بیان کیا گیا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرۃ : ۲۴۷)

''بے شک اللہ نے اُسے تم پر منتخب کر لیا ہے اور اُسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرما دی ہے۔''

ایک فرد کا تعلیمی پس منظر اُس کے اُس کام کی نوعیت اور خصوصیت پر اثر انداز ہوتا ہے جو وہ انجام دیتا ہے۔ ایک بہتر تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ مزدور زیادہ پیچیدہ امور کو بہ آسانی سمجھ سکتا ہے اور بہت جلدی سے سیکھ سکتا ہے۔ کام اگر معلوماتی نوعیت کا ہے تو تعلیم بالخصوص ناقدانہ اور مبصّرانہ ہو جاتی ہے۔ پہلی وحیِ قرآن کا موضوع عمومی تعلیم کی اہمیت کا تھا :

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ○ (اَلْعَلَق : ۱ تا ۵)

''پڑھئے (اے نبی!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اُس نے انسان کو خون کے جمے ہوئے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی ہے' (جس نے) انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دی ہے جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔'' (۱ تا ۵ : ۹۶)

اِن آیات میں تعلیم کو انسانی ترقی کا سنگِ بنیاد کہا گیا ہے۔ انسان فطرت کے رازہائے سربستہ کی نقاب کشائی کرنا اور اُنہیں اپنے استعمال اور فائدے میں لانا آہستہ آہستہ معلوم کرتا ہے اور علم ہی کے ذریعے تمام ممکنات حقائق بن جاتے ہیں۔

انسانی ترقی میں تعلیم کے نمایاں کردار کے مدِّ نظر نبی آخر الزماں ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں' اُنہیں علم ورثہ میں ملا ہے' جس شخص کو یہ ورثہ دیا

گیا' دراصل اُسے بڑی خوش نصیبی (یعنی دولت) عطا کی گئی۔'' (صحیح بخاری)

علم کو خوش نصیبی (دولت) کے مقابل رکھنے سے نبی اکرم ﷺ نے دراصل انسانی ترقی کے ایک اہم سربستہ راز کی نقاب کشائی کی ہے اور انسانی ترقی اور تعلیم کے اٹوٹ انگ رشتے کو ظاہر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم و تربیت حُسنِ کارکردگی کے لئے لازم ہیں۔(Encyclopaedia of Seerah, Vol. 2, pp. 507-08)

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:
''قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ علم اُٹھ جائے گا اور جہالت کی حکومت ہوگی۔''

فرموں کو اپنے ملازموں کو تعلیم دینے' اُن کی کارگزاریوں' منصوبوں' پالیسیوں اور دوسرے لائحہ ہائے عمل کی معلومات فراہم کرنے میں حصّہ لینا چاہیے۔ یہ کام اخبارات میں اشاعت کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ اگر مزدوروں کی اکثریت ناخواندہ ہے تو ایسا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں فرم اپنے ملازموں تک معلومات نہ پہنچنے دے کیونکہ یہ چیز بالآخر افواہیں پھیلانے کا موجب بنے گی جو انتظامیہ اور ملازموں دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔

دوسری ممکنہ صورت زیادہ زرطلب طریقوں کو بروئے کار لانا ہے۔ اس صورت کی مثال ریاستہائے متحدہ امریکہ کے محکمہ دفاع کی ہے۔ فوج میں تازہ بھرتی کئے ہوئے کچھ جوانوں میں تعلیم کی پست حالت کی وجہ سے حکومت کو ہزاروں ڈالر جنگی اوزاروں کے مسوّدات کو سہل القراءت کتب میں منتقل کرنے میں اُن لوگوں کے لئے خرچ کرنا پڑے جنہیں آئندہ اِن جنگی اوزاروں سے بھی زیادہ پیچیدہ آلات سے واسطہ پڑے گا۔(An American Journal of Islamic Social Sciences, Vol. 10, Summer 1993, p. 205)

<u>باہمی تعاون کی بنیاد پر تعلیمی ترقی (کوآپریٹو ایجوکیشنل ڈویلپمنٹ)</u>: فرمیں بالعموم تعلیم دلانے کا کام نہیں کرتیں۔ تاہم اُنہیں اسلام اس کارِ خیر میں حصّہ دار بننے کا شوق دلاتا ہے کہ مسلمان اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لانے میں ایک دوسرے کی معاونت کریں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

''تم میں سے کوئی اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

یہ مسلّمہ امر ہے کہ ہر شخص کامیابی و کامرانی اور خوشی و مسرت کا خواہاں ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ کا مطالبہ

یہ ہے کہ اسلامی سماج میں لوگوں کو صرف اپنی فلاح و بہبود کے لئے کام نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں کی بہتری کے لئے بھی کام کرنا چاہئے۔ فرم اپنے ملازموں میں تعلیم و تعلم کی اس طرح حوصلہ افزائی کرسکتی ہے کہ اُن میں تعلیم یافتہ ملازمین ناخواندہ ملازمین کو رضا کارانہ طور پر تعلیم دیں۔ مالیاتی محرّکات کسی بھی طرح غیر اسلامی نہیں ہیں۔ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اُن غیر مسلمین کا جزیہ معاف کر دیا تھا جو ناخواندہ مسلمانوں کو پڑھاتے تھے۔

''(د) حُسن اور دل آویزی : کام میں مستعدی، لگن اور پختگی لیبر کا ایک اور تقاضا ہے جو کامیابی و کامرانی اور ترقی کا امتیازی نشان ہے، ایک ایسا راز ہے جس سے غیر مسلم متعارف لیکن مسلمان ناآشنا ہیں۔ سورۃ النَّمل میں بیان ہوا ہے کہ اللہ کی کوئی مخلوق پختگی اور متناسب توازن کے بغیر نہیں ہے:

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (اَلنَّمل : ۸۸)

''یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔'' (۲۷:۸۸)

جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی کاریگری میں مکمل، دل آویز اور پائیدار بنایا ہے تو وہ اپنے بندوں بالخصوص مسلمانوں سے ہر اُس چیز میں جو وہ بناتے ہیں اِس اکملیت، دل آویزی اور پائیداری کے لمس کی امید کرتا ہے۔

سورۃ النَّمل کی مندرجہ بالا آیت (۸۸) کے سیاق و سباق میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس شخص کے لئے دعا کی ہے جو اپنے کام میں پختگی اور جمال و آرائش لاتا ہے، نہ کہ مالی مقاصد کی تحریک کے تحت بے دلی دکھاتا ہے۔

دو اور احادیث چیزوں میں جمالیاتی پہلو پر اس طرح روشنی ڈالتی ہیں:

(۱) کوئی شک نہیں کہ اللہ خود جمال ہے اور وہ جمال (خوبصورتی) کو پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۲) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہر چیز میں حسن و جمال اور موزونیت پیدا کرنا لازم کر دیا ہے۔ (ایضاً)

حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی روزی کے لئے مستعد اور چوکس مزدور اور کام کے دوران رضائے الٰہی کو ذہن نشین رکھنے والا مزدور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرح ہے جنہوں نے اپنے بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ پایا تھا یعنی اُنہوں نے اپنی روزی بھی کمالی اور اپنے کام میں ایمانداری کی بدولت اللہ تعالیٰ کی جانب سے معاوضہ بھی پالیا۔

لیبر کی حرکت پذیری (Mobility): اسلام نے مزدوروں کے حقوق کو تسلیم کیا ہے اور اُنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ کو اور ایک پیشہ سے دوسرے پیشہ کو حرکت پذیری کی مکمل آزادی عطا کی ہے۔ اس حرکت پذیری کا مزدوروں کے اقتصادی حالات پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اگر مزدور ایک جگہ سے دوسری جگہ یا ایک پیشہ سے دوسرے پیشہ کو بہ آسانی اور آزادانہ طور پر حرکت پذیر ہوں جہاں اُنہیں بہتر معاوضہ ملتا ہو تو وہ اپنے معیارِ

زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں لیکن اگر اس کے برعکس اگر مزدوروں کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک پیشہ سے دوسرے پیشہ کو منتقل ہونے پر پابندیاں ہوں تو بہت سے مزدور بالخصوص پسماندہ علاقوں کے مزدور اچھا معاوضہ پانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اُن علاقوں میں کام کرنے والے مزدور جہاں مزدوروں کی کمی ہو' اُن علاقوں کی نسبت زیادہ کمائی کریں گے جہاں لیبر کی فراوانی ہو۔

سورۃ النساء کی آیت ۱۰۰ میں فرمایا :

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

''اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسول کی خاطر ہجرت کرتا ہوا نکلے اور پھر اُسے موت آلے تو اُس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمہ ثابت رہا۔'' (۴ : ۱۰۰)

اِس آیت میں قرآن مجید نے ایک بنیادی اصول دیا ہے جسے اگر مختلف ممالک کے لوگ بغیر کسی پابندی کے اپنالیں تو بین الاقوامی اُجرتوں میں ناجائز تنزل پر قابو پایا جاسکتا ہے اور اُنہیں معقول سطح پر برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بین الاقوامی اجرتیں آزادانہ داخلی اور خارجی لیبر کی حرکت پذیری کے ذریعے معقول اور مساویانہ سطح پر قائم کی جاسکتی ہیں اور قرآنِ حکیم کے مطابق لیبر کی حرکت پذیری آج کی بہت سی اقتصادی' سماجی اور سیاسی بیماریوں کے حل کرنے کا مؤثر اور اہم طریقہ ہے۔ سرمایہ دار اور لیبر کے درمیان کم تصادم ہوگا اور اگر یو۔ این۔ اے کے تمام ممبران اس بات کا احساس کریں کہ کچھ ممبر ملکوں کی جانب سے غیر ملکی لیبر کی حرکت پذیری پر عائد شدہ پابندیوں سے امنِ عالم اور خوشحالی کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے تو دنیا خوشی و مسرت سے حظ اندوز ہو سکے گی۔

قدامت پسند اور غیر حوصلہ مند لوگ جو غربت و ذلّت کی زندگی بسر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے گھر چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے' اُنہیں سورۃ النساء کی اس آیت میں خطاب کیا گیا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ (النساء : ۹۷)

''بے شک اُن لوگوں کی جان جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے جب فرشتے قبض کریں گے تو اُن سے کہیں گے کہ تم کس کام میں تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اس ملک میں بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔'' (۴ : ۹۷)

سورہ نوح میں بیان ہوا ہے :

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاۙ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًاۙ (نوح : ۱۹' ۲۰)

''اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اُس کے کھلے راستوں میں چلو۔'' (۷۱:۲۰'۱۹)

۳۰۹۱ (محنت کشی ۔۔LABOUR)

یہ قرآنی آیت انتہائی واضح طور پر مسلمانوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنا اقتصادی معیار بہتر بنانے کے لئے دُور دراز ممالک کا سفر کریں تاکہ قوم کو خوشحالی نصیب ہو۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے لوگوں کو ایسی سرزمین چھوڑنے کی ترغیب دی جہاں روزگار کے وسائل کم ہوں اور یہ کہ وہ اُن دوسرے علاقوں کو ہجرت کریں جہاں دولت کی فراوانی ہو تاکہ وہ پُرمسرت اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔ اِن تمام مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حجاز کی فالتو آبادی عراق، شام، مصر وغیرہ کی امیر اور زرخیز سرزمینوں کو ہجرت کر گئی اور پھر آہستہ آہستہ وہ لوگ جاوا، سماٹرا، سپین، تیونس، مراکو، الجیریا، سوڈان اور حبشہ وغیرہ کو ہجرت کر گئے۔ (Encyclopaedia of Seerah, Vol. 2, pp. 509-10)

<u>پیشے کی آزادی</u> : اسلام ہر شخص کو کسی بھی (جائز) کام کرنے کی مکمل آزادی اور اختیار دیتا ہے اور یہ کہ وہ کسی پیشے سے دوسرے پیشے کی طرف اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بغیر کسی رکاوٹ اور پابندی کے حرکت پذیری کر سکتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اسلام میں جغرافیائی اور پیشہ دونوں کے لحاظ سے لیبر کو حرکت پذیری کی مکمل آزادی حاصل ہے جیسا کہ سورۃ النسآء اور سورۃ المُلک کی ذیل کی آیات سے ظاہر ہے:۔

(۱) وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

''اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسول کی خاطر ہجرت کرتا ہوا نکلے اور پھر اُسے موت آلے تو اُس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمہ ثابت رہا۔'' (۴ : ۱۰۰)

(۲) هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا (اَلْمُلْك : ۱۵)

''وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا، سو تم اُس کے راستوں میں چلو پھرو۔'' (۶۷:۱۵)

یہ آیات لیبر کی مکمل جغرافیائی آزادانہ حرکت پذیری کے اشارے کو شامل ہیں۔ یہ چیز کم معاوضہ والے ملازمین کے معاوضہ کو بڑھانے اور پورے ملک میں اُجرتوں کو استحکام بخشنے میں معاون ہے۔ اگر اس اصول کو تمام ممالک بغیر کسی روک ٹوک کے اپنالیں تو یہ چیز تمام دنیا میں اجرتوں کے معیار کے استحکام میں سہولت پیدا کرے گی۔

<u>لیبر کے حقوق</u> : اس حقیقت کو اسلام نے تسلیم کیا ہے کہ دولت لیبر اور سرمایہ دار دونوں کے باہمی تعاون سے کمائی جاتی ہے۔ یہ بات اُنہیں اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق کی یاددہانی کراتی ہے اور اُن سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق و مفادات کا بھی اُسی طرح خیال رکھیں جیسے وہ اپنا رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ لیبر نسبتاً کمزور ہوتی ہے اور اس کے حقوق و مفادات سرمایہ دار کے ہاتھوں خطرے میں پڑ سکتے ہیں، اس لئے اسلام نے اس کے حقوق کے تحفظ پر خصوصی توجہ دی ہے۔ ختمی مرتبت رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادموں سے اپنے افرادِ خانہ کی طرح سلوک کیا اور صحابہ کرام کو اُن سے حسنِ سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

''غلاموں اور نوکروں کو کھانا اور لباس رائج الوقت طریقہ کے مطابق دیا جائے اور اُن پر اُن کی ہمت و

استطاعت سے باہر کام کا بوجھ نہ لادا جائے۔'' (مؤطا امام مالک)

لیبر کے تنازعات یا تو اُجرتوں کی وجہ سے یا کام کی نوعیت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں نبیِ اکرم ﷺ نے اِن دونوں پہلوؤں پر زور دیا ہے۔ آپ نے اکثر اپنے صحابہ کو مزدوروں کو اچھی اجرت دینے کی ہدایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دس سال خدمت کی' نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی کو کم اجرت نہیں دی (صحیح بخاری)۔ یہ بھی آپ نے فرمایا کہ مزدور کو اُس کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دیا کرو (ابنِ ماجہ' بیہقی)۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''روزِ قیامت اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کا دشمن ہوگا' اُن میں سے تیسرا آدمی وہ ہے جو کسی کو مزدوری پر رکھتا ہے' اُس سے پورا کام لیتا ہے لیکن اُسے اُس کا معاوضہ ادا نہیں کرتا۔'' (صحیح بخاری)

اُجرت مقرر اور طے کرنے سے پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی کو مزدور رکھنے سے منع فرمایا ہے (صحیح بخاری)۔ آپ ﷺ خادموں پر بڑے ہی مہربان تھے اور آپ کا کوئی بھی خادم جب کبھی بیمار ہوتا تو آپ اُس کے گھر تشریف لے جاتے اور اُس کی خیریت دریافت فرماتے۔ خلیفہ ثانی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سرکاری ملازمین کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ غلاموں اور خادموں کی نگرانی کیا کریں اور جب بھی اُن میں سے کوئی بیمار ہو تو اُس کی عیادت (تیمارداری) کے لئے جایا کریں۔

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے ایک غلام کو زدوکوب کر رہے تھے کہ اُنہوں نے پیچھے سے ایک آواز سُنی: اے ابو مسعود! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ قوّت والا ہے۔ جب ابو مسعود نے مڑ کر دیکھا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو موجود پایا۔ ابو مسعود نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں رضائے الٰہی کی خاطر اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو نارِ جہنم تمہیں جلا ڈالتی (مؤطا امام مالک)۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا آجروں کو اُن کی روزمرّہ زندگی میں اپنے اجیروں کے ساتھ رویّہ اور وطیرہ کے اصول دئے گئے۔ اجرتیں معقول اور تقاضائے وقت' مہارتوں اور کام کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہئیں۔ اجرتیں ملازمت دئے جانے کے وقت ہی طے ہونی چاہئیں اور مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دینی چاہئیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ (ہاتھ سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے)۔

<u>نفع میں حصّہ داری کی سکیمیں</u> : لیبر اور سرمایہ دار کو اکٹھا رکھنے میں اور اُن کے تعلقات کو بہتر بنانے

۳۰۹۳ (محنت کشی۔۔LABOUR)

میں یہ ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ جب مزدور اور ملازم کو معلوم ہو کہ اُسے حاصل شدہ نفع میں سے کچھ حصّہ ملنا ہے تو وہ مزید تن دہی اور محنت سے کام کرے گا اور پیداوار کو بڑھانے میں اپنی پوری کوشش کرے گا۔ مشینری کو وہ بڑی احتیاط سے چلائے گا اور خام مال کے استعمال میں کفایت اور بچت کرے گا تا کہ پیداوار زیادہ سے زیادہ ہو۔

اسلام نے تجارت میں اِس سکیم کی افادیت اور اثر پذیری کی تحسین کی ہے اور مسلمان آجروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ لیبر کو عمدہ اجرت ادا کریں کہ اُنہوں نے پیداوار بڑھانے میں اُن کی خدمت کی ہے۔ ایک مزدور کی محنت جو اُس نے پیداوار بڑھانے میں کی ہے' کا بہترین صلہ نفع میں اُسے حصّہ دار بنانے کا ہے۔ یہ بات کام میں یقینی طور پر لگن اور دلچسپی کا موجب بنے گی اور اس سے اُس کی حسنِ کارکردگی بھی بڑھے گی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مزدور کو پیداوار میں سے حصّہ دینے میں سرگرم تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابہ کرام کو یوں ہدایت فرمائی :

''مزدور کو اُس کے کام کا حصّہ دیا کرو کیونکہ اللہ کا کوئی بھی مزدور بغیر حصّہ پائے بغیر واپس نہیں جاتا۔''
(مؤطا امام مالک)

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
''جب تمہارا خادم تمہارے لئے کھانا تیار کر کے اُسے تمہارے لئے لائے تو تمہیں اُسے دسترخوان پر ساتھ بٹھا کر کھلانا چاہئے اور اگر تم اُسے اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتے تو تمہیں اُس کو کچھ کھانا دینا چاہئے کیونکہ اُس نے محنت کی ہے اور کھانا تیار کرنے میں (چولھے کی) گرمی برداشت کی ہے۔'' (بخاری' ترمذی' ابوداؤد)

''دسترخوان پر ساتھ بٹھانا'' کے الفاظ بہت اہم ہیں اور اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ نبی علیہ السلام مزدوروں کو اچھی اجرت دئے جانے کے بڑے مشتاق تھے۔ دراصل آپ ﷺ مزدوروں کو فیاضانہ طور پر اجرت دیا جانا دیکھنا چاہتے تھے تاکہ وہ کم از کم اپنی بنیادی ضروریات میں آجر کی سطح پر آجائیں۔ آپ ﷺ کا اصل مقصد مزدوروں کو نفع میں بڑا حصّہ لینے کے قابل بنانا تھا تاکہ وہ اپنی بنیادی ضروریات میں اپنے آجروں کی سطح پر آجائیں۔

پروفیسر (Taussig) کے الفاظ میں :
''نفع میں حصّہ داری ایک ایسی تدبیر ہے جو آجر اور اجیر کو ایک معلوم کاروبار میں اکٹھا پابند رکھتی ہے۔ مزدور کو یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ منافع میں اُسے حصّہ ملنا ہے تو شعوری طور پر اُس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ کام بڑی تندہی اور جانفشانی سے کرے گا جس سے اُس کی استعدادِ کار بڑھے گی۔ وہ خام مال اور اوزاروں کا استعمال بھی احتیاط سے کرے گا تو بونس ملنے کی صورت میں وہ اضافی پیداوار میں اضافہ کرے گا۔'' (Encyclopaedia of Seerah, Vol. 2, pp. 519-20)

<u>صدقات اور لیبر</u> : مرکزی خزانہ میں جمع شدہ صدقات و خیرات کو بیروزگاری کے دنوں میں اور دوسرے

۳۰۹۴ (محنت کشی ۔۔ LABOUR)

ہنگامی مواقع پر لیبر کی مدد میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ داری کے مقابل مزدور کی سودا کاری کی قوت کو بڑھانے میں یہ بڑا مفید اور مؤثر طریقہ ہے۔ مسلمان معاشرہ میں لیبر اور سرمایہ دار کے باہمی تعلقات برادرانہ اور دوستانہ ہوتے ہیں۔ سرمایہ دار مزدور کے ساتھ فیاض' رواداراور ہمدرد ہوتا ہے جبکہ مزدور سخت کوش اور ایماندار ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات مالی مفادات یا محض خودغرضی کے باعث سرمایہ دار دوسروں کی خدمت اور دردمندی جیسے نیک جذبات کو بھول جاتا ہے اور لیبر کے حقوق کو غصب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر بیروزگاری اور دوسرے ہنگامی دنوں میں زکوٰۃ کا کچھ حصہ لیبر کی امداد کے لئے محفوظ رکھا جاتا ہے تو بے اصولے سرمایہ داروں کی ماہرانہ چالیں انتہائی غیر مؤثر ثابت ہوتی ہیں اور شرحِ اجرت معقول سطح تک مستحکم رہتی ہے۔

لیبر اور سرمایہ دار کی جانب سے تھوڑا تھوڑا چندہ ہوسکتا ہے لیکن فنڈ کا بڑا حصہ صدقات ہی سے ہوگا۔ اس فنڈ کا لیبر اور سرمایہ دار پر زبردست نفسیاتی اثر ہوگا۔ یہ مزدوروں کے درمیان اعتماد اور آجروں کے درمیان ساکھ کو بڑھائے گا۔ سرمایہ دار کوئی ایسا قدم اٹھانے سے رک جائے گا جو مزدوروں کے حقوق کو تلف کرسکے جبکہ مزدور بغیر کسی خوف وخطر کے یا اجرتوں میں کمی کے باعث بے روزگاری کے خطرے کے بغیر پُراعتمادی کے ساتھ مائل بہ عمل ہوں گے۔ (ایضاً)

<u>بیروزگاری کا بیمہ</u> : مسلمان معاشرہ میں روزگار کی فراہمی کی ذمہ دار ریاست ہے۔ اگر ریاست کا کوئی فرد معذور' بیمار یا بیروزگار ہو جائے تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان مشکل حالات میں اُس کی مالی امداد کرے۔ اسلام کے خلیفہ ثانی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ معلوم کرنے کے لئے تجربات کئے کہ ایک آدمی کی بنیادی ضروریات کی تسکین کے لئے یومیہ کتنی گرانٹ (مدد) کی ضرورت ہوگی۔ یہ عمل اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کیا گیا کہ ہر شخص کو اُس کی بنیادی ضروریات کی تسکین کے لئے اجرت دی جائے۔ قرآن مجید اسلامی ریاست کے اس عمل کی طرف واضح طور پر یوں اشارہ کرتا ہے :۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (بنی اسرائیل : ۳۱)
''اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کر دیا کرو' ہم اُنہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔''

اس آیت میں اسلامی حکومت کو مکلّف کیا گیا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی روزی کا خیال رکھے بالخصوص جبکہ اُن میں سے کوئی بیمار ہو' بیروزگار یا معذور ہو۔ پھر سورۃ الزخرف میں ہمیں یہ بیان ملتا ہے :

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الزُّخرُف : ۳۲)
''ہم نے تو اُن کے درمیان اُن کی دنیوی زندگی (تک) میں اُن کی روزی تقسیم کر رکھی ہے۔'' (۴۳:۳۲)

روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی نمائندہ ہونے کے لحاظ سے اسلامی حکومت کو بیماروں' بیروزگاروں اور معذوروں

کی روزی کا اہتمام کرنا چاہئے تاکہ معاشرے میں ہر کسی کا خیال رکھا جاتا رہے۔ ایسے ضرورتمند لوگوں کو بیروزگاری یا بیماری کے دنوں میں بیمہ کی گرانٹ دی جانی چاہئے تاکہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔ آجروں کو بھی اس فنڈ میں حصہ دار بنایا جائے۔ مزدور اپنی صحت اور روزگار کے دنوں میں بڑے منافع کر کے دیتے ہیں' لٰہذا یہ آجروں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے مزدور کی اُن کی بیروزگاری' بیماری یا معذوری کے دنوں میں مدد کریں۔ (ایضاً' صفحہ ۵۲۲)

جب تک ریاست اپنی رعایا کے تمام افراد کی کم از کم بنیادی ضروریات کی ضامن نہیں بن جاتی' اُس وقت تک اُسے رعایا کی جانب سے قانون کی اطاعت و پابندی کرانے کا کوئی حق نہیں۔ اپنے ضرورت مند یا بیروزگار یا بیمار لوگوں کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کے بعد اُسے اُن کی جانب سے قانون کے احترام اور اس کی پابندی کرانے کا حق حاصل ہے۔ سورۃ الفاتحہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ O (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا مربّی ہے)

آیت میں لفظ رَبّ جو بطور اسم استعمال ہوا ہے' مصدر ہے اور تربیت دینے والے کے معنیٰ میں ہے۔ ''تربیت'' کے معنیٰ ہیں کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشوونما دیتے رہنا تا آنکہ وہ حدِّ کمال تک پہنچ جائے۔ (''مفردات القرآن'' لامام راغب اصفہانی' صفحہ ۳۳۳ اردو ترجمہ)

لٰہذا ''رَبّ'' تمام موجودات کا قائم رکھنے والا ہے جس نے تمام مخلوقات کو نہ صرف اُس کی نشوونما کے ذرائع مہیا کئے ہیں بلکہ اس سے پہلے ہی اُن کے لئے دائرۂ استعداد بھی مہیا کر دیا ہے اور اُس دائرہ کے اندر ایسے ذرائع کی فراہمی کر دی ہے جن کے ذریعے وہ بتدریج اپنی تکمیل کی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

اس طرح ہماری اطاعتِ الٰہی کی بنیاد یہ ہے کہ وہ (رب) نگہداشت کرنے والا' مخلوقات کا سہارا' اُن کی نشوونما کرنے والا اور پنگوڑے سے لے کر لحد تک اُن کی تمام ضروریات کی تکمیل کرنے والا ہے۔ ہمیں حاصل تمام قوّتیں' طاقتیں اور توانائیاں اُس کی عطا و نوازشات ہیں۔ اس لئے اُس کی تمام مہربانیوں کو خواہ وہ جسمانی ہوں یا روحانی' تسلیم کرتے ہوئے ہم اُس کے حضور اُس کی مکمل تابعداری میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر ہماری اطاعت الٰہی اُس کے ہم پر انعامات کے شکریہ کے طور پر ہے۔ نشوونما اور رزق کی فراہمی کے ساتھ ساتھ جس کے بغیر زندگی ممکن ہی نہیں' ہمیں لاتعداد نوازشات نوازنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ ہم سے اطاعت و فرمانبرداری چاہتا ہے تو ایک ریاست اپنی رعایا سے اُن کی بیروزگاری یا بیماری کے ایّام میں اُن کی بنیادی ضرورتوں کی ضمانت دیئے بغیر اُن سے اطاعت و فرمانبرداری کا کیسے مطالبہ کر سکتی ہے؟ ریاست اور اُس کی تمام ایجنسیاں اپنے ملازموں سے خاصا کام لیتی ہیں اور بڑا منافع کماتی ہیں لیکن جب وہ بیروزگار یا بیمار ہوتے ہیں تو کیا اُنہیں بھوک اور موت کے حوالے کر دیا جائے؟

۳۰۹۶ (محنت کشی ۔۔LABOUR)

اس لئے اسلام ایک اسلامی ریاست کو بیروزگاری اور بیماری کے ایام میں لیبر کو بیمہ گرانٹ دینے کا پابند کرتی ہے۔ ایک مسلمان ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ اُس کے تمام ارکان ہر حالت میں ایک خاص معیارِ زندگی اپنائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مسلم ریاست بیروزگاری اور بیماری مفاد زکوٰۃ فنڈ سے ادا کرتی ہے تاکہ تنگدستی کے دَور میں ایسے لوگ اپنا روایتی معیارِ زندگی برقرار رکھ سکیں۔ اس طرح زکوٰۃ فنڈ جو غرباء کے مفاد کے لئے امراء سے وصول کیا جاتا ہے' کو صحیح طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور بیروزگاروں اور بیماروں کے لئے اس کے ذریعے کم ازکم اجرت کی ضمانت دی جاتی ہے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین اس زکوٰۃ فنڈ کا کچھ حصّہ اپنے سماج کے بیروزگاروں اور بیماروں کی مدد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ بیروزگاروں اور بیماروں کے مسائل حل کرنے کے لئے اس سکیم کو ہماری جدید زرعی اور صنعتی اقتصادیات میں متعارف کرایا جاسکتا ہے۔ اگر مسلم ریاستیں اس موقع پر صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآنی حکم کے اتباع میں اس فنڈ کو غرباء' حاجتمندوں' بیروزگاروں اور بیماروں وغیرہ کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرے تو اُن کے اپنے اندرونی ذرائع ہی سے اور کسی غیر ملکی امداد کے بغیر بہت سے اقتصادی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ (Encyclopaedia of Seerah, Vol. 2, pp. 521-523)

<u>آجر اور اجیر کے درمیان تعلقات</u>: موجودہ صنعتی نظام لیبر اور سرمایہ داری کو دو مخالف گروہوں میں تقسیم کرتا ہے جس کے مفادات ہمیشہ ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں اور سرمایہ دارانہ ممالک میں سرمایہ اور افرادی قوّت کے خاصے ضیاع کا باعث بنتے ہیں۔ لیبر کے حقوق کے تحفظ کے لئے قانونی ذرائع اختیار کئے جانے کے باوجود یہ تصادم ختم نہیں ہوا بلکہ دراصل اِن دنوں بالخصوص برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ترقی پذیر ہوا ہے۔ ٹریڈ یونین کی تحریک بھی اپنے مقصد میں ناکام ہوئی ہے اور ان ممالک کی بیشتر صنعتوں میں اکثر غیر سرکاری ہڑتالیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے مغربی ممالک بالخصوص برطانیہ میں لاکھوں ڈالر ضائع ہوتے ہیں کیونکہ وہ اشیاء بروقت مہیا نہیں کرتے۔

ایک اسلامی ریاست میں لیبر اور سرمایہ دار کے مابین تصادم اور عناد نہیں ہوسکتا۔ اسلام لیبر اور سرمایہ دار کو اخوّت اور بھائی چارے کی لڑی میں اس طرح پرو دیتا ہے کہ اُن کے مفادات باہم متصادم نہیں ہوتے۔ اسلام مسلمانوں میں باہمی اعتماد کے جذبات' نیک خواہشات' دوسروں کے حقوق کا احترام' مساوات وانصاف اور محبت و شفقت سکھاتا ہے۔ ایک مسلمان سرمایہ دار سچا مسلمان ہو ہی نہیں سکتا اگر صنعت کاری میں (ناجائز) منافع خوری اُس کا مقصدِ وحید ہو۔ اس کے برعکس وہ اپنا سرمایہ اُن صنعتوں اور کاروباروں میں لگائے گا جو سماج کے لئے فائدہ مند ہوں اور اُن سے کسی بھی حاصل شدہ منافع پر وہ اللہ تعالیٰ کا ممنونِ احسان اور اُس کا شکر گزار ہوگا۔ صنعت اور دوسرے کاروباروں میں اُس کی سرمایہ کاری کا مقصد رضائے الٰہی کی خاطر خدمتِ انسانیت ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ کسی

اور سرمایہ دار کی طرح اپنی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کرے گا لیکن پیداوار میں یہ اس کا مقصدِ واحد نہیں ہوگا۔ وہ ہمیشہ سماج اور اُن لوگوں کے عظیم مفاد کو مدِّنظر رکھے گا جو پیداوار میں اُس کی معاونت کرتے ہیں اور وہ زیادہ پیداوار حاصل کرنے کا منصوبہ اپنے رفقائے کار کے مشترک مفاد یا سماج کے مفاد کی قیمت پر نہیں کرے گا۔ (ایضاً)

اسلام نے مزدور کو آجر کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا کہ آجر اجیر سے جس طرح چاہے معاملہ کرے۔ مزدور کوئی تجارت کی چیز نہیں۔ آجر اور اجیر دونوں اخلاقی ضابطے اور انسانی اخلاقیات کے سلسلے میں بندھے ہوئے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔ موسیٰ اور شعیب علیہا السلام کے قصہ کے بیان میں قرآنِ حکیم اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ آجر اور اجیر کے درمیان کس نوعیت کے تعلقات ہونے چاہئیں۔ بوڑھے شعیب علیہ السلام نے اپنے ہونے والے داماد یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قدر و قیمت معلوم ہوتے ہوئے اُنہیں یقین دلایا کہ وہ کسی بھی صورت میں اُن پر طاقت سے بڑھ کر کام کا بوجھ نہیں ڈالیں گے یا موسیٰ علیہ السلام کے مفادات کے خلاف نہیں جائیں گے۔ اس قصہ میں صنعتی تعلقات کو رُو بہ اصلاح کرنے اور لیبر اور سرمایہ دار کے مابین ہر قسم کے تصادم کی بیخ کنی کرنے کا سبق ہے۔ شعیب علیہ السلام نے کہا:

''میں چاہتا ہوں کہ اپنی اِن دو لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کر دوں، اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرے ہاں اجرت پر کام کریں پھر اگر آپ نے اگر دس سال پورے کر دئے تو آپ کی طرف سے احسان ہوگا اور میں آپ پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا، آپ انشاء اللہ مجھے خوش معاملہ پائیں گے۔ موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہوگئی۔ میں ان دونوں میں سے جو بھی مدت پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو کچھ کہہ سن رہے ہیں، اللہ اس کا گواہ ہے۔'' (۲۷، ۲۸ : ۲۸)

شعیب علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کو درجِ بالا دی گئی ضمانت تمام آجروں کے لئے ایک واضح ترغیب ہے

''بیوی کو حاصل کرنے میں اُس کے والد کی خدمت کرنے کا یہ قدیم عبرانی نظام اب بھی دنیا کے کچھ علاقوں میں رائج ہے۔ یہ عمل جس میں آدمی بالعموم ایک وقت تک کے لئے اپنی ہونے والی بیوی کے خاندان کے ساتھ رہتا ہے جس کے دوران وہ بطورِ خادم کے کام کرتا ہے۔ خدمت کا یہ عرصہ مختلف لوگوں میں مختلف ہے۔ بسا اوقات وہ ایک سال سے کم ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں وہ دس یا بارہ یا پندرہ سال تک بھی بڑھ سکتا ہے۔'' ("Future of Marriage in Western Civilization"... Dr. Westermarck, p. 158)

اجرتوں کا بالعموم نظریہ Marginal Product Theory کہلاتا ہے جس کے مطابق اجرتوں کا تعین طلب اور رسد کی قوتوں کے مابین توازن سے کیا جاتا ہے۔ ("Islamic Economics"... M.A. Mannan, p. 155)

۳۰۹۸ (محنت کشی ۔۔ LABOUR)

معاملہ کاری اور سودے بازی میں کمزور ہونے کی وجہ سے سرمایہ داری نظام کے تحت لیبر کو پیداواری تناسب سے کم اجرت ملتی ہے ۔ (ایضاً)

لیکن اسلام اس سرمایہ دارانہ رُجحان کا حامی نہیں ۔ لیبر کی اجرت اتنی ہونی چاہئے جس سے وہ غذائیت بخش غذا اور ایسا لباس پا سکے جو آجر کو میسر ہے ۔ اس ضمن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:
''تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے ۔ سو اگر کسی کا (ملازم) بھائی اُس کے ماتحت ہے' اُسے اُسی طرح کا کھلانا چاہئے جیسا وہ خود کھاتا ہے اور اُسی طرح کا پہنانا چاہئے جیسا وہ خود پہنتا ہے ۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

تاہم قرآن مجید نے مزدوروں کے مختلف طبقات کے مابین اُجرتوں کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے کیونکہ پیدائشی صلاحیتیں اور قابلیتیں کمائی اور مادّی معاوضہ پر منتج ہوتی ہیں ۔ قرآن مجید فرماتا ہے :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النسآء : ۳۲)

''اور ایسے امر کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے ۔'' (۴:۳۲)

کام کے اوقات کا تعین' کام کے زیادہ سے زیادہ اوقات' کام کے موزوں حالات' اور صنعتی خطرات کے مقابل حفظِ ماتقدم کی تدبیر اختیار کرنا' یہ سب کے سب اسلامی روح کی مطابقت میں ہوں گے (بحوالہ موسیٰ علیہ السلام کا شعیب علیہ السلام کے تحت کام کرنے کا آٹھ تا دس سالہ معاہدہ جس کا ذکر گزشتہ صفحہ ۳۰۹۷ میں ہو چکا ہے)۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں آجر اور اجیر کے مابین تعلقات کو یوں بیان کیا گیا ہے:
''اُن پر اُن کی طاقت و ہمت سے بڑھ کر کام کا بوجھ نہ ڈالو اور اگر ایسا کرو تو اُن کی مدد کرو (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

اسلام مساوات وانصاف کا دین ہے ۔ جہاں اُس نے لیبر کے حقیقی مفادات کا تحفظ کیا ہے اور اُنہیں آجر کے تشدد' جبر واستبداد' استحصال اور بالا دستی سے بچایا ہے' وہاں اُس نے آجر کے مفادات کا بھی تحفظ کیا ہے کہ اجیر کو کچھ اخلاقی ضابطوں کا پابند کیا ہے ۔ مثال کے طور پر اجیر کی ایمانداری اور اعتماد کو بہ طور فرض بیان کر کے قرآن مجید شعیب علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر کی زبانی فرماتا ہے:

يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○ (القصص : ۲۶)

''اے ابّا جان! اُنہیں نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو' امانتدار ہو ۔'' (۲۸:۲۶)

۳۰۹۹ (محنت کشی --LABOUR)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

(۱) ''جو اجیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دلی تعلق میں مسابقت کرتا ہے اور اپنے مالک کی خدمت بھی فرض سمجھ کر خلوص اور اطاعت کے ساتھ کرتا ہے تو اُس کا اجر اللہ کے ہاں دوگنا ہے۔'' (صحیح بخاری)

(۲) ''بہترین کمائی مزدور کی ہے بشرطیکہ وہ اپنا کام توجہ سے اور اپنے مالک کا لحاظ رکھتے ہوئے کرے۔''

(۳) ''وہ شخص جسے ہم نے کسی کام پر لگایا اور اُسے روزی مہیا کی اور پھر وہ اس سے بڑھ کر مخصوص کرتا ہے تو یہ سب ناجائز کمائی ہے۔'' (ابوداؤد)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام معاشرے کی متوازن نشوونما کا حامی ہے جس کے لئے لیبر اور سرمایہ دار کے مابین مصالحتی فضا کا ہونا اوّلیں ترجیحات میں سے ہے۔ اگر آجر اور اجیر اسلام کے مزاج اور روح سے واقف ہوں' تو ہڑتالیں اور تالہ بندیاں جو بے چینی اور اضطراب کا قدرتی نتیجہ ہیں' خود بخود ختم ہو جائیں گی کیونکہ اس صورت میں ہر دو طبقوں کے مابین ہم آہنگی ہو جائے گی اور اس طرح ایک دوسرے کے حقوق کو غصب کرنا بند ہو جائے گا۔ بھائی چارہ' حق و انصاف اور اخلاقی بالادستی کے ایسے ماحول میں اپنے فرائض کی دیانتدارانہ بجا آوری ہی سے آجر اور اجیر کے مابین اختلافات کا سدِّ باب ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ ("The Economic System of Islam" ... M. Umar Chapra, p. 18)

کسی بھی سماجی تنظیم کی ہموار انجام دہی کے لئے آجر اور اجیر کے دوطرفہ تعلق کو اللہ نے قائم کیا ہے۔ ''دولت کی برابر تقسیم'' کے سوشلسٹ اور کمیونسٹ خیالی نظریہ کی تردید: قرآن فرماتا ہے:

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا (الزُّخرُف: ۳۲)

''ہم نے تو اُن کے درمیان اُن کی دنیوی زندگی (تک) میں اُن کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔'' (۴۳:۳۲)

حکیم مطلق اور قادرِ مطلق اللہ نے آجر اور اجیر کے درمیان تعلقات میں ایک عظیم صداقت کو ظاہر کیا ہے جو لیبر کی اخلاقیات کا امتیازی پہلو ہے۔ ''دولت کی برابر تقسیم'' کا اشتراکی نظریہ غیر منطقی اور غیر معقول ہے اور اُسے تسلیم کرنا گویا کہ بیوقوف کی جنت میں رہنا ہے کیونکہ ہر فرد کی ذہنی اور جسمانی اہلیتیں اور استعدادیں مختلف ہوتی ہیں۔ یہاں آکر ''اقتصادی انصاف'' اور ''اقتصادی مساوات'' کے مابین فرق واضح ہوتا ہے۔ اوّل الذکر قدرتی اور پسندیدہ عمل ہے جبکہ مؤخر الذکر یعنی اقتصادی مساوات غیر قدرتی' ناپسندیدہ اور اس لئے ناقابلِ عمل ہے۔

آمدنی اور دولت کی تقسیم میں اسلامی انصاف کا نظریہ اس بات کا مقتضی نہیں کہ معاشرے کے ہر فرد کو برابر

۳۱۰۰ (محنت کشی --LABOUR)

کی اجرت دی جائے قطع نظر اس کے کہ اُس نے معاشرے کی کیا خدمت کی ہے۔ اسلام آمدنی کی کچھ ناہمواریوں اور عدم مساوات کو برداشت کرتا ہے کیونکہ تمام لوگ اپنے کردار، قابلیت اور سماج کی خدمت کرنے میں برابر نہیں ہیں۔ اس حقیقت سے قرآن کریم یوں نقاب اٹھاتا ہے:

(۱) وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰكُمۡ (الانعام: ۱۶۵)

''اور اُس نے تم میں سے ایک کے رتبے دوسرے پر بلند کئے تاکہ تمہیں اُن چیزوں میں آزمائے جو اُس نے تمہیں دے رکھی ہیں۔'' (۶:۱۶۵)

کہ کون اِن نعمتوں کا حق کہاں تک ادا کرتا ہے تاکہ اس آزمائش کے بعد روحانی اور حقیقی مرتبہ متعیّن کیا جائے۔

(۲) وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ (النّحل: ۷۱)

''اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے۔'' (۱۶:۷۱)

لہٰذا انتہائی مختصر اور جامع انداز میں اللہ کی آخری کتاب نے معجزاتی طور پر اشتراکی نظریہ کو رد کر دیا ہے کیونکہ وہ فی الواقع قابلِ عمل نہیں ہے اور اپنی فطرت میں محض ایک خیالی تصوّر ہے۔ آجر اور اجیر کے دوطرفہ تعلقات تبھی خوشگوار اور ہموار رہ سکتے ہیں اگر قرآنی اصولوں کو صحیح طور پر اپنا لیا جائے۔ گزشتہ چودہ صدیوں کی اسلامی تاریخ اس ناقابلِ تردید حقیقت کا کھلا ثبوت ہے۔

<u>مرد و عورت دونوں کو کمائی کا حق حاصل ہے</u>: قرآنِ حکیم فرماتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ (النسآء: ۳۲)

''مردوں کے لئے اُس میں سے حصّہ ہے جو اُنہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اُس میں سے حصّہ ہے جو اُنہوں نے کمایا۔'' (۴ : ۳۲)

اسلام کی سماجی تنظیم میں عورت کو مرد کی طرح کے حقوق حاصل ہیں۔ حقوق کے معاملہ میں مرد کو عورت پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور یہ ہر دو جنسیں مساوات کی حامل ہیں۔ قرآنِ حکیم اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَلَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِىۡ عَلَيۡهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (البقرۃ: ۲۲۸)

''اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں۔'' (۲: ۲۲۸)

اس کا موازنہ بائبل کے ساتھ کیجئے جو حضرت حوّا کے گناہ کی سزا کے طور پر بیوی کو اپنے خاوند کا محکوم ہونا بتاتی ہے۔

''عہد نامہ عتیق (تورات Old Testament) کے مطابق مرد کے تنزل کی وجہ عورت ہے اور یہ نظریہ عیسائی تعلیم کا سنگِ بنیاد بن گیا۔ یہ ایک غیر معمولی حقیقت ہے کہ انجیل (جس میں طلاق کی ممانعت ہے Matt. 19:9) میں ایک لفظ تک عورت کی حمایت میں نہیں ہے۔ سینٹ پال کے مراسلے یقیناً اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ عورت کی حیثیت میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ سینٹ جیروم نے عورت کے متعلق کچھ اچھی بات کہی ہے۔''عورت شیطان کا دروازہ ہے' شیطان کی شاہراہ ہے اور بچھو کا ڈنک ہے۔'' کینن (Canon) کے قانون کا یہ اعلان ہے: ''صرف مرد کو اللہ کی شبیہہ میں پیدا کیا گیا ہے نہ کہ عورت کو' اس لئے عورت مرد کی خدمت گار ہے اور اُسے اُس کی خادمہ بن کے رہنا چاہئے۔'' (تفسیر ماجدی' انگریزی' صفحہ ۳۶ بی' نوٹ: ۵۱۳)

''میکن (Macon) کی صوبائی مجلس سنجیدہ طور پر اس سوال کو زیرِ بحث لائی کہ آیا عورت میں روح ہے بھی کہ نہیں۔'' ("Psychopathia Sexualis"... Krafft Ebing, p. 4) 12th Edition.

یہود کے مذہبی پیشواؤں اور عیسائی پاپاؤں کی تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ تاریخ کے دورانیے میں ''عورت کو دوزخ کے دروازے کا نمائندہ اور تمام انسانی بیماریوں کی جڑ بنا دیا گیا۔ اُسے محض یہ تصوّر کرنے سے شرم آتی تھی کہ وہ عورت ہے۔'' ("History of European Morals"..Lecky, Vol.2, p.142)

اِن تمام حقائق کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اسلام کی تعلیمات کا عیسائیوں اور یہود کے مذہبی پیشواؤں اور پادریوں کی تعلیمات سے کیجئے جن کی اسلام کے خلاف گہری دشمنی کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں ہے۔ پھر قرآنِ حکیم کی شاندار تعلیمات کا مطالعہ کیجئے جس نے دراصل عورت کو ذلّت کی اتھاہ گہرائیوں سے اُٹھا کر عزت و تکریم کی بلندترین چوٹیوں تک پہنچا دیا۔ اب یہ فیصلہ کرنا معزز قارئین پر منحصر ہے کہ دشمنانِ اسلام کس حد تک اپنے اِس موقف میں درست ہیں کہ اسلام نے اُس کے حقوق کو پامال اور اُن کا استحصال کیا ہے۔ اگر یہ الزام محض اس بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ اسلام نے اُسے اپنے گھر کی چار دیواری میں محصور کر دیا ہے اور اُسے عوامی اجتماعات میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیتا اور مخلوط مجمعوں کو اُس کی موجودگی سے مزین نہیں ہونے دیتا' تو پھر مخالفین جو جی میں آئے کہتے پھریں کیونکہ قرآنِ حکیم اُن کی آوارہ اور فحش ثقافت کے ساتھ مصالحت نہیں کرسکتا کہ اسلام پاکیزگی اور اعلیٰ کردار کا مذہب ہے اور تمام نوعِ انسانی کے لئے اعلیٰ ترین اخلاقیات کا نمونۂ کمال ہے جس پر انسانی اور اخلاقی اقدار کو بجا طور پر فخر ہے۔

مسلم ممالک کو ایسی حکمتِ عملیاں اختیار کرنی چاہئیں جن سے وہ اقوامِ عالم کا مقابلہ کرسکیں۔ ملازمت کے میدان میں جہاں عورتیں مَردوں سے آگے نکل گئی ہیں تو عورتوں کو ترجیح دی جانی چاہئے۔ یہی بات مَردوں کے معاملے میں بھی درست ہے۔ اُن میدانوں میں جہاں جنس کی بنیاد پر فوقیت ظاہر نہیں ہے' وہاں مرد و عورت دونوں جنسوں کو برابر کا موقع ملنا چاہئے۔

۳۱۰۲ (محنت کشی ۔۔LABOUR)

ایک حیات آفریں انسانی وسیلہ ہونے کے لحاظ سے عورت کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے ۔ اُنہیں اپنے ملک کی قومی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی اجازت ہونی چاہئے ۔ تاہم مسلمانوں کو مغرب کے تجربہ اور مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط کی پالیسی سے سبق سیکھنا چاہئے ۔ اس ضمن میں قرآن کے رہنما خطوط کا نفاذ ہونا چاہئے ۔ جنسی گراوٹ کی بیخ کنی کے لئے سخت قوانین بنائے جائیں اور اُن کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے ۔

دن اور رات دونوں میں روزی کمانا جائز ہے : سورۃ القصص کی آیت ۷۳ میں فرمایا :

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

''اور یہ اُس کی رحمت ہی تو ہے کہ اُس نے تمہارے لئے دن اور رات بنائے تا کہ تم اُس میں آرام بھی کرو اور تا کہ اُس کی روزی بھی تلاش کرتے رہو اور تا کہ تم شکر کرتے رہو۔'' (۲۸:۷۳)

سفر کے دوران تجارت کرنا اور روزی کمانا جائز ہے : سورۃ المزمّل کی آیت ۲۰ میں فرمایا:

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَ آخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

''اُسے معلوم ہے کہ تم میں سے بعض آدمی بیمار ہوں گے اور بعض آدمی ملک میں اللہ کی روزی کی تلاش میں سفر کریں گے ۔'' (۷۳ : ۲۰)

اجرتوں کا تعیّن : اجرت وہ قیمت ہے جو مزدور کو دولت کی پیداوار میں خدمت کے عوضانے میں ادا کی جاتی ہے ۔ پکی بات ہے کہ اچھی اجرت مزدوروں کو کام میں سرتوڑ کوشش کرنے میں حوصلہ افزائی کرے گی جبکہ کم اجرت مزدور کے اخلاق کو پست بھی کر سکتی ہے جس کا نتیجہ ہڑتالوں کی صورت میں ہوگا ۔ بہترین شرحِ اجرت وہ ہے جو مزدوری کے تقاضوں اور مزدوروں کی مختلف پیداواری صلاحیت کا لحاظ رکھتے ہوئے کی جائے جیسا کہ ذیل کی آیت میں بتایا گیا ہے :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ'' مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ'' مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (النسآء : ۳۲)

''اور ایسے امر کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے ۔ مردوں کے لئے اُس میں سے حصّہ ہے جو اُنہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اُس میں سے حصّہ ہے جو اُنہوں نے کمایا ۔ اور اللہ سے اُس کے فضل کی طلب کیا کرو ۔'' (۴ : ۳۲)

اُجرت کے تعیّن میں مندرجہ بالا آیت بنیادی اصول بیان کرتی ہے کہ مرد و عورت کو اُن کی پیداواری صلاحیت کے مطابق اجرت دی جائے ۔ اجرتوں کا انحصار مزدور کی جنس، نسل، مذہب یا کسی دیگر خصوصیت پر نہیں ہوتا بلکہ قرآنی نقطہ نظر سے اُس کی پیداواری صلاحیت پر ہوتا ہے ۔

مزدوروں کی مختتم پیداواری مالیت کے قانون پر اعتراضات : متعدد اسلامی ماہرینِ معاشیات نے اس قانون پر اس بنیاد پر تنقید یا شک کا اظہار کیا ہے کہ آیا یہ قانون انسانی بھائی چارے، باہمی تعاون اور احسان کی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔ منڈی میں مندے کے دوران اس قانون کا اطلاق مزدوروں کے لئے نقصان دہ ہے۔ معمولی معاشی بحران کے دنوں میں مزدوروں کو کام پر لگائے رکھنے کی اجرتی کوشش اسلامی تعلیمات اور مختتم پیداواری مالیت کی تائید کرتی ہے۔ مزدوروں کو تھوڑے عرصہ کے لئے کام سے علیحدہ کرنے کے نتیجہ میں وہ معاشی ابتری کا شکار ہوں گے۔ نہ صرف اس سے کام کے دوبارہ شروع کرنے کے مصارف میں اضافہ ہوگا بلکہ ادارہ تربیت یافتہ مزدوروں سے بھی محروم ہو جائے گا۔ اگر عرصہ طویل کے لئے مزدوروں کی پیداواری خدمات کی طلب میں کمی آجائے تو اُس حالت میں مزدوروں کو کام پر لگانا نہ ہی اسلامی تعلیمات اور نہ ہی مختتم پیداواری مالیت کے قانون کے مطابق ہے۔ احسان کا تصوّر مزدور کو کام سے علیحدہ کرنے سے کافی پہلے برخواستگی کا نوٹس دینے کا مشورہ دیتا ہے۔ اگر مزدور میں کافی علمی استعداد ہو اور اُس میں کام کرنے کا جذبہ بھی ہو اور فرم میں کسی اور جگہ کام کرنے کی گنجائش ہو تو ان مزدوروں کو وہاں کھپایا جا سکتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق بہترین دستیاب مزدوروں کی خدمات کے حصول اور اجرتوں کی ادائیگی میں اس قانون پیداواری کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ورنہ مسابقتی کاروبار کی نوعیت کی وجہ سے فرم کے لئے عرصہ طویل میں اپنا وجود قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ جن مزدوروں کو معاشی بحران یا جسمانی معذوری کی وجہ سے کام سے نکال دی گیا تھا، اسلامی تعلیمات ہر حال میں ان مزدوروں کا خیال رکھنے کی تلقین کرتی ہیں۔ (The American Journal of Islamic Social Sciences, Vol 10, Summer 1993, pp. 208-209)

''اسلامی معاشرہ کی سکیم میں عمدہ اجرت طرفداری یا رعایت نہیں ہوتی بلکہ مزدور کا بنیادی حق ہوتا ہے جسے ریاست کو بہ زورِ قوّت نافذ کرنا چاہئے۔ آفاقی طور پر لیبر کے حقوق کو تسلیم کئے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ مزدوروں کو کسی بھی کام کے کرنے کی بلا روک ٹوک آزادی حاصل ہے۔ اسلام غبن، خرد بُرد، بے ایمانی اور مالک کے اثاثے کی کوئی بھی چیز ہتھیانے کی مذمّت کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ اپنا کام بڑی احتیاط سے کرے اور اپنے مالک (کے مفادات) کا خیال رکھے۔''

''اسلامی حکومت مزدوروں کی کسی بھی سماج دشمن سرگرمی کی بیخ کنی کرنے کی اہل ہے۔ دراصل اسلام سماج کی متوازن نشو ونما کا امین ہے جس کے لئے لیبر اور سرمایہ دار کے درمیان مصالحانہ ماحول کا ہونا اوّلیں شرط ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر مزدور اور سرمایہ دار اسلامی اقدار سے آراستہ ہوں تو ہڑتالوں اور تالہ بندیوں کی ممانعت غیر ضروری اور غیر اہم ہوگی۔ اب مسلم ریاستوں کے آگے بنیادی مسئلہ یہ نہیں کہ ہڑتالوں کی ممانعت یا اُن

کی روک ٹوک کیسے کی جائے بلکہ یہ ہے کہ زندگی کی اسلامی اقدار کو موجودہ لیبر سرمایہ دار تعلقات میں کیسے بروئے کار لایا جائے۔'' ("Islamic Economics".... M.A. Mannan, pp. 155-156)

منصفانہ یا کم از کم اجرتوں کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث ماہرینِ اقتصادیات کے لئے رہنما ہے:

''ایک مزدور کا کم از کم معتدل طور پر عمدہ کھانا اور عمدہ پوشاک کا ملنا اُس کا حق ہے اور یہ کہ اُس کی طاقت و ہمت سے باہر اُس پر کام کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔'' (مؤطا امام مالک' جلد دوم' صفحہ ۹۸۰)

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ''کم از کم'' اجرت ایسی ہونی چاہئے جس سے مزدور اور اُس کے اہل و عیال کو اُس پر کام کا بوجھ ڈالے بغیر معقول حد تک اچھی خوراک اور اچھی پوشاک ملے۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا (بحوالہ مؤطا امام مالک' جلد دوم' صفحہ ۹۸۱):

''اپنی غیر تربیت یافتہ ملازمہ پر اُس کے روزی کمانے کے معاملہ میں کام کا بوجھ نہ ڈالو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ بداخلاقی پر اُتر سکتی ہے اور نہ ہی اپنے (مرد) ملازم پر کام کا بوجھ ڈالو' کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ چوری کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اپنے ملازمین کے ساتھ روادار (تکلیف نہ دینے والے) رہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ روادار رہے گا۔ اُنہیں اچھا اور جائز کھانا فراہم کرنا تم پر فرض ہے۔''

اِسی طرح ''مثالی و معیاری'' اجرت اُس حدیث سے اخذ کی جاسکتی ہے جس کا حوالہ صفحہ ۳۰۸۵ کے آخر میں دیا جا چکا ہے۔

اس لئے منصفانہ اجرت ''کم از کم'' اجرت سے کم نہیں ہوسکتی۔ اس کی پسندیدہ راہ ''مثالی'' اجرت کے قریب تر ہوگی تاکہ آمدنی کی عدمِ مساوات کو کم سے کم کیا جاسکے اور آجر و اجیر کے مابین حالات کی خلیج کو پُر کیا جا سکے جو ''محروم النصیب'' اور ''مرفہ الحال'' لوگوں کے دو ممتاز طبقات کو جنم دیتی ہے جس سے بھائی چارے کا بندھن کمزور ہوتا ہے۔ دو حدوں کے درمیان عملی سطح کا تعین رسد اور طلب کے ردِّ عمل سے ہوگا۔'' ("The Economic System of Islam" .. . M. Umar Chapra, p. 16)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اجرتوں کا تعیّن انتہائی مساویانہ طور پر فریقین (آجر اور اجیر) کی جانب سے ایک دوسرے کی ناجائز طرفداری یا ایک دوسرے پر ناجائز سختی کے بغیر کیا جاتا ہے۔ ہر فریق مشترک پیداوار میں اپنا جائز حصّہ ایک دوسرے سے منصفانہ رہتے ہوئے حاصل کرتا ہے۔ ہر فریق کے لئے مساوات کا اصول سورۃ البقرۃ کی ذیل کی آیت میں بیان کیا گیا ہے:۔

۳۱۰۵ (محنت کشی -- LABOUR)

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ O (البقرۃ: ۲۷۹)
''نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔'' (۲:۲۷۹)

یہاں اجرتوں کے معاہدے میں آجر اور اجیر دونوں فریقوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ لین دین میں انصاف پسند اور ایماندار رہیں کہ نہ تو وہ دوسروں کو اور نہ ہی اپنے مفادات کو نقصان پہنچائیں۔ مزدوروں کو نقصان پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اُنہیں اُن کی محنت کے تناسب سے مشترکہ پیداوار میں منصفانہ اور جائز اجرت نہ دی جائے جبکہ آجر کو نقصان پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اُنہیں صنعتی اِقدام کے ذریعے مزدوروں کو آجر کی مالی گنجائش سے بڑھ کر اجرت دینے پر مجبور کیا جائے۔ اس طرح قرآنِ حکیم آجر کو حکم دیتا ہے کہ وہ مزدور کو اُس کے کام کے مطابق جائز حصہ دے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے مفادات کا بھی تحفظ کرے۔ اگر وہ اس قرآنی حکم کی تعمیل میں ناکام رہتا ہے تو وہ غلط کار اور جارح ہے اور اسلامی ریاست کو اُس سے اُس کے طریق کے مطابق نمٹنا چاہیے، روزِ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اُس سے پوری طرح نمٹ لے گا۔ اسی طرح مزدور بھی جارح سمجھے جائیں گے اگر وہ صنعتی اِقدام کے ذریعے آجر کو اُس کی مالی گنجائش سے باہر اجرت بڑھانے پر مجبور کریں۔ مساوات اور انصاف کا اصول قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے مثلاً سورہ آلِ عمران: آیات ۲۵، ۱۶۱؛ سورۃ الجاثیۃ: آیت ۲۲ اور سورۃ الاحقاف: آیت ۱۹)۔

<u>کم سے کم اُجرتوں کا تصوّر</u>: مزدوروں کا استحصال روکنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اُن کے لئے ''کم سے کم اجرت''، یعنی ''اَقلِ اجرت'' کا معیار مقرر کر دیا جائے یعنی ایسا معیار جس سے کم دینا قانونی طور پر جائز نہ ہو۔ یہ معیار مقرر کرتے وقت قیمتوں کی سطح کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے تاکہ اجرت کی رقم سے مزدور روزمرّہ ضروریات پوری کر سکیں۔ یہ طریقہ خاص خاص صنعتوں میں بھی نافذ ہو سکتا ہے اور پورے ملک میں بھی۔ کم سے کم اجرت کی قومی سطح کا مطلب یہ ہے کہ ملک بھر میں تمام صنعتوں کے لئے مزدوروں کی کم سے کم اجرت کی سطح مقرر کر دی جائے اور اُسے قانوناً نافذ کیا جائے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ آجر کے ساتھ تعلق کے حوالہ سے مزدور بھاؤ تاؤ کرنے کی بہت کمزور حالت میں ہوتا ہے۔ اُس کے مفادات کو دھچکا لگتا ہے اور اُن کا صحیح طور پر تحفظ نہیں ہوتا۔ اس اندیشہ کے مدِّ نظر اسلام نے آجر کی طرف سے اس کے حقوق کو غصب کرنے کے خلاف تحفظ دینے میں کچھ مؤثر اقدام کئے ہیں اور آجر کے لئے ایسی کم سے کم اجرت متعیّن کرنا لازم کیا ہے جس سے وہ اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کر سکیں اور تاکہ وہ مستعدی سے کام کریں اور پیداواری اضافہ میں بھرپور کوشش کریں۔ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا حوالہ سورہ طٰہٰ کی اس آیت میں ہے: اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى O وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى O (طٰہٰ: ۱۱۸، ۱۱۹)
''بے شک تمہارے لئے اس (جنت) میں یہ (راحت) ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی اور نہ برہنہ ہو گے اور یہ کہ تمہیں یہاں نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ ستائے گی۔'' (۲۰: ۱۱۸، ۱۱۹)

۳۱۰۶ (محنت کشی ۔۔LABOUR)

قرآنی لفظ "تَظْمَؤُ (مصدر "ظَمْآن") کا مطلب پیاسا ہونے یا کسی کو شدید طور پر چاہنے کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تَظْمَؤُ سے مراد نہ صرف پانی کی پیاس ہے بلکہ تعلیم، پناہ گاہ (گھر) اور صحت کی بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ یا تو وہ عوامی خزانہ سے مزدوروں کی مدد کرے، یا ایسی شرح پر اُن کی کم از کم اجرت مقرر کرے جس سے اُن کی بنیادی ضروریات کی تسکین ہو سکے۔ اگر اجرتیں اُن کی زندگی کی ضروریات کی تسکین کرنے میں ناکام رہتی ہیں تو مزدور طبقہ کی حسنِ کارکردگی کو زبردست خطرے کا دھچکا لگنا یقینی بات ہے جس سے ملکی دولت کو بھی نقصان پہنچے گا۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مزدور طبقہ میں بے اطمینانی معاشرہ میں نفرت، بیزاری و برہمی اور طبقاتی آویزش کا موجب بنتی ہے جو بالآخر اُس کی اخلاقی بلندی اور استحکام واستقلال کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے جس کا نتیجہ اقتصادی اور سماجی انتشار اور بدنظمی میں نکلتا ہے۔

سورہ ھُود اور العنکبوت کی آیات اسی حقیقت کی ترجمان ہیں کہ اسلامی حکومت اپنے باشندوں کو کم از کم روزگار فراہم کرنے کی پابند ہے:

(۱) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (ھُود: ٦)

"اور زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمّہ اُس کا رزق نہ ہو۔" (٦ : ١١)

(۲) وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَھَا اَللّٰہُ یَرْزُقُھَا وَاِیَّاکُمْ (العنکبوت: ٦٠)

"اور کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے، اللہ ہی اُنہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی۔"

اس آیت میں یہ حقیقت دلوں میں اتاری جارہی ہے کہ اللہ کا تعلق بندوں سے صرف معادی زندگی ہی کا نہیں بلکہ اس ناسوتی زندگی اور اس کے معاشی پہلوؤں میں بھی پورا پورا ہے اور اُس کے ایک ایک جزئیہ کے ساتھ ہے۔

اس خاکدانِ گیتی پر اللہ تعالیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت سے اسلامی ریاست سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ہر باشندے کو روزی فراہم کرے۔ لہٰذا اسلامی حکومت کا یہ معلوم کرنا اوّلیں فرض ہے کہ ریاست میں کام کرنے والے ہر مزدور کو ایسی مناسب اجرت مل رہی ہے جس سے وہ خود کفالت کی باعزت زندگی بسر کر سکے۔

اس سیاق وسباق میں ہمارے نبی مکرّم ﷺ کی مثال حیران کن اور معجزانہ ہے۔ آپ اپنے صحابہ کرام کو ہمیشہ اپنے خادموں سے مہربانی اور شفقت سے پیش آنے کی اور اُن کے کام کی مناسب اجرت ادا کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"اپنے نوکروں اور غلاموں کو رائج الوقت طریقہ کے مطابق طعام ولباس دو، اور اُن پر کام کا اتنا بوجھ ڈالو جسے وہ اٹھا سکیں۔"

۳۔۱۰۷ (محنت کشی ۔۔LABOUR)

''جب آجر اپنے اجیر کو اپنا بھائی سمجھے گا تو وہ اُسے اچھی اجرت دینے میں بخل نہیں کرے گا جبکہ اجیر (مزدور) کام میں بڑی دلچسپی لیتے ہوئے اور مالک کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرتے ہوئے مالک کے مفادات کے تحفظ میں مستعد رہے گا۔ یہ بات ایک طرف تو اُن کے باہمی تعلقات کی اصلاح کرنے میں ممد ثابت ہوگی تو دوسری طرف آجر اور اجیر دونوں کے مفاد میں کاروبار کو ترقی ہوگی جس سے قومی دولت بھی بڑھے گی۔''
(''اسلام کے معاشی نظریات''۔۔ڈاکٹر یوسف الدین' جلد دوم)

اگر غیر جذباتی طور پر دیکھا جائے اور یرقانی نگاہ کے ساتھ رنگین چشموں سے نہ دیکھا جائے تو ہر ذی ہوش' عقلمند آدمی اس بات سے اتفاق کرے گا کہ مزدوروں ہی نے اپنی محنتِ شاقہ اور اَن تھک کوشش کے ذریعے آجر کو خوشحالی اور مرفہ الحالی کے اس مقام تک پہنچایا ہے اور اس کے بدلہ میں اب مزدوروں کو اپنی ضروریات کی تسکین کے لئے مالک سے منصفانہ اور جائز معاوضہ طلب کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

<u>انتہائی اجرت(Wage Ceiling)</u>: اسلام جبکہ اجرتوں کے اس حد تک گرنے کی اجازت نہیں دیتا جس سے مزدوروں کی ضروریاتِ زندگی کی تسکین بھی نہ ہو سکے' وہاں وہ اجرتوں کے ایک خاص سطح سے اوپر غیر ضروری طور پر بڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ ایسا کرنے میں مزدوروں کے پیداواری اضافے کے تناسب کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ جس طرح کہ کچھ تو انصاف و مساوات کی رُو سے اور کچھ اُن کی حسنِ کارکردگی کو قائم رکھنے کی رُو سے مزدوروں کی کم از کم ضروریات کا مہیا کرنا انتہائی ضروری ہے' تو اجرتوں کو معقول حد تک رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ مزدوروں نے جو کچھ پیدا کیا ہے' سب خرچ نہ کر جائیں۔ یہ سرمایہ کاری کو ایک معقول سطح تک قائم رکھنے اور حق و انصاف کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس طرح یہ بات پسندیدہ ہے کہ اجرتوں کی انتہائی بلند سطح ہونی چاہئے جس سے اوپر اجرتیں بڑھنے نہ پائیں۔ سورہ یٰسٓ اور سورۃ النجم کی مندرجہ ذیل آیات اجرتوں کی انتہائی حد کے اصول کو تجویز کرتی ہیں:

(۱) وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَO (یٰسٓ : ۵۴)
''اور نہ تمہیں کوئی بدلہ دیا جائے گا سوائے اُن کاموں کے جو تم کیا کرتے تھے۔'' (۵۴ : ۳۶)

(۲) لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰىO (النّجم : ۳۹)
''انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کے اُس نے کوشش کی ہوگی۔'' (۳۹ : ۵۳)

مزدور جو کچھ آجر سے مطالبہ کرتے ہیں' یہ آیت اس کے اصول کو متعین کرتی ہے۔ انتہائی اجرت جس کا وہ آجر سے مطالبہ کرتے ہیں' دوسرے پیداواری عوامل کے ساتھ ساتھ اُن کی پیداواری اضافے کے برابر ہے۔

۳۱۰۸ (محنت کشی -- LABOUR)

اس طرح اسلام نے آجر اور اجیر دونوں کے حقوق کے تحفظ کے وسائل اختیار کیے ہیں ۔ اجرت کی انتہائی کم سطح جس کے نیچے اجرتوں کو گرنا نہیں چاہیے' مزدور کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے جبکہ اجرتوں کی بلند تر حد جس کے اوپر اجرتوں کو بڑھنا نہیں چاہیے' آجر کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے ۔ لیبر کے لئے رسد اور طلب کے قوانین کے مطابق اِن دونوں حدوں کے مابین حقیقی اجرتیں حرکت پذیر رہیں گی جو بہر حال مزدور طبقہ کے روایتی معیار' اُن کی تنظیم کی قوت اور اُن کے آجر کے اُس رویہ سے متاثر ہوں گی جس میں اُن کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی عکاسی ہو ۔ ان تمام قوتوں کے ردِّ عمل کے نتیجہ میں اجرتوں کا تعین کسی مقام پر تو کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ سطح تک ہو گا ۔ تاہم ایک اسلامی ریاست مزدوروں کے لئے معقول اور منصفانہ اجرتوں کا تعین کرنے میں اپنا کردار ادا کرے گی ۔" (Encyclopaedia of Seerah, Vol. 2, pp. 561-62)

<u>اجرتوں میں اختلاف</u>: اس بات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے کہ آیا اجرتوں میں اختلافات کو اسلام نے تسلیم کیا ہے کیونکہ زندگی میں ہم اجرتوں میں اچھا خاصا اختلاف پاتے ہیں اور اِن اختلافات کے کئی عوامل ہیں ۔ ذہنی کام کرنے والوں اور جسمانی کام کرنے والوں' ماہر کاریگروں اور غیر ماہر کاریگروں میں وسیع فرق ہے اور ان ہر دو قسموں کے کاموں میں لیبر کی حرکت پذیری بہت کم ہے ۔ لہٰذا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر مسابقتی طبقہِ مزدوراں میں اجرتوں کی متوازن سطح پر تعین ہر طبقہ کی رسد اور طلب کے معیار کے مطابق ہو گی ۔

اجرتوں میں فرق غیر مالیاتی مفادات میں فرق کی وجہ سے بھی اٹھتا ہے ۔ کچھ کام زیادہ خوشگوار ہوتے ہیں یا وہ کم از کم دوسرے کاموں سے کم ناپسندیدہ ہوتے ہیں ۔ تربیت پر لگائی گئی رقم اکثر اوقات اجرتوں میں فرق کا سبب بنتی ہے ۔ اجرتوں میں فرق جہالت اور لیبر کی عدم حرکت پذیری کی وجہ سے بھی ہوتا ہے ۔ تاہم اسلام نے مختلف مرتبہ کے مزدوروں کے مابین اجرتوں کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے کیونکہ اہلیتوں اور صلاحیتوں کے فرق کو قرآن حکیم نے تسلیم کیا ہے جو کمائی اور معاوضے پر اثر انداز ہوتا ہے ۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء : ۳۲)

'' مردوں کے لئے اُس میں سے حصہ ہے جو اُنہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اُس میں سے حصہ ہے جو اُنہوں نے کمایا ۔'' (۴ : ۳۲)

مردوں اور عورتوں کی جسمانی اور ذہنی ساخت میں' روحانی زیبائش اور اخلاقی تکمیل کے کاموں میں متعدد اور مختلف اختلافات کے باوجود اللہ کی نظر میں مرد و عورت کی دونوں جنسوں میں بالکل کوئی بے ربطی نہیں ہے اور دونوں برابر ہیں ۔

اسلام تقسیم دولت کے معاملہ میں مردنی سطح کی مساوات پر یقین نہیں رکھتا کیونکہ فی الحقیقت کسی بھی سماجی

ترقی کو مکمل مواقع کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے بدلہ میں اجرتوں میں اختلاف کے اصول کو تسلیم کرنا چاہتی ہیں۔ قابلیت اور جوہر کی بنیاد پر اجرتوں کے تعین میں قرآنِ حکیم کی اِس رسائی نے انسانی تہذیب کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید اور سنتِ مبارکہ میں بیان شدہ شرائط یہ ہیں کہ آجر اجیروں کو اُن کی خدمت کے عوض مکمل ادائی کریں گے اور یہ کہ مزدور اپنا کام وفاداری اور اپنی بھرپور قابلیت و دیانت کے ساتھ کریں گے۔ ان شرائط کی تکمیل میں ناکامی کو آجر اور اجیر دونوں کی جانب سے اخلاقی ناکامی کہا جائے گا جس کے لئے وہ اللہ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ لیکن سرمایہ دارانہ سماج میں وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں۔ یہاں بھی حکومتی معاملات کو چلانے میں اسلام لادینیت پر اپنے تفوق اور فضیلت کو برقرار رکھتا ہے۔ ("The Economic System of Islam".. M. Umar Chapra, pp. 156, 157)

آجر کے مفادات کا تحفظ: اسلام آجر کے مفادات کی حفاظت کرنے میں مستعد ہے جسے سماج کی فلاح و بہبود کے لئے مثبت کردار ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سورۃ القَصَص میں مذکور حضرات موسیٰ اور شعیب علیہما السلام کے قصہ میں قرآنِ حکیم شعیب علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر کی زبانی یہ راہنما اصول دیتا ہے کہ (۱) مزدور کو کام کی ذمہ داری لینے میں مضبوط و توانا ہونا چاہئے اور (۲) اُسے اپنے مالک سے دیانتدار' وفادار ہونا چاہئے (سورۃ القَصَص: آیت ۲۶)۔ مالک اور نوکر کے خوشگوار تعلقات میں اسلام نے مزدور طبقہ کو وفاداری' مستعدی اور دیانتداری سے کام کرنے پر زور دیا ہے اور یہ کہ اُس میں محنت کی عظمت کا گہرا احساس ہونا چاہئے۔ اس کی وضاحت کے لئے چند ایک احادیث زیبِ قرطاس کی جاتی ہیں:

(۱) بہترین کمائی مزدور کی ہے بشرطیکہ وہ اپنا کام احتیاط اور اپنے مالک کا لحاظ کرتے ہوئے کرے۔ (ابنِ ماجہ)

(۲) وفادار خزانچی وہ ہے جو وہ کرے جس کا اُسے حکم دیا جائے' خوشدلی سے کرے تو وہ صدقہ وخیرات کرنے والے کی طرح ہے۔

(۳) ابوحُمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبیلہ بنو اَزد میں سے ابن التبیہ نامی ایک شخص کو زکوٰۃ اکٹھا کرنے پر مقرر کیا۔ آنے پر اُس نے کہا: یہ آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے بطور تحفہ دیا گیا ہے۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اُسے اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھ جانا چاہئے اور پھر وہ دیکھے کہ آیا کوئی تحفہ اُسے دیا جاتا ہے یا نہیں۔'' (صحیح بخاری)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ملازمت کے حالات آجر کو کوئی چیز بطور تحفہ لینے کا استحقاق نہیں دیتے تو اُسے صرف اپنی اجرت یا تنخواہ لینی چاہئے۔

(۴) سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں کھڑے ہوئے اور بددیانتی کے بارے میں بات کرتے ہوئے یہ فرمایا: قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اُس کی گردن پر بکری کو ممیاتے ہوئے نہ دیکھوں اور نہ ہی اس کی گردن پر گھوڑے کو ہنہناتے ہوئے دیکھوں کہ جس سے وہ چیخ کر یہ کہے: اے اللہ کے رسول! میری طرف آیئے اور میں کہوں: مجھے تیرے لئے کسی چیز پر اختیار نہیں' میں

نے تو پیغامِ ہدایت تجھ تک پہنچا دیا تھا۔'' (صحیح بخاری)

اِس حدیث مبارکہ میں اجیر کی طرف سے مالک کے اثاثے کی کوئی بھی چیز غبن کرنے یا بے ایمانی سے ہتھیانے کی مذمت کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں اُن ٹریڈ یونینوں کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے جو سماج دشمن سرگرمیوں میں مصروف رہتی ہیں۔

اسلام نے محنت کی عظمت کی اہمیت پر نہ صرف آجر کے مفادات کے تحفظ کی خاطر زور دیا ہے بلکہ پیداوار کو زیادہ سے زیادہ کرنے پر بھی زور دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے ابتدائی ایام میں خود بکریاں چرائیں اور آپ کے صحابہ نے قلی جیسے ادنیٰ کاموں کے کرنے سے نفرت نہیں کی۔ اس طرح آجر اور اجیر کے باہمی تعلقات کو اخلاقی موڑ دے کر' ایک دوسرے کو اخلاقی ضابطوں کا پابند کر کے اور اُنہیں مذہب کا حصہ بنا کر اسلام نے لیبر اور سرمایہ دار کے مابین ایک پائیدار مصالحانہ ماحول پیدا کر دیا ہے۔

<u>کوالٹی کنٹرول اور کوالٹی شعور</u> : فروخت ہونے والی اشیاء کے اعلیٰ معیار پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ مصنوعات کی تیاری کے عمل میں اعلیٰ معیار کا نمایاں پہلو اشیاء کا وزن اور پیکنگ میں اس کی کوالٹی کا قائم رکھنا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیت ۳۵ کا تعلق کوالٹی کے اسی پہلو سے ہے :

وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا○

''اور ناپ پورا رکھا کرو جب (بھی) تم (کوئی چیز) ناپو اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولا کرو' یہ (دیانتداری) بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے (بھی) خوب تر ہے۔'' (۱۷:۳۵)

اس لئے مزدوروں' منیجروں میں اعلیٰ معیار کا شعور پیدا کرنے کے لئے فرموں کو مناسب حکمت عملی اور منصوبے تشکیل کرنے چاہئیں۔ تاہم اسلام کوالٹی کی عمدگی پر اصرار نہیں کرتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ گاہک اُس کی کوالٹی کی قیمت ادا کرنے پر رضامند نہ ہو۔ اسلام تو صرف یہ چاہتا ہے کہ خریدار کو خرید ہونے والی شے کی کوالٹی کا علم ہونا چاہئے اور یہ کہ خرید کرنے سے پہلے وہ بڑی احتیاط سے اس کا جائزہ لے لے' جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا :

''رسول اللہ ﷺ نے منابذہ اور ملامسہ ☆ دونوں سے منع فرمایا ہے۔'' (نیل الاوطار' ج ۵' ص ۱۵۹)

☆ <u>بیعُ المُنابذۃ</u> (Throw Sale): عربی لفظ نَبَذَ کا معنی پھینکنے کا ہوتا ہے جیسا کہ یہ لفظ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۱' اور سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۸۷ میں استعمال ہوا۔ فقہ اسلامی کی اصطلاح میں اس کا معنی ایسی فروخت ہے جسے فروخت کار' خریدار پر کپڑا پھینک کر (یعنی حقیقت سے بے خبر رکھ کر) کرتا ہے اور اُسے اس بات کا موقع ہی نہیں دیا جاتا کہ وہ شے مطلوبہ کا اچھی طرح معائنہ کر لے۔

<u>بَیعُ المُلامِسۃ</u>: مُلامِسۃ کا لفظ لَمَس سے ہے بمعنی چھونا۔ فقہی اصطلاح میں اس کا معنی وہ سودا ہے جس میں چیز کا بہ نفسِ نفیس معائنہ کئے بغیر اُس چیز کو محض چھو کر ہی معاملہ طے کر لیا جائے۔

زمانہ قبل از اسلام میں بَیعُ المُنابِذۃ اور بَیعُ المُلامِسۃ دو قسم کے کاروبار رائج تھے جن میں خریدار کو چیز کا

(بقایا اگلے صفحہ کے آخر میں)

۳۱۱۱ (محنت کشی -- LABOUR)

اس حدیثِ مبارکہ کا اوّل حصّہ فروخت کنندہ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خریدار کو فروخت ہونے والی شے کا معائنہ کرائے جبکہ حدیث کا دوسرا حصّہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ خریدار اس کی کوالٹی کو احتیاط سے چیک کرے۔ تاہم نبی اکرم ﷺ نے پیداوار کی کوالٹی کے معاملے کو صرف خریدار پر ہی نہیں چھوڑا۔ آپ فروخت کنندہ سے جسے پیداوار کی کوالٹی کا بالعموم بہتر علم ہوتا ہے' یہ چاہتے ہیں کہ وہ گاہک کو برضا و رغبت اُس کی کوالٹی دکھادے۔ آپ نے اپنے عمل سے اس بات کا اشارہ کیا۔ ایک دن آپ نے بازار میں ایک آدمی کو گندم کا ڈھیر فروخت کرتے دیکھا۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک گندم میں داخل کیا تو معلوم کیا کہ گندم اندر سے گیلی اور باہر سے خشک ہے۔ فروخت کنندہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا کہ گندم پر بارش ہوئی ہے اور اُس نے ڈھیر کے اندرونی حصّہ کو باہر کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ گیلی گندم کو باہر ہونا چاہئے تا کہ خریدار کو اُس کی صحیح کیفیت کا علم ہو۔

ایک آٹوموبائل کی کوالٹی' کسی خاص دوا کی قوّت اور کارٹن میں بند خوردنی اناج (Cereals) کے وزن کو خریدتے وقت گاہک چیک نہیں کرسکتا جبکہ صنعت کار کے لئے بھی ہر شے کا چیک کرنا ممکن نہیں۔

ایسے مسائل پر قابو پانے کے لئے صنعت کاروں کے لئے دو طریقے موجود ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ Zero-Defect Manufacturing Procedures استعمال کریں۔ یہ عمل پیداواری مزدوروں کی تربیت چاہتا ہے کہ وہ مصنوعات کی تیاری کے دوران کوالٹی کو چیک کریں۔ دوسرا طریق شماریاتی کوالٹی کنٹرول کا استعمال ہے۔ یہ دونوں طریقے آج بھی رائج ہیں اور اُنہوں نے فرموں کی نقص دار پیداوار کی پیداوار کو کم کرنے میں مدد دی ہے۔ مسلم ممالک میں فرموں کو ایسی تربیت اور اُس کے استعمال پر زور دینا چاہئے۔ یہ بات اُنہیں نہ صرف اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے گی بلکہ گاہک کی انتہائی تسکین کے ذریعے جذبہ مسابقت و مقابلہ میں بھی اضافہ کا موجب بنے گی۔ یہاں ایک چیز اہم اور حوصلہ افزا ہے کہ مغرب مادّی اقدار کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اُس میں کسی بھی روحانی عامل کا فقدان ہے۔ خوش قسمتی سے مسلمان روحانی پہلو کے عنصر کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس خوش کن پہلو کی وجہ سے اُنہیں اقتصادی پیداوار کے ہدف کا حصول' مادّی فلاح و بہبود اور ٹیکنالوجی میں ترقی زیادہ ملتی ہے۔ (The American Journal of Islamic Social Sciences, Vol. 10, Summer 1993, pp. 212, 214, 215)

<u>اسلامی اقتصادی اصولوں میں عدم دلچسپی کی وجہ</u>: روایتی اقتصادیات کے استعمال نے دنیائے جدید کے اقتصادی مسائل کو حل نہیں کیا۔ 27 جون 1991 کے وال سٹریٹ جرنل کا درج ذیل حوالہ اس قضیہ کی حمایت کرتا ہے:

(بقایا از صفحہ سابق)

معائنہ کرنے کی اجازت نہیں تھی' اسلام نے اِن دونوں طریقوں کی ممانعت کر دی (صحیح بخاری ۶۲:۳۴) اور ہدایت کی کہ منڈی کی حالت یا رائج الوقت قیمتوں سے خریدار کی ناواقفیت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے' اشیائے فروخت کھلی منڈی میں پہنچنی چاہئیں اور فروخت کار یا اس کے نمائندوں کو منڈی کی حالت کا علم ہونا چاہئے۔

۳۔۱۱۲ (محنت کشی ۔۔LABOUR)

''ہمارے پیچھے سرد جنگ ہے۔ اشتراکیت ایک ناکام تجربہ ہے۔ ہم دنیا میں اقتصادی زبوں حالی کے سوا کچھ نہیں دیکھتے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کیوں کساد بازاری (مندے ہونے) کا شکار ہے؟ کینیڈا' انگلستان' آسٹریلیا اور سویڈن کیوں کساد بازاری کا شکار ہیں؟ یورپ کا اکثر حصہ پیداواری ٹریک پر کھڑا ہونے کی کوشش میں ہے۔ جاپان کی سٹاک مارکیٹ مسلسل پسماندگی کا شکار ہے اور اُس کی ڈانواڈول اُقتصادی پیداوار ست پڑ گئی ہے۔ اور یہ کیسا ہے کہ اس قدر غربت' بیروزگاری' افراطِ زر اور قرضوں کے طاعون نے ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ کے تیسری دنیا کے ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔''

''اسلامی اقتصادیات میں عدم دلچسپی کی ایک وجہ دھوکہ دہی' نااہلی اور بااثر طبقوں کی جانب سے خویش پروری ہے۔ جیسا کہ قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ انسان قدرتی طور پر حریص اور لالچی واقع ہوا ہے (سورۃ النساء: آیت ۱۲۸) اور یہ کہ انسان کا نفس تو بُرائی کا حکم دینے والا ہے (سورہ یوسُف: آیت ۵۳)۔ ایک غیر تربیت یافتہ اور غیر منظم ذہن اخلاقی اکملیت کے حصول کی کوششوں کی مخالفت کرتا ہے اور افراد کو ناپسندیدہ اور بدراستوں پر گامزن ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ جب تک مذہبی تعلیم و تربیت آفاقی طور پر مہیا نہ ہو اور لوگوں کو حق و انصاف' قربانی اور ایمانداری کی طرف تحریک دینے کے لئے سزا و جزا کا نظام تشکیل نہ دیا جائے تو اسلامی اقتصادیات کے نتائج کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

تنخواہ دار روزگار: جب تک مسلمان اپنا کام تسلی بخش طور پر کر سکتا ہے اور اپنے فرائض کو بہ احسن طریق انجام دے سکتا ہے تو وہ گورنمنٹ' آرگنائزیشن یا کسی بھی فرد کی ملازمت کرنے میں آزاد ہے۔ تاہم اُسے ایسا کام کرنے کی اجازت نہیں جس کے لئے وہ موزوں نہیں ہے بالخصوص عدالتی یا انتظامیہ اختیارات کے کام۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حکمرانوں' پیشواؤں اور امانتداروں کے لئے ہلاکت ہے۔ روزِ قیامت کچھ لوگ اس بات کی آرزو کریں گے کہ اُنہیں ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی بجائے آسمان و زمین کے درمیان لٹکا دیا جائے۔''
(صحیح ابن حبّان' مستدرک للحاکم)

ابو ذر غِفاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ میری تقرری نہیں فرمائیں گے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے کندھے پر تھپتھپاتے ہوئے فرمایا: اے ابوذر! تم ایک کمزور انسان ہو اور عہدہ ایک امانت ہوتا ہے۔ روزِ قیامت عہدہ اور منصب اُس کے لئے افسوس اور شرمندگی کا موجب ہوں گے' سوائے اُس کے جو اُس کا اہل ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو بہ احسن طریق انجام دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

''قاضیوں اور منصفین کے تین طبقات ہیں: اُن میں سے ایک جنت میں اور باقی دو جہنم میں ہوں گے۔ جو

طبقہ جنت میں ہو گا' وہ وہ ہو گا جو حق کو جانتے ہوئے اُس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ وہ جس نے حق کو جانتے ہوئے غلط فیصلہ کیا اور وہ جس نے لوگوں کی خوشنودی کے لئے نادانی میں فیصلہ کیا' یہ دونوں طبقات دوزخ میں ہوں گے۔'' (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ)

مسلمان کے لئے بہتر یہ ہے کہ اگرچہ وہ کسی اعلیٰ منصب کے لئے موزوں ہی کیوں نہ ہو' اُسے اُس کی آرزو نہیں کرنی چاہیئے۔ جو شخص دنیاوی شان وشوکت اور جاہ ومنصب کی طرف متوجہ ہوتا ہے' اُسے اللہ کی طرف سے ہدایت نہیں ملتی۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

''اے عبدالرحمٰن! حاکمیت طلب مت کرو اس لئے کہ اگر اس کی طلب کیئے بغیر تمہاری تقرری اُس پر ہو جائے تو تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر تمہاری طلب پر اس پر تقرری ہو جائے تو ذمہ دار صرف تم ہی ہو گے۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہ شخص جو عہدہِ قضا کی طلب کرے' اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا لیکن جس شخص کو اُس کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف اُس کی مدد کے لئے ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔''
(ابوداؤد' ترمذی)

''تاہم اگر کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ کسی خاص کام کے لئے اُس کے بغیر کوئی اور آدمی موزوں نہیں ہے اور اگر اُس نے اُس عہدہ کو قبول نہ کیا تو قومی مفاد کو دھچکا لگے گا تو اُسے آگے بڑھ کر وہ عہدہ قبول کر لینا چاہیئے۔ قرآنِ حکیم ہمیں یوسف علیہ السلام کے قصہ سے آگاہ کرتا ہے جس میں یوسف علیہ السلام نے شاہِ وقت سے فرمایا تھا:

اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ O (یوسف : ۵۵)
''(اگر تم نے واقعی مجھ سے کوئی خاص کام لینا ہے تو) مجھے سرزمینِ (مصر) کے خزانوں پر (وزیر اور امین) مقرر کر دو' بے شک میں (اُن کی) خوب حفاظت کرنے والا (اور اقتصادی امور کا) خوب جاننے والا ہوں۔'' (۱۲:۵۵)

''یوسف علیہ السلام کو شاہِ وقت نے کُلّی اختیارات دے رکھے تھے۔ آپ اپنے منصب کے جاہ وجلال سے مستفید ہو سکتے تھے' اپنے کام کا معاوضہ اور تنخواہ لے سکتے تھے' سخت اور غیر ہر دلعزیز کام کا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر ڈال سکتے تھے اور شاہی آب وتاب اور ناموری کو اپنے لئے خاص کر سکتے تھے لیکن یہ آپ کا طریق نہ تھا اور نہ ہی یہ طریق اُس کا ہو سکتا ہے جو حقیقی طور پر خدمتِ خلق کرنا چاہتا ہو۔

۳۱۱۴ (محنت کشی -- LABOUR)

آپ نے سخت ترین اور انتہائی غیر ہر دلعزیز کاموں کا ذمہ اپنے سر لیا۔ آپ نے دیدہ و دانستہ طور پر مصر کے خزینوں کا امین بنائے جانے کی درخواست کی تھی محض اس وجہ سے کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ ملک کو کسی اور کی نسبت آپ کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہٰذا آپ اُس ذمہ داری کو کسی اور پر ڈالنے کی بجائے اپنے آپ پر لینے کے لئے تیار ہو گئے۔'' (عبداللہ یوسف علی' صفحہ ۵۷۱' نوٹ: ۱۶۷۱)

مندرجہ بالا تمام بیان سورۃ القصص کی آیت ۸۳ میں مذکور اس قرآنی فرمان کی موافقت میں ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ O

''(یہ) وہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم نے ایسے لوگوں کے لئے بنایا ہے جو نہ تو زمین میں سرکشی و تکبر چاہتے ہیں اور نہ ہی فساد انگیزی۔ اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔'' (۲۸ : ۸۳)

''روزگار کی ممنوعہ شکلیں: وہ تمام روزگار جو اسلام کے لئے مضر ہوں یا جو مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں' ممنوع ہیں۔ مثلاً مسلمان کے لئے کسی ایسی فوج میں افسر یا سپاہی بننا جائز نہیں ہے جو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہو' نہ ہی اُس کے لئے ایسی فیکٹری یا کارپوریشن میں کام کرنا جائز ہے جو مسلمانوں کے خلاف جنگی سامان اور اسلحہ تیار کر رہی ہو اور نہ ہی ایسی تنظیم میں کام کرنا جائز ہے جو اسلام دشمن ہو اور مسلمانوں کے خلاف مائل بہ جنگ ہو۔''

''اسی طرح ظلم اور بے انصافی کی حمایت میں یا حرام کاموں کو ترقی دینے کی حمایت میں خدمت اور ملازمت کرنا بھی حرام ہے۔ مثلاً مسلمان کے لئے ایسی فرم یا تنظیم مین ملازم ہونے کی اجازت نہیں ہے جو سودی کاروبار یا منشیات کے کاروبار میں' نائٹ کلب' رقص و سرود اور اسی طرح کے دوسرے قبیح کاموں میں ملوّث ہو۔''

''یہ عذر کرنا جائز نہیں کہ وہ شخص حرام کو استعمال نہیں کر رہا اور نہ ہی وہ براہِ راست اُس میں ملوّث ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ حرام کی معاونت و امداد کرنا بذاتِ خود حرام ہے۔ اسی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو سودی مسوّدہ لکھتا ہے' اُس پر گواہ بنتا ہے اور جو خود سود خور ہو۔ اسی طرح آپ ﷺ نے شراب لانے والے پر' شراب پیش کرنے والے پر' شراب خانے کا پتہ بتانے والے پر اور شراب پینے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔''

''ہاں البتہ ناگزیر ضرورت کی مجبوری کے تحت مسلمان اُس حد تک جس کے بغیر گزارہ نہ ہو' ایسی (ناجائز) فرم میں عارضی طور پر ملازمت کر لے لیکن اس دوران وہ کسی ایسی ملازمت کی تلاش میں رہے جو اللہ کی نظر میں فائدہ مند ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے جو خلوصِ دل کے ساتھ حرام سے بچنا چاہتے ہیں۔''

۳۔۱۱۵ (محنت کشی -- LABOUR)

مسلمان ہمیشہ اُن شیطانی ترغیبات اور مرغوبات سے چوکنا رہتا ہے جو اُسے مشکوک سرگرمیوں تک لے جاتی ہیں جس سے اُس کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور اُس کے دین سے مصالحت ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:
دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ (احمد، ترمذی، نسائی، حاکم، صحیح ابن حبان)
''اُس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے اور اُس چیز کو اختیار کر جو تجھے شک میں نہ ڈالے۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا (بحوالہ ترمذی):
''کوئی شخص تقویٰ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ اُس چیز کو ضرر رساں سمجھتے ہوئے چھوڑ نہ دے۔''

''**ممنوعہ پیشے**: اسلام نے مسلمانوں کے لئے کچھ صنعتوں اور پیشوں کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ وہ ایمان وعقیدہ، اخلاقیات، عزت و وقار اور اسلامی ساج کے مہذب رویہ کے لئے نقصان دہ ہیں۔ ان ممنوعہ پیشوں میں کچھ کا بیان درجِ ذیل ہے:

(۱) **عصمت فروشی (Prostitution)**: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس قبیح و ذلیل پیشے سے منع فرمایا ہے قطع نظر اس کے کہ اس میں کتنا مالی فائدہ ہے۔ اس ضمن اسلام نے ضرورت، تکلیف، زبوں حالی یا کسی اور مقصد کا خیال نہیں رکھا۔ یہ اس لئے تاکہ مسلمان ساج ایسے ذلّت آمیز کاموں سے پاک وصاف رہے۔

(۲) **رقص وسرود اور دوسرے شہوت انگیز کام**: اسلام میں نہ صرف زناکاری ممنوع ہے بلکہ وہ تمام کام بھی ممنوع ہیں جو زناکاری کے قریب لاتے ہیں۔ ہوسناک اور شہوت انگیز گانے، رقص وسرود اور وہ ڈرامے جو زناکاری کے قریب لاتے ہیں، قرآنِ حکیم کی رُو سے سخت ممنوع ہیں (سورہ بنی اسرائیل: آیت ۳۲)۔ یہ فحش اور ہوسناک چیزیں یقینی طور پر جنسی انگیخت پیدا کرتی ہیں اور آدمی کو ایسے کبیرہ گناہ کی طرف مائل کرتی ہیں جس نے لوگوں کی زندگیوں کو بدانجامی کی تباہ کاری میں توڑ پھوڑ کر کے رکھ دیا ہے۔

(۳) **منشیات اور نشہ آور مصنوعات**: اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی ایسی صنعت، فرم یا تنظیم میں کام کرنے سے منع کرتا ہے جو حرام چیزوں کے تیار کرنے یا اُنہیں ترقی دینے یں ملوّث ہو۔ اس لئے نشہ آور چیزوں کی ترقی میں حصہ دار بننا یا اُن کی تقسیم میں ہاتھ بٹانا، ان سب پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ حشیش، کوکین اور اسی طرح کی دوسری منشیات کا بھی یہی حکم ہے۔

(۴) **تصویر گری، بت سازی وغیرہ**: سعید ابن ابوالحسن بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابن العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا کہ ایک آدمی آیا اور اُس نے کہا: اے ابن العباس! میں اپنی روزی اپنے

۳۱۱۶ (محنت کشی۔۔LABOUR)

ہاتھوں سے کماتا ہوں۔ میں یہ مورتیں بناتا ہوں۔ابن العباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کچھ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' میں تجھے وہ بتائے دیتا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ صورت گری کرنے والے کو سزا دے گا جب تک کہ وہ شخص اُن صورتوں میں روح نہ ڈال دے جو وہ کبھی بھی نہ کر سکے گا۔'' اُس آدمی کو انتہائی پریشان اور مضطرب دیکھتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُس سے کہا: ''تمہیں کیا تکلیف ہے کہ تم نے ضرور مورتیں اور صورتیں ہی بنانی ہیں۔ اگر ایسا کرنا ہی ہے تو درختوں اور بے جان چیزوں کی صورتیں بنایا کرو''۔ (صحیح بخاری)

''جہاں تک ڈرائنگ' پینٹنگ اور فوٹو گرافی کا تعلق ہے تو بہر حال اُن کا موضوع جنسی انگیخت اور اشتعال انگیزی نہ ہو اور نہ ہی وہ فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام جیسی مقدّس و محترم شخصیات کی تصاویر ہوں۔

روزی کمانے کا عمومی اصول : روزی کمانے کا عمومی اصول یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اپنی من مانی روزی کمانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ حلال و حرام طریقوں کے مابین حدّ فاصل کھینچتا ہے جس کی بنیاد سماج کی مجموعی فلاح و بہبود ہے۔ عمومی اصول تو یہ ہے کہ ایسا کاروبار یا لین دین جس میں ایک شخص کا مفاد دوسرے شخص کے نقصان پر منتیجہ خیز ہو' تو وہ حرام ہے جبکہ ایسا کاروبار جو صحیح اور تمام متعلق فریقوں کے لئے فائدہ مند ہو اور جو باہمی رضامندی سے طے پا جائے' تو وہ جائز اور حلال ہے۔ قرآنِ حکیم سورۃ النساء میں یہ حکم دیتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ (النساء : ۲۹)

''مؤمنو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔'' (۴ : ۲۹)

بِالۡبَاطِل خیانت اور بد دیانتی کی تمام صورتوں کی بندش اِس حکم میں آ گئی۔ یعنی ایک دوسرے کے مال میں تصرّف کی اجازت کسی بَاطِل طریقہ (سود' جوئے بازی' غبن اور غصب وغیرہ) سے تو سرے سے ہی نہیں۔ صرف جائز طریقوں کے اندر ایک دوسرے کی رضامندی سے تصرّف کر سکتے ہو مثلاً مشترک سرمایہ سے تجارت جس میں کسی کی سادہ لوحی یا مجبوری سے ناروا فائدہ نہ اٹھایا جائے بلکہ فریقین نے راضی خوشی سے لین دین کیا ہو اور اس طرح تمہیں نفع حاصل ہو تو عین باعثِ برکت ہے۔

یہ آیت کاروبار کے لئے دو شرائط عائد کرتی ہے: اوّل تو یہ کہ کاروبار ہر دو فریق کی رضامندی سے ہونا چاہئے اور دوسرے یہ کہ ایک فریق کا فائدہ دوسرے فریق کا نقصان نہ ہو۔ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ کے دو مطلب ہیں: (۱) ایک دوسرے کو قتل مت کرو (۲) اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں قتل مت کرو۔

(۱۲۱) رضاعت ـ ـ ـ LACTATION

شریعت کی اصطلاح میں بچے کا کسی عورت کی چھاتی سے مخصوص عرصہ کے اندر دودھ چوسنا ''رضاعت'' کہلاتا ہے' قطع نظر اس کے کہ بچہ یا بچی از خود دودھ چوستا رچوستی ہے یا اُس کی رضاعی رحقیقی ماں اُسے چوساتی ہے۔

مدتِ رضاعت : جیسا کہ بیان ہوا اگر بچہ یا بچی مخصوص عرصہ یعنی مدّتِ رضاعت کے اندر اندر دودھ چوس لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ چونکہ انسان کے بچے ربچی میں دودھ کے دانت دو سال کی عمر میں پورے نکل آتے ہیں' اس لئے دودھ چوسنے کی اس عرصہ کی قدرتی طور پر دو سال تک تحدید کی گئی ہے (اے یوسف علی' نوٹ: ۳۵۹۶)۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کی اِس آیت میں رضاعت کا عرصہ دو سال بیان ہوا ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرة : ۲۳۳)
''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اُس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔'' (۲ : ۲۳۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو پورے نصاب کی تکمیل نہ کرنا چاہے' اُس کے لئے کم مدت کی بھی اجازت ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دودھ کا چوسوانا آیا ماں کا حق ہے یا اُس کا فرض ہے؟ ابن العربی کے مطابق ماں کے حقِ حضانت (جس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے) کی بنیاد محولہ بالا آیت ۲۳۳ ہے۔ لہٰذا رضاعت اور حقِ حضانت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ (Encyclopaedia of the Qur'an, Vol. 3, p. 107 Leiden, 2003.

احناف کے نزدیک رضاعت کا زیادہ سے زیادہ عرصہ تیس ماہ (یعنی اڑھائی سال) ہے۔ اُن کی دلیل سورۃ الاحقاف کی یہ آیت ہے :

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (الاحقاف : ۱۵)
''اور اُس کا (پیٹ میں) اٹھانا اور اُس کا دودھ چھڑانا (یعنی زمانۂ حمل و رضاعت) تیس ماہ (پر مشتمل) ہے۔'' (۴۶:۱۵)

اُن کا استدلال یہ ہے کہ رضاعت کا کم سے کم عرصہ دو سال (= ۲۴ ماہ) ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۳ میں اوپر بیان ہوا اور اس کا زیادہ سے زیادہ عرصہ ۳۰ ماہ (= اڑھائی سال) ہے جیسا کہ سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۵ میں اوپر بیان ہوا۔ اِن ۳۰ ـ ۲۴ = ۶ ماہ کے دوران قانونِ فطرت کے مطابق بچہ اب ماں کے دودھ سے مکمل طور پر بے نیاز ہو کر خوراک چبانے اور دانتوں سے پیسنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا احناف کے نزدیک مدتِ رضاعت تیس (۳۰) ماہ ہے۔

۳۱۱۸ (رضاعت ۔ Lactation)

رضاعت سے متعلق چند اہم نکات :(۱) دودھ کی اتنی مقدار ہونی چاہئے کہ یہ یقین ہو جائے کہ وہ معدہ کے منہ تک پہنچ چکا ہے اور یہ حقیقت رضاعت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۲) اگر عورت کا دودھ بچے کے ناک میں انڈیلا یا سرنج کے ذریعے ٹپکایا جائے تو رضاعت قائم نہ ہوگی۔ رضاعت ثابت کرنے کے لئے دودھ کو منہ کی راہ سے گلے تک پہنچانا ہوگا۔

(۳) کچھ بچوں کا حلال جانوروں کا دودھ پینے سے اُن کی باہمی رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

(۴) اگر بچے کے بارے میں شک ہے کہ آیا اُس نے دودھ چوسا ہے یا نہیں تو رضاعت قائم نہ ہوگی۔

(۵) کچھ عورتوں کی چھاتی سے زرد رنگ کی رطوبت خارج ہوتی ہے' اس رطوبت کے چوسنے سے اگرچہ رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن اس سے بچنے میں احتیاط ہے۔

(۶) رضاعت ثابت کرنے کے لئے دودھ کی کوئی مخصوص مقدار متعیّن نہیں ہے۔ دودھ کی مقدار کم یا زیادہ جتنی بھی ہو' منہ کی راہ سے گلے تک پہنچنے سے رضاعت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ دودھ چوسنا رضاعت کی مدّت یعنی اڑھائی سال کے اندر ہو۔ حنفی اور مالکی مندرجہ ذیل حدیث کی بنیاد پر اس نظریہ کے قائل ہیں:

قَلِيلُ الرَّضَاعِ وَقَلِيلُ '' سَوَاءٌ'' إِذَا حُصِّلَ فِيْ مُدَّةِ الرَّضَاعِ وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْفِصَالِ (الهداية : كتاب الرّضاع)

'' دودھ کے کم یا زیادہ ہونے کا اعتبار نہیں۔ رضاعت کے ثبوت کے لئے اُس کا مدّتِ رضاعت کے اندر ہونا شرط ہے۔ مدتِ رضاعت کے ختم ہونے پر حدیثِ مبارکہ کی رُو سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔''

علاوہ ازیں اہلِ عرب رضاعت کا لفظ دودھ کی مقدار سے قطع نظر دودھ کا '' گلے سے نیچے اترنے'' کے معنیٰ میں لیتے ہیں۔ ('' القاموس المحیط'' ۔ مجد الدین فیروز آبادی' جلد سوم' صفحہ ۳۰)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

يُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ

'' جو چیز حسب ونسب کی رُو سے حرام ہے' وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔''

یہ حدیث عموم کی ہے اور اس میں دودھ کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۷) جب بچے کے دانت کے دودھ مکمل طور پر نکل آئیں تو ماں کو چھاتی سے دودھ پلانے سے تکلیف

ہوتی ہے۔اس لئے مدّتِ رضاعت ختم ہونے کے بعد دودھ چوسوانے کی اجازت نہیں کیونکہ دودھ انسان کا حصّہ ہے اور انسانی حصّہ کو لینا بچے کی غذائیت کی ضرورت سے باہر ہے۔ضرورت پوری ہو جانے پر اس کی اجازت بھی ختم ہو جائے گی۔فقہ کی مشہور کتاب ''اَلھدایۃ'' میں درج ہے :

لَا یُبَاحُ الْاِرْضَاعُ بَعْدَ الْمُدَّةِ لِاَنَّ اِبَاحَتَه' ضُرُوْرِیَّة'' لِکَوْنِهٖ جُزْءُ الْاٰدَمِیِّ (کتاب الرّضاع)

''مُدّتِ رضاعت کے بعد دودھ چوسوانا جائز نہیں کیونکہ اس کا جائز ہونا از راہِ ضرورت ہے اور دودھ انسان کا حصّہ ہوتا ہے۔'' (الھدایۃ : کتاب الرضاع)

(۸) کسی بیماری کے علاج کے لئے بھی مدّتِ رضاعت کے اختتام پر دودھ چوسوانا جائز نہیں ہے۔

(۹) بچے اور بچی دونوں کے لئے مدّتِ رضاعت ایک ہی ہے۔یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بچے کے لئے مدتِ رضاعت دو سال اور بچی کے لئے اڑھائی سال ہے۔

(۱۰) والد کو بچے کی ماں (یعنی اپنی بیوی کو) مدّت رضاعت کے اندر دودھ چھڑانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

(۱۱) اگر کوئی عورت شیر خوار بچے کا دودھ اُس کی مدتِ رضاعت ختم ہونے سے پہلے چھڑا کر کسی دوسرے بچے کو دودھ پلانا شروع کر دیتی ہے تو اُن دونوں بچوں کی باہمی رضاعت دودھ شریک ہونے کی وجہ سے ثابت ہوگی۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ میں جس میں آپ نے اپنی حقیقی والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ چوسنے سے انکار کر دیا تھا' ہم سورۃ القَصص (۲۸) کی آیت ۱۲ میں یہ فرمانِ الٰہی پڑھتے ہیں:

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَه' لَكُمْ وَهُمْ لَه' نَاصِحُوْنَ O

''اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا' سو (موسیٰ کی بہن نے) کہا: کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی نشاندہی کروں جو اِس (بچے) کی پرورش کر دیں اور وہ اس کے خیر خواہ (بھی) ہوں۔''

ہم Encyclopedia of the Quran کی جلد سوم کے صفحہ ۱۰۰ پر موسیٰ علیہ السلام کی دوسری دائیوں کا دودھ چوسنے سے انکار سے متعلق مضمون نگار Anvar Giladi کی یہ عبارت پڑھتے ہیں:

''سورۃ القَصص کی آیت ۱۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں صدی کی ابتدا کے اہلِ عرب اس بات سے آگاہ تھے کہ بعض اوقات شیر خوار بچے اپنی حقیقی ماؤں کے علاوہ دوسری دائیوں کا دودھ چوسنے سے انکار کر دیتے ہیں۔☆

☆ جبکہ صورتِ حال مختلف ہے اور مؤلف کو اس سے اختلاف ہے۔یہاں آیت میں نبوّت کے اعلیٰ وارفع کردار کا اجاگر کرنا مقصود ہے کہ پیغمبر دوسروں کے حقوق کا غصب کرنا جانتا ہی نہیں ہوتا۔موسیٰ علیہ السلام کا غیر عورتوں کا دودھ چوسنے سے انکار کی وجہ یہی خدا خوفی تھی کہ مستحق بچوں کا دودھ میں کیوں چوسوں اور آیت مذکور کے افتتاحی الفاظ اس موقف کا ثبوت ہیں۔لہٰذا مضمون نگار کا موقف درست نہیں جو عظمتِ رسالت کے حروفِ ابجد تک سے واقف نہیں ہے۔

۳۱۲۰ (رضاعت ۔ ۔Lactation)

شیرِ مادر کی اہمیت: مندرجہ ذیل حقائق سے آشکار ہے:

(۱) **شیرِ مادر ایک مثالی خوراک ہے** : فاسفورس' پروٹین' چربیوں' شوگر اور حیاتین (وٹامن) جیسے ضروری غذائی اجزاء ماں کے دودھ میں انتہائی عمدہ توازن اور مقدار کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا تمام حالات میں چھاتی کا دودھ بچے کے لئے مثالی خوراک ہے۔

(۲) **شیرِ مادر غذائی ضروریات کی مکمل طور پر تکمیل کرتا ہے**: پہلے چھ ماہ میں شیر خوار بچے کی تمام حیاتیاتی (وٹامن) ضرورت ماں کے دودھ میں موجود ہوتی ہے۔ پیدائش کے پانچ ماہ تک بچے کو کسی اور خوراک کے لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) **شیرِ مادر تمام بیماریوں کے خلاف تحفظ کا ذریعہ ہے**: شیرِ مادر اُن نہایت چھوٹے جراثیم کے خلاف تحفظ (Anti-microbial) ہے جو مرض پیدا کرتے ہیں یا خمیرا ٹھاتے ہیں۔ شیرِ مادر پیدائش کے پہلے ماہ میں اسہال (Diarrhoea) ' چھوت کی بیماریوں اور سانس کی جراثیم زدگی کی بیماریوں کے خلاف مدافعانہ ہتھیار ہے۔

(۴) شیرِ مادر ماں اور بچے کے مابین اٹوٹ انگ تعلق اور احساسِ تحفظ کو پروان چڑھاتا ہے۔ بچوں کے ذہنی عدمِ توازن پر تحقیق سے ظاہر ہوا ہے کہ بچے کی ذہنی صحت مضبوط و توانا رکھنے کے لئے اُسے دو سال تک ماں کا دودھ پینا چاہئے۔ عالمی سطح پر کئے جانے والے مطالعہ سے ظاہر ہوا ہے کہ انڈونیشیا اور فلپائن میں کوئی بھی بچہ ذہنی مسائل کا شکار نہیں ہے اور تحقیقاتی کمیٹی نے معلوم کیا ہے کہ اس حیران کن حقیقت کی وجہ اُن ممالک میں احساسِ تحفظ اور بچے کو دو سال کے عرصہ رضاعت کے دوران شفقت و محبت کا ملنا ہے۔

(۵) **شیرِ مادر زود ہضم ہے** : نارمل وقت پر پیدا ہونے والے اور وقت سے پہلے پیدا ہونے والے بچوں کے لئے چھاتی کا دودھ جلد ہضم ہو جانے والا ہے۔ دودھ ۴۵ منٹ تک مکمل طور پر ہضم ہو جاتا ہے۔ اس وقت کے اختتام پر دودھ عورت کی چھاتیوں میں غیر اختیاری بعید رسائی (Telepathic Reflex) کے ذریعے بڑھنا شروع ہوتا ہے اور بچہ بھوک کی وجہ سے رونا شروع کر دیتا ہے۔ یہ تمام وقوعات ایک حیاتیاتی کمپیوٹر نظام کی تشکیل کرتے ہیں۔

(۶) رضاعت (دودھ چوسوانے) سے ماں کے رحم (بچہ دانی) کے سکڑنے میں مدد ملتی ہے اور شیر خوار بچے کے جبڑوں اور دانتوں کے مضبوط کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

(۷) بچے کی شیر خوارگی بچے کو مقررہ مناسب وزن سے متجاوز ہونے(Overweight) سے بچاتی ہے۔

(۸) شیر خوارگی بچے کو سوءِ تغذیہ(Malnutrition) سے حفاظت کا ذریعہ ہے اور شیر خوار بچوں کی اموات میں کمی کرتی ہے۔

(۹) شیر خوارگی ناپیداواری(Infertility) کے عرصہ کی طوالت میں مدد کرتی ہے۔

(۱۰) ماں کی چھاتی کا دودھ محفوظ' پاک و صاف' حفظانِ صحت کے مطابق' سستا اور شیر خوار بچے کو صحیح درجہ حرارت پر مل جاتا ہے۔

<u>دوسال کی مدتِ رضاعت میں قرآنی منطق</u> :رضاعت میں منطق کی بنیاد دو حقائق پر ہے:

(الف) جگر پر زبردست بوجھ پڑتا ہے کیونکہ وہ خون پیدا کر رہا ہوتا ہے اور اس لئے دودھ کی ضرورت ہوتی ہے۔خون کی پیدائش کے حوالے سے جگر کو اپنی اصل اور پہلی حالت میں آنے میں پورے دوسال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔اسی وجہ سے شیر خوارگی پورے دوسال تک رہنی چاہئے۔

(ب) وہ عرصہ جس میں بنیادی حیاتیاتی مواد کی ضرورت ہوتی ہے' بھی دوسال ہے۔میڈیکل سائنس بھی یقینی طور پر اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ بچے کی نشوونما کے ابتدائی دوسال بہت اہم ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے قرآنِ حکیم میں عرصہ رضاعت دوسال رکھا گیا ہے(بحوالہ سورۃ البقرۃ: آیت ۲۳۳)

<u>والدہ کے لئے رضاعت کی برکتیں اور فوائد</u>: دودھ پلانا جہاں بچے کی صحت کے لئے فائدہ مند ہے' وہاں وہ ماں کی اپنی صحت کے لئے بھی انتہائی فائدہ مند ہے۔بدقسمتی سے کچھ مادیت گزیدہ معالجوں کی جانب سے بے بی فوڈ مہیا کرنے والوں کے ساتھ مشترکہ پروپیگنڈا نے گزشتہ کئی سالوں سے شیرِ مادر کے خلاف نفرت پیدا کردی ہے بلکہ اُسے ہنسی مذاق بنالیا ہے۔تاہم حالیہ سالوں میں سائنس چھاتی سے دودھ پلانے کی اہمیت کو تسلیم کر چکی ہے اور ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن(W.H.O.) نے اس کے خلاف تمسخر انگیزی کے ہر قسم کے پروپیگنڈے پر پابندی لگادی ہے۔رضاعت میں ماں کی صحت کے لئے چند مفید نکات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) <u>پستانی غدودوں کا صحتمندانہ عمل</u> :عالمی سطح پر اکٹھی کی گئی شماریات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھاتی کا سرطان (کینسر) شاید ہی اُن عورتوں میں ہوتا ہے جو بچے کو سال دوسال تک دودھ پلاتی رہیں۔اس کے

برعکس وہ عورتیں جو بچے کو دودھ نہیں پلاتیں' اس بیماری کے عظیم خطرے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

(۲) دودھ پلانے والی ماں کا جگر اپنی پوری استعداد سے کام کرتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ جسمانی طور پر کمزور و نحیف ہونے کے باوجود دودھ پلانے والی عورتیں کبھی بھی بدمزاج نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دودھ پلانے کے عرصہ کے دوران غدودی ریزش متوازن اور خوش ترتیب ہو جاتی ہے۔ اس خوش ترتیب توازن کی وجہ سے دودھ پلانے والی ماں کے رِحم اور بیضہ دان (Ovaries) کو بھی کچھ عرصہ کے لئے آرام مل جاتا ہے۔ اگرچہ آرام کا یہ عرصہ دودھ پلانے کے عرصہ کے مساوی نہیں ہے تاہم دو تا چھ ماہ کے آرام کا عرصہ مادری جنس کے اعضاء کی اصطلاح میں بہت قابلِ قدر ہے۔ اس اثناء میں رِحم اور بیضہ دان کی تھوڑی بہت بے نظمی کا بھی علاج ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اِن مفادات کی رُو سے دودھ پلانے والی ماں کے لئے رضاعت کا دو سال کا عرصہ مثالی اور انتہائی مفید ہے۔

دودھ پلانے والی ماں صحتمند رہتی ہے اور دودھ پیتا بچہ بھی زندگی بھر صحتمند رہتا ہے۔ یہ برکتیں اور منفعتیں قرآنِ حکیم کا بڑا معجزہ ہیں۔

''یہاں یہ بات ماں اور بچے' کنبے اور سماج کے ذہن نشین کرانے کے لئے کافی ہے کہ شیر خوار بچے کی مصنوعی خوراک کو وسیع پیمانے پر ترک کر دیا جائے اور یہ کہ رضاعت (دودھ پلانے) کے قدرتی طریقہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے جس کی رُو سے ہر ماں اپنے بچے کو اپنی چھاتی سے دودھ پلاتی ہے۔ رائج الوقت طریقہ ہر سال ہزاروں ماؤں کی صحت کی قیمت اور ہزاروں بچوں کی زندگی طلب کرتا ہے۔'' ("Sexual Life of Woman"... Kisch, p. 195)

(۱۳۲) سرقہ (چوری ...LARCENY)

سرقہ کا اصطلاحی معنی: علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی (م ۸۶۱ ھ) لکھتے ہیں:
''عاقل بالغ کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ) یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھا لے' جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو' درآنحالیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو۔'' (''فتح القدیر' ج ۵' ص ۳۳۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۱۵ ھ)

چوری کی سزا کے متعلق قرآنِ حکیم کا فیصلہ واضح اور غیر مبہم ہے جس کا وہ یوں حکم دیتا ہے:
وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ (المائدة: ۳۸)

۳۱۲۳ (سرقہ' چوری --- Larceny)

''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت' سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو' اُس (جرم) کی پاداش میں جو اُنہوں نے کیا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔'' (۵ : ۳۸)

''چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت: ربّ ذوالجلال والاکرام کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اُس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا۔ اگر کوئی شخص اُچک کر کوئی چیز لے جائے یا لُوٹ کر لے جائے یا غصب کر لے تو اُس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کئے جا سکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعے عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے' لہٰذا اُس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے' اس لئے اُس کی سزا بھی سخت رکھی تاکہ اُس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے مال محفوظ رہ سکیں۔''

''بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اُسے فوراً جوڑ دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ لیکن یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کو فرمایا ہے جو اللہ کی طرف سے عبرتناک تعزیر ہے۔ اگر چور کا ہاتھ جوڑ دیا گیا تو پھر یہ عبرت نہیں رہے گا اور قرآن مجید کے صریحاً خلاف ہو جائے گا۔''

''ایک بحث یہ ہے کہ چور ہاتھ سے چوری کرتا ہے تو اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے تو زانی جب زنا کرتا ہے تو اُس کا آلہ تناسل کیوں نہیں کاٹا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور کا جب ایک ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے تو اُس کا دوسرا ہاتھ موجود ہوتا ہے جس سے وہ کام کاج کر سکتا ہے جبکہ زانی کے پاس دوسرا عضو نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدود اس لئے مقرر کی گئی ہیں کہ لوگ دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ کٹا ہوا ہاتھ تو دکھائی دیتا ہے جبکہ آلہ تناسل مستور (چھپا ہوا) ہوتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آلہ تناسل کاٹ دینے سے فروغِ نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا جبکہ ہاتھ کاٹنے میں یہ خطرہ نہیں ہے۔''

''دوسری بحث یہ ہے کہ زنا کی سزا میں جرم تو صرف جسم کے ایک جزنے کیا ہے اور کوڑوں یا رجم (سنگساری) کی شکل میں سزا پورے جسم کو ملتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کرنے سے پورا جسم لذت حاصل کرتا ہے اس لئے پورے جسم کو سزا دی جاتی ہے۔'' (''تبیان القرآن''۔ علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۳' ص ۱۸۰)

حنفی مکتبِ فکر کے مطابق پہلی مرتبہ چوری کی سزا دائیں ہاتھ کو پہنچے تک کاٹ دینا ہے جبکہ دوسری دفعہ کی چوری کی سزا بائیں ٹانگ کو ٹخنے تک کاٹ دینا ہے۔ تیسری مرتبہ چوری کی سزا میں اعضاء میں مزید کوئی قطع برید نہیں ہوگی بلکہ طویل قید کی سزا ہوگی جب تک کہ مجرم قیاسی طور پر اپنی اصلاح نہ کر لے۔ (الھدایۃ)

۳۱۲۴ (سرقہ، چوری ---Larceny)

مذکورہ بالا سزا کا اطلاق اِن شرائط کے تحت ہوگا:

(۱) مسروقہ شے کی قیمت ایک دینار یا دس درہم سے کم نہ ہو۔ (فقہ السنۃ، جلد ۲، صفحات ۴۹۶، ۴۹۷)

(۲) ملزم کے خلاف اچھے کردار کے دو مرد گواہی دیں یا یہ کہ مجرم اپنے جرم کا خود اعتراف کرلے۔

مالِ مسروق کی شرائط: مسروقہ شے پر ''مال'' کا اطلاق ہوتا ہو۔ مثلاً نقدی، سونا، چاندی، گاڑی، موٹر کار اور اس طرح کی روز مرّہ کے استعمال کی دیگر اشیاء۔ مالِ مسروق کی پانچ شرائط ہیں اور اگر اِن پانچ شرائط میں سے کوئی بھی ایک شرط نہ پائی جائے تو وہ چوری کی تعریف میں نہیں آئے گا:۔

(۱) شریعتِ اسلامی کی نگاہ میں مسروقہ شے پر ''مال'' کا اطلاق ہوتا ہو: ہر چیز جس کی کچھ بھی قیمت ہو، ضروری نہیں کہ وہ شریعت کی نگاہ میں ''مال'' ہو۔ بلکہ ہر وہ چیز جو حلال ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ قیمت بھی رکھتی ہو، مال ہے۔ اِسی وجہ سے شراب، افیون، چرس، خنزیر کا گوشت، آلاتِ موسیقی اور شریعت کی طرف سے اس طرح کی تمام حرام کردہ چیزیں ''مال'' نہیں ہیں اور اُن کی چوری میں تعزیری سزا نہیں بلکہ سرقہ کی ''حد'' ☆ ہوگی۔ تاہم کچھ فقہاء کے نزدیک اگر یہ مسروقہ اشیاء غیر مسلموں کی ہیں اور اُن کا مذہب اُنہیں جائز قرار دیتا ہے تو اُن کی چوری کی صورت میں مالک کو اُن کی تلافی کرنا درست ہوگا کہ یا تو اصل چیز مالک کو لوٹا دی جائے یا اُس کی قیمت اُسے ادا کر دی جائے۔ ایسی صورت میں چور کو حدِّ سرقہ کی سزا نہیں دی جائے گی البتہ اپنی صوابدید کے مطابق قاضی اُسے ''حد'' کی بجائے تعزیری سزا بھی دے سکتا ہے۔

(۲) مالِ مسروقہ کا کسی اور کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ چور کو چوری شدہ چیز پر قبضہ کا کوئی حق نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) مالِ مسروق پر چوری کے جرم کا اطلاق ہوتا ہو: چوری شدہ مال ایسا ہونا چاہئے جسے علاقہ کا رسم و رواج اور روایت چوری کا جرم تسلیم کر سکے۔

(۴) مالِ مسروق کی قدر و قیمت ''نصاب'' یعنی دس درہم یا ایک دینار ہو: ''نصاب'' دس درہم ہے جو 4.457 گرام سونے کے برابر ہے۔ ''نصاب'' کو (رائج الوقت) کرنسی کی صورت میں بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کرنسی کی شرح میں آئے دن اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔

☆ اسلام کی مجوزہ سزاؤں میں ''حد'' اور ''تعزیر'' کی دو اِصطلاحات آتی ہیں۔ ''حد'' کا اصطلاحی معنی وہ سزا ہے جسے شریعتِ مطہرہ نے مقرر کر دیا ہے اور اس میں قاضی یا منصف کو ردو بدل کا اختیار بالکل نہیں ہوتا۔ حدود میں زنا کے لئے رجم (سنگسار کرنا) چوری اور ڈکیتی کے لئے ہاتھ کاٹنا، شراب خوری اور بہتان طرازی (قذف) پر ایک سو یا اسی کوڑے لگانا، اور قتلِ ناحق پر قتل کرنا شامل ہیں۔ اِن کے علاوہ دیگر سزائیں تعزیرات میں شامل ہیں اور وہ قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہیں کہ جرم کی نوعیت کے مطابق جیسے چاہے بہ نظرِ انصاف سزا دے۔

(۵) <u>چیز کو لیتے وقت چوری کا ارادہ ضروری ہے</u> : اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کی چیز کو چوری چھپے اُسے غصب کرنے کی نیت سے نہیں لیتا تو وہ چوری نہیں کہلائے گی۔ مثلاً اگر ڈاکٹر اپنے مریض کا آپریشن کرتے ہوئے اُس کی جیب سے رقم نکال لے تاکہ کسی اور کی بدنگاہ اُس پر نہ پڑے اور اُس کی نیت رقم کو مریض تک لوٹانے کی ہو (تو یہ چوری نہ ہوگی)۔ اسی طرح اگر کوئی راہ گزر سڑک پر کسی زخمی کو اٹھاتے ہوئے اُس کی جیب میں سے کچھ رقم نکال لے اور نیت یہ ہو کہ گھر پہنچنے پر وہ رقم اُس کے گھر والوں تک پہنچا دی جائے گی تو یہ بھی چوری نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست کے گھر جاتا ہے جہاں کرنسی نوٹ اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہوں۔ اُسے ایسی غفلت کا سبق دینے کے لئے تاکہ وہ آئندہ محتاط رہے' وہ رقم بغیر کسی غاصبانہ ارادہ کے لے لیتا ہے تو یہ عمل بھی چوری نہیں کہلائے گا اگرچہ رقم ''نصاب'' سے زائد ہو۔'' (''فقہ القرآن''۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد: ایم اے اسلامیات کورس' کوڈ: 4553' صفحات 804-806)

<u>سرقہ کی جگہ کی شرائط</u> : حنفی مکتبِ فکر میں یہ شق موجود ہے کہ جس چیز کی حفاظت نہیں کی جا سکتی' یا جو حفاظت کئے جانے کے لائق نہیں ہے' اُس کے چُرانے پر چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ جیسے جنگل میں کافی مقدار میں پڑی ہوئی خشک لکڑی' گھاس پھوس' سرکنڈا' گری پڑی چیز' مچھلی' چونا وغیرہ اور کھانے کی وہ چیزیں جو جلد خراب ہونے والی ہوں جیسے دودھ' گوشت' تازہ پھل وغیرہ۔ اگر چیز کی کوئی روایتی قدر و قیمت نہیں ہے تو اس کے چرانے پر بھی چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ ضروری امر یہ ہے کہ مالِ مسروق کو محفوظ نگراں کاری اور تولیت (یعنی ''حرز'') میں ہونا چاہیے۔

مسلمان فقہاء کا بالعموم نظریہ یہ ہے کہ اگر مالِ مسروق کھلی اور عوامی جگہ سے چُرایا گیا ہے تو چور کو تعزیری سزا دی جائے گی نہ کہ ''حد'' کی سزا۔ .. ("Legal Character of Islamic Punishments"
Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, p. 28)

<u>''حرز'' کیا ہے ؟</u> حرز کا معنی ''حفاظتی جگہ'' یا ''قلعہ'' ہے۔ اثاثوں کی حفاظت کے طریقے مختلف جگہوں پر مختلف ہوتے ہیں لیکن اثاثوں کا ''حرز'' (حفاظت) پھر بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی چیز سڑک یا شاہراہ یا جنگل میں پڑی ہوئی ہو اور کوئی شخص اُسے اٹھا لے تو یہ عمل ''حدِ سرقہ'' نہیں کہلائے گا کیونکہ یہاں ''حرز'' (حفاظت) کی شرط معدوم ہے۔ اگر مویشیوں کو چرواہا جنگل میں چَرا رہا ہے تو یہ ''حرز'' ہے۔ اگر کوئی آدمی اپنے تکیے کے نیچے تھیلا یا گھڑی رکھے ہوئے سو رہا ہے اور کوئی اُنہیں وہاں سے نکال لے تو یہی سمجھا جائے گا کہ اُس نے ''حرز'' (حفاظت کی جگہ) سے اُسے نکالا ہے۔ ''حرز'' کی شرط کو پورا کرنے کے لئے نقدی کو لاکر میں ہونا چاہیے اور اگر وہ سرِ بازار کھلا ہوا پڑا ہے' تو ''حرز'' نہیں کہلائے گا۔

''حرز'' کی شرط کو پورا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چور خود چیز کو حفاظتی جگہ سے نکالے۔ ''حرز'' کی شرط پوری ہو جاتی ہے اگر چور چیز کو حفاظتی جگہ سے نکال کر باہر گلی میں یا سڑک پر لے آئے۔ اگر کوئی

۳۱۲۶ (سرقہ' چوری --- Larceny)

آدمی کسی چیز کو حفاظتی جگہ سے نکال کر اُسے گھر کی دہلیز میں ڈال دے اور کوئی دوسرا آدمی اُسے اٹھا لے تو ''حرز'' کی شرط مشکوک ہوگی۔ اور کوئی بھی شک ''حدّ سرقہ'' کے عائد نہ کرنے کے لئے کافی ہوگا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ ('الاحکام السلطانیہ' علامہ ماوردی' ص ۲۵۵)

''اگر معاملہ میں تھوڑا سا بھی شک ہے تو ''حد'' کا اطلاق نہ ہوگا۔''

<u>سرقہ کی اقسام</u> : سرقہ کی دو اقسام ہیں:

(۱) سرقہ مستوجبِ ''حد'' ☆ اور

(۲) سرقہ مستوجبِ ''تعزیر''۔

اوّل الذکر یعنی سرقہ مستوجب ''حد'' صرف اُس وقت لاگو ہوتا ہے جب جرم کا ارتکاب بغیر کسی شک وشبہ کے ضروری شرائط کی تکمیل کے بعد ثابت اور مستحکم ہو جائے۔ اگر اس میں کوئی ایک بنیادی شرط معدوم ہوا اور سرقہ کا ارتکاب گواہی کے ذریعے ثابت ہو جائے تو عدالت تعزیر کی سزا دینے کی مجاز ہے۔

☆ ''حد'' کا معنیٰ کسی چیز کا روک دینا ہے۔ ''حدود اللہ'' کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممنوع چیزیں ہیں جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی اِس آیت ۲۲۹ میں وارد ہوا: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں پس اُن سے تجاوز مت کرو)۔ ''حد'' حق اللہ ہے لہٰذا اس میں کسی قسم کی معافی یا مصالحتی فیصلے کی گنجائش نہیں ہے۔

''تعزیر'' کا لفظی معنیٰ ممکنہ وسیع حد تک سزا کا ہے۔ اپنے قانونی مفہوم میں اس کا معنیٰ جرم کی وہ سزا ہے جسے قانون میں متعیّن نہیں کیا گیا۔ تعزیری سزاؤں کی قسم اور مقدار عدالت کی صوابدید پر چھوڑی گئی ہے جو ہر انفرادی صورت کے مطابق سزا دینے کی مجاز ہے۔ تعزیری سزائیں حیاتِ انسانی' اعضائے جسمانی' جائداد' امنِ عامہ اور سکونِ عوام' اخلاقیات اور مذہب وایمانیات کو نقصان پہنچانے پر دی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا دراصل تمام مسلمانوں کا فوجداری قانون جو اَب رائج الوقت ہے' تعزیر کے اصول پر قائم ہے۔

تعزیری سزا کا مقصد مجرم کی اصلاح اور جرائم کا سدّ باب کرنا ہے۔ سزا کی اس قسم کا دائرہ محض تنبیہ و سرزنش سے لے کر جرمانوں' جسمانی سزاؤں' قید و بند اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کو منتقلی تک جا پہنچتا ہے۔ (Muhammadan Juris-prudence".. Sir Abdul Rahim, pp. 362,363

''صوابدیدی سزاؤں میں عدالت کو معاف کرنے کے اختیارات ہیں۔'' ("Islamic Law of Tort" ...Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, p. 10)

''چونکہ تعزیری سزاؤں کا وسیع مقصد برائی اور جرائم کا سدّ باب ہے اس لئے اسلامی سربراہِ مملکت کو دیوانی مقدمات میں مداخلت کرنے کا حق ہے۔ وہ اپنی صوابدید سے بالخصوص اُن لوگوں کو سزا دے سکتا ہے جو قتل یا ڈکیتیوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور اُنہیں مقتول کے وارثوں یا نمائندگوں کی جانب سے معافی مل گئی ہو۔'' ("A History of Islamic Law : Islamic Survey" ... Prof. N. J. Coulson).

۳۱۲۷ (سرقہ' چوری ---Larceny)

کن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا؟ فتاویٰ عالمگیری میں ہاتھ کاٹنے کی حسب ذیل شرائط بیان ہوئی ہیں:

(۱) جو چیز دارالاسلام میں مباح یا خسیس اور حقیر ہو' اُس کے چُرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جیسے افتادہ لکڑی' گھاس پھوس' سرکنڈا' مچھلی' اور چونا وغیرہ (الھدایۃ)۔

(۲) سونا' چاندی اگر مٹی یا پتھر میں محفوظ ہو اور اُسے اِس شکل میں چُرایا جائے تو اُس پر حدِّ سرقہ نہیں ہے۔

(۳) جو چیز جلد خراب ہو جائے جیسے دودھ' گوشت اور تازہ پھل' اُن کے چُرانے پر حد نہیں ہے۔

(۴) جو پھل درخت پر لگے ہوں یا گندم کھیت میں ہو اور اُن پر کوئی نگران نہ ہو تو اُن کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔

(۵) قحط کے دنوں میں طعام کی چوری پر حد نہیں ہے' خواہ طعام جلد خراب ہونے والا ہو یا نہ ہو' حفاظت میں رکھا گیا ہو یا نہ ہو۔ اگر قحط کا سال نہ ہو اور چُرائے جانے والا طعام جلد خراب ہونے والا ہو' پھر بھی حد نہیں ہے اور اگر طعام جلد خراب ہونے والا نہ ہو لیکن غیر محفوظ ہو' پھر بھی حد نہیں ہے۔

(۶) مٹی کی دیگچی کی چوری میں حد نہیں ہے۔

(۷) درخت کو باغ سے جڑ سمیت چُرانے پر حد نہیں ہے۔

(۸) ہاتھی کے دانت کی چوری میں حد نہیں ہے' بشرطیکہ اُس سے کوئی چیز بنائی نہ گئی ہو۔

(۹) شیشہ کی چوری میں حد نہیں ہے۔

(۱۰) جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے' اُن کے چُرانے میں حد نہیں ہے خواہ وہ وحشی ہوں یا غیر وحشی' بَرّی ہوں یا بحری۔

(۱۱) مہندی' سبزیوں' تازہ پھلوں' گھاس' پانی' گٹھلی اور جانوروں کی کھالوں کے چُرانے میں حد نہیں ہے اِلّا یہ کہ کھال سے مصلّٰے یا کوئی چیز نہ بنائی گئی ہو۔

(۱۲) خمر' خنزیر' باقی پرندوں' وحشی جانوروں' کتوں' چیتوں' مرغی' بطخ اور کبوتر کے چُرانے میں حد نہیں۔

(۱۳) طنبور' دف' مزمار اور باقی گانے بجانے کے آلات کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔

(۱۴) طبل اور بربط اگر لہو ولعب کے لئے ہوں' تو اُن کے چُرانے میں حد نہیں ہے اور اگر طبل جہاد کا ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

(۱۵) پنیر اور روٹی کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔

(۱۶) شطرنج اور چوسر خواہ سونے کی بنی ہوئی ہوں' اُن کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔

(۱۷) مصحف (قرآن مجید) کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔

(۱۸) فقہ' نحو' لغت اور شعر وادب کی کتابوں کے چُرانے میں بھی حد نہیں ہے۔

(۱۹) تیر کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔

(۲۰) سونے یا چاندی کی صلیب یا بُت کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔ البتہ سونے اور چاندی کے جن سکوں پر تصویریں ہوں' اُن کے چُرانے میں حد ہے۔

(۲۱) بڑی عمر یا سمجھ دار غلام کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔

(۲۲) جس شخص نے اپنے مقروض سے دس درہم غیر مؤجل قرض لینا ہو اور وہ اُس سے اتنی مالیت کی چیز

چُرالے تو حد نہیں ہے اور اگر قرض مؤجل ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حد ہو اور استحسان کا تقاضا ہے کہ حد نہیں ہے۔
(۲۳) اگر نابالغ بیٹے کے مقروض کے مال سے چوری کی تو حد نہیں ہے۔
(۲۴) اگر چاندی کے برتن میں نبیذ یا جلد خراب ہونے والی کوئی چیز (مثلاً دودھ) تھی' اُس کے چُرانے پر حد نہیں ہے۔
(۲۵) جس برتن میں خمر (شراب) تھی' اُس کے چُرانے میں حد نہیں ہے۔
(۲۶) اگر قبر سے درہم' دینار کے علاوہ کوئی اور چیز چُرائی تو اُس پر حد نہیں ہے۔
(۲۷) کفن چُرانے پر حد نہیں ہے۔
(۲۸) مالِ غنیمت یا مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔
(۲۹) جس چیز پر ایک بار حد لگ چکی ہو' اُسے دوبارہ چُرانے پر حد نہیں ہے۔
(۳۰) حربی مستامن کے مال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔
علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:
(۳۱) مسجد کا سامان مثلاً چٹائیاں اور قندیل چُرانے پر حد نہیں ہے۔
(۳۲) کعبہ کے پردوں کو چُرانے پر حد نہیں ہے۔
(۳۳) جن کاغذوں پر کچھ لکھا ہوا ہو یا چھپا ہوا ہو' اُن کے چُرانے پر حد نہیں ہے۔
(۳۴) اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی تو اُس پر حد نہیں ہے۔
(۳۵) لٹیرے اور اُچکے پر حد نہیں ہے۔
(۳۶) اگر کوئی شخص اپنے شریک کے مال سے چوری کرے' تو اُس پر حد نہیں ہے۔
(۳۷) ماں' باپ' اولاد یا دیگر محارم کے مال سے چوری پر حد نہیں ہے۔
(۳۸) اگر محرم کے گھر سے کسی اور کا مال چُرایا تو اُس پر حد نہیں ہے۔
(۳۹) اگر زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چُرایا تو اُس پر حد نہیں ہے۔
(۴۰) غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کا مال چُرایا' یا لونڈی نے اپنی مالکہ کے خاوند کا مال چُرایا تو اُس پر حد نہیں ہے۔
(۴۱) اگر مالک نے اپنے مکاتب ☆ کا مال چُرایا تو اُس پر حد نہیں ہے۔
(۴۲) حمام یا جس گھر میں جانے کا اِذنِ عام ہو' اُس میں چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔'' (فتاویٰ عالمگیری' جلد ۲' ص ص ۱۷۵-۱۷۹ ملخصًا) بحوالہ ''تبیان القرآن'' از علامہ غلام رسول سعیدی' جلد ۳' صفحات ۱۸۷' ۱۸۸)

☆ ایک شخص اپنے غلام سے یہ کہتا ہے کہ تم مجھے پانچ ہزار روپے لا کر دو تو تم آزاد ہو' اس فعل کو ''مکاتبت'' اور اُس غلام کو ''مکاتب'' کہتے ہیں۔ اب اُس غلام کے ذمہ یہ ہے کہ وہ محنت مزدوری کرے اور اپنے آقا کو وہ رقم لا کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اسلام نے غلامی کو بتدریج ختم کیا ہے۔ غلام کو آزاد کرنے پر دوزخ سے نجات کی بشارت دی' قتلِ خطاء' ظہار' قسم توڑنے اور روزہ توڑنے کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا' غلام کو مکاتب کرنا بھی غلامی کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے۔ زکوٰۃ کی حد میں ایک شق یہ بھی رکھی گئی کہ غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور مسلم معاشرہ میں مسلمان اپنے ایک غلام بھائی کو غلامی سے آزاد کرانے کے لئے رقم خرچ کریں۔ سورۃ النور کی آیت ۳۳ میں بھی یہی حکم ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے' اُسے غلام آزاد کرانے میں خرچ کرو۔

(۱۲۳) قانونِ شریعتِ اسلامی ---LAW

''اصولِ وضوابط کا مجموعہ جس کے ذریعے کسی ریاست میں حق وانصاف کا نفاذ کیا جائے ''قانون'' کہلاتا ہے۔
(Hutchinson 20th Century Encyclopedia, p. 744 -- 7th Edition)

''یہ سوال کہ قانون کیا ہے؟ تاریخِ انسانی میں کثیرالتعداد جوابات کو سامنے لایا ہے' تورات کے اس واضح اعلان سے لے کر کہ قانون مرضیِ الٰہی ہے' کارل مارکس اور فریڈرک اینجلز کے اس قضیہ تک کہ قانون طبقاتی نظامِ فکر ہے۔''
(Grolier Academic Encyclopedia, Vol. XII, p. 242)

قانونِ الٰہی کی تعریف : اسلام میں قانون وہ ہے جس کا استحکام بندوں کے اعمال وافعال کے حوالے سے بطورِ ضابطہ و اصول اللہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ ("The Principles of Muhammadan Jurisprudence"... Abdur Rahim, pp. 50, 51)

نبی اکرم ﷺ کے اختیارات بطور قانون ساز :اللہ قادرِ مطلق شہنشاہِ کل ہے اور مختارکاری کا مکمل مالک ہونے کے حوالہ سے وہ قانون کا واضع اور اُس کا عطا کرنے والا ہے۔وہ اپنے احکامات بذریعہ وحی اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچاتا ہے۔یہ احکامات یا تو براہِ راست ہوتے ہیں جو اصل خدائی الفاظ میں ہوتے ہیں اور اگر وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں ہوں تو وہ بالواسطہ (پیغمبر) ہوتے ہیں۔سورۃالتوبہ(۹) کی درجِ ذیل آیت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو بطور قانون عطا کرنے والے کے اجاگر کرتی ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ O (التوبة : ٦٢)

''اللہ اور اُس کا رسول زیادہ حقدار ہے کہ اُسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہی ہے۔کاش کہ وہ اس روشن حقیقت کو جان لیتے!

یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے تثنیہ کی ضمیر ھُمَا کی بجائے ہٗ کی واحد ضمیر لائی گئی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اگرچہ مختارکاری (Authority) صرف خدائے واحد کی ہے لیکن اس کا اظہار دُہرا ہے اور یہ کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مابین قانون سازی کے اختیار میں بہ مشکل ہی کوئی فرق ہے۔چونکہ رسول اللہ ﷺ کے وضع کردہ قوانین وضوابط وحیِ الٰہی کا نتیجہ ہوتے ہیں' اس لئے اُنہیں بھی قانون دانی کی ویسی ہی قوت حاصل ہوتی ہے جیسی قرآنی قانون دانی کو حاصل ہوتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قانون سازی کی مختار کاری کو قرآنِ مجید کے کثیر التعداد مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں :

(۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔'' (۴: ۵۹)

(۲) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء : ۸۰)

''جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا' بے شک اُس نے اللہ ہی کا حکم مانا۔'' (۴:۸۰)

(۳) یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (الاعراف : ۱۵۷)

''(رسول) اُنہیں اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور اُنہیں بُری باتوں سے روکتا ہے' اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور اُن پر پلید چیزوں کو حرام کرتا ہے اور اُن سے اُن کے بارِ گراں اور طوقِ (قیود) جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے' ساقط فرماتا ہے (اور اُنہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ ور فرماتا ہے۔'' (۷ : ۱۵۷)

(۴) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال : ۲۴)

''مومنو! جب (بھی) رسول ﷺ تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا عطا فرماتا ہے تو اللہ اور رسول ﷺ کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔'' (۸ : ۲۴)

آیت مذکورہ میں اللہ اور رسول ﷺ دو کا ذکر ہے تو اس لحاظ سے دَعَـا کا صیغہ واحد کی بجائے دَعَـوَا صیغہ تثنیہ کا ہونا چاہئے تھا جیسا کہ سورۃ التوبۃ کی آیت ۶۲ میں صفحہ سابق پر گزر چکا۔ تو یہاں بھی بتانا یہی مقصود ہے کہ اگرچہ اللہ رب العزت کی ذات حکم دینے میں مستقل بالذات ہے اور اس کے حکم کی تعمیل بہر حال مقدم ہے لیکن یاد رکھو کہ رسول کا بلانا بھی دراصل اللہ ہی کا بلانا ہے اور اُن کی پکار کا انکار دراصل اللہ کی پکار کا انکار ہے۔

(۵) وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًاO (الاحزاب : ۳۶)

''نہ کسی مؤمن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مؤمن عورت کو کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو اُن کے لئے اپنے (اُس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار حاصل ہو اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔'' (۳۳ : ۳۶)

آیت کے شانِ نزول کے بارہ میں حضرات قتادہ، مجاہد، ابن عباس اور دیگر ائمہ تفسیر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی پھوپھی عمیمہ کی صاحبزادی اور اپنے جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب کی نواسی، خاندانِ بنی ہاشم کی معزز خاتون حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنے آزاد کردہ غلام زید کے لئے شادی کا پیغام بھیجا اور اُنہوں نے اور اُن کے بھائی عبداللہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رب تعالیٰ کی طرف سے جبریل یہ آیتِ طیبہ لے کر حاضر ہوئے کہ کسی مؤمن مرد اور عورت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا رسولِ مکرّم اُسے کوئی حکم دے تو وہ انکار کر دے۔ جب یہ ارشادِ خداوندی حضرت زینب اور اُن کے بھائی عبداللہ نے سنا تو فوراً زید سے نکاح کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اُن کا نکاح حضرت زید سے پڑھا دیا۔

اگرچہ یہ آیت اُس خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ عام ہے اور حضور علیہ السلام کے قانون ساز ہونے اور مختار کاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بالغ، ذی ہوش لڑکی کو اسلام نے نکاح کے معاملہ میں خیارِ بلوغ کا حق دیا ہے کہ وہ جس سے چاہے نکاح کے لئے رضامندی کا اظہار کر دے، اور جس کو چاہے ناپسند کر دے اور اس میں اُس کے والد تک کو اُس پر جبر کرنے کا کوئی حق اسلام نہیں دیتا۔ لیکن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قانون ساز ہونے کے حوالہ سے معاملہ کچھ اور ہے کہ ''خیارِ بلوغ'' کا حق ملنے کے باوجود اُسے آقا علیہ السلام کے فیصلہ پر سرِتسلیم خم کرنا پڑے گا اور یہی سچے ایمان کا تقاضا ہے۔☆

(۶) مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر : ۷)

''رسول تمہیں جو کچھ دے دیں، لے لیا کرو اور جس سے روک دیں رُک جایا کرو۔'' (۵۹:۷)

☆ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریعی اختیارات کا ایک اور مستحکم ثبوت یہ بھی ہے کہ پورے قرآن مجید میں 36 مقامات پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر اکٹھا آیا ہے اور 20 مقامات پر صرف رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر ہوا ہے جیسے:

(۱) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ (النساء : ۸۰)

''جس نے رسول کا حکم مانا، اُس نے بالیقین اللہ کا حکم مانا۔'' (۴:۸۰)

(۲) وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○ (النور: ۵۶)

''نماز کو قائم رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو، رسول کا حکام مانتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (۲۴:۵۶)

(۳) وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا○ (الفرقان : ۲۷)

''اور اُس دن ہر ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کی ہمراہی میں راستہ اختیار کر لیا ہوتا۔'' (۲۵:۲۷)

لیکن پورے قرآن پاک میں کہیں بھی صرف اطاعتِ الٰہی کا ذکر نہیں ہے۔ وجہ یہی ہے کہ کہیں لوگ یہ سمجھ نہ بیٹھیں کہ اعلیٰ و ارفع ذات یعنی اللہ کا دامن ہم نے تھام لیا ہے تو اب اُس سے کم تر ذات یعنی رسول کا دامن تھامنے کی کیا ضرورت ہے؟

Wensinck نامی ایک مستشرق لکھتا ہے :
''سنتِ نبوی ایسا آئینہ ہے جس میں مسلم سماج کی امنگیں اور آرزوئیں منعکس ہوتی ہیں۔'' ("Muslim Creed"... Wensinck, p. 1)

الکاشانی کا بیان ہے کہ سنتِ نبوی کے بغیر نہ تو قرآن پر ایمان لانا ممکن ہے اور نہ ہی احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا ممکن ہے۔ ... ("The Relationship between Qur'an and Sunnah" Tanzil-ur-Rahman, p. 136)

سنت نبوی کی اہمیت کو بڑی جامعیت کے ساتھ امام اوزاعی نے یوں بیان کر دیا ہے :
''قرآنِ حکیم کو سنت کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ سنت کو قرآن کی ضرورت ہو۔'' (''جامع بیان العلم'' ۔۔۔امام اوزاعی' جلد ۲' صفحہ ۱۹۱)

نبی اکرم ﷺ بطور قانون ساز مستشرقین کی نظر میں

(۱) ''آپ ﷺ نے حکومت کی' سزائیں دیں اور قانون سازی کی۔'' ("An Introduction to the Study of Anglo-Mohammadan Law"... R.K. Wensinck, p. 15)

(۲) ''خصوصی مسائل کے حل کے لئے جب بھی وہ پیدا ہوں' آپ ﷺ منصفِ اعلیٰ تھے اور وحیِ قرآن کی تفسیر و تاویل کرنے کے آپ ذمہ دار تھے۔'' ("A History of Islamic Law" ... N.J. Coulson, p. 3) Edinburgh Edition, 1964.

(۳) ''جب آپ دل میں انتہائی گڑ جانے والے احکام صادر فرماتے تو یوں لگتا تھا کہ آپ فی الواقع اللہ کی طرف سے بول رہے ہیں۔'' ("Muhammadanische Studien"...Goldziher) 1990

(۴) ''قانونِ اسلامی کو مغربی نظریات کی کسوٹی پر پرکھنے میں مستشرقین نے ٹھوکر کھائی ہے۔ مغرب میں قانون انسانی خواہشات کی پیداوار ہے جو اکثر اوقات اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری ہوتا ہے اور جہاں قانون سازی کے اختیارات میں کوئی حد اور پابندی نہیں ہے جس سے انسان انسان کا غلام ہو کے رہ گیا ہے۔ وہ یہ بات بھول گئے ہیں کہ اسلام میں قانون سازی ہمیشہ رضائے الٰہی کی حدود میں رہتی ہے جس کے حکومت اور افراد پابند رہنے اور جوابدہ ہونے کے ذمہ دار ہیں۔'' ("Islamic Legal Theory and the Orientalists ... Syed Abul Hasan Najmee, p. 41)Lahore, 1969.

۳۱۴۳ (قانونِ شریعتِ اسلامی ۔۔۔LAW)

قانون کا احترام: نسلِ انسانی کو قانون کا سب سے بڑا عطا کرنے والا قرآنِ حکیم ہے اور وہ ہم سے توقع کرتا ہے کہ ہم بہ دل وجان قانون کا احترام کریں۔ قرآنِ حکیم ہمیں حکم دیتا ہے :

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا O (النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ امر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اُسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو تمہارے حق میں یہی بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔'' (۴: ۵۹)

(۲) رِجَالٌ " لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ " وَّلَا بَيْعٌ "عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ O (النور : ۳۷)

''(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔'' (۳۷ : ۲۴)

(۳) اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ " وَّاَجْرٌ " كَبِيْرٌ "O (المُلك : ۱۲)

''بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اُن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔'' (۱۲ :۶۷)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قانون شکنی کرنے والوں کی سفارش کرنے کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی اور اس طرح یہ عدمِ سفارش مجرموں کو سزا دینے میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث کے مطابق فاطمہ نامی ایک خاتون جو ایک بااثر، خوشحال خاندان سے تعلق رکھتی تھی، چوری کی مرتکب ہوئی۔ مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اُس عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ کے صحابہ کرام نے آپ کے انتہائی پیارے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی وساطت سے نبی علیہ السلام کو سزا کم کرانے کی سفارش کرائی۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ناراض ہوئے اور فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا سے تغافل برتتے ہو؟'' پھر آپ کھڑے ہوئے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو حق وانصاف پر مبنی مثالی اخلاقی قدر کا نمائندہ ہے:

''تم سے پہلے کی اقوام پر تباہی کی جو چیز موجب بنی وہ یہ تھی کہ جب اُن کا اونچے مرتبے کا کوئی آدمی جرم کا ارتکاب کرتا تو وہ اُسے (بغیر سزا دئے) کھلا آزاد کر دیتے لیکن اگر اُن میں سے کوئی کمزور آدمی جرم کا

ارتکاب کرتا تو وہ اُسے سزا دیتے ۔ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو بخدا ! میں اُس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا ۔'' (صحیح مسلم) ۔

قانون اور نظم و ضبط: اس کے متعلق قرآنِ حکیم نے فرمایا:

(۱) وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ O (الاعراف : ۵۶)

''اور زمین میں اُس کے سنور جانے (یعنی ملک کا ماحولِ حیات درست ہو جانے) کے بعد فساد انگیزی نہ کرو اور (اُس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے) اور (اُس کی رحمت کی) امید رکھتے ہوئے اُس سے دعا کرتے رہا کرو ۔ بے شک اللہ کی رحمت حسنِ عمل کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے ۔'' (۷:۵۶)

(۲) وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ O (هود : ۸۵)

''اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو ۔'' (۱۱ : ۸۵)

(۳) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید : ۲۵)

''بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں اور ہم نے لوہا مہیا کیا' اُس میں (آلاتِ حرب و دفاع کے لئے) سخت قوّت اور لوگوں کے لئے (صنعت سازی کے کئی دیگر) فوائد ہیں ۔''

میزان : انسان اور انسان کے درمیان حق و انصاف اور مساوات قائم کرنے اور صحیح متوازن' منظم معاشرہ قائم کرنے کا خدائی حکم ۔

منصفی اور معدلت : انسان کا انسان کے ساتھ اور انسان کا اللہ کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم یا اس کا معنیٰ ''سماجی انصاف'' ہے ۔

لوہا : طاقت و قوّت' نظم و ضبط' قانونی با ضابطہ اجازت' قانون کی تندی اور سختی جس سے شیطانی صفت لوگوں کا دماغ ٹھیک ہو جاتا ہے اور اُن کی اصلاح ہو جاتی ہے ۔

مفاداتِ عامّہ : قانون کی تندی اور سختی سے لوگ امن و آشتی اور سکون سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور معاشرہ کما حقہٗ ترقی کی طرف گامزن ہوتا ہے ۔

قانون کی حاکمیت (بالادستی Rule of Law) اس قانون کو متعارف کرانے میں ڈائسی پہلا شخص نہیں بلکہ صدیوں پہلے قرآن مجید کو اس کے متعارف کرانے کا اعزاز حاصل ہے ۔

قرآنِ حکیم قانون کی حاکمیت کی اہمیت کو ہر جگہ نمایاں کرتا ہے' نوعِ انسان کی رضا کو اللہ کی رضا کے مطابق بنانے کی ترغیب دیتا ہے اور یہ کہ وہ اپنی عقل و دانش کو اپنے خالق کی عقل و حکمت کے مقابلے پر نہ لائیں جیسا کہ مندرجہ ذیل قرآنی اقتباسات سے ظاہر ہے :

(۱) وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ O (المائدۃ : ۴۴)
''اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے' سو وہی لوگ کافر ہیں ۔''

(۲) وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ O (المائدۃ : ۴۵)
''اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے' سو وہی لوگ ظالم ہیں ۔''

(۳) وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (المائدۃ : ۴۷)
''اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے' سو وہی لوگ فاسق ہیں ۔''

(۴) وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا O (الاحزاب : ۳۶)
''نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو اُن کے لئے اپنے (اُس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار حاصل ہو اور جو شخص اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔'' (۳۶ : ۳۳)

عدل و انصاف کی تعریف : انسانی سرگرمیوں کے شعبہ میں جب صوابدیدی اختیارات میں توازن کے اصولوں کا اطلاق کیا جاتا ہے خواہ اُن کا تعلق اپنی ذات سے ہو یا دوسروں سے ہو' یا اختیارات کے استعمال سے ہو' یا فیصلوں کے صادر کرنے سے ہو' تو اسے ''عدل و انصاف'' کہا جاتا ہے۔ (The Daily DAWN (Editorial) --- Lahore of August 9, 2002)

عدل و انصاف بطور قانون کی بنیاد : نبوت و رسالت کا عظیم ترین مشن لوگوں کے درمیان عدل و مساوات کا قائم کرنا ہے جس کے بغیر قانون غیر مؤثر اور بے جان جسم کی طرح ہو جاتا ہے۔ نبی علیہ السلام کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا :

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ (الشوریٰ : ۱۵)
''مجھے تمہارے درمیان عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔'' (۴۲:۱۵)

عدل و انصاف کا معیار : قرآنِ حکیم کی راہ نمائی کے تحت ہمیں عدل و انصاف کی کسوٹی اور معیار کا پتہ

چلتا ہے جیسا کہ سورۃ اَلرَّحمٰن میں آیا:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَO (الرَّحمٰن : ۷)

''اور اُسی نے آسمان کو بلند کر رکھا ہے اور اُسی نے (عدل کے لئے) ترازو قائم کر رکھی ہے۔'' (۵۵:۷)

جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آسمانوں کی تخلیق کے بعد تمام ستاروں' سیاروں اور کہکشاؤں کی اُس نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ تشکیل کی تاکہ نظام میں ضروری توازن اور یکسانیت واعتدال کو قائم کیا جا سکے۔ یہ اسی ہم آہنگ توازن کی وجہ سے ہے کہ نظام بڑے ہی جمالیاتی نظم وتناسب کے ساتھ چل رہا ہے اور اسی جمالیاتی تناسب کی وجہ سے وہ کروڑہا سال سے قائم ودائم ہے۔

سورۃ اَلرَّحمٰن کی آیت مذکور ہفتم میں ''عدل وانصاف کے توازن'' کو اس سے اگلی دو آیات کے توازن سے جوڑا گیا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آئیں اور اپنے تمام اعمال وافعال میں اِس سنہری راہ کو اختیار کرتے ہوئے اور کسی بھی طرح حدود سے تجاوز نہ کرتے ہوئے توازن کو برقرار رکھیں:

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِO وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَO(الرَّحمٰن: ۸' ۹)

''تاکہ تم تولنے میں بے اعتدالی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کرو۔''

اَلْمِيْزَان سے مراد عدل وانصاف پر قائم رہنا ہے جس کا ثبوت سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں ملتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

'''' بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں۔'' (۲۵ :۵۷)

عدل وانصاف کی عملداری بالخصوص اُس وقت خاص اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے جب وہ دوسروں کے حقوق وفرائض' اُن کے جرم سے اجتناب اور جرم کے ارتکاب کے حوالے سے ہوتی ہے۔ اِن معاملات میں عدل وانصاف کرنے کا اہم تقاضا یہ ہے کہ منصف توازن کے معیار کو حتی المقدور برقرار رکھے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فریقین کو اپنی وکالت کرنے اور اپنے دعاوی اور حیثیت کے دفاع میں مساوی مواقع مہیا کرتا ہے' یہ کہ وہ پیش کی گئی شہادت (گواہی) اور دلائل کو غیر جانبداری کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور فریقین کی جانب سے اُٹھنے والے تنازعات کو صحیح طور پر پرکھتا ہے اور پھر فیصلہ شرف وفضیلت (Merit) کی بنیاد پر دیتا ہے۔

شرف وفضیلت (Merit) کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فیصلہ صادر کرنے والا غیر متعصب ہو اور یہ کہ وہ شرف وفضیلت کے علاوہ کسی اور بات سے متاثر ہونے والا نہ ہو۔ اس سلسلہ میں قرآن مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے:

۳۱۳۷ (قانونِ شریعتِ اسلامی ۔۔۔LAW)

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَاتَتَّبِعُوا الْھَوٰی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًاO (اَلنِّسآء : ۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو' چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی ہو' وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہر حال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے' تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اگر تم کجی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو' اللہ اُس سے خوب باخبر ہے۔'' (۱۳۵ : ۴)

ایک یتیم لڑکے اور اُس کے سر پرست کے مابین کھجور کے ایک درخت کی ملکیت کے بارے میں جھگڑا تھا۔ اُس کے متعلق نبی آخرالزماں ﷺ نے جو فیصلہ فرمایا وہ اعلیٰ انسانی اقدار کا مثالی نمونہ ہے۔ پیش کی گئی شہادت کی رُو سے اُس درخت کا مالک لڑکے کا سر پرست ثابت ہوگیا اور اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس یتیم لڑکے کی اُداسی اور دل گرفتگی سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے وہ درخت کسی کی وساطت سے لڑکے کے سر پرست سے خرید کر اُس یتیم لڑکے کو بطور تحفہ دے دیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رحم دلی یا ہمدردی کا کوئی پہلو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میرٹ کی بنیاد پر فیصلہ کرنے سے نہ روک سکا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی برابر کی اہمیت کی حامل ہے کہ ایک اپیل کو خارج کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''تم سے پہلے لوگ اس لئے تباہ و برباد ہوئے کہ جب اُن کا کوئی بارسوخ آدمی کوئی جرم کرتا تو سزا سے اُسے کھلی چھٹی مل جاتی جبکہ ایک کمزور و بے بس مجرم سزا پا جاتا۔''

قرآنِ حکیم نے مختلف معاملات میں کچھ خاص اصول اور عدل و انصاف کے کچھ معیار مقرر کئے ہیں۔ مثلاً:

(۱) لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (البقرۃ)

''اللہ تمہاری قسموں میں سے لایعنی (قسم) پر گرفت نہیں کرے گا' البتہ تم سے اُس (قسم) پر گرفت کرے گا جس پر تمہارے دلوں نے قصد کیا ہے۔'' (۲۲۵ : ۲)

(۲) وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِہٖ وَلٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ (الاحزاب : ۵)

''تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں جو تم سے بھول چوک ہو جائے' ہاں (گناہ تو اس پر ہے) جو تم دل سے ارادہ کر کے کرو۔'' (۵ : ۳۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمودہ بھی مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی کے موافق ہے جس میں آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے)۔

یہ قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ اس حقیقت کی وضاحت میں ہیں کہ نیت اور ارادے کے بغیر نہ تو کوئی گناہ اور نہ ہی کوئی نیکی یا بدی شمار ہوتی ہے۔ اس اصول کو اب آفاقی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صدیوں پہلے جو کچھ قرآنِ حکیم میں نازل ہوا' اب اُسے ساری دنیا نے تسلیم کرلیا ہے۔

اسی طرح قرآنِ حکیم سزا کے متعلق فرماتا ہے :
وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ O وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ O (الشُّوریٰ : ۴۰'۴۱)
"اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرلے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمہ رہا' بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ (برابر کا) لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔" (۴۰'۴۱ : ۴۲)

یعنی سزائے جرم بھی درجہِ جرم کی مناسبت ہی سے دی جائے اور اُس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہاں دو اصول ارشاد ہوئے ہیں: (۱) ایک قانونِ عدل کہ جو جیسا کرے گا' ویسا پائے گا مثلاً دانت کا بدلہ دانت اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ لیکن یہاں یہ بھی شرط ہے کہ وہ شے فی نفسہٖ ممنوع وحرام نہ ہو مثلاً لُوٹ کا بدلہ لُوٹ اور زِنا کے عوض زِنا کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (۲) دوسرا قانونِ فضل یعنی رحم و رعایت کا قانون۔ آیت سے انتقام کا صرف جواز نکلتا ہے نہ کہ اُس کی ماموریت۔" (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۹۷۴' نوٹ: ۴۶)

قانونِ فضل یعنی رحم و رعایت (معاف کردینے اور صلح صفائی) کا قانون اللہ کے نزدیک قابلِ ترجیح اور افضل ہے بشرطیکہ متاثرہ اور زخم خوردہ فریق اس پر رضا مند ہو۔ اِس کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم ذاتی تحفظ کے حق کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا :
(۱) وَ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (الشعراء : ۲۲۷)
"اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد (ظالموں سے) انتقام لیا۔" (۲۶:۲۲۷)
(۲) وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ O اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O (الشوریٰ : ۴۱'۴۲)
"اور جو اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ (برابر کا) لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق سرکشی کرتے پھرتے ہیں' ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔" (۴۱'۴۲ : ۴۲)

دیوانی مقدمات میں عدل وانصاف کی عملداری کے لئے قرآنِ حکیم بنیادی اہمیت کے حامل خصوصی اصول وضوابط فراہم کرتا ہے۔ وہ اصول وضوابط حسبِ ذیل ہیں:

(۱) وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرة: ۱۸۸)
''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اُڑاؤ۔'' (۱۸۸ : ۲)

(۲) وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (البقرة: ۲۸۳)
''اور گواہی کو چھپایا نہیں کرو۔'' (۲۸۳ : ۲)

(۳) وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النِّساء: ۳۲)
''اور ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے۔''

(۴) وَلَا تَعْتَدُوْا (المائدة: ۸۷)
''اور حد سے آگے نہ نکلا کرو۔'' (۸۷ : ۵)

(۵) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانفال)
''مؤمنو! اللہ اور اُس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔''

(۶) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (هود: ۸۵)
''اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان مت کرو۔'' (۸۵ : ۱۱)

(۷) وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۴)
''اور عہد کی پابندی رکھو' بے شک عہد کی بازپرس ہوگی۔'' (۳۴ : ۱۷)

(۸) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (بنی اسرائیل: ۳۵)
''اور جب ناپو تو ناپ پوری پوری رکھا کرو اور وزن بھی صحیح ترازو سے کیا کرو۔'' (۳۵ : ۱۷)

(۹) وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ (المُطفِّفِين: ۱)
''(ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔'' (۱ : ۸۳)

دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں اِن اصولوں کی متعلقہ قوانین میں تشکیل کی گئی ہے یا یہ کہ یہ اصول متعلقہ مقدمات میں فیصلوں کی بنیاد کا کام دیتے ہیں۔

اُن معاہدوں کی بابت جن کا تعلق مستقبل کی فرضیت سے ہو' قرآنِ حکیم بالخصوص یہ حکم دیتا ہے کہ اِن معاہدوں کو کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں ضبطِ تحریر میں لایا جائے۔ ایسی تحریر میں احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ فریقین کے جائز مفادات بالخصوص اُس شخص کے مفادات کو جس پر معاہدہ کے تحت ذمہ داری بنتی ہو' مکمل تحفظ دیا جائے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَ

لِيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّه‘ وَلَا يَبۡخَسۡ مِنۡهُ شَيۡئًا فَاِنۡ كَانَ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَقُّ سَفِيۡهًا اَوۡ ضَعِيۡفًا اَوۡلَا يَسۡتَطِيۡعُ اَنۡ يُّمِلَّ هُوَ فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّه‘ بِالۡعَدۡلِ وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ " وَّامۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰهُمَا الۡاُخۡرٰى وَ لَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا وَلَا تَسۡـئَمُوۡۤا اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ صَغِيۡرًا اَوۡ كَبِيۡرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمۡ اَقۡسَطُ عِنۡدَاللّٰهِ وَاَقۡوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدۡنٰٓى اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا (البقرة : ۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب تم اُدھار کا معاملہ کسی مقررہ مدت تک کرنے لگو تو اُسے لکھ لیا کرو اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اُسے سکھایا ہے پس چاہیئے کہ وہ لکھ دے۔ اور چاہیئے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمّہ حق واجب ہے اور چاہیئے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور اُس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ پھر اگر جس کے ذمّہ حق واجب ہے عقل کا کوتاہ ہو یا یہ کہ کمزور ہو تو لازم ہے کہ اُس کا کارکن ٹھیک ٹھیک لکھوادے۔ اور اپنے مردوں میں دو کو گواہ کرلیا کرو' پھر اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں اُن گواہوں میں سے ہوں جنہیں تم پسند کرتے ہو تاکہ اُن دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلادے اگر کوئی اُن دو میں سے بھول جائے۔ اور جب گواہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔ اور اُس (معاملت) کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی' اُس کی میعاد تک لکھنے سے اُکتا نہ جاؤ۔ یہ کتابت اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ قرینِ عدل ہے اور شہادت کو درست تر رکھنے والی ہے اور اس کی زیادہ سزاوار ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔'' (۲:۲۸۲)

قسم (OATH) : اسلامی قانون میں کسی جرم یا حق کے ثابت کرنے کا ایک ذریعہ قاضی (جج) یا بااختیار شخص کے روبرو قسم اُٹھانا یا اُس کا انکار کرنا ہے۔ قسم کے لئے ''قسم' یمین'' اور ''حلف'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جس کا مطلب اللہ کے نام یا اُس کی صفات پر یہ سنجیدہ اور باوقار اعلان کرنا ہے کہ حلف اُٹھانے والے کا بیان حق وصداقت کا ہے۔ (Encyclopedia of Islam ... E. Von Donzel, Lewis B. Pellat, I, 687, quoted by Anwarullah in his "Islamic Law of Evidence", p. 74)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے :

اَلۡبَيِّنَةُ عَلَى الۡمُدَّعِىۡ وَالۡيَمِيۡنُ عَلٰى مَا اَنۡكَرَ (سنن ابن ماجہ اردو ترجمہ' جلد اوّل' صفحہ ۴۳)

''ثبوت کا مہیا کرنا مدّعی کے ذمّے ہے اور قسم اُٹھانا انکار کرنے والے پر ہے۔''

''اگر مدّعی کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکا تو مدّعا علیہ قسم اٹھائے گا اور اگر وہ قسم اٹھالے تو فیصلہ اُس (مدعا

علیہ) کے حق میں کر دیا جائے گا۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کرے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدّعی کو قسم اٹھانے کا کہا جائے گا۔ اگر وہ قسم اٹھا لے تو ''حد'' اور ''قصاص'' کے علاوہ مدّعا علیہ کے خلاف دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔'' (''اسلامک لا آف ایوی ڈینس'' ۔۔ڈاکٹر انوار اللہ' صفحہ ۷۴)

قسم اٹھانے کا بیان سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۵' سورۃ المائدۃ کی آیات ۸۹' ۱۰۶' ۱۰۷ اور سورۃ النور کی آیات ۶ تا ۹ میں ہے۔

کچھ فقہاء کے نزدیک قسم درجِ ذیل لوگ اُٹھائیں گے :۔
(۱) مدّعی یا مدّعا علیہ (۲) ملزم (مدّعا علیہ) (۳) گواہ۔

مدّعی مندرجہ ذیل صورتوں میں قسم اٹھائے گا:

(۱) جب کسی شخص نے کسی دوسرے شخص پر اپنی جائداد کے چوری ہونے کا الزام لگایا اور ملزم نے اُس الزام کا انکار کر دیا اور قسم اٹھالی کہ اُس نے اُس کی چوری نہیں کی۔ لیکن بعد میں مسروقہ جائداد ملزم کے ہاں مل گئی تو مدّعی کو حلف اٹھانے کو کہا جائے گا اور اگر وہ حلف اٹھالے تو جائداد اُسے بحال کر دی جائے گی۔

(۲) جب ملزم حلف اٹھانے سے انکار کر دے اور معاملہ چوری' قذف (کسی پر تہمت لگانے) وغیرہ جیسے حقوق العباد سے متعلق ہو تو مدّعی کو اپنے حق کی بازیابی کے لئے حلف اٹھانے کو کہا جائے گا۔

(۳) جب حدود اور قِصاص کے مقدمات کے علاوہ مدّعی کے دعویٰ کی تائید میں ایک گواہ ہو تو اُسے حلف اٹھانے کو کہا جائے گا۔ یہ بات ایک حدیثِ نبوی کی بنیاد پر ہے کہ آپ ﷺ نے ایک گواہی کی بنیاد پر اور مدّعی کی گواہی پر فیصلہ صادر فرمایا۔

(۴) جب خاوند اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے تو دونوں کو چار مرتبہ حلف اٹھانے کا کہا جائے گا (بحوالہ سورۃ النور: آیت ۶)۔

(۵) ''حدود'' کے مقدمہ میں حلف اٹھانے کی ضرورت نہیں سوائے چوری کے مقدمہ کے جس میں مسروقہ جائداد سے متعلق فیصلہ کرنے میں ملزم کی جانب سے انکار کی صورت میں حلف اٹھانے کی ضرورت ہوگی۔ (احمد فتحی بہناسی' صفحہ ۲۱۳۔۲۱۹ بحوالہ ڈاکٹر انوار اللہ' صفحات ۷۴' ۷۵)

جہاں تک ملزم یا مدعا علیہ کی جانب سے حلف اٹھانے کا تعلق ہے تو اُس کی بنیاد وہ حدیثِ نبوی ہے جس کا حوالہ صفحہ ۳۱۴۰ کے آخر میں دیا جا چکا ہے۔

''سب فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ملزم حدود کے مقدمہ میں حلف اٹھانے سے انکار کرے تو فیصلہ اُس کے خلاف نہیں کیا جائے گا' سوائے چوری کے مقدمہ کے جس میں اگر ملزم حلف اٹھانے سے انکار کرے اور کوئی گواہی بھی موجود نہ ہو تو مسروقہ جائداد کا اُسے ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور اُس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ تاہم فقہاء قصاص' دیت اور تعزیر کے مقدمات میں مختلف الرائے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ملزم زخمی کرنے کے مقدمہ میں حلف اٹھانے سے انکاری ہو تو اُسے قصاص یا تعزیر کی سزا دی جائے گی۔'' (المغنی لابنِ قدامہ بحوالہ ڈاکٹر انوار اللہ' صفحات ۵۷،۵۶)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدود اور قصاص کے مقدمات کے علاوہ فیصلے کی بنیاد مدعا علیہ یا ملزم کی جانب سے حلف اٹھانے سے انکار کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ مدعی کی جانب سے انکار کی صورت میں۔ مدعی سے کسی بھی صورت میں حلف نہیں لیا جائے گا۔

''اللہ تعالیٰ نے غیر مسلم گواہ سے حلف اٹھانے کا کہا ہے جب وہ سفر کے دوران کسی مسلمان کی وصیت کی تصدیق کرے۔ لہٰذا مسلمان کسی دیوانی یا فوجداری مقدمہ میں حلف اٹھانے کے بہ طریقِ اَولیٰ مکلّف ہیں۔''

''ایک غیر مسلم کو اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق حلف اُٹھانے کی اجازت ہے۔'' (ڈاکٹر انوار اللہ)

<u>اسلام میں گواہی کی اہمیت</u> : عدالتی نظام گواہوں اور حقائق کو منظرِ عام پر لائے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ اِنہی گواہوں کی بنیاد پر کسی بے گناہ کو سزائے موت ہوتی ہے تو کوئی عمر قید کا ملزم ٹھہرایا جاتا ہے اور یہی گواہ کسی سنگین جرم میں ملوّث شخص کو موت کی وادی سے نکال کر لے جاتے ہیں۔

اسلام میں گواہی کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے کہ اس کام کے لئے نہ تو کسی مالدار کی دولت سے ڈرا جائے اور نہ ہی مفلس پر رحم کھایا جائے۔ گواہی کو زیادہ اہمیت دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد پر لوگوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ بھی ہوتا ہے۔ اگر گواہی سچی ہے اور اس میں کوئی مالی مقصد یا ذاتی عناد اور نفرت نہیں ہے تو صادر شدہ فیصلہ درست اور صحیح ہوگا ورنہ فیصلہ غلط ہوگا۔ اگر کسی جھوٹی گواہی کی بنیاد پر کسی کو سزائے موت ہو جائے تو اُسے بھی اس گناہ میں شریک سمجھا جائے گا۔ اسلامی مفکرین کا کہنا ہے کہ ایسے گواہوں سے قصاص بھی لیا جا سکتا ہے۔ اِسی طرح چوری کے مقدموں میں جھوٹی گواہی دینے والوں کے ہاتھ بھی

کاٹے جاسکتے ہیں کیونکہ اُن کے غلط کام کی وجہ سے ایک معصوم آدمی کا ہاتھ کٹ گیا ہے۔ اس لئے اسلام ہدایت دیتا ہے کہ قاضی کے بلانے پر گواہ ضرور حاضر ہوں تاکہ سچ کا پتہ چل سکے۔

گواہی بالکل صاف، واضح، غیر مبہم اور واقعاتی حقائق کے مطابق ہونی چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
إِذَا عَلِمْتَ مِثْلَ الشَّمْسِ فَاشْهَدْ وَإِلاَّ فَدَعْ (السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الشھادات، باب: التحفظ فی الشھادۃ والعلم بھا)

(ا) گواہی کے چھپانے کی ممانعت :مختلف مقامات پر قرآن نے گواہی نہ چھپانے کی بڑی تاکید کی:
(۱) وَلاَ تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O (البقرۃ : ۴۲)
''اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کیا کرو اور نہ ہی جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپایا کرو۔''
(۲) وَلاَ تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ (البقرۃ : ۲۸۳)
''اور (ادائے شہادت کے وقت) گواہی کو چھپایا نہ کرو اور جو کوئی اُسے چھپاتا ہے، اُس کا دل گنہگار ہے۔''
(۳) وَالَّذِيْنَ لاَ يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (الفرقان : ۷۲)
''(اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے۔'' (۲۶: ۷۲)

''حدود'' کے جرائم میں شہادت کی حیثیت : ''حدود'' کے جرائم میں شہادت کی شرعی حیثیت دوسرے جرائم کی شہادت سے مختلف ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ گواہی دینا فرضِ کفایہ ہے لیکن حدود کے جرائم میں شہادت کا چھپانا اُس کے ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔ تاہم حدود جرائم میں گواہی دینا اِن صورتوں میں لازم ہو جاتا ہے: (i) جب گواہی کے نہ ہونے کی وجہ سے ایک بے گناہ شخص کو سزا پانے کا اندیشہ ہو۔ (ii) عادی مجرم کو سزا دئے جانے کے لئے اُس کے خلاف گواہی دینا کیونکہ اُس کے جرم کا چھپانا انسانیت کی تذلیل ہے اور اُسے اپنے گناہ بھرے جرم میں بڑھنے کا موقع دینا ہے۔ اس لئے معاشرے کے مفاد کے لئے اُس کے خلاف گواہی دینا لازم ہو جاتا ہے۔

''حدود'' جرائم میں گواہی کے چھپانے کی ترغیب مختلف احادیث میں دی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا:
مَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود)
''جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس (کے عیوب) کی پردہ پوشی کرے گا۔''

ایک صحابی نے حدود کے ایک جرم میں کسی کے خلاف گواہی دی تو نبی علیہ السلام نے اُسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:
لَوْ سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ لَكَانَ خَيْرًا لَّكَ (صحیح بخاری: کتاب الحدود، باب المظالم)
''اگر تو اپنے کپڑے سے اُس کی پردہ پوشی کر لیتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا۔''

اِسی لئے چوری کے سوا حدود کے تمام جرائم میں احناف کے نزدیک گواہی کا چھپانا قابلِ ترجیح ہے۔
(''فقہ القرآن'' ایم اے اسلامک سٹڈیز کورس' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

(II) گواہوں کا نصاب: ''نصاب الشهادة'' کا مطلب گواہوں کی وہ تعداد ہے جن کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں اور معاملوں میں صرف ایک گواہ کافی ہوتا ہے' بعض مقدمات میں ایک مرد + دوعورتوں کی گواہی درکار ہوتی ہے' بعض مقدمات کا دو مَردوں کی گواہی سے فیصلہ کیا جاتا ہے جبکہ کچھ مقدمات کا چار مَردوں کی گواہی سے فیصلہ ہوتا ہے۔ نصاب کی تفصیل ملاحظہ ہو:

(۱) ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ: احناف اور حنابلہ کے نزدیک نسوانی معاملات میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے مثلاً ایک لڑکی کا سنّ بلوغت کو پہنچنا' بچے کی پیدائش' اندرونی نسوانی اَمراض اور اِسی طرح کے دوسرے معاملات میں فیصلہ صرف ایک عورت کی گواہی پر صادر کیا جائے گا کیونکہ فرمودہِ رسالت ﷺ ہے:

(i) شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَة'' فِيمَا لاَ يَستَطِيعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَيهِ (اعلاء السنن: کتاب الشهادات۔۔ظفر احمد عثمانی)

''جن معاملات میں مَردوں کی مداخلت ممنوع ہے' اُن میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے۔''

(ii) أَجَازَ النَّبِيُّ ﷺ شَهَادَةَ الْقَابِلَةِ وَحْدَهَا (ایضاً)

''نبیِ مکرّم ﷺ نے صرف ایک عورت کی گواہی کو معتبر قرار دیا۔''

کچھ مقدمات میں نبیِ اکرم ﷺ نے صرف ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلے صادر فرمائے جس کی تفصیل ابن القیم الجوزیہ کی کتاب ''اَلطُّرُقُ الحُكمِيّة'' میں موجود ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک مکمل باب مخصوص کیا ہے۔

(۲) ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ: تمام مالی معاملات اور خرید وفروخت' ہبہ' وصیت' رہن' ضمانتی بانڈ وغیرہ جیسے معاملات میں ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی تمام فقہاء کے نزدیک متفقہ طور پر معتبر ہے جس کا ثبوت سورۃ البقرۃ کی ذیل کی آیت ۲۸۲ ہے:۔

وَاستَشهِدُوا شَهِيدَينِ مِن رِّجَالِكُم فَاِن لَّم يَكُونَا رَجُلَينِ فَرَجُل'' وَّامرَاَتَانِ

''اور اپنے مَردوں میں سے دوکو گواہ کرلیا کرو' تو اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دوعورتیں ہوں۔''

''گواہ لازمی طور پر مسلمان' بالغ' پختہ ذہن کے' آزاد (نہ کہ غلام) اور اچھے کردار کے ہونے چاہئیں۔

تنازعات کا فیصلہ اِن گواہوں کی شہادت پر ہونا ہے، نہ کہ تحریری دستاویزات پر جن کی حیثیت محض ثانوی ہوتی ہے۔''
(تفسیر ماجدی انگریزی، جلد اوّل، صفحہ ۴۶۔ اے، نوٹ: ۱۷۵)

''احناف کے نزدیک مالی معاملات کے علاوہ نکاح، طلاق، عدّت، رضاعت، حضانت وغیرہ جیسے معاشرتی حقوق کا بھی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ ہوگا کیونکہ ایسے تمام معاشرتی معاملات میں عورتیں بھی بالعموم شریک ہوتی ہیں۔'' (''احکام القرآن''۔۔جصّاص)

(۳) دو مَردوں کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ: تمام مالی اور غیر مالی معاملات میں دو مَردوں کی گواہی معتبر ہے۔ زنا کے جرم کے علاوہ باقی تمام حدود کے جرائم میں دو مَردوں کی گواہی پر فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۲ کا اوپر حوالہ دیا جاچکا ہے۔

تمام فقہائے کرام کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ تمام حقوق کو دو مرد گواہوں کی گواہی سے ثابت کیا جاسکتا ہے اور زنا کے علاوہ چوری، مے نوشی، ڈاکہ، قتل، قصاص، دیت وغیرہ جیسے حدود جرائم کو دو مَردوں کی گواہی سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اِسی طرح طلاق، رجوع، نکاح، غلام کا آزاد کرنا (عِتق)، ایلاء، ظہار، حسب ونسب، وکالت اور ولایت (Guardianship) وغیرہ جیسے تمام معاملات کو دو مرد گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر ثابت کیا جاسکتا ہے اور یہ گواہی دوسری تمام گواہیوں سے زیادہ اکمل و مکمل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: سورۃ البقرۃ کی آیت: ۲۸۲ کے تحت)۔

(۴) چار گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ: زِنا کے جرم میں فیصلہ چار گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر ہوگا جیسا کہ سورۃُ النساء کی آیت ۱۵ میں حکم ہوا:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآءِ کُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ
''اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں تو اُن پر اپنے میں سے چار آدمی گواہ کرلو۔''

درجِ ذیل دو آیات بھی زنا کے جرم میں چار گواہوں کے ثبوت میں ہیں:

(۱) ۔۔۔ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ (اَلنّور: ۴)
۔۔۔ ''پھر اگر وہ چار گواہ نہ لاسکیں۔'' (۴ : ۲۴)

(۲) لَوْلَا جَآءُوْا عَلَیْہِ بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ (اَلنّور: ۱۳)
''یہ لوگ اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟'' (۱۳ : ۲۴)

علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی ہلال بن اُمیّہ کو فرمایا جو آپ کے پاس اپنی بیوی کو زنا کی

مرتکب ہونے کے باعث سزا دلوانے آئے تھے:
اَرْبَعَةَ شُهُوْدٍ أَوْحَدٌ" فِيْ ظَهْرِكَ (تفسیر ابن کثیر: سورۃ النور آیت:۱۱)
''اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر اَسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔''

لونڈے بازی اور جانوروں کے ساتھ بدفعلی کے جرائم میں فقہائے کرام چار گواہوں کے لانے کی شرط عائد کرتے ہیں کیونکہ زنا کی طرح یہ فعل بھی بے حیائی اور بے شرمی کا ہے۔ اَحناف کے نزدیک جانوروں کے ساتھ غیر قدرتی فعل کرنے پر دو گواہ کافی ہیں۔

چار گواہوں کی موجودگی میں نسوانی گواہی کی حیثیت : بہت سے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ حدود جرائم میں عورتوں کی گواہی بالکل قابلِ قبول نہیں کیونکہ وہ عقل کی ناقص ہوتی ہیں۔ اور نقص کا دوسرا نام شک وشبہ ہے اور اِسی شک وشبہ کی بنیاد پر حدود خود بخود ساقط ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا زنا اور دوسرے حدود جرائم میں نسوانی گواہی معتبر نہیں سمجھی گئی۔ علاوہ ازیں نبی علیہ السلام اور آپ کے خلفائے راشدین کے اَدوارِ مبارک میں بھی اُس کی گواہی حدود جرائم میں معتبر نہیں سمجھی جاتی تھی۔ (''احکام القرآن''۔۔جصّاص بحوالہ ''فقہ القرآن'' صفحہ ۳۱۷)

(III) اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر کیوں؟ اس مسئلہ کے فلسفہ اور اس کی سببیّت پر قرآن مجید دُور نہیں گیا سوائے اس کے کہ عورت خطا کرنے کی عادی ہے اور مرد کی نسبت اُس میں نسیان کا مرض زیادہ ہوتا ہے۔ بعض غیر مسلم مفکرین اور ماہرینِ نفسیات نے مختلف زمانوں میں اس حقیقت کی تائید کی ہے اور یہاں ہم نسوانی شہادت کے مقام کی جدید سائنس کی تحقیقات کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں:

(۱) ''خواتین میں فریب کاری اور جعل سازی تقریباً عضویاتی (Physiological) ہوتی ہے۔ یہی حقیقت بے ہنگم اور درشت طور پر بہت سی اقوام کی ضرب الامثال میں بیان ہوئی ہے اور بعض ممالک میں اِس حقیقت کے تحت یہ کہا گیا ہے کہ خواتین کی قانونی گواہی کو مَردوں کی نسبت سب سے نچلے درجے میں رکھا جائے۔'' ("Man and Woman"... Havelock Ellis, p. 196)

(۲) ''یہ حقیقت کہ جرح کے دوران خواتین سے نمٹنا مشکل ہوتا ہے' وکلاء کے مابین ایک جانی پہچانی بات ہے۔ اور اُن کے خلاف کسی بھی تفتیشی راہ میں بہکانے والے اشاروں میں اُن کی مہارت اُنہیں ضدی اور تمام اوقات میں گواہی سے منحرف ہونے والا بنا دیتی ہے۔'' (ایضاً)

(۳) ''اپنی کتاب بہ عنوان ("Psycology of Suggestion") کے صفحات ۲۶۲' ۲۶۳ پر سدیس بھی خواتین کی گواہی دینے پر متفق نہیں ہیں جس کی کچھ جزوی وجہ نفسیاتی اور کچھ جزوی وجہ فعلیاتی ہے۔''

(۴) ''ہم ایک بار پھر یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ عورت اپنے جذبات سے متاثر ہوئے بغیر معروضی اور غیر جانبدارانہ طور پر فیصلہ کرنے کی حیثیت میں نہیں ہوتی۔'' (Bauer)

(۵) ''عدل و انصاف کی عدالت میں مَردوں کی نسبت خواتین جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں زیادہ ملوث پائی گئی ہیں۔ دراصل یہ سوال بالعموم کیا جاتا ہے کہ آیا اُنہیں قسم اٹھانے کی اجازت دی جانی چاہیے یا نہیں۔'' (Schopenhauer)

(۶) ''Lombrooso اور Ferrero خواتین میں فریب کاری کو عضویاتی سمجھتے ہیں۔''

نوٹ: مزید تفصیل انسائیکلو پیڈیا بڑا کی جلد سوم میں Feminism کے عنوان کے تحت ملاحظہ کی جائے۔

(IV) <u>جھوٹے اور فاسق کی گواہی قابلِ قبول نہیں</u> : کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ O (النّور : ۴)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو اُنہیں اَسّی دِرّے لگاؤ اور کبھی اُن کی کوئی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ تو فاسق ہیں۔'' (۴ : ۲۴)

(V) <u>دشمن کے لئے بھی سچی گواہی</u> : اسلام کے قائم کردہ اعلیٰ ترین اخلاقی ضابطے پر سر دُھننے کو جی چاہتا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا (المائدة : ۸)

''کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ' انصاف کیا کرو۔'' (۸ : ۵)

(VI) <u>کسی بھی فریق کی امارت یا غربت گواہی کی صداقت پر اثر انداز نہ ہونے پائے</u>

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوا قَوّٰمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوٗا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا O (النّسآء : ۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو' چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی ہو' وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہر حال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے' تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ' اگر تم کجی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو' اللہ اُس سے خوب باخبر ہے۔'' (۴ : ۱۳۵)

(VII) <u>کاتب اور گواہ کو نقصان پہنچانا ناجائز ہے</u>: اس سلسلہ میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۲ میں حکم ہوا :

وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

''اور کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور اگر تم نے (ایسا) کیا تو یہ تمہارے حق میں گناہ شمار ہوگا اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' (۲۸۲ : ۲)

وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ'' (کاتب کو نقصان پہنچانا) مثلاً یہ کہ اُسے بلا اُجرت کتابت پر مجبور کیا جائے یا یہ کہ اُسے معاہدہ میں کمی بیشی کرنے پر مجبور کیا جائے وغیرہ۔ وَلَا شَهِیْدٌ'' (گواہ کو تکلیف میں ڈالنا) مثلاً یہ کہ باوجود احتیاج اُسے آمد و رفت کا خرچ بھی نہ دیا جائے وغیرہ۔

(VIII) <u>گواہی سے انکار کرنا</u> : بعض اوقات گواہ عدالت میں گواہی دینے کے بعد اپنی گواہی سے منحرف ہو جاتا ہے یا تو اِس وجہ سے کہ اُس نے گواہی میں کوئی غلطی کی ہے، یا یہ کہ اُس نے ارادتاً جھوٹی گواہی دی ہے اور اُس کے بعد وہ اپنی غلطی اور جھوٹ کو محسوس کرتا ہے۔ ایسی صورت میں فقہائے کرام نے اُس کے لئے سچی گواہی دینے کی راہ کھول دی ہے کہ وہ عدالت میں اپنی سابقہ گواہی کے فسخ کرنے کا بیان دے دے۔

ایسا ہی ایک واقعہ سیّدنا علی کرّم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں واقع ہوا جب ایک چور آپ کے پاس لایا گیا اور دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اُنہوں نے اُسے چوری کرتے دیکھا ہے۔ لہٰذا ملزم کا ہاتھ قانون کے مطابق بطورِ سزا کاٹ دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد اُنہی دو آدمیوں نے جنابِ علی کرّم اللہ وجہہ کے پاس ایک اور آدمی کو اُس پر چوری کا الزام لگاتے ہوئے پیش کیا اور اُن کے ساتھ وہی سابقہ دو گواہ تھے۔ اُنہوں نے جنابِ علی کرّم اللہ وجہہ سے کہا کہ اصل چور یہ ہے، ہم نے پہلے سزا دئے گئے شخص کو اُس کی شکل کی مشابہت کی وجہ سے چور سمجھا تھا جبکہ وہ چور نہیں تھا۔ لہٰذا براہِ کرم اب اِس آدمی کو سزا دیجئے۔ جنابِ علی کرّم اللہ وجہہ نے اُن دونوں گواہوں کو گرفتار کر لیا اور فرمایا کہ اب میں تمہاری شہادت کو قبول نہیں کرتا، اب تمہیں اُس بے گناہ آدمی کا ہاتھ کاٹے جانے پر دیت ادا کرنا ہوگی۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم نے ایسا قصداً اور ارادتاً کیا ہے تو میں تمہارے ہاتھ کٹوا دیتا۔ (''المبسوط''۔۔۔ شمس الائمہ سرخسی ؛ ''المغنی'' لابن قدامہ)

جھوٹ بولنا مسلمان کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے اُس سے ایسی خطا ہوگئی ہو تو اُسے پہلی (جھوٹی) گواہی کو بدل کر سچی گواہی دے دینی چاہئے اور فوری طور پر توبہ کر کے رب تعالیٰ سے بخشش کی دعا کرنی چاہئے۔ (''المبسوط'')

سچی گواہی کی طرف رجوع کرنا اُسی صورت میں معتبر ہوگا کہ گواہی وہاں دی جائے جہاں فیصلے صادر ہوتے

ہیں (یعنی عدالت میں)۔ سچی گواہی کی طرف رجوع کرنے کے وقت کے بارے میں فقہاء کی رائے یہ ہے کہ (۱) اگر تو رجوع فیصلہ کے اعلان ہونے سے پہلے ہوا تو قاضی اُس کی گواہی کو منسوخ کر دے گا اور اُس کی نئی گواہی قبول نہیں کرے گا۔ (۲) اگر رجوع فیصلہ کے اعلان اور اُس کے نفاذ کے بعد ہوا تو اس میں دو ممکنہ صورتیں ہیں: (الف) اگر فیصلہ حدود جرم اور قصاص کا ہے تو سزا ساقط ہو جائے گی کیونکہ حدود کے جرم شک وشبہ کی وجہ سے اِس فرمانِ نبوی کی رُو سے زائل ہو جاتے ہیں:۔

اِدْرَأُ الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ (''فتح الباری'' لحافظ ابن حجر عسقلانی' مکتبۃ الازہر قاہرہ)
''شک وشبہ کی صورت میں حدود جرائم کو حذف کر دو۔''

اور اس سلسلہ میں قرآنِ حکیم کا یہ فرمان ہے :
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (اَلنِّسَاء : ۹۴)
''مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے' اُسے یہ مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔'' (۴: ۹۴)

مندرجہ بالا آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے ایک کافر کو قتل کرنے کے لئے اُس کا تعاقب کیا۔ بھاگنے والے شخص نے کوئی اور راہ نہ پاتے ہوئے کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ لیکن تعاقب کرنے والے نے جلدی سے اُسے قتل کر دیا یہ سمجھتے ہوئے کہ مقتول نے موت سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے۔ اُس موقع پر آیتِ بالا کا نزول ہوا کہ شک کا فائدہ (Benefit of Doubt) مقتول کو ملنا چاہئے تھا تا کہ وہ موت کی سزا سے بچ جاتا۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان اِس شک کے فائدہ (Benefit of Doubt) کے متعلق لکھتے ہیں :

''حد کے جرم کو استعمال کرنے میں قاضی کو بہت محتاط رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مروّجہ قانون کے خلاف اگر کوئی کمزور سا نکتہ بھی موجود ہو جو کسی مخصوص عمل کو حد کی سزا دئے جانے کا اعلان کرتا ہو تو اُسے شک وشبہ کے طور پر لیا جائے جو ایسی (موت کی) سزا سے بچانے کے لئے کافی ہو' اس کے باوجود کہ ملزم خود اُس نکتے میں کسی شک وشبہ کو نہیں لا رہا۔'' ("Islamic Law of Tort", p. 9)

(ب) اگر فیصلہ نکاح وطلاق اور مالی معاملات سے متعلق ہو تو فیصلہ کو برقرار رکھا جائے گا اور گواہ کو سچی گواہی کی طرف رجوع کرنے میں تاخیر پر جرمانہ ادا کرنا ہوگا (ایضاً)۔ (ج) اگر سچی گواہی کی طرف رجوع فیصلہ

کے نفاذ کے بعد ہو تو یہ بے اثر ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ اُس کا رجوع درست ہو اور اُس کی گواہی غلط ہو یا یہ کہ اُس کا رجوع غلط ہو اور گواہی سچی ہو اور اِن دونوں صورتوں کا صادر شدہ فیصلے پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ تاہم گواہ کو عدالت کی طرف سے سزا دی جائے گی۔

(IX) اعترافِ جرم مجرم کو سزا سے بَری نہیں کرے گا: تقاضائے انصاف (Poetic Justice) کے قدرتی قانون کے تحت جرم کا اعتراف کرنے والے مجرم کو قانون کے تحت سزا دی جائے گی اور وہ سزا سے بچ نہیں سکے گا جیسا کہ سورۃ المُلك میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡبِهِمۡ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ○ (اَلۡمُلك : ۱۱)

''وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے' تو لعنت ہے اہلِ دوزخ پر۔'' (۱۱ : ۶۷)

یہی مضمون سورۃ المؤمن (۴۰) کی آیات ۴۹' ۵۰ میں بھی بیان ہوا۔

حالات پر مبنی (واقعاتی) گواہی (Circumstantial Evidence): قرآنِ حکیم حالات پر مبنی (حادثاتی) گواہی کو تسلیم کرتا ہے اور اس میں اُس کے قرینہ کو بطورِ ثبوت لیتا ہے۔ یوسف علیہ السلام اور ملکہ مصر (زلیخا) کے قصہ میں ہمیں سورہ یوسف میں یہ عبارت ملتی ہے:

وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَه' مِنۡ دُبُرٍ وَّاَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ'' اَلِيۡمٌ ''○ قَالَ هِىَ رَاوَدَتۡنِىۡ عَنۡ نَّفۡسِىۡ وَشَهِدَ شَاهِدٌ'' مِّنۡ اَهۡلِهَا اِنۡ كَانَ قَمِيۡصُه' قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَهُوَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ○ وَاِنۡ كَانَ قَمِيۡصُه' قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَكَذَبَتۡ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيۡصَه' قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ قَالَ اِنَّه' مِنۡ كَيۡدِكُنَّ اِنَّ كَيۡدَكُنَّ عَظِيۡمٌ'' ○ (يوسف : ۲۵ تا ۲۸)

''اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے اور اُس (عورت) نے اُن کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور دونوں نے اُس کے آقا (یعنی شوہر) کو دروازہ کے پاس (کھڑا ہوا) پایا۔ وہ بول اٹھی: اُس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے سوائے اس کے کہ قید میں ڈالا جائے یا (اور کوئی) دردناک سزا (اُسے ملے)۔ یوسف بولے: یہی (خود) تو مجھے اپنا مطلب نکالنے کے لئے پھسلا رہی تھی اور اُس عورت کے خاندان کے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر اُن کا کرتہ آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹے اور اگر اُن کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ جھوٹی اور یہ سچے۔ سو جب عزیز نے اُن کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا: بے شک یہ (سب) تم عورتوں کا مکر و فریب ہے' بے شک تم عورتوں کا مکر و فریب غضب کا ہوتا ہے۔'' (۲۵ تا ۲۸ : ۱۲)

صوفیاء عارفین نے کہا ہے کہ کشادِ قفل میں اشارہ اسی طرف ہے کہ جو دنیائے حرام سے بھاگنے کی ہمت کرتا ہے' اُس کے لئے نجات کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ علماء نے یہاں ایک سوال یہ پیش کیا ہے کہ قرآن ہی نے شیطان کے مکر وفریب کو ضعیف بتایا ہے (سورۃ النساء: ۷۶) اور یہاں عورتوں کے مکر وفریب کو عظیم ٹھہرایا ہے تو کیا عورتوں کا مکر و فریب شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اس کا جواب اُنہوں نے یہ دیا ہے کہ شیطان کا کید (مکر وفریب) جو یہاں ضعیف قرار دیا ہے وہ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں ہے اور نسوانی کید جو عظیم بتایا گیا ہے وہ بمقابلہ مَردوں کے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے معاملات میں قرینہ کو بطور ذریعہِ ثبوت کے تسلیم کیا ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو:

''جنگِ بدر میں عفراء کے دو بیٹوں نے دعویٰ کیا کہ اُنہوں نے ابوجہل کو قتل کیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟'' اُنہوں نے کہا: ''نہیں''۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ذرا مجھے اپنی تلواریں دکھاؤ۔ جب حضور علیہ السلام نے تلواروں کو خون آلود دیکھا تو فرمایا: واقعی تم ہی نے اُسے قتل کیا ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل' جلد سوئم' آیت ۲۱۲] بحوالہ ڈاکٹر انوار اللہ)

نعمان بن البجار یہ روایت کرتے ہیں اور اُنہوں نے اپنے والد سے سنا کہ کچھ لوگ ایک جھونپڑی کا تنازعہ بارگاہِ نبوی میں لائے۔ آپ نے حضرت حُذیفہ کو اُن کا جھگڑا طے کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت حُذیفہ نے اُن لوگوں کے حق میں فیصلہ دیا جن کے گھر کی طرف جھونپڑی کے بانس باہر نکلے ہوئے تھے۔ واپسی میں حضرت حذیفہ نے نبی ﷺ کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا: تمہارا فیصلہ درست ہے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' ص ۷۱۱ بحوالہ ڈاکٹر انوار اللہ ص ۶۴)

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ شک وشبہ سزائے حدود کو کالعدم کر دیتا ہے۔ چونکہ گمان وقیاس ہمیشہ ہی مشکوک اور غیر یقینی ہوتا ہے' اس لئے حدود کے معاملات میں اسے فیصلہ کی بنیاد نہیں بنایا سکتا۔''

''دستاویزی ثبوت : واقعاتی شہادت میں شامل ایک دستاویزی ثبوت بھی ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق یہ کسی بھی تحریر شدہ' طباعت شدہ یا نقش شدہ مواد کو شامل ہے جو معلومات فراہم کرے۔'' (اَلطُّرُقُ الحُکمِیَّة لابن القیّم بحوالہ ڈاکٹر انوار اللہ' صفحہ ۶۶)

''لاش کا پوسٹ مارٹم معائنہ' مرنے والے آدمی کا بیان' خون آلود کپڑوں' تلوار' بندوق' نیزہ یا کسی دوسرے ہتھیار کی بازیابی' قتل کے مقدمہ میں ملزم یا مشتبہ شخص کے جسم پر زخم یا دستاویزی ثبوت کو واقعاتی شہادت میں شمار کیا جاتا ہے جسے دوسرے واقعات کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔ زنا کے مقدمہ میں ملزم عورت کا حمل' ملزم مرد/عورت کے جسم یا لباس پر مادہ منویہ کا وجود وغیرہ اور شراب نوشی کی صورت میں ملزم کے منہ میں شراب کی بُو' یا اُس کا قے کرنا جس سے شراب نوشی کا

شبہ ہوتا ہو' یہ سب واقعاتی شہادت کے زمرے میں آتے ہیں اور اسلامی قانون میں بطور شہادت کے قابلِ قبول ہیں۔''

''ایک آزمودہ کار کی شہادت: ایسا گواہ جو مہارت' علم و ہنر' تربیت' تجربہ یا تعلیم کے بل بوتے پر آزمودہ کار ہے' وہ اپنی رائے کے اظہار کے ذریعے یا کسی اور طریق سے گواہی دے سکتا ہے۔'' (Black Law Dictionary, p. 519, quoted by Dr. Anwarullah, p. 70)

اسلام ایک آزمودہ کار کی رائے کو تسلیم کرتا ہے اور اُسے کما حقہٗ اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:

فَاسْئَلُوٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (أَلنَّحل : ۴۳)

''اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو۔'' (۴۳ : ۱۶)

نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جانشین خلفائے راشدین نے بھی آزمودہ کار کی رائے کو بطور گواہی کے تسلیم کیا۔ مثلاً

(۱) سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ اُن کے پاس تشریف لائے اور خوشی خوشی فرمایا: اے عائشہ! کیا تم دیکھتی نہیں ہو کہ مجذّ ذالمدلجی آئے اور اُسامہ اور زید کو ایک چادر میں لپٹے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ اُن کے سر ڈھانپے ہوئے تھے لیکن اُن کی ٹانگیں ڈھانپی ہوئی نہیں تھیں۔ اس پر مُدلجی نے کہا کہ اُن کی ٹانگیں ایک دوسرے کا حصّہ ہیں۔ مجذّ ذالمُدلجی علم الانساب میں ماہر تھے۔'' (صحیح بخاری بحوالہ انوار اللہ ص ۷۰)

(۲) جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ انصار قبیلہ کا ایک مرد اور ایک عورت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کئے گئے۔ دراصل وہ عورت اُس نوجوان سے محبت کرتی تھی لیکن وہ اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا اُس عورت نے حکمتِ عملی لڑائی کہ ایک انڈہ لیا اور اُسے اپنے کپڑوں اور رانوں پر توڑ دیا۔ اس کے بعد وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ جنسی عمل کرنے کی کوشش کی اور یہ اُس کے جرم کا ثبوت ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ عورتوں سے پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ اُس عورت کے کپڑوں اور رانوں پر مادہ منویہ ہے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے اُس مرد کو سزا دینا چاہی جس پر وہ شخص بول اُٹھا: اے امیر المؤمنین! جلدی نہ کیجئے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ اس عورت نے میرے خلاف منصوبہ بنایا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنابِ علی کرّم اللہ وجھہٗ سے اس کی بابت پوچھا: حضرت علی کرّم اللہ وجھہٗ نے اُس عورت کے کپڑوں اور جسم کو دیکھا اور گرم پانی لانے کو کہا۔ آپ نے وہ پانی اُس عورت کے کپڑوں اور رانوں پر اُنڈیلا' کپڑوں کو اکٹھا کیا اور اُنہیں پرکھا۔ پرکھنے سے آپ کو معلوم ہوا کہ وہ مادہ منویہ نہیں بلکہ ایک انڈا تھا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجھہٗ نے اُس عورت کو ڈرایا دھمکایا تو اُس نے اقبالِ جرم کر لیا۔''

(اَلطُّرُقُ الْحُكْمِيَّة لابن القیّم بحوالہ ڈاکٹر انوار اللہ صفحہ ۹۸)

(۴) ''ایک سیاہ فام آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ میں اور میری بیوی دونوں سیاہ فام ہیں لیکن میری بیوی نے سرخ رنگ کے بچے کو جنم دیا ہے۔ اُس کی بیوی نے حضرت عمر سے کہا : میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کسی سے ناجائز جنسی تعلق نہیں رکھا اور فی الحقیقت یہ بچہ اِسی میرے خاوند کا ہے۔ حضرت عمر نے جنابِ علی کرّم اللہ وجھہٗ سے اس کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے اُس کے خاوند سے کہا: اگر میں تم سے کچھ پوچھوں تو کیا تم مجھے صحیح معلومات دوگے؟ اُس نے ''ہاں'' میں جواب دیا۔ حضرت علی نے اُس سے کہا: کیا تم نے اپنی بیوی سے اُس وقت مجامعت کی تھی جب وہ حالتِ حیض میں تھی؟ اُس نے ''ہاں'' میں جواب دیا۔ اس پر حضرت علی کرّم اللہ وجھہٗ خوشی سے جھوم اٹھے اور فرمایا: جب مرد کا مادہ منویہ (عورت کے) خون سے ملتا ہے تو اس سے سرخ رنگ کا بچہ پیدا ہوتا ہے' اس لئے اپنے بچے کے حسب ونسب کا انکار نہ کرو۔ تم نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے۔'' (ایضاً ص ۷۲)

''امام سرخسی بیان کرتے ہیں کہ جب قاضی کو مسروقہ جائداد کی قیمت متعیّن کرنے میں دشواری ہو اور ماہرین اس کی قیمت لگانے میں مختلف الرائے ہوں کہ کچھ تو اُس کی قیمت دس درہم اور کچھ اس سے کم لگاتے ہوں' تو اس صورت میں ملزم پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ حد کا نفاذ تو اُس وقت ہوتا ہے جب مسروقہ جائداد کا ''نصاب'' (یعنی مقررہ حد) مکمل ہو جائے اور اس کی قیمت متعیّن کرنے میں جب ماہرین میں اختلافِ رائے ہو تو نصاب مکمل نہیں ہوتا۔ (المبسوط)

''علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ شدید زخموں کی صورت میں اگر دو ڈاکٹر (معالج) نہ مل سکیں تو ایک ہی ڈاکٹر کی رائے کافی ہوگی۔ اس طرح ڈاکٹر کی رپورٹ' قدموں کے نشانات' بازوؤں' حسب ونسب کے ماہر کی رائے یا خون کا رصد گاہی ٹیسٹ' مادہ منویہ کا ٹیسٹ یہ سب متازعہ معاملہ کو حل کرنے کے لئے بطور شہادت پیش کئے جاسکتے ہیں۔ تاہم ایسی گواہی پر سزائے حد جاری نہیں ہوگی بلکہ ملزم کو تعزیری سزا دی جائے گی۔'' (انوار اللہ ص ص ۷۲'۷۳)

<u>قاضی یا جج کا ذاتی علم</u> : شریعتِ اسلامی میں کسی جرم یا حق کے ثابت کرنے کا ایک ذریعہ اُس مقدمہ سے متعلق جج کا ذاتی علم بھی ہے جو اُس کی عدالت میں دائر کیا گیا ہے۔ فقہاء اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ آیا قاضی رجج اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر کسی مقدمہ کا فیصلہ دے سکتا ہے یا نہیں۔

چونکہ ذاتی علم کی بناء پر کیا گیا فیصلہ جج رقاضی گواہی کے بغیر صادر کرتا ہے جس سے شکوک پیدا ہوتے ہیں اور عوام کا جج میں اعتماد نہیں رہتا اس لئے بالخصوص فوجداری مقدمہ میں قاضی رجج کو اپنے ذاتی علم کی بناء پر فیصلہ دینے سے روکا گیا ہے۔ یہی رائے حضرات ابوبکر صدّیق' عمر فاروق' علی' عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ رضی اللہ عنہم کی ہے جس کی تائید میں مندرجہ ذیل حوالہ جات قارئین کی نذر ہیں :

آنجناب ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے : ''اگر میں نے گواہی کے بغیر سنگسار کرنا ہوتا' تو میں ضرور اس عورت کو سنگسار کروادیتا۔''

''اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جج کو زِنا کے مقدمہ میں اپنے ذاتی علم کی بناء پر فیصلہ صادر کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس اصول کا اطلاق تمام سزائے حدود پر ہوتا ہے اور یہ اصول معافی کے متعلقہ ضابطے کا بھی عکاس ہے۔ معافی کے اس نظریہ کی مندرجہ ذیل احادیث سے تائید ہوتی ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(I) (۱) اِدْرَؤُ الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ (جامع ترمذی)

''شکوک وشبہات کی صورت میں سزائے حدود دینے سے گریز کرو۔''

(۲) اِدْفَعُوا الْحُدُوْدَ مَاوَجَدْتُّمْ لَهَا مَدْفَعًا (بلوغ المرام لحافظ ابن حجر عسقلانی' ص ۱۵۶)

''جہاں تک ہو سکے سزائے حدود کو دُور رکھو۔''

(۳) اِدْرَؤُ الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَااسْتَطَعْتُمْ (ایضًا)

''(شکوک وشبہات کی بناء پر) مسلمانوں کو حتی الوسع سزائے حدود دینے سے اجتناب کرو۔''

(II) ایک مرتبہ سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں کسی آدمی کو عورت سے زِنا کرتا ہوا خود دیکھ لوں' تو میں گواہوں سے گواہی لئے بغیر اُس پر سزائے حد جاری نہیں کروں گا۔''

(III) ابن جُریج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو لکھ بھیجا کہ قاضی کو نہ تو اپنے ذاتی علم کی بناء پر فیصلہ دینا چاہئے اور نہ ہی کسی کمزور گواہی یا گمان کی بناء پر۔''

(IV) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مقدمہ کی سماعت کے دوران ایک فریق نے قاضی شُرَیح سے کہا کہ آپ ہماری طرف سے گواہی دے دیجئے کیونکہ آپ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ قاضی موصوف نے اُن کی اس فرمائش کی تردید کرتے ہوئے کہا: ''امیرالمؤمنین سے جاکر کہئے کہ وہ میری جگہ کسی اور کو قاضی مقرر کردیں' تب میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا۔'' (فتح الباری لحافظ ابن حجر عسقلانی' ج ۹' ص ۲۱۲)

معلوم ہوا کہ قاضی کا ذاتی علم عوام میں اُس کا اعتماد پیدا کرنے کی بجائے شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے۔ حاکم رقاضی کی طرف سے سزائے حدود کا اجراء خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے ہوتا ہے جس میں کسی شخصِ غیر یعنی مدّعی کی رُورعایت کو دخیل نہیں ہونا چاہئے اور اسی طرح قاضی کے ذاتی علم کو بھی فیصلہ میں دخیل نہیں ہونا چاہئے۔ پھر یہ بات

بھی ہے کہ اگر سزائے حد میں ملزم اپنے اعتراف جرم سے مکر جاتا ہے تو سزائے حد کالعدم ہو جاتی ہے اور اس صورت میں جج مجرم پر متعین سزا نافذ نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مجرم اعترافِ جرم نہیں کرتا تو سزائے حد قاضی کے ذاتی علم کی بنیاد پر نہیں دی جا سکتی۔''

''شوافع، امام ابو حنیفہ، صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے پیروکار اِسی نظریہ کے حامی اور قائل ہیں۔ تاہم اگرچہ قاضی رجج حدود اور قصاص کے مقدمات میں اپنے ذاتی علم کی بناء پر فیصلہ صادر نہیں کر سکتا، وہ تعزیر اور حقوق کے مقدمات میں اپنے ذاتی علم کی بناء پر فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔''

''امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدود کے مقدمہ میں قاضی رجج کے اُس فیصلہ کے حق میں نہیں ہیں جو اُس نے اپنے ذاتی علم کی بناء پر کیا ہو کیونکہ سزائے حدود، شکوک وشبہات کی صورت میں ساقط ہو جاتی ہیں۔ اگر قاضی نے اپنی آنکھوں سے زِنا ہوتے ہوئے دیکھا اور اُس جرم پر تین اور بھی عینی شاہد موجود ہیں (اور چوتھا گواہ میسر نہیں ہے) تو قاضی رجج کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی گواہی کو شامل کر کے چار کا نصاب پورا کر لے۔ بلکہ اُسے ایسے مقدمہ میں جج بننے سے انکار کر دینا چاہئے اور بطور گواہ کے عدالت میں پیش ہونا چاہئے، اس طرح دوسرا کوئی قاضی رجج ان چاروں گواہوں کی شہادت کو قبول کرے اور مجرم پر سزائے حد کو نافذ کرے۔'' ("Islamic Law of Evidence" ...
Dr. Anwarullah, pp. 78, 81, 82)

<u>عدل وانصاف کے دو آفاقی راہ نما اصول۔۔انتہائی حسین وجمیل احکام</u> : کیسے زرّیں اصول کی تعلیم مل رہی ہے کہ نیکی میں سب کے شریک رہو اور بدی اور فسق میں کسی کا ساتھ نہ دو، جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں حکمِ باری تعالیٰ ہوا :

تَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ : ۲)

''ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

اہلِ تربیت کے ہاں اِسی قاعدہ پر عمل ہے۔ یہیں سے اُن مجلسوں میں شرکت کا وجوب نکل آیا جن کا مقصد اشاعتِ دین ونصرتِ دین ہے اور اُن اجتماعی اداروں میں شرکت کی حرمت ثابت ہوئی جن سے بے دینی یا بدعملی کی تائید ہوتی ہو۔ اِسی میں ہمارے معاشرہ کے وکلاء صاحبان کے بالعموم رویّہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔

<u>وکلاء صاحبان</u>: وکلاء صاحبان کا بنیادی کام انصاف کے استحکام میں عدالت کی معاونت کرنا اور اس

بات کی یقین دہانی ہونا ہے کہ کوئی بھی مجرم سزا سے بچنے نہ پائے اور کوئی بے گناہ سزا نہ پائے۔ ایک اسلامی ریاست میں وکیل کسی بھی شخص کی خواہ وہ بے گناہ ہو یا مجرم ہو' وکالت کرنے کے لئے آزاد ہوتا ہے۔ حکمِ الٰہی کی نافرمانی میں وہ اپنی پیشہ ورانہ مہارت کو اپنے مؤکل کو بچانے میں انتہائی حد تک استعمال میں لاتا ہے اگرچہ مؤکل مجرم ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات صریحاً انصاف سے متصادم ہے جبکہ اُسے یہ معلوم ہو کہ اُس کا مؤکل یقیناً قصوروار ہے تو پھر بھی وہ اُسے سزا سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ مجرم کی معاونت اور وکالت کرنے کی قرآنی تنبیہ و تہدید درج ذیل ہے:

(۱) مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا وَ مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا (اَلنِّسآء : ۸۵)

''جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا۔'' (۴ : ۸۵)

(۲) وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًاO (اَلنِّساء : ۱۰۵)

''اور اِن خیانت کاروں کے طرفدار نہ ہو جایئے۔'' (۴ : ۱۰۵)

(۳) وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًاO(اَلنِّساء)

''اور اُن لوگوں کی طرف سے وکالت نہ کیجئے جو اپنے حق میں خیانت کرتے رہے ہیں' اللہ کسی ایسے شخص کو نہیں چاہتا جو بڑا خیانت کار' گنہگار ہو۔'' (۴ : ۱۰۷)

(۴) تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ (المائدة : ۲)

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کیا کرو''

(۵) وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود : ۱۱۳)

''اور اُن لوگوں کی طرف مت جھکو جو (اپنے حق میں) ظالم ہیں ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھو جائے گی۔''

<u>جرمیات اور تعزیریات ۔۔(Criminology & Penology)</u>: اسلامی قوانین کا اوّلیں اہم مقصد معاشرہ میں امن و آشتی اور سکون و اطمینان کا استحکام ہے جس سے باشندوں کے تحفظِ حیات و جائداد اور عزت و آبرو کی راہ آسان ہو۔ جرائم کی بیخ کنی کے لئے اسلام نے کچھ سخت اور شدید سزائیں مقرر کی ہیں اور اگر وہ سختی اور شدت مطلوبہ نتائج کے لانے میں ناکام رہے تو اسلامی تعزیریات عملی طور پر دو عناصر کو پیشِ نظر رکھتی ہے: اوّل تو یہ کہ مجرم کا جرم ثابت اور مستحکم ہو جانے کے بعد اُسے لازماً سزا دی جائے اور دوم یہ کہ اُن لوگوں کو ناقابلِ فراموش' مثالی سبق دیا جائے جن کا جرم کی طرف کسی طرح کا میلان ہے تاکہ وہ اُس کی جاذبیت سے جرم کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں اور اس کے مہیب نتائج کو اپنے مدِّنظر رکھیں۔ اگر تعزیریات اِن دو عناصر سے خالی ہو تو اُسے ''ضابطہِ تعزیر'' نہیں کہا جا سکتا۔ اگر سزا جرم سے حاصل شدہ حظ اندوزی کے متناسب نہ ہو یا اُس میں نرمی اور رعایت کا کوئی پہلو ہو تو وہ بے ثمر ہو گی اور بدکردار لوگ مسلسل جرائم کا ارتکاب کرتے رہیں گے۔

دوسری نمایاں اور اہم بات یہ ہے کہ اسلام کو سزا دینے کا بالکل شوق نہیں ہے۔ اُس کی تمام تر کوشش اذہان وقلوب میں خدا خوفی پر مبنی انقلاب لانا ہے۔ سماج سے برائیوں کی بیخ کنی میں یہ چیز بہت ہی مددگار ثابت ہوتی ہے اور اس مقصد کے لئے جرائم کی روک تھام کے لئے اسلام نے کچھ پابندیاں اور رکاوٹیں وضع کی ہیں۔ مثلاً زنا کی صورت میں اس قبیح فعل کی تمام راہیں بند کرتے ہوئے اسلام نے اوّلاً آوارہ نظروں اور غیر محرم عورتوں کی دید بازی سے روکا اور مسلمان مَردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔ آوارہ نگاہ زنا کاری کا تمہیدی عمل ہے۔ سرقہ (چوری) کی صورت میں اسلام نے غیر منقولہ اثاثے کے مالک کو اُنہیں محفوظ جگہ پر مقفل رکھنے اور اُس پر نگران مقرر کرنے کا حکم دیا تاکہ بداطوار لوگوں کے لئے جاذبیت اور کشش کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں۔ بہ الفاظِ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آگ لگانے کی نادانی کرنے سے یہ بہتر ہے کہ بجھانے کے لئے آگ لگائی ہی نہ جائے، ہوسکتا ہے کہ آگ بجھانا بے ثمر اور بے فائدہ ثابت ہو، قانون کی سختی اور اس کا بے لچک ہونا جو مجرم سے جرم کرنے کی ہمت اور طاقت کو سلب کرلے، اُس نرمی اور لچک سے بہت بہتر ہے جو مجرم کو نڈر، بہادر اور اپنے ابنائے جنس کے حقوق غصب کرنے کی حوصلہ افزائی کرے۔ وہ قانون جو مجرم کی گردن میں موت کا پھندا ڈالے جانے پر آنسو بہائے اور اُسے بہیمانہ، غیر انسانی اور سنگدلانہ عمل قرار دے اور زخم خوردہ خاندان پر کی گئی مجرمانہ زیادتیوں کا خیال نہ کرے جس سے دلہن بیوہ ہو جائے، بچے یتیم ہو جائیں اور بے گناہ شہری اپنی زندگی بھر کی کمائی سے ہاتھ دھو بیٹھے، تو جرائم کی شرح میں کمی ہونے کی بجائے یقینی طور پر اُن میں اضافہ ہی ہوگا۔ جیلیں اور قید خانے مجرموں کی پناہ گاہیں بنیں گی جو ملکی خزانے پر ایک ناجائز بوجھ ہوگا۔

تعزیرات کے سیاق وسباق میں قرآنِ حکیم ایک عادی مجرم کو سزا دینے کے اوّلیں مقصد کو بار بار بیان کرتا ہے، یہ کہ مقرر شدہ سزا حکمِ الٰہی ہے اور اس لئے اُسے غیر سنجیدہ طور پر نہیں لیا جانا چاہئے۔ جیسا کہ عالمی سطح تک انسانی تجربہ شاہد ہے کہ اعلیٰ اخلاقی تعلیم اور گہری مذہبی تربیت کے بعد نتائج کی ہولناکی کا خوف ہی ہے جو انسان کو اُس کے قدرتی بلکہ موروثی رُجحانِ بدی سے روکتا ہے۔

فوجداری عملداری کے پس پردہ مقصد مجرم کو سزا دینا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا کہنا ہے کہ اگر اسلام کو صرف یومِ آخرت کی جزا وسزا پر اصرار ہوتا اور اگر اُس نے دنیا میں روک ٹوک اور توازن قائم نہ کیا ہوتا تو اسلام کا سماجی نظام کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ شاہ صاحب موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ فوری تعزیری نظام کی عدم موجودگی میں بے راہرو، قصور وار رویّہ انسانوں میں داخل ہو جاتا ہے اور اُن کی فطرتِ ثانیہ بن جاتا ہے۔ سزا کی فوری پیش بینی کی عدم موجودگی میں تمام اداراتی ڈھانچے کی بنیادیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ اس لئے تعزیراتی نظام کے نفاذ کو مسلمان معاشرہ کا اجتماعی فرض بنایا گیا ہے۔" ("The Reconstruction of Legal Thought in Islam".. Syed Riazul Hasan, p. 190)

''حد'' اور ''تعزیر'' : ''حد'' کا لفظی معنیٰ مقدار اور بندش (Limit) ہے۔ شریعتِ اسلامی کی اصطلاح میں ''حد'' ایسی سزا ہے جس کی مقدار اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دی گئی ہے اور قاضی (منصف) کو اس میں ردّ و بدل یا رعایت دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ ''حدود'' کی سزائیں حسب ذیل ہیں :

زنا کاری کی سزا	:	رجم (سنگساری)
سرقہ (چوری) اور راہزنی	:	ہاتھ کا کاٹا جانا۔
مے نوشی اور قذف (بہتان طرازی)	:	ایک سو یا اَسّی درّے

''تعزیر'' کا معنیٰ سزا کا ہے۔ تعزیری جرائم مین سزا کی مقدار کا اختیار عدالت کی صوابدید پر ہے جو ہر انفرادی مقدمہ کی نوعیت کے مطابق سزا دے گی۔ تعزیری سزائیں انسانی زندگی اور انسانی جسم کو نقصان پہنچانے' جائداد کو نقصان پہنچانے یا اُسے ہتھیانے' امنِ عامہ کو تباہ کرنے' اخلاقی بے راہروی اور مذہب کے خلاف کی سرگرمیوں وغیرہ پر دی جاتی ہیں۔ دراصل آج رائج الوقت مسلمانوں کا فوجداری قانون ''تعزیرات'' پر قائم ہے۔

''حد'' کے استحکام کی بنیاد : یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ''حد'' کی سزا قرآنِ حکیم' سنتِ نبوی اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے متفقہ اجماع سے قائم ہوئی ہے۔ قرآنِ حکیم واضح طور پر ''حدود'' کی تشکیل اور اُن کے اطلاق کو بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے :

تِلْكَ حُدُوْدُاللهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَه' يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَه' وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَه' يُدْخِلْهُ نَارًا خٰلِداً فِيْهَا وَلَه' عَذَاب'' مُّهِيْن''O (النساء : ۱۳' ۱۴)

''یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے اُسے وہ بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں' وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اُس کی حدود سے تجاوز کرے' اُسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کے لئے ذلّت انگیز عذاب ہے۔'' (۴ : ۱۳' ۱۴)

''حد'' کے استحکام کے لئے قرآن اور سنتِ نبوی ﷺ مابین حدِّ فاصل کھینچنے کی کسی قسم کی کوشش کی قطعاً اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ گمراہی اور بے راہروی ہوگی۔ اس ضمن میں عبدالرحمٰن الجزیری رقمطراز ہیں :

۳۱۵۹ (قانونِ شریعتِ اسلامی ۔۔۔ LAW)

اَلْحُدُوْدُ فِی الْاِسْلاَمِ ثَابِتَۃ "بِآیٰتِ الْقُرْآن ۔۔۔ کَمَا اَنَّھَا ثَابِتَۃ "بِالْاَحَادِیْثِ النَّبَوِیَّۃِ ۔۔ عَلَیْہِ اِجْمَاعُ الْاُمَّۃِ (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ : کتاب الحدود، صفحہ ۷)

''اسلام میں حدود، قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہیں اور اُن پر امت کا اجماع ہے۔''

تعدّی (Transgression): تعدّی میں قانونی طور پر ممنوع کام آتے ہیں اور اُن کا توڑنا توڑنے والے کو تلافی کر دینے یا نقصان پورا کر دینے کا مکلف ٹھہراتا ہے۔ تعدّی ان صورتوں میں ہو سکتی ہے: (۱) کوئی سنگین جرم (۲) قابلِ تعزیر حرکت (۳) کسی کی جائداد پر غاصبانہ قبضہ (۴) جائداد کی تباہی۔ ان صورتوں میں تعدّی کرنے والے کو نقصان کی تلافی کرنا ہوتی ہے۔

جرم کیا ہے؟ علامہ ماوردی نے ''الاحکام السلطانیۃ'' میں ''جرم'' کی یہ تعریف کی ہے:
''کوئی غیر قانونی کام جس کی سزا اللہ تعالیٰ نے متعین طریق سے یا صوابدیدی طور پر مقرر کی ہو۔''

فوجداری قانون کا منصبی کام: اس کا منصبی کام عوامی نظم و نسق اور نفاست و ہم آہنگی کا استحکام ہے اور شہری کو موجبِ آزار یا ضرر رسانی سے محفوظ رکھنا ہے۔ لوگوں کے استحصال اور بدعنوانی کے خلاف کافی حفاظتی اقدامات کرنے ہوتے ہیں بالخصوص وہ لوگ جنھیں زد پہنچنے کا احتمال ہو۔ ("Criminal Law".. Smith & Hogans, p. 20) London, 1987.

کسی جرم کے ثبوت کے ذرائع: اسلامی قانونِ شریعت میں کسی جرم یا کسی حق کے ثبوت کے لئے دوسرے ذرائع کے علاوہ فوجداری مقدمات میں اقرارِ جرم (Confession) جبکہ دیوانی مقدمات میں اعتراف (Admission) ہے۔ (Confession) کا معنیٰ آدمی کا اپنے خلاف گواہی دینا ہے۔ (تفسیر فتح القدیر، محمد ابن علی الشوکانی، جلد ششم، صفحہ ۲۸۱)

Admission کا مطلب ہے آدمی کا یہ تسلیم کرنا کہ کسی دوسرے آدمی کا اُس پر حق ہے (ردّ المختار ۔۔ ابن عابدین، جلد ششم، صفحہ ۴۹۸)

(Confession) اور (Admission) دونوں ہی کسی جرم کے ثبوت کا ذریعہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے مقدمات میں اِن دونوں کو جرم کے حتمی ثبوت کے طور پر لیا ہے اور آپ نے مجرم کے صرف اقرارِ جرم (Confession) پر اُسے ''حد'' کی سزا دی۔ (''المغنی'' لابن قدامہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی اسلم کا ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا

اور زنا کے ارتکاب کا اقرار کیا اور اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی ۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے سنگسار کیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔'' (صحیح بخاری' جلد دوم' صفحہ ۱۷۶)

<u>ایک غلط فہمی کا ازالہ</u> : ''حدود'' کے نفاذ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اسلام نے اپنے مسلمان بھائیوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا :

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (صحیح بخاری)

''جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی' تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

جبکہ دوسری طرف وہ بڑی شدّ ومد کے ساتھ ''حدود'' کے نفاذ کا حکم دیتا ہے اور ایسے مجرموں کی کوئی رُو رعایت نہیں کرتا جیسا کہ سورہ النور کی آیت ۳ میں حکم ہوا کہ ''تمہیں ان دونوں پر (دین کے حکم کے اجراء میں) ذرا ترس نہیں آنا چاہیئے۔''

اس بہ ظاہر پہیلی کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں احکام یعنی (۱) مسلمان کے جرم کی پردہ پوشی اور (۲) مسلمان مجرم پر ''حد'' کا نفاذ' کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ ایک دوسرے سے جدا اور مستقل بالذات ہیں۔ اگر ایک آدمی عادی مجرم نہیں ہے اور بدقسمتی سے وہ زندگی میں ایک یا دو بار کسی گھناؤنے جرم میں ملوث ہو جاتا ہے تو کچھ لوگوں کے علم میں آجانے کے باوجود اُسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت ھذال نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے (زنا کے) جرم کا اقرار کرنے کا مشورہ دیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ھذال کو یہ فرماتے ہوئے سرزنش کی :

لَوْ سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ لَكَانَ خَيْرًا لَّكَ (اگر تو اُس کی پردہ پوشی کر دیتا تو یہ تیرے لئے بہتر ہوتا)۔

لیکن اگر کوئی شخص گھناؤنے جرائم کا عادی ہو چکا ہے تو اُس کے خلاف گواہی دینا لازم ہو جاتا ہے تاکہ الٰہی احکامات کی بے حرمتی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ ''حدود'' کا نفاذ ہو جائے۔

<u>اسلام کا تعزیراتی نظام ظالمانہ اور غیر مہذب نہیں</u> : کچھ غیر معمولی حساس اہلِ مغرب کی طرف سے اسلام پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام کا تعزیری ضابطہ (معاذ اللہ) ظالمانہ' غیر انسانی اور بہیمانہ ہے۔

اس غیر معقول اعتراض کا جواب دینے میں ہمیں اس بے بنیاد الزام کا سبب اور اُس کا پس منظر دیکھنا ہوگا۔ زنا اور مے نوشی کچھ مغربی طبقات میں ایسے عام ہو چکے ہیں کہ ان برائیوں کو اُن کی زندگی سے جدا کرنا مشکل ہے۔ بدقماش لوگ جن کی فطرت ہی بد ہو' اِن برائیوں کی ممانعت کی حکمت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں اور چونکہ ان برائیوں کی کمینگی

اور گھٹیا پن سے اُن کی آنکھیں بند ہیں، تو وہ اِن جرائم کی سزاؤں کو ظالمانہ اور بہیمانہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اِن برائیوں کے گھٹیا پن کو مختصراً طشت از بام کیا جائے تا کہ یہ صداقت سامنے آ سکے کہ ایسے گھناؤنے اور مہیب جرائم کی بیخ کنی کے لئے ایسی شدید سزائیں ناگزیر ہیں:۔

(۱) زنا کسی سماج کی تنظیم میں سرطان کی حیثیت رکھتا ہے: کوئی شک نہیں کہ تمام الہامی مذاہب نے زنا کی ممانعت کی ہے اور سماج کے خلاف اس جرم کے ساتھ جنگ لڑی ہے۔ اللہ کا آخری دین ہونے کے ناطے سے اسلام نے بڑی شدّ و مد کے ساتھ زنا کی ممانعت کی ہے کیونکہ یہ حسب و نسب میں انتشار، بچے کے مستقبل کے غیر محفوظ ہونے، خاندانوں کی شکستگی، تعلقات میں تلخی، آتشک اور سوزاک جیسی جنسی بیماریوں کے پھیلاؤ اور اخلاقیات میں عام بگاڑ کا موجب ہے۔ علاوہ ازیں زنا شہوت انگیزیوں اور خود لذتیوں کے سیلابِ رواں کا دروازہ کھولتا ہے۔ اسی لئے حکمِ باری تعالیٰ ہوا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّه' كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًاO (بنی اسرائیل: ۳۲)
''اور زنا کے پاس بھی مت جاؤ، یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔'' (۱۷ : ۳۲)

الفاظِ قرآنی پر غور ہو۔ لَا تَزْنُوْا ارشاد نہیں ہو رہا بلکہ لَاتَقْرَبُوا الزِّنٰ ارشاد ہو رہا ہے یعنی زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو اور اس کے مبادی اور دواعی مقدمات تک سے بچو۔ گویا اس حکمِ امتناعی کے تحت میں بے حیائی و بے حجابی کے سارے قولی، فعلی، تقریری، تحریری، تصویری، لباسی مظاہرے آ گئے۔ یہ شریعتِ اسلامی ہی ہے جس نے ہر غیر نکاحی، غیر ازدواجی تعلق کو ہر حال اور ہر صورت میں حرام قرار دیا ہے ورنہ اکثر قدیم و جدید جاہلی تہذیبوں اور قانونوں میں زنا بجائے خود تو کوئی جرم ہی نہیں جب تک جبر کی آمیزش یا حقوقِ شوہری میں دست اندازی وغیرہ اس میں شامل نہ ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بابل، مصر، ایران، ہند قدیم وغیرہ کے متعدد جاہلی مذہبوں نے تو خاص خاص حالات میں زنا کاری کو ایک عبادت یا عملِ مقدس مان رکھا ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو، ص ۵۸۴، نوٹ: ۴۷)

''ایک اور خرابی جس میں ساری قومیں بری طرح مبتلا تھیں اور اب بھی ہیں، وہ بدکاری تھی۔ اس کی قباحت و وقاحت کو دو مختصر فقروں میں بیان فرمایا اِنَّـه' كَـانَ فَاحِشَةً یعنی وہ بڑی بے حیائی کا فعل ہے۔ وَسَآءَ سَبِيْلًا اور بری راہ ہے۔ اس فعل کا فاحش ہونا کسی صاحبِ عقلِ سلیم پر مخفی نہیں۔ زنا کے دُور رس بُرے نتائج پر اگر آپ نظر ڈالیں تو سَآءَ سَبِيْلًا کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا:

(۱) کوئی بھی شخص ناجائز بچے کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ محرومی اُس کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ خود غرض لوگوں کے ظالم ہاتھوں کے رحم و کرم پر ہو جاتا ہے اور اس طرح اُس کا مستقبل ہر طرح تاریک ہو جاتا ہے۔ (۲) ناجائز بچہ شفقتِ پدری کے فطری حق سے محروم رہتا ہے اور سماج میں اُسے ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ چیز بغاوت اور سرکشی کے شعلے ابھارنے میں مدد دیتی ہے جو اپنے اندر خاندانوں کو جلا کے رکھ دیتی ہے۔ (۳) زنا وراثت

کے مسائل کو جنم دیتا ہے۔ (۴) آتشک' سوزاک جیسے موذی امراض اس شیطانی عمل کا تحفہ ہیں۔ (۵) عورت کی عزت وعصمت کا چاند گہنا جاتا ہے۔ (۶) جنسِ لطیف بازاری خرید وفروخت کی چیز بن جاتی ہے اور وہ ماں کے تقدّس اور بیٹی کی عظمت سے محروم ہو جاتی ہے۔ (۷) اُس کا کردار اور صحت دونوں بُری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ (۸) چونکہ طوائف کسی ایک خاص بندے کے ساتھ منسلک نہیں ہوتی اس لئے ہر شخص اُس کا دعویدار ہوتا ہے۔ یہ صورتِ حال گمراہی کی ترغیب میں دروغ حلفی کو جنم دیتی ہے جس کا نتیجہ شدید جسمانی حملے اور قتل وغارت ہوتا ہے۔ (۹) چونکہ طوائف ہر شخص کے لئے قابلِ رسائی ہوتی ہے' اس لئے اُس کی اور جانور یا درندے کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔ (۱۰) زِنا سے حسب ونسب میں اختلاط ہوتا ہے۔ مال کسی کا ہوتا ہے اور وارث کوئی اور بنتا ہے۔

سَـآءَ سَبِیْلاً کے متعلق اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو وہ امریکی فوجیوں کے اُن لاکھوں حرامی بچّوں کی حالتِ زار کو دیکھے جو کوریا اور ویتنام وغیرہ ممالک کی گلیوں میں دھکے کھا رہے ہیں اور کوئی اُن کا پرسانِ حال نہیں۔ امریکی اخبارات کی طرف سے جمع شدہ شماریاتی معلومات کے مطابق امریکی فوجیوں کے برطانیہ میں جنگ عظیم دوم میں قیام کے دوران برطانوی دوشیزگان سے زنا کے نتیجہ میں 70'000 ناجائز بچے کنواری لڑکیوں کے ہاں پیدا ہوئے۔ (''المصری'' مؤرخہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۴ء)

انہی قباحتوں اور روح فرسا نتائج کی وجہ سے ہی قرآن کریم نے فرمایا کہ اس فعلِ شنیع کا ارتکاب تو بجائے خود' اس کے قریب تک مت جاؤ یعنی تمام وہ امور جو اس فعل کے ارتکاب پر اکساتے ہیں' اُن سے باز رہنے کا تاکیدی حکم دیا۔ بھڑکیلے' تنگ اور چست لباس' بے پردگی' مرد وزن کا اختلاط جس میں مخلوط تعلیم پیش پیش ہے' سب سے منع کر دیا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں جذبات کو اتنا مشتعل کر دیتی ہیں کہ کوئی لاکھ بچنا چاہے بچ نہیں سکتا اس لئے فرمایا کہ اس فعلِ شنیع کے قریب بھی مت جانا۔

زِنا کے دُوررس ہولناک نتائج پر سرسری نگاہ دوڑانے سے آج سے چودہ صدیاں قبل بیان شدہ قرآنِ حکیم کی صداقت ہمارے سامنے کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ زنا واقعی بے حیائی' فحاشی اور بُرائی کا فعل ہے اور لاتعداد برائیوں کا دروازہ ہے اس لئے آہنی قوّت کے ساتھ اس سماجی برائی کو جڑ سے اکھیڑنا ضروری تھا اور اسی وجہ سے اس جرم کی سزا درّوں اور سنگساری کی شکل میں رکھی گئی۔

(۲) **منشیات (Narcotics)**: منشیات کے بارے میں قرآنِ حکیم اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے کہ نشہ آور چیزوں کی پناہ لینا باہمی دشمنی اور جھگڑوں کو جنم دیتا ہے۔ یہ چیز نماز کی ادائیگی اور خالق کی یاد سے بھی غافل کر دیتی ہے جیسا کہ فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ

ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ○ (المائدۃ: ۹۱)
''شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تم میں دشمنی اور کینہ ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے' سو اب بھی تم باز آؤ گے؟'' (۹۱ : ۵)

اصحابِ نبی جو آیت کے مخاطبِ اوّلیں تھے' اس حکم کے سنتے ہی پکار اُٹھے کہ ہم باز آ گئے' ہم باز آ گئے۔ یہ بارگاہِ نبوّت اور عرب کے اُس اُمّی حکیم کا کیسا ڈسپلن تھا کہ دَم کے دَم میں بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں' جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا۔ اکبر الٰہ آبادی نے سچ کہا ہے۔

خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ایک مقام پر قرآن مجید اُن لوگوں کی غلط فہمی کو دُور کرتا ہے جو مخدّرات و منشیات کو منفعت اور حظ اندوزی کا ذریعہ سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ منشیات میں جو نقصان پوشیدہ ہے' وہ اُس کی بہ ظاہر منفعتوں سے کہیں زیادہ ہے' اس لئے فرمایا :

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْم ''كَبِيْر'' وَّمَنَافِعُ لِلنَّاس وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرۃ: ۲۱۹)

''(اے نبی مکرّم!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور اُن کا گناہ اُن کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔'' (۲ : ۲۱۹)

خَـمْـر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے (تاج العروس و مفردات القرآن) اور شریعتِ اسلامی نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کیا ہے۔ مَیْسِــــر بھی ایسے وسیع معنی میں ہے اور جوئے کی تمام اقسام (نرد اور شطرنج وغیرہ) کو شامل ہے۔

اِثْـم کا لفظ ہر ایسے فعل کے لئے آتا ہے جو نیکی کی راہ سے رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو (مفردات)۔ اِثْـم کا اطلاق کسی عمل پر خود اُسے حرام قرار دینے کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ جب اس پر تاکید بھی کبیــر کے ساتھ موجود ہو۔ اِثْـم ''کبیـر'' ہی سے فقہاء نے نکالا ہے اور ایک حدیثِ مبارکہ بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ شراب کی مقدارِ قلیل بھی حرام ہے۔ معاشرہ میں آج تک جتنے فسادات شراب نوشی سے پیدا ہو چکے ہیں' اظہر من الشمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے' بے حیائی یہ پھیلائے' حرامکاری کی طرف یہ لائے۔ بلوے' دنگے یہ کرائے' چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کرے' قتل کی نوبت یہ لائے' ہر عبادت سے' طہارت سے' پاکیزہ عمل سے یہ روک دے اور اسراف تو اس کے لئے کوئی بات ہی نہیں۔

۳۱۶۴ (قانونِ شریعتِ اسلامی ۔۔۔LAW)

الکوحل اور منشیات کے صحت پر مضر اثرات کو سمجھنے کے لئے اُن کی کیمیاوی خاصیتوں کا سمجھنا ضروری ہے :

''کیمیا (کیمسٹری) ہمیں بتاتی ہے کہ الکوحل ایک طاقتور محلل (حل کرنے میں مددگار یا حل ہونے کے قابل) ہے بالخصوص چربیوں اور چکنائیوں سے بنا ہوا الکوحل۔ غذائی اصطلاح میں یہ بنیادی اجزاء سے مصنوعی طور پر ترکیب دیئے جانے والا مرکب نہیں بلکہ بنیادی اجزاء کی وہ بگاڑی ہوئی صورت ہے۔ اسی لئے الکوحل کو انسانی جسم کے لئے مضر کیمیائی مادّہ سمجھا جاتا ہے اور جگر کی طرف سے اُس کا ازالہ سمیّت (Detoxify) فوراً ہو جاتا ہے۔ اس لئے الکوحل کی کوئی غذائی قدر نہیں جیسا کہ اس کے حامیوں کے بلند بانگ دعوے ہیں۔ جب الکوحل غیر ہضم شدہ ہو تو وہ دوسری غذائی اشیاء کے مقابل قابو نہ آنے کی حد تک تحول کے عمل سے گزرتا ہے اور آیت مذکورہ (۲۱۹) میں اِسی بہ ظاہر منفعت کی طرف اشارہ ہے۔

''(الف) الکوحل کا نظام انہضام پر اثر : الکوحل کے مضر اثرات منہ سے شروع ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہمارے منہ میں ایک خاص قسم کا فلورا ہوتا ہے جو خطرناک بیکٹیریا کو زندہ رہنے پر مشکل بنا دیتا ہے۔ چونکہ الکوحل اس فلورا کے تنزل کا سبب بنتا ہے' اس لئے اس کا نتیجہ جراثیم زدگی' عفونت اور مسوڑوں کی سوجن میں نکلتا ہے اور اسی لئے الکوحل کے عادی لوگوں کے دانت جلد ہی خراب ہو کر گل سڑ جاتے ہیں۔''

''منہ کے بعد گلے اور معدے کی نالی (Esophagus جس سے خوراک منہ سے معدے تک جاتی ہے) کا نمبر آتا ہے۔ یہ دونوں اعضاء ایک دوسرے کا تسلسل ہیں۔ وہ بہت سخت کام انجام دیتے ہیں اور اُن کی ایک بہت ہی حساس لائننگ Mucous Membrane نامی ہوتی ہے۔ جو ایک جھلی نما نسیج ہوتی ہے جس میں سے لیسدار مخاطی مادّہ رِستا ہے اور کئی جسمانی قعروں اور نالیوں میں بطور استر لگی ہوتی ہے۔ الکوحل اس لائننگ کے اندرونی حصّہ میں سوزش اور خراش پیدا کر کے اُسے کمزور کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں سرطان کا حملہ واقع ہوتا ہے۔''

''الکوحل اُن نامیاتی مرکبات (Lipids) کو حل کر دیتا ہے جو ہائیڈروکلورک ترشہ کے حفاظتی حصار کا کام دیتے ہیں اور معدے کو اپنے آپ ہضم کرنے سے روکتے ہیں۔ الکوحل کے انتہائی مضر اثرات اثنا عشری آنت (Duodenum) پر پڑتا ہے جو معدے کے نیچے چھوٹی آنت کا پہلا حصّہ ہے اور جو ہضم کی نالی کا انتہائی نازک عضو ہے۔ الکوحل بائل (Bile) کی ریزش پر غالب آ جاتی ہے جو سبزی مائل بھوری الکلی رطوبت یا خلط ہے جو جگر سے خارج ہوتی اور ہضم میں مدد کرتی ہے اور پتّے میں جمع رہتی ہے۔ الکوحل کے عادی تمام لوگوں کی اثنا عشری آنتیں اور پتّا (Gall-bladder) بیمار رہتے ہیں۔ چونکہ خلل اندازی آنتوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے' اس لئے تمام نظام نظام انہضام کی کمپیوٹرائزڈ ہم آہنگی مکمل طور پر تباہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔''

''الکوحل کا سب سے بُرا اثر جگر پر پڑتا ہے جو ایک ناس تجربہ گاہ ہے جس کے نزدیک الکوحل کا ہر ہر

ذرّہ زہر ہے۔ یہ منفی اثرات دوطرح کے ہیں: (۱) جگر کے خلیے الکوحل کے اثرات کوختم کرنے کے فرض میں مکمل طور پر مصروف ہوتے ہیں اور اپنے دوسرے فرائض کونظر انداز کر دیتے ہیں۔ (۲) جگر کی کیمیائی عملداریاں جو ایک دوسرے سے بڑھ کرحساس ہیں' الکوحل کی بغیر روک ٹوک کی مداخلت سے ابتری کا شکار ہو جاتی ہیں جس کے نتیجہ میں جگر کو وہی عمل کئی بار دُہرانا پڑتا ہے اور اس انتہائی کوشش میں وہ تھک ٹوٹ جاتا ہے۔ چونکہ خون کی پیداوار کے لئے ضروری مادّے جگر سے نہیں بنتے یا یہ کہ اُن کی پیداوار انتہائی طور پر رک جاتی ہے' اس لئے تمام عادی مے خور قلت الدّم (خون کی کمی Anemic) کا شکار ہوتے ہیں اگر چہ اُن کے چہرے بہ ظاہر توانا اور صحتمند نظر آئیں کیونکہ چہرے میں خون کی نالیاں پھیل جاتی ہیں اور گودے کی ہڈی (Marrowbone) تباہ ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات الکوحل جگر کی اچانک ناکامی کا بھی سبب بنتا ہے اور اس صورت میں نشہ خور بے ہوشی کی حالت میں موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔''

''(ب) الکوحل کا اثر نظام دورانِ خون پر: جگر کی کمزوری جوخون میں موجود چکنائی کی غذاؤں کے ہضم کرنے میں قائدانہ کردار ادا کرتی ہے' خون کی شریانوں کو سخت بنا دیتی ہے اور ہائی بلڈ پریشر میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کے برعکس الکوحل کی تیز اشتعال انگیزی خون کی روانی میں رخنہ اندازی کرتی ہے جس سے دل تھک جاتا ہے۔ علاوہ ازیں الکوحل دل میں چکنائیوں کے اکٹھا ہونے کا سبب بنتا ہے اور اعصابی نظام پر بُرے اثرات کی وجہ سے دل کے منصبی عمل کو انتہائی نقصان پہنچاتا ہے۔''

''گردے جو نظامِ دورانِ خون کا اختتامی نقطہ سمجھے جاتے ہیں' کو بھی الکوحل کی وجہ سے شدید نقصان پہنچتا ہے۔''

''جسمِ انسانی کا انتہائی اہم نظام یعنی لمفی نظام (Lymphatic System) اور اس کے خون کی شریانیں الکوحل کے ہاتھوں شدید نقصان کا شکار ہوتی ہیں۔ اس نظام کی ساخت میں چکنائی کے مرکبات (Lipids) کو اہم مقام حاصل ہے۔ ان مرکبات پر الکوحل کا انتہائی مضر اثر قدرت کے حیران کن حفاظتی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔''

''(ج) الکوحل کا اثر اعصابی نظام پر: الکوحل (Lipids) کے برقی ابلاغ کے نظام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے جس کے نتیجہ میں یہ اعصابی نظام کو دن بہ دن نقصان پہنچاتا رہتا ہے جس سے مسلسل بیماریاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ مشہور و معروف بیماریوں کے علاوہ الکوحل اعصابی نظام کے مختلف مراکز کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتا ہے۔ نسیان کا مرض (Amnesia) اور ہاتھوں کا رعشہ اس نقصان کا پیش خیمہ (پیش رو) ہیں۔''

''چکنائیوں کو تحلیل کرنے کی خصوصیت کے ساتھ الکوحل پیداواری خلیوں میں بھی دخول کر جاتا ہے اور اُنہیں ناگفتہ بہ نقصان پہنچاتا ہے۔ آنے والی نسلوں میں خلل پذیر' معذور یادداشت اور عضلات کا بتدریج سوکھنے لگنا

(Muscular dystrophy) مشہور و معروف مثالیں ہیں۔ بہت سے مطالعاتی جائزے اس حقیقت کو مسلسل ظاہر کر رہے ہیں کہ فاتر العقل اور ذہنی مریضوں کے والدین الکوحل کے عادی تھے۔''

''(د) الکوحل کے نفسیاتی اثرات : یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ الکوحل سماجی نظام اور اس کے استحکام کے لئے کتنا نقصان دہ ہے۔ اس کے یاد رکھنے کے لائق کچھ منفی اثرات درجِ ذیل ہیں:

(۱) الکوحل کی وجہ سے طلاقوں کا غیر مختتم سلسلہ عائلی نظام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے، سماج سے الگ تھلگ بے لگاؤ بچے پیدا کرتا ہے اور اس طرح تمام سماج کے ڈھانچے کو ہلا کے رکھ دیتا ہے۔

(۲) الکوحل سے پیدا شدہ سُستی اور کسلمندی محنت و مشقت کی توانائی کو رفتہ رفتہ مٹاتی رہتی ہے اور اس طرح سماج کے افراد کی قدرتی خوبیوں کو غیر محسوس طور پر نقصان پہنچاتی رہتی ہے۔

(۳) افراد کے مابین دُور دُور تک پھیلی ہوئی بیگانگی اور لاتعلقی الکوحل کا قدرتی نتیجہ ہے جس سے معاشرتی وحدت، معاشرتی مسائل کے مقابل مزاحمت اور قومی مفادات یکسر گم ہو جاتے ہیں۔

(۴) معاشرے کے افراد کے مابین ختم نہ ہونے والے جھگڑے الکوحل کا سبب ہیں۔

مندرجہ بالا چاروں مسائل نے مغرب کے عمرانی ماہرین کو اس حد تک پریشان کر رکھا ہے کہ اُنہوں نے اپنی اپنی حکومتوں کو اپنے اِس خدشہ سے آگاہ کر دیا ہے کہ اگر الکوحل کا استعمال وسیع پیمانے پر ہوتا رہا تو قومی شعور بھاپ بن کر اُڑ جائے گا۔

قرآن حکیم مے خوری کے مسئلہ سے خوب نمٹا ہے جس سے نمٹنے کے لئے کسی سماج اور کسی مصلح میں ہمت نہیں تھی اور جو سماج کی جڑوں کو کُتر رہے جا رہی تھی۔ اس طرح اسلام نے مسلمان سماج کو اس لعنت سے ہر زمانے میں دُور رکھا۔

''جب شراب کی ممانعت کا حکم نازل ہوا تو گرم جوش صحابہ مسلمان اپنے گھروں میں گئے اور شرابِ ناب کے تمام برتنوں کو خالی کر دیا اور بہت سی صورتوں میں شراب کے برتنوں کو بھی توڑ دیا اور وہ تاجر مسلمان جو ملکِ شام سے شراب خرید کر کے لائے تھے، اس واقعہ کے بعد اپنی کمائیوں کو بہانے پر مجبور ہو گئے، نہ ہی اُن یتیموں کو نرم رویّہ دیا گیا جن کے اثاثے کو اُن کے سرپرستوں نے شراب میں لگا دیا تھا۔ یہ ممانعت شراب سے تیار کردہ سرکہ تک کو شامل تھی اور اس تصوّر کو یہ تاکیدی انکار دیا گیا کہ شراب میں کوئی طبّی قدر ہے۔''

("Mohammad" ... Margoliouth, p. 283)

اس میدان کے ایک محقق نے بجا طور پر یہ کہا ہے :

''الکوحل کے استعمال نے جتنا نقصان نوعِ انسان کو پہنچایا ہے' اس سے زیادہ کسی اور چیز نے نہیں پہنچایا اگر ہسپتالوں میں مریضوں کی شماریات کو عالمی سطح پر اکٹھا کیا جائے جو الکوحل کی وجہ سے ذہن کی ہیجانی پُر آشوب کیفیت' اعصابی خلل اور انہضامی بیماریوں کا شکار ہیں اور اُن میں خودکشیوں' قتل و غارت' دیوالیہ پن' اثاثوں کی فروخت اور الکوحل کے استعمال کی وجہ سے شکستہ گھروں کی شماریات کو بھی ملا لیا جائے تو اُن کی تعداد اس قدر حیرت انگیز ہوگی جس کے مقابلے میں مے نوشی کے خلاف تمام ترغیبات اور تبلیغ بہت ہی کم معلوم ہوگی۔'' [''الحلال والحرام فی الاسلام'' --- یوسف القرضاوی (انگریزی ترجمہ) ص ۷۰]

''عیسائیت میں الکوحل کے مقام کی بابت خود چرچ کے افراد باہم مختلف الآراء ہیں۔ بعض کا استدلال یہ ہے کہ بائبل قلیل مقدار میں مے نوشی کی اجازت دیتی ہے کیونکہ یہ ہاضمہ کے لئے مفید ہے۔ لیکن اگر یہ بات درست ہے کہ شراب کی قلیل مقدار بھی ہاضمہ کے لئے مفید ہے تو اسلام نے اس قلیل مقدار کی بھی ممانعت کی ہے کیونکہ یہ قلیل مقدار کثیر مقدار کی طرف اور ایک گلاس دوسرے کئی گلاسوں تک لے جاتا ہے یہاں تک کہ آدمی اُس کا عادی بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الکوحل کی ممانعت میں اور اُن تمام راستوں کی بندش میں جو مے نوشی کی طرف لے جاتے ہیں' اسلام کا موقف بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔'' (یوسف القرضاوی' صفحہ ۷۱)

''<u>الکوحل جو بذاتِ خود ایک بیماری ہے' دوا نہیں بن سکتی</u>'': قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویہ کے متولہ بالا واضح متون سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام الکوحل کے خلاف محاذ آرائی میں اور مسلمان کو اس سے دور رکھنے میں مضبوط ہے کہ اُس نے مسلمان اور مے نوشی کے مابین رکاوٹیں کھڑی کر دیں حتیٰ کہ کوئی کھلا یا تنگ رخنہ باقی نہیں رکھا گیا کہ وہ شراب کو استعمال کر سکے یا اُسے چھو بھی سکے۔ مسلمان کو اس کی کثیر یا قلیل مقدار میں پینے کی اجازت نہیں دی گئی' اُسے اس کی خرید و فروخت' اُس کے بنانے اور اُسے بطور تحفہ دینے کی اجازت بھی نہیں دی گئی' اُسے اس کے اپنے گھر یا دکان پر لانے کی بھی اجازت نہیں ہے' اجتماعات اور محفلوں یا خوشی یا غم کے موقعوں پر اُسے شراب پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے' اُسے ایک غیر مسلم مہمان کو بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اُسے کسی کھانے یا مشروب میں اس کے ملانے کی اجازت نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کی جانب سے ایک سوال اٹھایا جاتا ہے جس کا جواب دیا جانا باقی ہے اور اس کا تعلق الکوحل کو بطور دوا کے استعمال سے ہے۔ اس سوال کا جواب نبی کریم ﷺ نے دیا جب ایک آدمی نے اُنہیں بتایا کہ وہ شراب کو بطور دوا استعمال کرتا ہے۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے بتایا: شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔ (مسلم' احمد' ابوداؤد)

منشیات کے بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی ممانعت کر دی ہے' اُس میں اُس نے علاج نہیں رکھا۔ لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اسلام شراب اور دوسری ممنوعہ اشیاء کو بطور دوا استعمال

کرنے سے منع کرتا ہے۔ ابن القیّم کا کہنا ہے :

''اگر الکوحل کو بطور دوا استعمال کرنے کی اجازت دے دی جاتی جبکہ لوگ اس کی طرف پہلے ہی سے مائل ہیں تو اِس سے اُنہیں حظ اندوزی اور سرور کے حصول کے لئے پینے کا بہانہ مل جاتا بالخصوص جبکہ لوگوں کے ہاں یہ تاثر ہے کہ الکوحل اُن کی صحت کے لئے مفید ہے' وہ اُن کی شکایتوں کو کم کرتا ہے اور بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔'' (''زادالمعاد' جلد سوم' صفحات ۱۱۵' ۱۱۶ بحوالہ یوسف القرضاوی)

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بیمار کا دوا کے ساتھ رویّہ کا اُس کے جلد یا بہ دیر صحت یاب ہونے پر کافی اثر ہوتا ہے۔ ابن القیّم جنہیں انسانی نفسیات پر کافی عبور حاصل تھا' اس نکتے کی یوں وضاحت کرتے ہیں :

''دوا کے مؤثر اور کارگر ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ مریض اُس کے کارگر ہونے پر یقین رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں صحت کی نعمت رکھ دی ہے۔ اب مسلمان مریض کا یہ عقیدہ کہ الکوحل جیسا کوئی خاص مادّہ حرام ہے' اُسے یہ یقین کرنے سے روکتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ فائدہ مند یا برکت والا بھی ہے۔ اس طرح اُس کا اُس پر بالکل یقین نہ ہوگا اور نہ ہی وہ اُسے بخوشی لے گا۔ اس کے برعکس مسلمان کا ایمان جس قدر مضبوط ہوگا' اُسی قدر اُسے ایسی حرام چیزوں سے نفرت ہوگی۔ پھر اگر وہ نفرت کرنے والی چیز کو بے دلی سے یا ہچکچاتے ہوئے لیتا ہے تو وہ اُس کے لئے علاج یا صحت نہیں بلکہ بیماری ہوگی۔'' (ایضاً)

<u>نشہ آور اشیاء (DRUGS)</u> : ''خَمر'' وہ ہے جو ذہن کو ماؤف کردے۔ منبر رسول ﷺ پر سے کہے گئے یہ الفاظ عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں جو ہمیں ''خَمر'' کی ممنوعہ قسم کے تحت حرام کے بارے میں فیصلہ کن معیار مہیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد کسی شک اور سوال کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہر وہ مادّہ جس میں ذہن کو ماؤف کردینے کا اثر ہو اور سوچ وفکر' قوّتِ ادراک ومشاہدہ (Perception) اور بصیرت وفہمیدگی (Discernment) کو مفلوج کر کے رکھ دے' اُسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے تاقیامت حرام کردیا ہے۔

''بھنگ' چرس' کوکین' افیون اور اس طرح کی دوسری نشہ آور اشیاء یقیناً ''خَمر'' کی ممنوعہ قسم میں شامل ہیں۔ یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ ایسی نشہ آور چیز کا استعمال حسّی ادراک (Sensory Perception) پر اثر انداز ہوتا ہے جس سے قریب کی چیز دُور اور دُور کی چیز قریب نظر آتی ہے اور یہ کہ اُن کا استعمال فریبِ نظر (Illusions) اور فریبِ خیال (Hallucination) پیدا کرتا ہے جس سے حقیقی چیز غائب ہو جاتی ہے اور تصوّراتی چیز حقیقی معلوم ہوتی ہے۔ نشہ آور اشیاء کا عمومی استعمال معقولیت اور قوّتِ فیصلہ کی صلاحیت کو مفلوج کر دیتا ہے۔ ایسی نشہ آور اشیاء آدمی کے احساسات کی اندرونی حقیقت اور مذہب اور زندگی کے بیرونی حقائق سے فرار کے طور پر لی جاتی ہیں جس سے وہ خیالی صورت گری اور تصوّراتی حیثیت دھار لیتے ہیں۔ نفسیاتی حقائق کے ساتھ ساتھ جسمانی اثرات بھی ہیں:

یعنی جسمانی کاہلی' اعصاب کی اُکتاہٹ اور جملہ صحت کی تنزلی۔ اخلاقی نتائج' اخلاقی بے حسی' قوتِ ارادی کی کمی اور ذمہ داریوں سے تغافل بھی مشہور زمانہ ہیں۔ نشہ آور اشیاء کے استعمال کا عادی شخص انجام کار معاشرے کا بیمار رکن بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ منشیات کا استعمال خاندان کی تباہی کا موجب بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ منشیات کا حصول زر طلب ہے' اس لئے نشے کا عادی نشے کی خرید کے لئے اپنے اہلِ خانہ کو ضروریاتِ زندگی سے محروم بھی کرسکتا ہے اور اپنی عادت کو پورا کرنے کے لئے غیر قانونی ذرائع بھی اختیار کرسکتا ہے۔''

''جب ہم اس اصول کو مدِّ نظر رکھتے ہیں کہ غیر خالص اور ضرر رساں اشیاء کو حرام کردیا گیا ہے تو پھر ہمیں نشہ آور اشیاء جیسی مکروہ چیزوں کی ممانعت سے متعلق کوئی شک نہیں رہتا جو اِس قدر جسمانی' نفسیاتی' اخلاقی' سماجی اور اقتصادی نقصان کا موجب ہیں۔''

الکوحل کے ضرر رساں اثرات پر مستند شہادتیں

(۱) ''الکوحلزم اور جرم کا باہمی قریبی تعلق مشہورِ زمانہ ہے۔ مختلف مقامات کی شماریات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پچیس سے پچاسی فیصد مجرم مے خوار اور نشہ خور ہوتے ہیں۔'' (The Jewish Encyclopaedia, Vol. 1, p. 233)

(۲) ''حد درجہ مے نوشی اور اخلاقی ضابطوں اور ریاستی قوانین کو توڑنے کے مابین قریبی تعلق کی بابت مستند شہادتیں موجود ہیں۔ یہ اعلیٰ دماغی اور اخلاقی صلاحیتوں کے مفلوج ہونے کا براہِ راست نتیجہ ہے جس کا بالآخر انجام سفلی جذبات کو کھلی چھٹی دے دینا ہے۔'' (Hastings' Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. 1, p. 301)

''اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کے مفلوج ہو جانے کے نتیجہ میں انسان درندگی کے مقام تک گر جاتا ہے۔ فخر الدین رازی اور علامہ آلوسی کا بیان ہے کہ ابن عابد الدنیا کا گزر ایک نشہ خور کے پاس سے ہوا جو پیشاب کرنے کی حالت میں اپنے پیشاب سے وضو کر رہا تھا اور (معاذ اللہ) یہ الفاظ کہہ رہا تھا: ''تمام تعریف اُس اللہ کی جس نے اسلام کو نور اور آسمان کو صاف و شفاف بنایا۔'' تو حدیثِ نبوی کہ ''شراب تمام خبائث کی جڑ ہے'' کی صداقت اس سے معلوم ہوگئی۔'' (''مقالاتِ سعیدی'' از علامہ غلام رسول سعیدی' صفحہ ۵۲۹)

(۳) ''الکوحل کا تعلق زہریلے کیمیاوی خانوادے سے ہے۔ عملی غذائیات میں نظریاتی لحاظ سے الکوحل کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔ یہ محرک اور تنومندی پیدا کرنے والی شے (Stimulant) نہیں ہے۔ جدید

ادویات میں یہ ایک طرف تو سکون پہنچانے والی ہے تو دوسری طرف بے حس کر دینے والی انتہائی زہریلی دوا ہے۔ مشروب کے طور پر اس کا استعمال جسمانی لحاظ سے غیر صحتمند، اقتصادی لحاظ سے تباہ کن، سماجی لحاظ سے اختلال انگیز اور مادّی لحاظ سے زہریلا ہے۔'' ("Alcohol : Its Use and Misuse"... Dastur, pp. 108, 109)

(۴) ''الکوحل کا بطور محلل انتہائی مفید شعبہ کارکردگی صنعتی مصنوعات میں ہے۔ خارجی طور پر بھی اسے استعمال میں لایا جاتا ہے۔'' (ایضاً)

اسلام کا پکا دشمن، آکسفورڈ کا ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ یہ بات ماننے پر مجبور ہے کہ ملکِ عرب میں مے خوری کی عادتِ راسخہ کی منسوخی پیغمبر علیہ السلام کی انتہائی محترم و باشرف اصلاح تھی۔ (Encyclopaedia Britannica, Vol. XVII, p. 407)

اسلامی تعزیراتی ضابطہ کی شدت کے پس پردہ منطق

(۱) اگر اسلامی تعزیری ضابطہ غیر انسانی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ اعمال و افعال جن پر مجرم کو سزا دی جاتی ہے، انسانی اور مہذّب ہوتے ہیں؟ شترِ بے مہار ہرجائی پن، غیر استحقاقی غصب، نیک و پارسا اور ناجائز جنسی دنیا سے بے خبر خواتین پر اتہام طرازی اور انہیں بدنام کرنا، معصوم اور بے گناہ جانوں کا قتل جس کے پیچھے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑی گئی آہ و فغاں کرنے والی بیوگان، اور سسکیاں لیتے ہوئے یتیم بچے رہ جاتے ہیں، کیا یہ سب شیطانی اعمال غیر انسانی نہیں ہیں؟ اور اگر ان جرائم کی سزا ارتکابِ جرم کی مناسبت سے دی جائے تو کیا یہ قابلِ ملامت ہوگی یا مبنی بر عقل و دانش ہوگی؟

(۲) ہر زمانے کے دانشور اس بات پر بہ یک زبان متفق رہے ہیں کہ اگر جسم کا کوئی حصّہ کسی لا علاج بیماری کا شکار ہو جائے جو باقی جسم کے صحتمندانہ فعل کے لئے نقصان دہ ہو تو بیمار عضو کو کاٹ کر جسم سے علیحدہ کر دیا جائے تا کہ صحتمند اعضاء اس سے متاثر نہ ہوں۔ سو اگر ایک چور، شرابی اور زانی کو کھلی چھٹی دے دی جائے اور اُس پر قانون کی پابندی نہ لگائی جائے تو وہ لازماً جرم میں بڑھتا ہی رہے گا اور اُس کی شترِ بے مہار آزادی مسلم سماج کو دوہرا نقصان پہنچائے گی: اوّل تو یہ کہ جرائم لوگوں کی عزت و وقار اور جائداد کے لئے خطرناک دھمکی ہوں گے اور دوم یہ کہ ان بیماریوں کے جراثیم معاشرے کے دوسرے صحتمند افراد کو بیمار اور مضمحل کر دیں گے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَرَجُلٍ وَّاحِدٍ (مؤمن ایک جسم کی طرح ہیں)۔ لہٰذا مسلم معاشرے کا اگر کوئی ایک فرد بھی بدی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جسم

ایک عضو خراب ہوگیا ہے جس کا منفی اثر لازماً دوسرے اعضاء پر پڑے گا۔ اس صورتِ حال میں کیا دوسرے صحتمند اعضاء کو بیمار عضو کے اثر سے بچانا معقولیت کی بات نہیں؟

(۳) ''یہ کہنا غلط ہے کہ رجم (سنگسار کرنے) اور درّے لگانے میں انسانیت کی تذلیل ہے۔ دراصل مجرم اور خطا کار کو درّے وغیرہ لگانا اس لئے ہے کہ اُس نے حدود اللہ کے اندر رہنا سیکھا ہی نہیں۔ اسلام کے تعزیری نظام میں انسانیت کی کوئی تذلیل نہیں بلکہ اُس میں سرکشوں اور نافرمانوں کی تذلیل ہے۔''

(۴) ''اسلام کا تعزیری نظام کچھ نفسیاتی اثرات کو بھی شامل ہے اور دیکھنے والوں پر اَن مٹ اثرات چھوڑ جاتا ہے۔ اس تعزیری ضابطہ کے پس پردہ منطق اور فلسفہ دو طرح کا ہے: اوّل اصلاحی مقصد یعنی برائی اور جرم کی بیخ کنی اور دوم اُن لوگوں کے لئے عبرتناک سبق جن میں ذرّہ بھر بھی برائی کی طرف میلان ہے۔ جب ایک مجرم کو علانیہ طور پر درّے لگائے جاتے ہیں یا سنگسار کر کے ختم کر دیا جاتا ہے' تو یہ لازماً دیکھنے والوں پر نفسیاتی اثر چھوڑتا ہے۔ جب ایک سزا یافتہ یا کسی عضو سے معذور شخص نظروں کے سامنے سے گزرتا ہے تو اُس جرم کے خلاف نفرت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔''

(۵) ''جرائم کی سزا کے تعیّن کے بارے میں ہمیں فیصلہ دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ تعیّن اُس ذاتِ کردگار کا خاصہ ہے جس کے حکم کی نافرمانی کی گئی ہے۔ کوئی بھی حکم یا فیصلہ صادر کرنے میں وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہے۔ جب ہم نے اُسے مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کر لیا ہے تو ضعیف البنیان انسان کو اُس کے فیصلوں پر تنقید کرنا زیب نہیں دیتا۔ اُس کے تعزیری ضابطہ میں مخاطبین صرف وہ لوگ ہیں جو اُسے مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں' نہ کہ اُس کے نافرمان بندے مخاطبین ہیں۔''

(۶) ایک حدیثِ نبوی کے مطابق صاحبِ اقتدار و اختیار یعنی حاکم کو بروزِ قیامت اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا جس نے کرسیِ اقتدار و اختیار پر براجمان ہوتے ہوئے مجرم کو ''حد'' کی مقررہ تعداد سے ایک درّہ بھی کم لگانے کا حکم دیا تھا تو اُس سے اُس کی وجہ پوچھی جائے گی جس کا وہ یہ جواب دے گا کہ یہ میں نے تیرے بندے پر ترس کھانے کی وجہ سے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے جواب میں فرمائے گا: کیا تم ہم سے زیادہ اُس پر مہربان تھے؟ پھر ''حد'' کے نفاذ میں سست مندی کی بناء پر اُسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔'' (تفسیر کبیر لفخر الدین رازی)

(۷) ایسی تنقیدات کرنے سے پہلے ناقدین کو یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ نوعِ انسان کا جمع شدہ تجربہ یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر معتدل اور سوچی سمجھی شدت بہت پُر اثر ہوتی ہے۔ مجرموں کے لئے نرمی اور بے مقامی

رُو رعایت ہر زمانہ میں اُن کے لئے اُکسانے والا گناہ ثابت ہوئی ہے ۔ کوئی شک نہیں کہ اسلام کا تعزیراتی ضابطہ اپنی فطرت میں سخت اور شدید ہے، تاہم وہ کامل حکمت اور مکمل مصلحت پر مبنی ہے ۔ ایک لمحہ کے لئے ذرا تصوّر کیجئے کہ آپ کی ہمدردی کا کون زیادہ مستحق ہے؟ وہ بیوہ، یتیم اور امن پسند بے گناہ شہری جس کی زندگی بھر کی خون پسینے کی کمائی لوٹ لی جاتی ہے اور غصب کر لی جاتی ہے ۔ یا وہ موٹا، ہٹا کٹا مشٹنڈا ڈاکو جو جائز ذرائع سے اپنی روزی کما کر زندگی بسر کر سکتا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ جب سے ظالموں اور جابروں نے مظلوموں کی نسبت زیادہ ہمدردیاں حاصل کرنی شروع کی ہیں، تب سے جرم اور مجرم اقلیدسی ترقی (Geometric Progression) سے اضافہ پذیر ہوتے جا رہے ہیں ۔ کیا قانون کی رکھوالی ہماری ایجنسیاں یعنی پولیس، مجسٹریٹ اور جیلیں جرائم کو ختم یا کم کر سکی ہیں؟ وہ رویّہ جو بیماری کو بڑھانے کا سبب بن رہا ہے، مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے اور مجرم کو سزا ملنے پر آہ فغاں کرنے والی اور اشک ریزی کرنے والی آنکھ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بالکل نہیں رو رہی ۔

(۸) بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ اسلام کو اُس کے تعزیری نظام کی شدت اور درندگی کا الزام دینے والے یہ نہیں سوچتے کہ یہ سزائیں خدائی سزائیں ہیں اور اس لحاظ سے انہیں غیر سنجیدگی سے نہیں لینا چاہئے ۔ اللہ ایسے احکام صادر کرتا ہے جو اُس کی لامتناہی حکمت کے متقاضی ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ دنیا بھر کا انسانی تجربہ بتاتا ہے کہ اعلیٰ اخلاقی تعلیم اور گہری مذہبی نشو و نما اور تربیت کے بعد یہ نتائج کا خوف ہی ہے جو جرائم کی روک تھام کرتا ہے ۔ سورۃ المائدہ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے :۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّٰهِ (المائدۃ : ۳۸)

''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، اُس (جرم) کی پاداش میں جو اُنہوں نے کیا ہے ۔ یہ اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے ۔'' (۵ : ۳۸)

(۹) ایسے لوگوں کو Drawing and Quartering پر بھی نگاہ کر لینی چاہئے جو انگریزی فوجداری ضابطے کی ایک سزا تھی اور جو اٹھارویں صدی تک قائم رہی ۔ یہ سزا اُن لوگوں کو دی جاتی تھی جو حکومت یا بادشاہ کے خلاف بغاوت کے مرتکب ہوتے تھے ۔ پھانسی کے مقام تک لے جانے کے لئے باغی کو بالعموم برف گاڑی پر کھینچ کر بٹھایا جاتا تھا ۔ وہاں اُسے کٹ گھڑ پر کھڑا کر کے پھانسی دی جاتی تھی، اُس کی آنتیں باہر نکل آتی تھیں ۔ ابھی اُس میں کچھ جان باقی ہوتی تھی کہ اُس کا سر تن سے جدا کر دیا جاتا تھا اور اُس کی لاش کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا ۔ انگلستان اور آئرلینڈ کے بہت سے کیتھولک ایسی موت سے دوچار ہوئے ۔ ہنری سوم اور ایڈورڈ اوّل کے ادوارِ حکومت میں اس بات کے کافی ثبوت ملتے ہیں کہ سنگین جرم کی سزا عام طور پر موت تھی اور یہ ملک کا قانون بن گیا جو 1826ء تک نافذ رہا ۔ .. "History of the Criminal Law of England")

Stephen, Vol. 1, p. 458)

اسی طرح ''حمورابی' یونانی اور رومن ضابطوں میں چوری کی سزا بعض صورتوں میں موت ہے۔ انگلستان کے عمومی قانون میں اب تک بڑی چوری اور مالک کے گھر سے ایک شلنگ کی قیمت سے اوپر کے سامان کی چوری ایک سنگین جرم تھا۔'' (Encyclopaedia Britannica, Vol. XIII, p. 721)

انسان اپنے ابنائے جنس کو جس درندگی کے انداز سے سزا دینا چاہے' دیتا ہے۔ ننگے انسانی اعضاء کی قطع برید کرکے' مجرم کو اُس کی بہنوں' بیٹیوں کے سامنے ننگا کرکے' اُسے بجلی کے شدید جھٹکے دے کر اور اُسے نفسیاتی اور جسمانی اذیتیں دے کر موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔۔ تو کیا یہ سب کچھ احترامِ آدمیت کی علامت ہے؟ وہ اُن لوگوں کو سزا دیتا ہے جو نہ تو اُس کی مخلوق اور نہ ہی اُس کے مملوک ہیں اور اس درندگی کے خلاف کوئی اعتراض نہیں اٹھایا جاتا جبکہ کائنات کا مالک جب اپنے مجرم کو سزا دیتا ہے جو اُس کی مخلوق اور مملوک بھی ہے اور وہ سزا بھی نسبتاً نرم ہے' تو اُس کے ضابطے کے خلاف اعتراضات کا ایک ہنگامہ خیز طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے!!

<u>کیا مجرم سزا پانے کے بعد اپنے گناہ سے پاک وصاف ہو جاتا ہے؟</u> اسلامی تعزیرات کے سیاق وسباق میں یہ اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ کیا مجرم اس دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی آخرت میں مزید سزا بھگتے گا اور آیا اس دنیا کی سزا پہلی قسط ہے اور دوسری قسط وہ یومِ آخرت میں ادا کرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اُس پر ''حد'' کا نفاذ ہونے سے قبل اگر وہ فی الواقع اپنے کیے پر نادم اور تائب ہے اور آئندہ وہ جرم نہ کرنے کا عزمِ صمیم کیے ہوئے ہے تو قرآنی فیصلہ کے مطابق وہ آخرت میں جوابدہ نہ ہوگا:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (المائدۃ : ۳۴)

''مگر جن لوگوں نے قبل اس کے کہ تم اُن پر قابو پا جاؤ' توبہ کر لی تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

اور اگر مجرم کی سرکشی رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد بھی جوں کی توں رہے تو اُس کی دنیاوی سزا کافی نہ ہوگی اور یومِ آخرت میں اس کی سزا اور بھی سخت ہوگی جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں قرآن حکیم کا فیصلہ ہے:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O (المائدۃ : ۳۳)

''یہ تو دنیا میں اُن کی رسوائی ہے اور اُن کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔'' (۵ : ۳۳)

<u>LAW OF TORT IN ISLAM اسلام میں ہرجانہ اور حق تلفی کا قانون</u>

<u>TORT کیا ہے؟</u> Tort کی اصطلاح اور لفظ Wrong ہم معنیٰ ہیں۔ Tort کا لفظ لاطینی لفظ Tortum سے ماخوذ ہے جبکہ لفظ Wrong اپنے اصل معنیٰ (خطا) میں ہے۔ انگریزی اور لاطینی کے ان دونوں لفظوں کا معنیٰ کج اور ٹیڑھا

رویّہ ہے۔مجرم کو قید و بند یا کوئی اور سزا دی جاتی ہے اور اُسے زخم خوردہ شخص کے نقصان کی تلافی کر دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔'' ("Islamic Law of Tort"... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, p. 1)

TORT کی مختلف شکلیں

(۱) زِنا کاری: ابنِ رُشد نے زِنا کی حسبِ ذیل تعریف کی ہے اور مسلمان فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے:

هُوَ عَلاَقَة'' جِنْسِيَّة''بَيْنَ رَجُلٍ وَّامْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ لاَ يَرْبِطُ بَيْنَهُمَا الرِّبَاطُ الشَّرْعِيُّ وَ هُوَ الزَّوَاجُ (بداية المجتهد لابن رُشد، جلد ۲، صفحه ۳۲۴)

''زِنا مرد اور اجنبی عورت کے ساتھ جنسی تعلق کا نام ہے، اُن کے درمیان شرعی تعلق یعنی نکاح نہیں ہوتا۔''

غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لئے زنا(Fornication) کے ''حد'' کی سزا ایک سو دڑے ہیں جیسا کہ سورۃ النّور میں وارد ہوا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: ۲)

''زنا کار مرد اور زنا کار عورت (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کو سو سو دِڑے مارو۔''

شادی شدہ مرد اور عورت کے لئے زِنا(Adultery) کے ''حد'' کی سزا رجم ہے یعنی سنگسار کر کے اُنہیں ختم کر دیا جائے۔سزا کا یہ عمل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودہ کے مطابق ہے۔

شادی شدہ مرد و عورت زانیہ کے لئے زِنا(Adultery) اور غیر شادی شدہ مرد و عورت زانیہ کے لئے (Fornication) کے لفظ آتے ہیں۔ان دونوں کی سزائیں حسب ذیل ہیں:

(۱) دڑّے لگانا۔
(۲) ملک سے جلا وطنی / قید و بند
(۳) رجم (سنگساری)

اوّل الذکر دو سزائیں غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے ہیں جبکہ مؤخر الذکر (سوم) شادی شدہ مرد و عورت کے لئے ہے۔مفسرینِ کرام ''زانی محصَن'' اور ''زانی غیر محصَن'' کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جن کی وضاحت حسب ذیل ہے:

لفظ مُحصَن کی وضاحت: اس لفظ کا مصدر ''حِصن'' ہے جس کا معنیٰ قلعہ (حفاظت گاہ) کا ہے۔

اصطلاح میں یہ لفظ شادی شدہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اُسے مُحصَن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ نکاح کے بندھن میں بندھ کر شیطانی حملوں سے محفوظ ہو کر قلعہ بند اور حفاظتی حصار میں آجاتا ہے۔ لہٰذا جنسی تسکین کے لئے مرد کی بیوی اور اُس کا شوہر ایک دوسرے کے لئے حفاظتی پناہ گاہ میں ہو جاتے ہیں۔

قانونی ضرورت کی تکمیل کے لئے مفسرین کرام نے مُحصَن مجرم خواہ وہ مرد ہو یا عورت، درج ذیل پانچ شرطیں عائد کی ہیں :

(۱) وہ آزاد ہو اور غلام یا لونڈی نہ ہو۔

(۲) وہ بالغ ہو۔ بلوغت کی عمر کے لئے آراء مختلف ہیں۔ کچھ کے نزدیک یہ اٹھارہ سال اور کچھ کے نزدیک یہ پندرہ سال ہے۔ تاہم بلوغت کی عمر کا تعین متعلقہ علاقہ کے مطابق ہوگا۔

(۳) وہ سمجھ دار ہو اور فاتر العقل یا مجنوں، دیوانہ یا سر پھرا نہ ہو کیونکہ اسلام کے تمام احکام کا اطلاق سمجھدار لوگوں پر ہوتا ہے۔

(۴) اُس کا نکاح کسی آزاد مرد/عورت سے ہو نہ کہ غلام یا لونڈی سے۔

(۵) اُس نے اپنی رفیقہ حیات/اپنے رفیقِ حیات سے ازدواجی تعلق قائم رکھا ہو۔

لفظ غیر مُحصَن کی وضاحت: ہر وہ مجرم جس میں درجِ بالا شرائط میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے، غیر مُحصَن کہلائے گا۔ مثلاً وہ شادی شدہ تو ہے لیکن دیوانہ یا فاتر العقل ہے تو اُسے غیر مُحصَن کہا جائے گا۔

زانی مُحصَن کی سزا: زانی مُحصَن کی سزا قرآنِ مجید سے ثابت نہیں بلکہ احادیثِ متواترہ سے اور فقہاء کے اجماع سے ثابت ہے۔ اس کی مقرر شدہ سزا یہ ہے کہ مجرم کو کھڑا کیا جائے اور لوگ اُسے پتھر مار کر ختم کر دیں۔ جیسا کہ متعلقہ حدیث میں وارد ہوا:

اَلثَّیِّبُ بالثَّیِّبِ اَلجَلدُ وَالرَّجمُ (منهاج الصالحين : عزالدين)

''اگر شادی شدہ جوڑا زنا کرے تو اُن کی سزا درّے لگانا اور سنگساری ہے۔''

اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا :

لَا یَحِلُّ دَمُ اِمرِءٍ مُسلِمٍ اِلَّا بِاِحدٰی ثَلَاثٍ : اَلثَّیِّبُ الزَّانِیُ وَالنَّفسُ بِالنَّفسِ وَالتَّارِکُ لِدِینِہٖ

''کسی مسلمان کا قتل جائز نہیں مگر تین کا: شادی شدہ زانی، قاتل اور دین (اسلام) سے پھر جانے والے کا۔''

مدینہ منورہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کچھ شادی شدہ صحابہ/صحابیات کو زنا میں ملوث ہونے پر رجم کی سزا دی جس کی دو مشہور مثالیں حضرت ماعز اسلمی اور حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

خلفائے راشدین نے بھی اپنے اپنے زمانۂ خلافت میں کئی مجرموں کو یہ سزا دی اور کسی صحابی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے رجم کی سزا احادیثِ متواترہ اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے۔ (مؤطا امام مالک: کتاب الحدود، ماجاء فی الرجم)۔

زانی غیر مُحصَن کی سزا: غیر شادی شدہ زانی رزانیہ کی سزا قرآنِ حکیم اور سنتِ نبوی کی رُو سے سو درّے اور ایک سال کی قید یا جلاوطنی ہے۔ سو درّوں کی سزا سورۃ النور کی اِس آیت سے ثابت ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: ۲)

''زناکار عورت ☆ اور زناکار مرد (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کو سو سو دِرّے مارو۔''

قید و بند اور جلاوطنی کی سزا احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

زناکاری کے ثبوت کے ذرائع: زناکاری کا جرم خواہ مجرم زانی محصن ہو یا غیر محصن، ذیل کے دو طریقوں میں سے کسی ایک کے ذریعے ثابت کیا جا سکتا ہے:

(ا) **ثبوت بذریعہ شہادت**: گواہوں میں مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے:

(i) گواہوں کی تعداد کسی بھی طرح چار سے کم نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۱۵ میں حکم ہوا: فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ (تم میں سے چار گواہ اُن کی گواہی دیں)۔

(ii) گواہ مرد، بالغ، آزاد (نہ کہ غلام) اور صحیح العقل ہونے چاہئیں۔ نابالغ لڑکے، عورت یا اندھے کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔

(iii) گواہ غیر مسلم نہیں بلکہ مسلمان ہونے چاہئیں جیسا کہ اوپر مِّنْكُمْ کا لفظ (تم میں سے) بتا رہا ہے۔

(iv) تمام گواہ سمجھدار، نیک، پارسا، خدا خوف (متقی) اور معتدل مزاج کے ہونے چاہئیں۔

☆ یہاں زانیہ کا ذکر زانی کے ذکر سے پہلے ہوا جبکہ سورۃ المائدہ کی آیت ۳۸ میں جنس کی ترتیب کو بدل دیا گیا ہے اور وہاں چور مرد (السَّارِق) کا ذکر پہلے اور چور عورت (السَّارِقة) کا ذکر بعد میں ہوا۔ اس کی وجوہ یہ ہیں: (۱) سورہ النور کی آیت دوم میں جنسی جرم کا ذکر ہے جبکہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۳۸ میں جسمانی جرم (چوری) کا ذکر ہے۔ (۲) جنسی کشش مرد کی نسبت عورت میں زیادہ ہوتی ہے۔ (۳) دعوتِ گناہ بالعموم عورت کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ مرد کی جانب سے۔ (۴) قحبہ خانے اور چکلے ہمیشہ عورتوں کے ہوتے ہیں۔ اِنہی وجوہ کے باعث سورہ النور میں زانیہ کا ذکر زانی سے پہلے ہوا۔
لیکن چوری کا جرم سراسر جسمانی قوت، بہادری، جرأت اور مردانہ حوصلہ سے متعلق ہے اور یہ خصوصیات مرد ہی میں پائی جاتی ہیں۔ نیز چور بالعموم مرد ہی ہوا کرتے ہیں۔ چور عورتیں بہت کم دیکھی گئی ہیں اور وہ بھی معمولی قسم کی چوریوں میں۔ اس لئے سورۃ المائدہ میں چور مرد کا ذکر چور عورت سے پہلے ہوا۔

(v) اس بدفعل کے ہر قدم میں گواہوں کو عینی شاہد ہونا چاہیے ۔ جوڑے کا کمرے میں مشکوک حالت میں داخل ہونے کا دیکھا جانا کافی نہ ہوگا اور نہ ہی یہ کافی ہوگا کہ اس فعلِ بد کے ابتدائی یا آخری اقدام کو دیکھ کر زنا کا فیصلہ کر دیا جائے ۔ بلکہ ہر ہر اقدام کا اُنہیں عینی شاہد ہونا ضروری ہے ۔

(۲) <u>ثبوت بذریعہ اقرارِ جرم</u>: زِنا کے قبیح فعل کے ثبوت کا دوسرا طریقہ زانی رزانیہ کے اقرارِ جرم کا ہے ۔ اگر مجرم اپنے جرم کا اقرار کر لے تو اُس کے اقرار کی تصدیق و توثیق کے لئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے :

(i) وہ بالغ اور سمجھ دار ہو ۔

(ii) اقرارِ جرم کے بعد سزا ملنے کے وقت تک وہ اپنے بیان پر قائم رہے ۔ اگر وہ اس دوران کسی بھی وقت اپنے بیان سے منحرف ہو جائے تو جرم ثابت نہ ہوگا ۔

(iii) مجرم کو چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار مختلف صورتوں میں کرنا چاہیے ۔ صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ ہوگا ۔ مثال کے طور پر اگر ایک نشست میں وہ اقرارِ جرم کرے تو اُس سے پوچھا جائے گا کہ آیا اُس نے یہ اقرار دیوانہ پن میں کیا ہے یا ازراہِ مذاق وطعن کیا ہے ۔ اسی قسم کے مختلف استفسارات کے تحت اگر وہ چار مرتبہ اقرارِ جرم کر لے تو اس کے اقرار کی تصدیق و توثیق اور قابلِ اعتماد ہوگی اور اُس وجہ سے اُسے '' حد '' کی سزا دی جائے گی ۔

<u>مجرم کو کیسے سنگسار کیا جائے</u> ؟ مجرم کو ایک خاص میدان میں جو صرف اِسی مقصد کے لئے تیار کیا گیا ہو' کھڑا کیا جائے ۔ تمام لوگ اُس زانی رزانیہ پر پتھر برسائیں ۔ پتھر اس قدر بڑے نہ ہوں جن سے مجرم کی فوری موت واقع ہو جائے اور نہ ہی اتنے چھوٹے ہوں کہ مجرم رمجرمہ کی تکلیف میں اضافہ ہو ۔ پتھر اُس کے جسم کو مارے جائیں گے' سر اور منہ کو نہیں مارے جائیں گے ۔

اگر زانیہ عورت ہے تو اُس کا جسم مکمل طور پر اس طرح ڈھانپا جائے کہ اُس کا کوئی حصّہ ننگا نہ رہے ۔ پھر اُسے ایک گڑھے میں کھڑا کیا جائے جس سے اُس کی چھاتی تک جسم چھپ جائے اور اس طرح اُسے رجم کر کے ختم کر دیا جائے ۔ یہ سزا موسمِ سرما اور گرما میں ہر وقت دی جا سکتی ہے ۔ اگر زانیہ حاملہ ہو تو اُس وقت تک اُسے رجم نہیں کیا جائے گا جب تک بچہ پیدا ہونے کے بعد از خود کھانا پینا نہیں لیتا ۔

<u>زنا کے غیر قانونی اور حرام ہونے کی وجوہ</u>: حسب ونسب کی حفاظت میں اسلام بہت حسّاس ہے ۔ اس لئے وہ براہِ راست ہر ایسے اِقدام کی بیخ کنی کرتا ہے جو انسانی حسب ونسب کے لئے موجب خطرہ ہو یا اس میں شک کا باعث بنے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی سماجی تنظیم کی بنیادی وحدت خاندان' کنبہ یا گھر ہے جو والدین اور اُن کی اولاد کے ذریعے تشکیل پاتا ہے ۔ وراثت' وصیّت' نکاح و طلاق' حقوقِ والدین' حقوقِ اولاد' حقوقِ ہمسایہ تمام

کے تمام اسلامی احکام اسی سماجی تنظیم سے متعلق ہیں۔اگر سماجی تنظیم تباہ ہونا شروع ہو جائے بہ ایں معنی کہ حقوقِ والدین کا پاس نہ رہے اور بیوی اور بہن، بیٹی کے درمیان فرق باقی نہ رہے تو سماج کے بندھن مستقل طور پر ڈھیلے ہو جائیں گے۔اِسی وجہ سے اسلام نے ایسا تنظیمی نظام وضع کیا ہے جس میں بچوں کے حسب ونسب میں شک وشبہ (یعنی زنا) کبیرہ گناہ کا سبب بنتا ہے۔قرآنِ حکیم کا حکم ہے :

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًاO (بنی اسرائیل : ۳۲)

''اور زنا کے پاس بھی مت جاؤ، یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔'' (۱۷ : ۳۲)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نکاح کا حکم دیا ہے اور زنا سے روکا ہے تاکہ بغیر کسی شک وشبہ یا ابہام کے پدریت قائم رہے اور یہ کہ بچہ باپ کی طرف اور باپ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف منسوب ہو۔نکاح کے ذریعے عورت صرف ایک مرد کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے۔عورت کے لئے اپنے خاوند سے بے وفائی کرنا یا کسی کو اُس چیز تک رسائی دینا حرام ہے جو صرف خاوند کی ہے۔اس طرح نکاح کے بندھن میں پیدا شدہ بچہ اُس کے خاوند کا ہوگا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''بچہ اُسی کی طرف منسوب ہوگا جس کے بستر پر اُس نے جنم لیا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

(II) <u>ارتداد (دین سے پھر جانا۔--Apostasy)</u> : یہ ارتداد کلام اور فعل کے ذریعے یا عقیدتاً ہو سکتا ہے۔ایسے شخص کو ''مرتد'' کہا جاتا ہے۔

<u>ارتداد کی سزا</u> : ارتداد کی سزا موت ہے جیسا کہ سورۃ التوبۃ کی اس آیت سے ثابت ہے :

وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَO (اَلتّوبۃ : ۱۲)

''اور اگر یہ لوگ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو تم اِن قائدین کفر سے جنگ کرو (اس صورت میں) اُن کی قسمیں باقی نہیں رہیں تاکہ یہ باز آجائیں۔'' (۹:۱۲)

''ذمّی جب دینِ اسلام پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے تو وہ معاہدۂ امن سے نکل جاتا ہے اور اُس کا قتل جائز ہو جاتا ہے۔آیت میں سرداروں کے قتل کے حکم میں عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے۔سرداروں کی تصریح اہتمام وخصوصیت اور تاکید کے لئے ہے۔اُن کے قتل سے عوام خود بخود منتشر یا مطیع ہونے لگیں گے۔'' (ماجدی اردو، ص ۳۹۶)

قرآن مجید میں ارتداد کے بنیادی تصوّر کا بالوضاحت بیان ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص ایسے فعل کا ارتکاب

زبانی طور پر، حقیقی طور پر یا دینی طور پر کرتا ہے جو اسلام کے بنیادی عقائد اور ضوابط کے خلاف ہو تو اُسے کافر بلکہ مرتد گردانا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ پاک ہوا :

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ O (البقرۃ : ۲۱۷)

''اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور پھر وہ کافر ہی مرے تو ایسے لوگوں کے دنیا و آخرت میں (سب) اعمال برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (۲:۲۱۷)

اگر مسلمان کسی جبر و تشدد کے تحت دینِ اسلام سے منحرف ہو جائے تو اُسے نہ تو مرتد کہا جائے گا اور نہ ہی اُسے موت کی سزا دی جائے گی جیسا کہ سورۃ النّحل میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O (النّحل : ۱۰۶)

''جو کوئی اللہ سے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے بجز اس صورت کے کہ اُس پر زبردستی کی جائے دراں حالیکہ اُس کا دل مطمئن ہو (تو وہ تو مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر ہی سے کھل جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔'' (۱۶ : ۱۰۶)

ایمان لانے کے بعد ارتداد کی سزا شریعت میں بہت ہی سخت ہے اور بہت ہی سخت ہونی بھی چاہئے کیونکہ بغاوت سے بڑھ کر دنیا کے سارے قانونِ تعزیرات میں اور سنگین جرم ممکن ہی نہیں اور بغاوت بھی وفاداری کے عہد و پیمانِ مؤکد کے بعد! مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ رسالت سے انکار، قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے سے انکار، عقیدۂ حشر و نشر سے انکار، یہ سب بھی کفر باللہ میں آ گیا۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ یعنی اُسے ڈرا دھمکا کر یا مبتلائے عذاب کر کے اُسے زبان سے انکار پر مجبور کر دیا گیا ہو تو ایسا شخص وعید سے مستثنیٰ ہے۔ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ یعنی دل ایمان پر مطمئن ہو اور عقیدہ میں فتور نہ آنے پائے اور دل سے اُس قول و فعلِ کافرانہ کو بُرا سمجھے۔ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا یعنی وہ مذہب کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگے۔

اس آیت کا شانِ نزول عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے والدین کریمین کے بہیمانہ قتل کا ہے۔ والدین کے تڑپتے ہوئے لاشوں کو دیکھ کر ابو جہل کی دھمکی پر جان بچانے کی خاطر جناب عمار رضی اللہ عنہ نے کچھ کلماتِ کفر کہہ دیئے تو اُن کی جان بخشی ہو گئی۔ روتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں پہنچے کہ حضرت! میں تو کلماتِ کفر کہہ کر کافر ہو گیا۔ رؤف و رحیم آقا ﷺ نے پوچھا: اُن کلماتِ کفر کہتے وقت تمہارے دل کی کیفیت کیا تھی؟ عرض کیا: میرا دل ایمان و ایقان پر مطمئن تھا اور میں اُن کلمات کو نہاں خانۂ دل سے برا سمجھ رہا تھا۔ اس موقع پر اس آیت کا نزول ہوا کہ جبر و تشدد کے تحت کہے گئے کلمات پر گرفت نہیں بشرطیکہ دل ایمان کی دولت سے لبریز اور مطمئن ہو۔

آزادانہ اور خود مختارانہ ارتداد کے نتیجہ کی وضاحت سورہ آلِ عمران میں یوں کی گئی ہے :

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَالْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَO (آلِ عمران:۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔'' (۸۵ : ۳)

يَّبْتَغِ کا لفظ واضح طور پر آزادانہ اور خود مختارانہ ارتداد کو ظاہر کر رہا ہے اور جبر و اکراہ اور تشدد کے ارتداد کو اس زمرہ سے خارج کر رہا ہے۔

''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ (یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے) وغیرہ متعدد آیتوں میں یہ مضمون صاف صاف بیان ہو چکا ہے کہ سچا اور مقبول دین صرف یہی دین ہے جس کی کتاب قرآن ہے اور جس کے لانے والے اور سکھانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں۔ اس ایک دین کے علاوہ اور جتنے بھی دین و مذہب چلے ہوئے ہیں' سب کی مثال کھوٹے اور جعلی سکّوں کی سی ہے کہ کہنے کو سکّے وہ بھی ہیں لیکن جب چل نہ سکے تو اُن کا سکّہ ہونا نہ ہونا برابر۔ یہ آیت اس حقیقت کو اور زیادہ تاکیداً آشکار کر رہی ہے۔ دوسرے ادیان و مذاہب کو بھی اِس دینِ حق کی طرح سچا سمجھنا' ہر دین و مذہب کو نجات کے لئے کافی سمجھنا' سب مذہبوں کو ملا جلا کر اُن کا ایک ملغوبہ تیار کرنا یا یہ کہنا کہ دَیر و حرم' کعبہ و کلیسا سب یکساں ہیں' گمراہی و بے دینی کی انتہائی شکلیں ہیں۔ اکبر' دارا شکوہ وغیرہ ان ناکام کوششوں کے لئے بجا طور پر بدنام ہو چکے ہیں اور بڑے قلق کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض اہلِ قلم ایسی ہی نامراد کوششیں کر چکے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۱۴۳' نوٹ: ۱۹۰)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی مختلف مواقع پر ارتداد کی سزا عائد کی۔ آپ کے مندرجہ ذیل فرمودات اور آپ کے خلفائے راشدین کا عمل اس حقیقت کا کھلا ثبوت ہیں :

(۱) جو کوئی دینِ اسلام سے منحرف ہو جائے تو اُسے موت کی سزا دو۔ (جامع ترمذی ؛ بلوغ المرام)

(۲) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون جو توحیدِ الٰہی اور نبی علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کرتا ہو' نہ بہایا جائے بجز ان تینوں میں سے کسی ایک کے: شادی شدہ زانی' قاتلِ (ناحق) اور وہ مسلمان جو دینِ اسلام سے پھر جائے اور اپنے آپ کو مسلم سماج سے جدا کر لے۔ (ابوداؤد' جلد دوم' صفحہ ۵۹۸)

(۳) یمن میں بطور قاضی ہونے کے عرصہ کے دوران معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مسلمان دینِ اسلام سے منحرف ہو کر یہودیت کی طرف چلا گیا۔ حضرت معاذ نے حکم صادر کیا کہ جب تک میں اُسے موت کے گھاٹ نہ اتار دوں' چین سے نہ بیٹھوں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ

کا یہی فیصلہ ہے۔ پھر آپ کے حکم کے تحت مرتد کو سزائے موت دی گئی۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، بلوغ المرام)
(۴) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص کی لونڈی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برا بھلا کہا کرتی تھی۔ مالک اُسے روکتا لیکن وہ رکتی نہ تھی۔ جب اُس لونڈی کو گستاخی سے باز رہنے کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو مالک نے رات کے کسی وقت میں اُسے قتل کر دیا۔

اُس لونڈی کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برا بھلا کہنے کا عمل واضح طور پر اسلام سے منحرف ہو جانا تھا۔ اس لئے اُس کا قتل قانوناً جائز تھا اور اس میں کوئی فوجداری پیچیدگی نہیں تھی۔ جب نبی علیہ السلام کو اُس کے قتل کی اطلاع دی گئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا: ''اس بات پر گواہ رہو کہ یہ قتل قابلِ سزا یا قابلِ انتقام نہیں ہے۔''

موت کی سزا کے علاوہ ارتداد کے چار دیگر قانونی نتائج ہیں :
(۱) نکاح کا تحلیل (ختم) ہو جانا
(۲) حق جائداد سے محرومی۔
(۳) حق وراثت سے محرومی۔
(۴) نگرانکاری اور سرپرستی (Guardianship) کے حق سے محرومی۔

سزا کا جواز : اسلام کے بعض ناقدین ارتداد کے لئے سزائے موت کو بلا جواز اور انسان کی بنیادی آزادی کا گلا گھونٹنا سمجھتے ہیں۔ وہ اس سزا کو قرآنی روح کے خلاف سمجھتے ہیں کہ جب قرآن نے کہہ دیا کہ دین میں کوئی جبر نہیں (البقرۃ:۲۵۶) تو یہ سزا کیسی!۔ وہ اس بات پر مصر ہیں کہ اسلام کے پیغام اور سزا کی اس نوعیت کے مابین بنیادی عدمِ توافق اور ہم آہنگی کا فقدان ہے۔

لیکن اسلام کے خلاف یہ الزام مندرجہ ذیل وجوہ کے باعث بے بنیاد ہے:۔
(۱) مخالفین کی جانب سے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ کے حوالہ کا تعلق دینِ اسلام سے منحرف ہونے یا اس کی سزا سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی مذہب پر عمل کرنا مشکل ہو جائے تو مستثنیات موجود ہوتی ہیں اور لوگوں کو وقت کی ناخوشگوار ضروریات کی تسکین کے لئے رعایتیں دی جاتی ہیں۔

(۲) اگر مذکورہ آیت کا اطلاق غیر مسلمین پر کیا جائے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اُنہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اسلامی ریاست کے تحت رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں کو اُن کے مذہب، زندگی اور جائداد کے تحفظ کی مکمل ضمانت دی جاتی ہے اور اسلام قبول کرنے کے لئے اُن پر جبر نہیں کیا جاتا۔ اسلامی تاریخ رواداری کی لاتعداد مثالوں سے پُر ہے۔ اس ضمن میں آرنلڈ کی کتاب Preaching of Islam کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے۔

(۳) شریعتِ اسلامی کے مطابق اسلام سے پھر جانا حیاتِ انسانی کی تباہی کے برابر ہے۔ اگر یہ ارتداد (پھر جانا) فی الواقع تباہی ہے تو پھر ارتداد کے لئے موت کی سزا اتنی شدید نہیں ہے کیونکہ عقیدے کا کوئی نظام جس کا دعویٰ اپنے مکمل ضابطہ حیات کا ہو، اپنے اخلاقی اور فکریاتی اداروں پر تباہی و بربادی نہیں لاسکتا۔

(۴) سماج کی فلاح و بہبود کے لئے اگر اُس سیاسی آزادی کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو ریاست کے استحکام کے لئے خطرے کا موجب ہو تو اسی طرح مسلمانوں کو بے لگام مذہبی آزادی کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مرتد ہو جائیں جو بالآخر ریاست کے فکری استحکام اور اخلاقی بلندی کے لئے خطرے کا موجب بن جائے۔

(۵) غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر کاربند رہنے یا اُس سے پھر جانے کا پورا اختیار ہے۔ اُنہیں مسلمان ہونے پر بھی مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم جبراً اسلام قبول کرلے اور بعد میں اُس سے پھر جائے تو اُسے مرتد نہیں کہا جائے گا اور اُسے ''حد'' کے تحت موت کی سزا نہیں دی جائے گی۔

اِن دلائل کی روشنی میں یہ کہنا درست نہیں کہ ارتداد پر موت کی سزا ظالمانہ، متشددانہ اور غیر انسانی ہے کیونکہ یہ فرد اور سماج دونوں کی فکریاتی اخلاقی بلندی کا یقین دلاتی ہے۔ یہ نہ تو قرآنِ حکیم اور نہ ہی انسانی آزادی کے اصول کے خلاف ہے۔ ارتداد پر ''حد'' کی سزا عائد کرنے کی شرط یہ ہے کہ سزا دئے جانے سے قبل مرتد کو دوبارہ اسلام قبول کرنے کا موقع دیا جائے۔ اسلام کی صداقت کی موافقت میں معقول استدلال کے ذریعے وہ اسلام دوبارہ قبول کرسکتا ہے۔ اُس کے اُن شکوک وشبہات کو بھی دور کیا جاسکتا ہے جنہوں نے اُسے ارتداد پر مجبور کردیا تھا یہاں تک کہ وہ اسلام کی صداقت اور آفاقیت کا قائل ہو جائے۔ اگر وہ اِن ترغیباتی اور وضاحتی ذرائع کی پیشکش کا انکار کردے تو اُسے قید و بند میں رکھ کر موت کی دھمکی دینے کے ساتھ کوئی اور جسمانی سزا دی جاسکتی ہے۔ یہ سب کچھ اُس کے ارتدادی فعل کی حوصلہ شکنی کے لئے ہے تاکہ عارضی طور پر گم شدہ بھیڑ کے بچے کی طرح وہ بالآخر امن و آشتی کے حفاظتی حصار میں آجائے۔ یہ ترغیبات یا جسمانی قید مختلف نوعیت کی ہیں جو تین دن، بیس دن یا ایک مہینہ کی ہوسکتی ہیں۔ (تلخیص: "Legal Character of Islamic Punishments" .. Prof. Dr. Mohammad Tahir-ul-Qadri, pp. 56-68)

ارتداد بہرحال بغاوت اور سرکشی ہے جو بالآخر تمام سابقہ وفاداری اور نیکی کے کاموں کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیتی ہے۔ اللہ کے دین کی مذمت کرنا گستاخی کی انتہائی بدترین شکل ہے اور یہودیت اور عیسائیت دونوں مذاہب میں گستاخی کی سزا موت ہے۔ یورپ کے لادینی قانون میں اب تک یہ نمایاں جرم ہے جس کی سزا موت ہے۔ سکاٹ لینڈ کے قانون میں شروع ہی سے گستاخی کی سزا موت رہی ہے۔ فرانس میں سزا موت کی مختلف شکلوں میں تھی مثلاً زندہ جلادینا، اعضاء کی قطع و برید، جسمانی اذیت وغیرہ۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا، جلد چہارم، صفحہ ۴۴) طبع ۱۱۔

(III) دیت : خوں بہا (Blood-Money) : ''دیت' خوں بہا یا تلافی کی ایک صورت ہے جو قتل' زخمی کرنے اور حملوں کی صورتوں میں متاثرہ فریق کو ادا کیا جاتا ہے۔ ("A History of Islamic Law" ... N.J. Coulson, p. 236)

خوں بہا قبل از اسلام کے جاہلی عربوں میں رائج تھا جسے قرآنِ حکیم نے بھی قائم رکھا۔ اس طرح خوں بہا' قصاص کی بجائے قرآنی حکم ہو گیا۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ ربانی ہوا :

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ أَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (البقرۃ)

''مومنو! تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلہ میں آزاد' غلام کے بدلہ میں غلام' عورت کے بدلہ میں عورت' ہاں جس کسی کو اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے تو معقول (اور نرم) طریق پر مطالبہ کرنا چاہئے اور مطالبہ کو اُس (فریق) کے پاس بہ خوبی پہنچا دینا چاہئے' یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے' سو اس کے بعد جو کوئی بھی زیادتی کرے گا' اُس کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔'' (۲ : ۱۷۸)

لفظ مِنْ أَخِيْهِ کی بلاغت و معنویت سر دُھننے کے لائق ہے۔ قتل سے بڑھ کر شدید ہیجان' جذباتِ انتقام و اشتعال پذیری کا موقع اور کونسا ہو سکتا ہے۔ اس انتہائی جذباتی موقع پر بھی یہ لفظ لا کر بتا دیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہو جاتا' وہ بہرحال تمہارا اسلامی بھائی تو ہے۔ اگر معاف کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل پھر جڑ جائیں اور اسلامی معاشرے کے دامن میں جو چاک پڑ گیا ہے' اُسے پھر سے سی دیا جائے۔ ربِّ ذوالجلال والاکرام کے کلامِ مقدّس کی یہی لطافتیں تو تھیں جنہوں نے عرب کے سرکشوں کو مطیع بنا دیا تھا۔''

آیت میں ''شَيْءٌ'' کا لفظ بھی اہم ہے۔ یعنی سزائے واجب کا کچھ حصّہ چھوڑ دیا جائے نہ کہ تمام تر معاف کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں بلکہ اُسے کوئی ہلکی سزا دے کر یا خوں بہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصّہ اُسے معاف کر کے اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔

''اِعتِداء یعنی زیادتی کی صورتیں کئی ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ مقتول کے وارث خوں بہا وصول کر لینے کے بعد بھی انتقام لینے کی کوشش کریں یا قاتل خوں بہا ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے اور مقتول کے وارث نے جو احسان اُس کے ساتھ کیا ہے' اُس کا بدلہ احسان فراموشی سے دے۔'' (تفہیم القرآن از ابوالاعلیٰ مودودی' ج ۱' ص ۱۳۹)

دیت (خوں بہا) کا ثبوت سورۃ النساء کی آیت ۹۲ سے بھی ثابت ہے۔

دیت کے قانون کا اطلاق قتل کی چار اقسام پر محیط ہے :
(۱) قتلِ خطاء (۲) قتل شبہ العمد (۳) قتلِ عمد (۴) قتل بالسبب

''قتلِ خطاء کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ فعل میں خطاء ہو جائے۔ مثلاً انسان ایک ہرن کا نشانہ لے رہا تھا اور گولی کسی انسان کو لگ گئی۔ دوسری صورت شبہ العمد قتل کی ہے یعنی کسی شخص کو ایسے آلہ سے ضرب لگائی جائے جس سے قتل نہیں کیا جاتا۔ اس کا قصد صرف ضرب لگانا ہو' قتل کرنا نہ ہو لیکن اُس ضرب کے نتیجہ میں مضروب مر جائے۔ قتلِ عمد وہ قتل ہے جس میں جان نکالنے کے لئے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے جو جسم کے ظاہر اور باطن میں مؤثر ہو۔ قتلِ بالسبب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا جس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہو گیا یا کوئی شخص کسی سواری پر تھا اور اُس سواری نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا۔ آج کل ٹریفک کے حادثات میں کار' ٹرک یا بس کے نیچے آ کر جو لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں' وہ بھی قتل بالسبب ہیں۔'' (فتاویٰ عالمگیری' ج ٦' ص ۳' مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ' بحوالہ ''تبیان القرآن'' از علامہ غلام رسول سعیدی' جلد ۲' ص ٧٥٦)

دیت کی اقسام : اسلامی شریعت میں دیت کی دو قسمیں ہیں :
(۱) **دیتِ مغلّظہ** (گراں قدر دیت) : دیت کی یہ قسم قتلِ خطا اور قتلِ شبہ العمد میں دی جاتی ہے۔
(۲) **دیتِ خفیفہ** : دیت کی اس قسم کا اطلاق قتل کی باقی اقسام اور دوسرے جرائم پر ہوتا ہے۔

دیتِ مغلّظہ : اِن تخصیصات کے ساتھ دیتِ مغلّظہ کو ایک سو اونٹوں یا اُن کی قیمت پر مشتمل ہونا چاہیے :
(۱) اِن سو اونٹوں میں سے پچیس بنتِ مخاض ہونی چاہئیں یعنی جن کی عمر کم از کم ایک سال ہو۔
(۲) اُن میں سے پچیس بنتِ لبون ہوں یعنی جن کی عمر کم از کم دو سال ہو۔
(۳) اُن میں سے پچیس حِقّہ ہوں یعنی جو اپنی عمر کے چوتھے سال میں ہوں۔
(۴) اُن سو میں سے پچیس جذعہ ہوں یعنی جو اپنی عمر کے پانچویں سال میں ہوں۔

دیتِ مغلّظہ کی تخصیصات : دیتِ مغلّظہ کا تعیّن خود ختمی مرتبت آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:
''یقین جانو کہ قتلِ خطا اور قتلِ شبہ العمد میں دیت ایک سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس اونٹنیاں حاملہ ہونی چاہئیں یا حمل کی عمر کے قریب ہونی چاہئیں۔''

دیتِ خفیفہ : اس دیت کی تخصیصات کی بنیاد بھی مندرجہ ذیل حدیثِ نبوی پر ہے جس کے راوی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں :

دِيَةُ الْخَطَاءِ خُمَاساً: عِشْرُوْنَ حقه وَعِشْرُوْنَ جَذْعَة وَعِشْرُوْنَ بَنَاتُ مَخَاض وَعِشْرُوْنَ بَنَاتُ لَبُوْنٍ وَ عِشْرُوْنَ بَنِيْ لَبُوْن (بلوغ المرام، صفحه ۱۴۹)

''قتلِ خطا جس کی دیت سو اونٹ ہیں، درج ذیل پانچ تخصیصات کو محیط ہیں :

(۱) اُن سو اونٹوں میں سے بیس حقّہ ہوں (یعنی جو اپنی عمر کے چوتھے سال میں ہوں)۔
(۲) بیس اونٹنیاں جذعہ ہوں (یعنی جو اپنی عمر کے پانچویں سال میں ہوں)۔
(۳) بیس اونٹنیاں بناتِ مخاض ہوں (یعنی جن کی عمر ایک سال ہو)۔
(۴) بیس اونٹنیاں بناتِ لبون ہوں (یعنی جن کی عمر دو سال ہو)۔
(۵) بیس اونٹنیاں بنی لبون ہوں (یعنی جن کی عمر تین سال ہو)۔[بلوغ المرام، صفحہ۱۴۹]۔

فقہ کے چاروں امام بغیر کسی مادّی اختلاف کے اِن تخصیصات پر باہم متفق ہیں۔

''ہم عصری مماثلت : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے اونٹوں کی اِن تخصیصات کی بنیاد عربوں کے روایتی قوانین ہیں جنہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پسند فرمایا۔ تاہم نبی علیہ السلام نے دیت کی مقدار کو صرف اونٹوں یا گائیوں یا بکریوں تک محدود نہیں کیا۔ یہ تخصیصات صرف اس حقیقت کے بیان میں ہیں کہ اگر دیت کی ادائیگی اونٹوں کی شکل میں ممکن اور قابلِ عمل ہے تو ٹھیک، ورنہ نقدی کی صورت میں بھی دیت ادا کی جاسکتی ہے۔ اب دیت کی رقم کی تخصیص اونٹوں، گائیوں یا بکریوں کی مطلوبہ تعداد کی رقم رائج الوقت کرنسی کی شکل میں کی جاسکتی ہے۔'' ("Legal Character of Islamic Punishments" .. Prof. Dr. Mohammad Tahir-ul-Qadri, pp. 88-92)

ردُّ المختار میں یہ بیان ہے :

''دورِ جدید میں قتلِ شبہ العمد کی صحیح تلافی اونٹوں کی بجائے نقدی کی شکل میں ہونی چاہیے۔ ایسی صورت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہونے چاہئیں۔'' (''ردُّ المختار'، جلد ۵' صفحہ ۵۰۴)

(IV) حبسِ بے جا (Confinement): اسلام میں تحفظِ جان اور نقل و حرکت کی آزادی انسان کا بنیادی آئینی حق ہے۔ اس حق کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو دوسرے شخص کی زندگی یا اُس کی ذمہ داریوں پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں بجز اس کے کہ قانون اُسے ایسا کرنے کا اختیار دیتا ہو۔

نقل و حرکت کی آزادی کی ضمانت کے سلسلہ میں درج ذیل آیات بطور حوالہ بیان کی جاسکتی ہیں:

(۱) وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِيْنَ O (سبا: ۱۸)

''اور ہم نے اُن کے اور اُن کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی' (دُور سے) نظر آنے والی بستیاں آباد کر رکھی تھیں اور ہم نے اُس میں سفر ٹھہرا دیا تھا' اُن میں رات دن بے کھٹکے سفر کرو۔'' (۳۴:۱۸)

(۲) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (الْمُلْک : ۱۵)
''وہ وہی (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا' سو تم اُس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ پیو۔'' (۶۷ : ۱۵)

(۳) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاO لِّتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًاO (نوح : ۱۹' ۲۰)
''اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تا کہ تم اُس کے کھلے راستوں میں چلو پھرو۔'' (۱۹' ۷۱:۲۰)

فقہائے اسلام نے اس اصول کی خلاف ورزی کی مذمت کی ہے اور ضرورت کے بغیر حبسِ بے جا کی ممانعت کی ہے۔ شریعتِ اسلامی میں ''حبس'' کے وسیع معنیٰ ہیں جس میں قید و بند اور ممانعتی روک ٹوک دونوں شامل ہیں۔ ابن القیم نے ''حبس'' کی تعریف قید و بند کی محدود لحاظ سے نہیں کی بلکہ ''روک ٹوک'' اور ''ذاتی آزادی سے محرومی'' سے کی ہے۔ تمام فقہاء قاضیوں اور ججوں سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ جیلوں کا معائنہ کریں اور بے گناہ قیدیوں کو وہاں سے آزادی دلوائیں۔

تحفظِ حیات' آزادی' عزت و آبرو کے حقوق کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں کس خوبصورتی سے سمویا اور فرمایا:

''تمہاری زندگیاں' جائداد اور عزت و آبرو تمہارے لئے قیامت تک کے لئے اسی طرح محترم ہیں جس طرح کہ یہ دن۔'' (سیرت النبی ﷺ لابن ہشام)

خلیفہ ثانی عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو خطاب فرماتے ہوئے لوگوں کو حبسِ بے جا میں رکھنے سے منع کیا تھا اور فرمایا تھا:

''اے عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنایا ہے جبکہ اُن کی ماؤں نے اُنہیں آزاد جنا ہے۔'' (''عمر فاروق رضی اللہ عنہ'' ۔۔محمد حسین ہیکل' جلد دوم' صفحہ ۲۱۹' طبع مصر)

اسلامی ریاست میں کسی شخص کو قانونی چارہ جوئی کے بغیر قید و بند کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ شہری کی آزادی کے حق کو ہنگامی حالات میں بھی قانونی چارہ جوئی کے بغیر سلب نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو یوسف کا کہنا ہے:

''یہ بات بالکل جائز نہیں کہ کسی ملزم کو زندان خانہ میں کسی کی طرف سے لگائے گئے الزام کی بنیاد پر (یونہی) ڈال دیا جائے۔'' (کتاب الخراج' صفحہ ۱۰۷)

حکومتِ وقت کو کسی شہری کو شک و شبہ کی بناء پر سزا دینے کا اختیار نہیں ہے ۔منصفانہ اور بے رُو رعایت عدالتی کارروائی ہر شہری کا بنیادی حق ہے ۔منصفانہ اور غیر جانبدارانہ عدالتی کارروائی کا خلاصہ خلیفۂ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اُس ہدایت نامہ میں ہے جو اُنہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اُن کی بطور قاضی تعیناتی کے وقت دیا تھا:

''عدل و انصاف کا اہتمام اللہ قادرِ مطلق اور اُس کے پیغمبر علیہ السلام کا فیصلہ کن حکم ہے جس کا نفاذ بہر صورت ہونا چاہئے ۔اگر کوئی مقدمہ تمہارے ہاں درج ہوتا ہے تو محتاط غور و فکر کے ساتھ فیصلے صادر کرو (اور اُن کا نفاذ بھی کرو) کیونکہ عدالتی کارروائی کے بغیر صحیح فیصلہ صادر نہیں ہو سکتا ۔'' (''اعلام الموقعین'' جلد ا' ص ۷۱)

اسلام نے یہ اصول بھی متعین کیا ہے کہ کسی شہری کو اُس وقت تک قید نہیں کیا جا سکتا جب تک اُس کا جرم کھلی عدالت میں ثابت نہ ہو جائے ۔کسی شخص کو محض شک و شبہ کی بناء پر گرفتار کرنے اور مناسب عدالتی کارروائی کے بغیر اور اُسے اپنی صفائی کا معقول موقع دئے بغیر اُسے جیل میں ڈال دینے کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ۔اس سلسلہ میں الٰہی حکم بالکل واضح اور عیاں ہے جس میں فرمایا :

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء : ۵۸)

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کیا کرو ۔'' (۵۸ : ۴)

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت کی گئی :

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ (الشوریٰ : ۱۵)

''اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔'' (۱۵ : ۴۲)

یہاں ''عدل'' سے مراد منصفانہ قانونی کارروائی ہے ۔

شہری کا دوسرا اہم حق اُس کی ذاتی آزادی کا تحفظ ہے ۔اسلام میں ملزم کو اپنی صفائی کے لئے معقول موقع دئے بغیر اور قانونی کارروائی کے بغیر ذاتی آزادی کی خلل اندازی نہیں ہو سکتی ۔

امام خطّابی کہتے ہیں کہ نظر بندی (حراست) کی دو قسمیں ہیں : (۱) عدالتی حکم کے تحت حراست یعنی جب کسی کو عدالت کی جانب سے سزا ہو جائے تو سزا کی مدت ختم ہونے تک اُسے حراست میں رکھا جائے ۔(۲) تفتیش کے لئے حراست ۔ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت ایسی نہیں ہے جس میں کسی شخص کو اُس کی آزادی سے محروم کر دیا جائے ۔

(v) ہتکِ عزت (Defamation): یکم اکتوبر ۲۰۰۲ کو صدرِ پاکستان کی جانب سے اعلان کردہ آرڈیننس میں ہتکِ عزت کی یہ تعریف کی گئی ہے:

''کسی بھی غلط کام کی اشاعت یا جھوٹے بیان کی نشر و اشاعت یا اُس کی نمائندگی خواہ وہ زبانی طور پر ہو یا تحریری طور پر یا بصری طور پر جو کسی کی نیک نامی کو نقصان پہنچائے اور اُسے دوسروں کی نظروں میں حقیر کر دے یا اُسے تمسخر کا نشانہ بنائے' غیر منصفانہ تنقید' ناپسندیدگی' نفرت وحقارت ان سب کو ہتکِ عزت کے جرم میں قابلِ کارروائی سمجھا جائے گا۔''

''ہتکِ عزت کی دو صورتیں ہیں: یعنی بہتان طرازی (الزام تراشی Slander) اور ازالہ حیثیتِ عرفی (Libel)۔ کوئی بھی زبانی جھوٹا بیان یا اُس کی نمائندگی جو ہتکِ عزت کا موجب ہو' وہ آرڈیننس کے تحت الزام تراشی کے طور پر قابلِ کارروائی ہوگا۔ اُسی آرڈیننس کے تحت کوئی بھی جھوٹا تحریری' مسوداتی یا بصری بیان یا اُس کی نمائندگی جو عام صورت میں دیا جائے یا اس کا اظہار کیا جائے یا برقی ذریعہ سے یا کسی اور جدید طریقے سے عمل میں لایا جائے' سب ہتکِ عزت کے زمرہ میں ہوگا اور الزام تراشی کے طور پر قابلِ کارروائی ہوگا۔'' (روزنامہ ''ڈان'' لاہور' مورخہ ۲ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

قرآنِ مجید میں ہتکِ عزت کے اسلامی قانون کو اس طرح ٹھوس شکل دی گئی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (الحُجرات: ۱۱)

''مومنو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارا کرو۔'' (۱۱ : ۴۹)

اپنی رائے کے اظہار کے فطری حق میں کسی شخص کو دوسروں کے کردار اور شہرت کو بٹہ لگانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ارسطو کے بیان کے مطابق: ''تمام خارجی اثاثوں میں عزت و آبرو سب سے بڑا اثاثہ ہے جس کی اعلیٰ منصب کے لوگ آرزو رکھتے ہیں اور یہ انعام شریف ترین کاموں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔'' چونکہ ہر شخص زندگی میں آسودہ رہنا چاہتا ہے' اپنے ابنائے جنس کی نظروں میں اُس کی عزت و وقار قدرتی طور پر اُس کے نزدیک قابلِ قدر سرمایہ ہوتا ہے۔ دراصل کردار کا ضیاع زندگی کے ضیاع سے بڑھ کر دکھ اور ذہنی پریشانی کا موجب ہوتا ہے۔

ہتکِ عزت کے جرم میں بنیادی رُجحان یہی ہوتا ہے کہ اُس دکھ کا سبب بنا جائے جو صرف اُسی کو محسوس ہوتا ہے جو اپنے ابنائے جنس کے ناموافق جذبات کا ہدف بنا ہے۔ ہتکِ عزت کی سزا دینے میں اصل مقصد بے داغ کردار کے لوگوں کی نیک نامی کو جوڑے رکھنا ہے۔'' ("Law of Defamation and Malicious Prosecution" ... Sheikh Abdul Halim, pp. 1, 2) Lahore, 1982.

ہتکِ عزت خطا کاری ہے جو دیوانی اور فوجداری دونوں لحاظ سے سخت قابلِ سزا ہے۔ابن قدامہ نے نبی اکرم ﷺ کا ایک فرمودہ بیان کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''سات تباہ کرنے والی چیزوں سے بچو جن میں سے ایک پاک دامن مسلمان عورتوں کی ہتکِ عزت ہے۔'' (''المغنی'' لابن قدامہ' جلد دہم' صفحہ ۲۰۱)

''قذف کی طرح ہتکِ عزت خاندان کے اندر زبردست تخریب کاری کرتی ہے۔'' (''آثار التشریع الاسلامی''۔۔۔ابراہیم آفندی' صفحہ ۲۵۵) طبع قاہرہ ۱۳۲۸ھ۔

''ہتکِ عزت کی دوسری صورتوں میں مثلاً کسی کو چور کہنا' شرابی کہنا یا بے ایمان کہنا ''تعزیر'' کی سزا دی جائے گی۔'' (''التشریع الجنائی''۔۔۔عبدالقادر عودہ' جلد دوم' صفحہ ۴۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض نہ رکھو' قیمت بڑھانے کے لئے بولی نہ دو' کسی ایسے لین دین میں نہ پڑو جس میں دوسرے لوگ پڑ چکے ہوں' آپس میں بھائی بھائی اور اللہ کے بندے بن جاؤ۔مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ نہ اُس پر تشدد کرتا ہے اور نہ ہی اُسے ذلیل کرتا ہے' نہ ہی اُس سے نفرت کرتا ہے۔مسلمان کے لئے یہ انتہائی بُری بات ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے۔مسلمان کی تمام چیزیں اُس کا خون' اُس کی دولت اور اُس کی عزت وآبرو اُس کے دینی بھائی کے لئے مقدس اور قابلِ احترام ہیں۔'' (انگریزی ترجمہ صحیح مسلم از عبدالحمید صدیقی' صفحہ ۱۳۶۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہتکِ عزت کے اسلامی قانون میں بہت سی ممنوع چیزیں ہیں جو یہ ہیں:

(۱) گفتگو میں اِدھر اُدھر کی ہانکنا اور بے نتیجہ بحث کرنا جس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوں' اسی لئے یہ ہتکِ عزت کے ضمن میں آتا ہے۔

(۲) غیر متعلق اور فضول گفتگو کی ممانعت ہے کیونکہ یہ اکثر غیر معقول ہوتی ہے۔گفتگو میں ضرب المثل ''اختصارِ کلام عقلمندی کی روح ہے'' کو لازماً اپنایا جائے۔

(۳) فحش اور قابلِ اعتراض گفتگو ممنوع ہے' مثلاً شرابی مجلسوں کی بات کرنا اور اخلاق باختہ لوگوں کے قصے بیان کرنا کیونکہ اسلام ایسے لوگوں پر تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔

(۴) گفتگو میں دخل اندازی (Cross-talking) کی سخت ممانعت ہے کیونکہ یہ رکیک اور توہین آمیز فضا کا موجب بنتی ہے جس کا نتیجہ حاضرین میں ابتری پھیلنے میں نکلتا ہے۔

(۵) لڑائی جھگڑے کی ممانعت ہے کیونکہ بنیادی طور پر وہ عوامی اجتماعات میں مذہبی بحث مباحثہ کا نتیجہ

ہوا کرتے ہیں جس میں مخالف طبقات کے نمائندگان فضول بحثوں میں پڑتے ہیں۔ فرمودہ رسول ﷺ ہے کہ اللہ کے نزدیک تمام لوگوں میں بدتر جھگڑالو آدمی ہے۔

(۶) مبالغہ آمیزی اور تکلف کی گفتگو کی ممانعت ہے کیونکہ مبالغہ آمیزی غیر متعلقات اور غلط چیزوں کی طرف لے جاتی ہے۔

(۷) دوسروں کو گالی دینا اور اُنہیں بُرا بھلا کہنا ممنوع ہے۔

(۸) نہ صرف انسانوں کو بلکہ جانوروں اور دوسری مخلوقات کو بددعا دینے کی ممانعت ہے۔

(۹) فضول لٹریچر اور اتہام طرازی کی شاعری کی اسلام میں بندش ہے۔ صرف اُس شاعری کی اجازت بلکہ قابلِ تحسین ہے جو دشمنانِ اسلام کے خلاف بہادری کے جذبات ابھارے اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا قرب عطا کرے۔

(۱۰) دوسروں پر ہنسنے اور اُن کا تمسخر اڑانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ دلوں میں بدظنی پیدا کرتی ہے اور غلط فہمیوں کو جنم دیتی ہے۔

(۱۱) سورۃ الحُجُرات کا حوالہ دیتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں وارد حکم کا مطلب دوسروں کی عیب جوئی نہ کرنا اور اُنہیں بہ نظرِ حقارت نہ دیکھنا ہے۔ دوسروں پر ہنسنا منع ہے کیونکہ اس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اس میں دوسروں کی تحریر پر اور اُن کے قدوقامت پر مذاق اڑانا شامل ہیں۔

(۱۲) لوگوں کے سربستہ رازوں کو شہرت دینا ممنوع ہے کیونکہ یہ عمل دوستی کے تعلق کو توڑ دیتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ راز ایک مقدس امانت ہے۔

(۱۳) جھوٹ بولنے اور قسمیں اٹھانے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ کئی بیماریوں کی جڑ ہے۔ مثلاً اگر ایک سوداگر اپنے مالِ تجارت کے بارے میں جھوٹی قسم اٹھاتا ہے تو وہ اپنی غلط بیانی سے خریدار کو مالی نقصان پہنچاتا ہے۔

(۱۴) غیبت بھی ممنوع ہے کیونکہ وہ معاشرے میں ناگفتہ بہ مصائب لاتی ہے اور اُس نے تقریباً ہر گھر کی فضا کو زہر آلود کر دیا ہے۔

(VI) غیبت: یہ مذموم صفت بہت ہی خطرناک ہے جس نے فرد اور سماج دونوں کو ہر زمانہ میں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی رُو سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''غیبت'' کی یہ تعریف کی ہے:

ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ : أَفَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: اِنْ كَانَ فِيْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدِاغْتَبْتَه، وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّه (صحيح مسلم)

''اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے وہ پسند نہ کرے۔ پوچھا گیا: اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود نہ ہو جس کا میں ذکر کروں؟ آپ نے فرمایا: اگر اُس میں وہ چیز موجود ہو جس کا تو ذکر کرے' تو یقیناً تو نے اُس کی غیبت بیان کی اور اگر اُس میں وہ بات نہیں ہے تو پھر تو نے اُس پر بہتان باندھا ہے۔''

کسی آدمی کی عدم موجودگی میں اُس کی صرف بدگوئی کرنے کا نام ہی غیبت نہیں ۔ غیبت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ اُن تمام اعمال و افعال کو شامل ہے جو کسی آدمی کی عدم موجودگی میں اُسے ذلیل کرنے میں خاصا منفی کردار ادا کرتی ہے یہاں تک کہ تمسخر اور طعن کا انداز اپنانا بھی غیبت میں شامل ہے ۔ قرآنِ حکیم میں غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے (سورۃ الحجرات : ۱۲) ۔

غیبت کی بعض جائز صورتوں کا بیان : یہ بات ذہن نشین رہے کہ ایک مظلوم کو اپنے ظالم کے خلاف اُس کی عدم موجودگی میں بھی بدگوئی کرنے کی اجازت ہے تاکہ لوگوں کو اُس کے مظلوم ہونے کا علم ہو اور وہ اُس کی شکایت دُور کرنے کی کوشش کریں ۔ اس سلسلہ میں قرآنِ حکیم تسکین بخش نکتہ اور امرت فراہم کرتا ہے :

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا O (النساء : ۱۴۸)

''اللہ کسی کی بری بات کا بہ آوازِ بلند کہنا پسند نہیں فرماتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ خوب سننے اور خوب جاننے والا ہے ۔'' (۴ : ۱۴۸)

اَلْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ کے تحت میں پسِ پشت بھی کسی کے عیب کی تشہیر آ گئی اور اُس کے روبرو تلخ کلامی کی بھی ۔ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ مظلوم البتہ اپنے دل کا بخار بک جھک کر بھی نکال سکتا ہے اور حاکم کے سامنے فریاد بھی لے جا سکتا ہے ۔ انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ بجز شریعتِ اسلامی کے اور کس نے کیا ہے ؟ سَمِیْعًا ایک طرف تو ظالم کو تنبیہ ہے کہ مظلوم کہیں فریاد لے کر جائے یا نہ جائے ' اللہ تو بہرصورت اُس کی سن ہی رہا ہے اور دوسری طرف مظلوم کو بھی ترغیب دی ہے کہ لوگوں کے آگے خواہ مخواہ زیادہ روتا گاتا نہ پھرے ' یہ یقین رکھے کہ اللہ تو بہر حال سننے والا ہے ۔ عَلِیْمًا یہ صفت لا کر بھی ظالم و مظلوم دونوں کو یاد دلایا ہے کہ کوئی زبان سے نکالے یا نہ نکالے ' اللہ پر تو ہر ظلم کی نوعیت و حقیقت عیاں ہی ہے ۔ (ماجدی)

مندرجہ ذیل صورتوں میں غیبت کرنا بالکل جائز ہے :

(۱) مظلوم کے لئے جائز ہے کہ وہ ایسے مجاز افسر کی طرف اپنا معاملہ لے جائے جس کے پاس حکمرانی کا اختیار ہو یا ظالم کو سزا دے کر انصاف کرنے کی طاقت ہو ۔

(۲) خلافِ شرع کاموں کے روکنے اور برائی کے مرتکب کو راہِ راست پر لانے کے لئے مدد حاصل کرنا ۔ مقصود صرف برائی کا روکنا اور ازالہ کرنا ہو ۔ اگر یہ مقصود نہیں تو ایسی شکایت حرام ہو گی ۔

(۳) مفتی کے پاس جا کر فتویٰ طلب کرنا کہ فلاں شخص نے مجھ پر اس طرح ظلم کیا ہے تو کیا اُسے اس کا حق حاصل ہے ؟ تو ایسا کہنا بوقتِ ضرورت جائز ہے ۔

(۴) مسلمانوں کو برائی سے ڈرانا اور اُن کی خیر خواہی کرنا ۔ مثلاً جب ایک شخص کسی طالب علم کو دیکھے کہ وہ

شریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے کسی بدعتی یا فاسق کے پاس جاتا ہے اور وہ یہ اندیشہ محسوس کرے کہ طالب علم کو اس بدعتی یا فاسق سے نقصان پہنچے گا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کا حال بیان کرکے اُس کی خیر خواہی کرے، بشرطیکہ مقصد صرف خیر خواہی ہی ہو۔

(۵) جو شخص بھی کھلم کھلا غلط کام کرے، اُس کا بیان کرنا جائز ہے تاکہ اُس کا ازالہ ممکن ہو سکے۔ اس کے علاوہ اُس کے دوسرے عیبوں کا جو مخفی ہوں، بیان کرنا حرام ہے۔

(۶) جب انسان کسی لقب کے ساتھ معروف ہو جیسے اعمش (چندھا)، اعرج (لنگڑا)، بہرا، اندھا اور بھینگا وغیرہ تو اس کے لئے تعارفی نام یا لقب کا استعمال جائز ہے۔ تاہم توہین و تنقیص کی نیت سے اِن الفاظ کا استعمال حرام ہے اور اگر مذکورہ معروف القاب کے بغیر اُس کا تعارف ممکن ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

اِن چھ اسباب میں اکثر پر علماء کا اتفاق ہے جن کی وجہ سے دوسروں کے عیبوں کا بیان جائز ہے جس کا ایک ثبوت درج ذیل حدیث ہے جس کی راویہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں:

اَنَّ رَجُلاً اِسۡتَأۡذَنَ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: اِئۡذَنُوۡا لَه، بِئۡسَ اَخُوا الۡعَشِيۡرَةِ (متفق علیه)

''ایک آدمی نے نبی ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: اُسے اجازت دے دو، یہ اپنے خاندان کا بُرا آدمی ہے۔'' (صحیح بخاری: کتاب الادب، باب: ما یجوز من اغتیاب اهل الفساد ؛ صحیح مسلم: کتاب البرّ، باب: مداراة من یتقی فحشه)

گویا جو شخص برے کردار کا حامل ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر لوگوں کو اُس کے کردار سے آگاہ نہ کیا گیا تو بہت سے لوگ اُس کے دامِ تزویر میں پھنس جائیں گے جس سے اُن کے دین یا دنیا دونوں کو نقصان ہوگا، تو ایسے شخص کی غیبت کرنا جائز ہے۔ (ریاض الصالحین۔۔۔ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، جلد ۲، ص ص ۴۰۱ تا ۴۰۴)

کسی پر شک و شبہ کرنے اور عیب جوئی کی ممانعت: سورۃ الحُجرات کی آیات ۱۱، ۱۲ کچھ اُن برائیوں سے متعلق ہیں جو آج کے نام نہاد ''مہذب سماج'' میں عام پائی جاتی ہیں۔ یہ برائیاں دولت و ثروت کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں کیونکہ تن آسانی کی زندگی میں لوگ دوسروں کی عیب جوئی کرنے میں زیادہ مائل ہوتے ہیں جس سے دوستانہ اُنس و موافقت اور برادرانہ شفقت و مودّت کی جگہ باہمی نفرت لے لیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''شک و شبہ سے بچتے رہو کیونکہ شک و شبہ سنگین جھوٹ ہے، ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو، ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، آپس میں بغض، نفرت اور عناد نہ رکھو۔ صلہ رحمی کو نہ کاٹو اور اسی طرح بھائی بھائی بن کے رہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ کے صحیح معنوں میں بندے بن جاؤ۔'' (''صحیح مسلم'' کا انگریزی ترجمہ از عبدالحمید صدّیقی، صفحہ ۱۳۶۱)

(VII) مے نوشی : قرآنی لفظ خَمر کا معنیٰ ہر وہ چیز ہے جو کسی چیز کو ڈھانپ لے۔ اصطلاح میں یہ لفظ شراب کے لئے استعمال ہوتا ہے بایں معنیٰ کہ مے نوشی بھی ذہن کو ڈھانپ دیتی ہے اور اُسے ماؤف کر دیتی ہے اور حواسِ خمسہ کے عمومی عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

شریعتِ اسلامی میں الخَمر کی یہ تعریف کی گئی ہے :

''ایسا مشروب جو اپنی قوّت و تاثیر میں نشہ آور ہو' خَمر کہلاتا ہے خواہ اُسے تھوڑی مقدار میں یا زیادہ مقدار میں لیا جائے اور جو بالآخر آدمی کو مدہوش کرے یا نہ کرے۔ خَمر تازہ انگوروں' خشک انگوروں' گندم' جَو' چاولوں' کھجوروں اور دوسری چیزوں سے تیار کیا جاتا ہے۔'' (''التشریع الجنائی'' جلد دوم' صفحہ ۴۹۹)

شراب نوشی کی ممانعت کا حکم تدریجاً نازل ہوا۔ پہلے مرحلے میں شراب نوشی اور قمار بازی کے فوائد اور نقصانات مقابلتاً بیان کئے گئے اور اِن برائیوں کے عادی لوگوں کے ذہنوں میں نفرت کا بیج بویا گیا' اس بات کو آشکار کرتے ہوئے کہ ان کے نقصانات اُن کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں :

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْم'' كَبِيْر'' وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرة : ۲۱۹)

(اے نبی مکرّم!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور اُن کا گناہ اُن کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔'' (۲ : ۲۱۹)

دوسری سٹیج میں شراب نوشی پر اُس کے نشہ آور اثرات کی بنیاد پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا:

يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء : ۴۳)

''مؤمنو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جایا کرو یہاں تک کہ تم وہ بات سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔''

چونکہ شرابی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اُس کے منہ سے کیا ادا ہو رہا ہے اس لئے اُس کی نماز بے اثر اور غیر مقبول ہو جاتی ہے اور اسی لئے ایسی خانہ پُری کی نماز' نماز نہ پڑھنے سے کہیں زیادہ بری ہے۔ اسی وجہ سے نشہ سے مدہوش ہونے کی صورت میں نماز کی ادائیگی سے روک دیا گیا۔

تیسرے اور آخری مرحلہ میں شراب نوشی کو قطعاً حرام کر دیا گیا اور آنے والے تمام وقتوں میں اس کی ممانعت اِن الفاظ میں کر دی گئی:

يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ رِجْس'' مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَO اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَ

يَصُدَّكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَO (المائدة: ۹۱)

''مؤمنو! بے شک شراب اور جوا اور (بہ غرضِ عبادت) نصب کئے گئے بت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں' سوتم اُن سے (کلیتاً) پرہیز کروتا کہ فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تم میں دشمنی اور کینہ ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے' سو اب بھی تم باز آؤ گے؟'' (۹۱ : ۵)

اصحابِ نبی جو آیت کے مخاطبینِ اوّلیں تھے' اس حکم کے سنتے ہی پکار اُٹھے کہ ہم باز آ گئے' ہم باز آ گئے۔ یہ بارگاہِ نبوّت اور عرب کے اُس اُمّی حکیم کا کیسا ڈسپلن تھا کہ دَم کے دَم میں بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں' جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سرداربنا دیا۔ اکبر الہ آبادی نے سچ کہا ہے۔

خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے　　کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

<u>شراب کی ممانعت میں احادیث مبارکہ</u> : جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا کہ شراب کی ممانعت کا حکم قرآن کا حکم ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے بھی شراب نوشی کی قطعی ممانعت فرمائی اور اس سلسلے میں آپ کے چند فرمودات حسبِ ذیل ہیں :۔

(۱) لَقَدۡ اَنۡزَلَ اللهُ تَحۡرِيۡمَ الۡخَمۡرِ (بلوغ المرام لحافظ ابن حجر عسقلانی' ص ۱۵۹)

''اللہ تعالیٰ نے یقیناً شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل فرمایا ہے۔''

(۲) حُرِّمَتِ الۡخَمۡرُ قَلِيۡلُهَا وَكَثِيۡرُهَا وَالسُّكۡرُ مِنۡ كُلِّ شَرَابٍ (سنن نسائی)

''شراب کو حرام کر دیا گیا ہے خواہ کم مقدر میں ہو یا زیادہ مقدار میں' اور نشہ آوری ہر شراب کی (امتیازی) خصوصیت ہے۔''

(۳) لَعَنَ اللهُ الۡخَمۡرَ وَبَائِعَهَا وَمُشۡتَرَهَا وَعَاصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالۡحَمُوۡلَةَ اِلَيۡهِ وَشَارِبَهَا (ابن ماجہ ترمذی' ابو داؤد)

''اللہ تعالیٰ نے شراب پر' اُس کے خریدار پر' اُس کے فروخت کرنے والے پر' اُس کے تیار کرنے والے پر' اُس کے اٹھانے اور پیش کرنے والے پر' اُس شخص پر جس کی طرف وہ اٹھا کر لائی گئی ہے' اور اُس کے پینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔''

(۴) اَلۡخَمۡرُ اُمُّ الۡخَبَائِثِ وَاُمُّ الۡفَوَاحِشِ وَاَكۡبَرُ الۡكَبَائِرِ (فقه السنة' ج ۲' ص ۳۷۱)

''شراب تمام خبیث چیزوں کی جڑ' تمام بے حیائی کی جڑ اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔''

(۵) مَنۡ شَرِبَهَا وَقَعَ عَلٰى اُمِّهٖ (فقه السنة' ج ۲' ص ۳۷۱)

''شراب پینے والا اُس شخص کی طرح ہے جس نے اپنی ماں سے زنا کیا ہو۔''

مے نوشی کی سزا : تمام فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ شراب نوشی کے جرم کی سزا ''حد'' کے تحت دی جائے گی جسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتِ مبارکہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک مے نوشی کی ''حد'' اَسّی درّے ہیں۔

اسلام کے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سماجی حالات کی شدید ضرورت کی روشنی میں اس معاملہ میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا تاکہ شراب نوشی کے غیر اخلاقی میلان کی بیخ کنی کر کے اَخلاقی اَقدار کا تحفظ کیا جا سکے۔ اس سوال پر جناب علی کرّم اللہ وجہہ الکریم نے جواب دیا: ہمارا ایمان ہے کہ شراب نوشی کی ''حد'' اَسّی (۸۰) درّے ہونی چاہئے کیونکہ جب آدمی شراب پیتا ہے تو وہ مدہوش ہو جاتا ہے اور جب وہ مدہوش ہوتا ہے تو اول فول بکنے لگتا ہے اور جب وہ اول فول بکتا ہے تو وہ ''قذف'' جیسی بہتان طرازی اور اتہام پردازی پر اتر آتا ہے جس کے لئے قرآنِ حکیم نے اَسّی دِرّوں کی ''حد'' مقرر کی ہے۔ لہٰذا اس ممکنہ نتیجہ کی روشنی میں مے نوشی کی سزا بھی حتی الوسع زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے تاکہ سزا ''قذف'' کی طرح ہر ممکنہ چیز کو شامل ہو جائے۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس استدلال کو قبول فرمایا کیونکہ تمام صحابہ کرام بھی اس سزا کے تعین میں باہم متفق تھے۔ اس طرح اُس وقت سے شراب نوشی کی ''حد'' اَسی دِرّوں کو حتمی شکل دے دی گئی۔''
("Legal Character of Islamic Punishments"... Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, p. 60)

اَسّی دِرّوں کا ثبوت سنتِ نبوی میں : حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِينَ (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۷۱)

''نبی علیہ السلام کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی، تو آپ نے اُسے کھجور کی دو شاخوں کے ساتھ چالیس بار ضرب لگائی۔''

یہاں غور طلب بنیادی نکتہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرابی کو کھجور کی آپس میں جڑی ہوئی دو شاخوں کے ذریعے سزا دی جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ضرب بہ یک وقت دو (۲) درّوں کے برابر تھی اور جب دو جڑی ہوئی کھجور کی ٹہنیوں کے ساتھ یہ ضربیں چالیس مرتبہ لگائی گئیں تو وہ خود بخود اَسّی (۸۰) ہو گئیں۔ تو گویا سزا اَسّی دِرّوں کی ہوئی۔ لہٰذا اَسّی دِرّوں کی سزا کے دیئے جانے میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا استدلال سنتِ نبوی کے اِسی عمل پر تھا۔

(VIII) غاصبانہ قبضہ (Encroachment): الھدایۃ میں ''غصب'' کی یہ تعریف بیان ہوئی ہے:

''یہ کسی دوسرے شخص کے ایسے اثاثے یا جائداد کو مالک کی رضامندی کے بغیر ہتھیانا ہے جس

کی کوئی قدر و قیمت بھی ہو اور دوسرے کے لئے وہ حرام ہو۔ ہتھیانے کا طریقہ ایسا ہو جس سے وہ مالک کے قبضہ سے نکل جائے'' ('' الھدایہ'' ۔۔ مرغینانی' جلد آخر' صفحہ ۳۵۶' طبع دہلی ۱۲۹۷ھ)

'' دوسروں کے حقِ ملکیت و قبضہ پر (ناجائز) متصرف ہونا جس پر کوئی استحقاق یا قانونی جواز نہ ہو' '' غصب '' کہلاتا ہے۔'' ('' منہاج الطالبین'' ۔۔ امام نووی' صفحہ ۶۱) طبع مصر ۱۳۲۸ھ۔

'' غصب '' کا لفظ سورۃ الکہف کی اِس آیت میں استعمال ہوا ہے :

وَكَانَ وَرَآءَ هُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا O (الکہف : ۷۹)

'' اور اُن کے آگے ایک (جابر) بادشاہ تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی (مالکوں سے بلا معاوضہ) چھین لیتا تھا۔'' (۷۹ : ۱۸)

مختلف صورتوں میں غاصب پر درجِ ذیل قانونی پابندیاں عائد ہوتی ہیں :

(۱) اگر یہ معلوم ہو جائے کہ غصب شدہ چیز غاصب کے قبضہ میں نہیں رہی یا وہ گم ہو گئی ہے تو اصل چیز کا لوٹانا نہیں ہوگا بلکہ اس کی تلافی کر دینا لازم ہوگا۔ ('' الھدایہ' مرغینانی'' ' ہیملٹن کا انگریزی ترجمہ' ص ۵۳۴)

(۲) اگر غصب شدہ زمین کو کاشت کے ذریعے نقصان پہنچے تو غاصب کو نقصان کی تلافی کرنا ہوگی کیونکہ اُس نے زمینی حصّہ کو نقصان پہنچایا ہے۔ اُسے زمین کی پیداوار سے زمین پر لگائی ہوئی رقم کو منہا کر لینا چاہیے مثلاً کاشت کئے ہوئے بیج کی رقم اور نقصان کی رقم جو اُسے ادا کرنی ہے۔ پھر اگر اُس کے بعد کوئی رقم باقی بچے تو وہ اُسے خیرات میں دے دینی چاہیے۔

(۳) اگر وہ جانور جسے مالک کی رضامندی کے بغیر ہتھیا یا گیا' مالک کو واپسی کے وقت کمزور ہو' تو نقصان معمولی ہونے کی صورت میں مالک کی رضامندی کے بغیر لینے والا شخص اُس جانور کی قیمت میں کمی کا ذمّہ دار ہوگا۔ اگر نقصان بہت زیادہ ہو یعنی اگر وہ اُس چیز کی قیمت کے ایک چوتھائی حصّہ یا اُس سے زیادہ ہو تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ نقصان شدہ چیز کی تلافی کا یا اُس کی کل قیمت کا مطالبہ کرے اور وہ چیز لینے والے کے سپرد کر دے۔

(۴) اگر غصب شدہ چیز کی ہیئت اور شکل میں غاصب کے کسی عمل کے نتیجہ میں ایسی تبدیلی آ جائے جس سے اُس کا نام اور اصل مقصد معدوم ہو جائیں تو مالک کا اُس چیز پر کوئی حق نہیں رہتا بلکہ وہ غاصب کا اثاثہ بن جاتی ہے جس کا ذمّہ دار غاصب ہوتا ہے لیکن غاصب جب تک اُس کی تلافی نہ کر دے تو اُسے اُس چیز سے کسی قسم کا

مفاد اٹھانے کی اجازت نہیں ۔ مثلاً کوئی آدمی بکری غصب کرنے کے بعد اُسے ذبح کر ڈالے اور اُس کا گوشت بھون لے یا ابال لے' یا گندم غصب کرلے اور پسوا کر اُسے آٹا بنا لے' یا لوہا غصب کرلے اور اس سے تلوار بنا لے' یا چکنی مٹی غصب کرکے اُس سے برتن بنالے۔

(۵) اگر کوئی شخص سونا یا چاندی غصب کرکے اُسے کرنسی میں تبدیل کرلے یا اُس سے برتن بنالے تو مالک اُس سونے یا چاندی کی ملکیت سے محروم نہیں ہوجاتا جبکہ وہ کسی قسم کی تلافی کئے بغیر غاصب سے واپس لینے کا مجاز ہے۔

(۶) اگر کوئی شخص شہتیر غصب کرکے اُسے مکان میں لگادے تو اس صورت میں مالک کی شہتیر پر ملکیت نہیں رہتی اور غاصب کو اُس کی قیمت کی تلافی کرنا ہوگی۔

(۷) اگر غاصب غصب شدہ جانور کو ذبح کر ڈالے تو مالک کو نقصان کی تلافی کا مطالبہ کرنے یا جانور کو غاصب کی ملکیت میں دے دینے کا اختیار ہے۔

(۸) غصب شدہ ملبوسات میں معمولی نقصان مالک کو اس کی ملکیت سے محروم نہیں کردیتا لیکن اُس میں حد درجہ نقصان کی صورت میں مالک کو اختیار ہے کہ وہ یا تو اُسے نقصان کی تلافی سمیت غاصب سے واپس لے لے یا اُسے اُس کے حوالے کردے۔

(۹) اگر کوئی شخص کسی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرکے اُس میں درخت لگادے یا اُس پر عمارت تعمیر کردے تو اس صورت میں درختوں کو دُور کرکے زمین صاف کرنا ہوگی اور اُسے مالک کے سپرد کرنا ہوگا۔

(۱۰) اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی شراب یا خنزیر کے گوشت کو نقصان پہنچائے تو اُسے اُن کی قیمت کی تلافی کرنی چاہئے اور اگر وہ کسی مسلمان کی شراب یا خنزیر کے گوشت کو نقصان پہنچائے تو کوئی تلافی نہ ہوگی۔

(۱۱) آدمی کسی غیر مسلم کے آلاتِ موسیقی کو نقصان پہنچانے پر اُسے اُن کی اصل قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

(۱۲) غاصب غصب شدہ چیز کے استعمال کا مجاز نہیں ہاں وہ اُس چیز کے نقصان پہنچنے کی صورت میں تلافی کرنے کا ذمہ دار ہے۔

(۱۳) اگر بغیر اجازت لی ہوئی چیز کی حالت متغیر ہوجائے جیسے پھل اور فروٹ جو لینے والے کے قبضہ میں خشک ہوجائے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ یا تو اصل چیز اُسے واپس دئے جانے کا مطالبہ کرے یا اُس کی تلافی کا مطالبہ کرے۔

(۱۴) اگر اثاثے اور جائداد کو ہتھیانے والا اُس اثاثے کو کسی خطرناک جگہ پر مالک کے سپرد کرے تو مالک کو اُس کے قبول نہ کرنے کا اختیار ہے اور ہتھیانے والا اس صورت میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔

(۱۵) کسی باغ میں بنائے گئے شہد کی مکھی کے چھتے سے حاصل شدہ شہد باغ کے مالک کا ہوگا۔ اگر کوئی اور شخص اُس شہد کو لے یا اُسے نقصان پہنچائے تو وہ خود اُس کا ذمہ دار ہوگا۔'' (تلخیص: "Islamic Law of Tort" ... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, pp. 45.47)

(IX) دھوکہ دہی (Fraud): دھوکہ دہی غلط اور خطا کار عمل کے ذریعے کسی چیز سے مادّی فائدہ اٹھانا ہے۔ یہ اخلاقی بے راہروی کی ایک شکل ہے۔

اگر دھوکہ دہی کے شکار کسی شخص کی جائداد کو نقصان پہنچے تو وہ غلط کار سے تلافی لینے کا مجاز ہے۔ دھوکہ باز کو اُس چیز سے ''غیر قانونی طریقے سے دولتمند بننے'' کے اصول پر مفاد اٹھانے کی اجازت نہیں۔

اس اصول کی بنیاد قرآنِ حکیم ہے۔ دولت میں لوگوں سے دھوکہ دہی کے حوالہ سے یہ احکام دیئے گئے:

(۱) وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ O

''اور جو کوئی (کسی کا حق) چھپاتا ہے' تو قیامت کے دن اُسے وہ لانا پڑے گا جو اُس نے چھپایا تھا پھر ہر شخص کو اُس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (۳:۱۶۱)

(۲) وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرۃ: ۱۸۸)

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اُڑاؤ۔'' (۲:۱۸۸)

(۳) وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ (ھود: ۸۴)

''اور ناپ تول میں کمی مت کیا کرو۔'' (۱۱ : ۸۴)

(۳) وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (الفرقان: ۷۲)

''اور (رحمٰن کے اصل بندے وہ ہیں) جو بیہودہ اور باطل کاموں میں (قولاً اور عملاً دونوں صورتوں میں) شامل نہیں ہوتے۔'' (۲۵ : ۷۲)

لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ میں جھوٹی گواہی نہ دینا اور کذب اور دھوکہ دہی میں مدد نہ کرنا دونوں شامل ہیں۔

(۴) وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ O الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ O وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ O (التطفیف: ۱-۳)

''(ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا پورا لیں اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔'' (۸۳: ۱۔۳)

بعض محققین نے تَطفِیف کو عام اور وسیع معنوں میں لیا ہے یعنی کمی اور کوتاہی کو صرف وزن و پیائش کی چیزوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ طاعت وعبادت کی ہر چیز کو اس میں داخل کیا ہے جیسا کہ چوری صرف مال ہی میں نہیں' ہر شے میں ممکن ہے۔ایک حدیثِ مبارکہ میں رکوع اور سجدے کو صحیح طور پر ادا نہ کرنے والے کو رکوع اور سجدے کا چور کہا گیا ہے۔

اس طرح اسلامی معاشرے میں تمام معاملات پاکیزہ اور مبنی بر انصاف ہوتے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی تعدّی' فریب کاری' دھوکہ دہی یا نقص ہرگز نہیں ہوتے۔فریب کاری اور دھوکہ دہی کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں۔مثلاً:

(۱) ناپ تول میں کمی جسے قرآنی اصطلاح میں تَطفِیف کہا گیا ہے۔
(۲) نیلامی میں کسی چیز کی بولی بڑھ چڑھ کر دینا کہ اس سے اُس شخص کو نقصان ہو جو اُس چیز کی خرید میں دلچسپی رکھتا ہے۔احادیثِ مبارکہ میں اس عمل کو نَجَش کہا گیا ہے۔
(۳) جانور کا بہت دیر تک دودھ نہ دوہنا تاکہ خریدار کو غلط طور پر اُس کا بہت زیادہ دودھ دکھایا جائے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس غیر پسندیدہ فعل کو تَسرِیۃ کہا گیا ہے۔
(۴) دیہاتیوں کے بازار پہنچنے سے پہلے شہر کے مضافات ہی میں اُن سے کم قیمت پر سامان خرید کر لینا جسے احادیث میں تَلَقِّی الرُّکبان کہا گیا ہے اور اس عمل سے روکا گیا ہے۔
(۵) اشیائے فروخت میں نقص کو چھپانا اور جھوٹی قسمیں کھانا بھی بددیانتی اور بدعنوانی کے تحت آتے ہیں۔
(۶) ایک تجارت میں دو تجارتیں یعنی دوہرا سودا کرنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔
(۷) ایک چیز ادھار پر بیچ کر پھر مشتری سے نقدی میں کم قیمت پر خرید کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے جسے بیعُ العینہ کہا گیا ہے۔

حضرت ابوہُریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنجناب ﷺ بازار میں گندم کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔آپ نے اپنی انگلیاں اُس ڈھیر میں داخل کیں تو وہ بھیگ گئیں۔آپ نے اناج کے بیچنے والے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ آدمی نے جواب دیا کہ بارش میں گندم بھیگ گئی تھی۔پیغمبر علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے اُسے ڈانٹا کہ'' تم نے بھیگے ہوئے حصّے کو ڈھیر کے بالائی حصّے پر کیوں نہیں رکھا تاکہ وہ خریدار کے علم میں ہو؟ یاد رکھو کہ جو شخص فریب کاری کرتا ہے' اُس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم: کتاب الایمان' جلد اوّل' حدیث نمبر ۱۰۲)

مسلمان تاجر کو دیانتداری کی اعلیٰ اخلاقی قدر کو قائم کرنے کی ترغیب وترہیب دلاتے ہوئے آپ نے فرمایا:
اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (سنن ابن ماجہ حدیث: ۲۱۳۹) یعنی راستباز' دیانتدار تاجر روزِ قیامت انبیاء' مخلصین' شہداء اور نیکوکاروں کی ہمراہی میں ہوگا۔

ہر کہ ومہ جانتا ہے کہ ہماری مخالف اور دشمن قوتوں نے اپنی روزمرّہ زندگی کے کاروباری معاملات میں ہماری آخری الٰہی کتاب (قرآنِ حکیم) ہی سے دیانتداری' اخلاقی بلندی اور ایمانداری کے سنہرے اصول وضوابط اخذ کئے جس کی وجہ سے اقوامِ عالم میں وہ آج کامیاب تاجر ہیں اور اُنہیں کاروباری ساکھ حاصل ہے۔

(X) قانونی سرپرست اور نابالغ' فاترالعقل یتیم بچے اور بیوگان (Guardians and Wards):

اِن کے بارے میں قرآنی فرمودات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوْهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًاO (اَلنِّساء: ۶)

''اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ عمرِ نکاح کو پہنچ جائیں تو اگر تم اُن میں ہوشمندی دیکھ لو تو اُن کا مال اُن کے حوالے کر دو اور مال کو اِسراف سے اور اس خیال سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے مت کھا ڈالو' تو جو سرپرست خوشحال ہو تو اُسے چاہئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے' پھر جب تم اُن کے مال اُنہیں لوٹا دو تو اُن پر گواہ بنالیا کرو اور حساب لینے والا اللہ کافی ہے۔'' (۴ : ۶)

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى یعنی اُن کے بالغ ہونے سے پہلے اُن کی جانچ انتظامی معاملات میں ہوشیاری اور تمیزداری کی کرلیا کرو۔ اگر بلوغ وآزمائش کے بعد اُن میں انتظام اور صرفِ مال کا سلیقہ پاؤ۔ یہاں دیکھنے کی چیز اُن کی صرف انتظامی صلاحیت ہوگی نہ کی اُن کی عبادت وتقویٰ۔ رُشدًا یہاں سلیقہ مندی اور انتظام کے مفہوم میں ہے۔

(۲) وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًاO(النساء

''اور (اَے پیغمبر!) لوگ آپ سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ فرمادیجئے کہ

اللہ تمہیں اُن کے بارے میں حکم دیتا ہے اور جو حکم تمہیں (پہلے سے) کتاب مجید میں سنایا جارہا ہے، (وہ بھی) ان یتیم عورتوں ہی کے بارے میں ہے جنہیں تم وہ (حقوق) نہیں دیتے جو اُن کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور چاہتے ہو کہ (اُن کا مال قبضے میں لینے کی خاطر) اُن کے ساتھ نکاح خود کرلو اور یہ کہ بے بس بچوں کے بارے میں (بھی حکم) ہے کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی بھلائی کروگے، اللہ اُسے خوب جاننے والا ہے۔'' (۴ : ۱۲۷)

(۳) وَلَاتَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّه' (الانعام:۱۵۲؛ الاسراء:۳۴
''اور یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔'' (۶:۱۵۲ ؛ ۱۷ : ۳۴)

''یتیم کے مال کے قریب نہ جانے'' کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی جائداد میں کسی قسم کا تصرّف نہ رکھو۔ يَبْلُغَ اَشُدَّه'، یعنی وہ اپنی پوری قوّت کو پہنچ جائے اور قوّت میں جسمانی اور عقلی دونوں قوّتیں آگئیں۔ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ شریعت میں مستحسن صورت صرف وہی ہے جس سے خود یتیم کا نفع مقصود ہو۔

یہ آخری آیت یتیم کے سرپرست کو اس بات کا پابند کرتی ہے کہ وہ یتیم کے مال کا ناجائز استعمال نہ کرے، ہاں بہ غرضِ اصلاح اس کی اجازت ہے۔ یتیم کے مفاد کی خاطر کئے گئے سودے میں سرپرست کو ذاتی مفاد اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱) سرپرست کو یتیم کی خاطر ایسا معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے جو یتیم کے لئے ضرررساں ہو۔ اُسے یتیم کے اثاثے اور جائداد میں سے ادھار دینے یا لوگوں کو تحفہ دینے کی اجازت نہیں۔

(۲) نابالغ یتیم کے قانونی سرپرست کو یتیم کی تعمیل طلب ضروریات کے لئے اُس کے سازوسامان کے فروخت کرنے یا اُسے گروی رکھنے کی اجازت ہے مثلاً خوراک، لباس اور علاج معالجہ کی ضروریات۔

(۳) اگر یتیم کے اثاثے کو ہتھیائے جانے کا خطرہ ہے تو اُس کے سرپرست کو اُس کے فروخت کرنے کا بھی اختیار ہے اور سرپرست کا یہ خوف بجا ہے کہ مال کے غصب ہونے کی صورت میں نقصان کی تلافی یا سامان کی بہ طریق انصاف واپسی کی کوئی صورت نہیں۔

(۴) عدالت کی طرف سے مقررشدہ نابالغ یتیم کی جائداد کا سرپرست اس بات کا پابند ہے کہ وہ یتیم کی

منقولہ جائداد کی اس احتیاط سے دیکھ بھال کرے جس طرح ایک عام عقل کا آدمی اپنے متعلقات کی کرتا ہے۔

(۵) جب ایک نابالغ اپنی بلوغت کی عمر کو پہنچ کر اپنے مالی معاملات کو خود انتظام کرنے کا دعویٰ کرے اور اُس کے نامزد سرپرست کو اُس کی موزونیت سے اختلاف ہو تو سرپرست کو اُس کی جائداد کی نگرانی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تا آنکہ عدالت کی طرف سے یتیم کے خود منتظم ہونے کی صلاحیت کا فیصلہ صادر نہ ہو جائے۔

(۶) اگر عدالت کے مذکورہ فیصلہ (کہ اس میں انتظام کی از خود صلاحیت ہے) کے بعد بھی سرپرست اُس یتیم کا اثاثہ اُس کے حوالے نہیں کرتا اور یتیم نے بھی اُس سے اُس کا اثاثہ اُس کے سپرد کرنے کو کہا ہے تو اثاثہ کے سرپرست کے قبضہ میں ہونے کے وقت میں جو بھی نقصان اُسے پہنچے تو اس کا ذمہ دار سرپرست ہوگا۔" ("Islamic Law of Contracts & Business Transactions".. Dr. Muhammad Tahir Mansuri, p. 72)

(XI) عدالتی حکم برائے حاضری شخص (Habeas Corpus Writ): اس عدالتی حکم کی رُو سے اُس شخص کو جسے پکڑا گیا ہے، اصالۃً عدالت میں پیش کرنا لازم ہے تاکہ اُسے حراست میں لینے کا جواز معلوم کیا جا سکے۔

Habeas Corpus کی قانونی دوا عوام کے تحفظ کی انتہائی مؤثر تدبیر تسلیم کی گئی ہے۔ وہ دسویں صدی عیسوی کے مظالم ٹربیونل کے خلاف سیسہ پلائی گئی دیوار بن کے کھڑی ہو گئی جس سے شکایات کا فوری ازالہ ہونے لگا۔" ("Islamic Law of Tort"... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, p. 202)

سورہ یوسف میں Habeas Corpus کی مثال اس آیت کے افتتاحی جملہ میں ملتی ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ O(یوسف: ۵۰)

"اور بادشاہ نے کہا: اُسے (یوسف کو میرے پاس لائے آؤ (تاکہ میں اُس سے براہِ راست حقیقتِ حال معلوم کروں) تو جب (فرمانِ شاہی لے کر) اُن کے پاس قاصد آیا تو آپ نے فرمایا: اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤ اور اس سے پوچھو کہ اُن عورتوں کی حقیقتِ حال کی تھی جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، بے شک میرا پروردگار تو اُن کے مکر (وفریب) سے خوب آگاہ ہے۔" (۵۰ : ۱۲)

بادشاہ نے اُن خواتین کو بلا بھیجا اور اُن سے حقیقت حال دریافت کی۔ سب سے اور سب سے بڑھ کر زلیخا نے جو یوسف کو ملزم قرار دینے میں پیش پیش تھی اور جس کی انگیخت سے اُنہیں قید کیا گیا تھا، اس واشگاف انداز میں

آپ کی برأت اور پاکبازی کا اعتراف کیا کہ شک وشبہ کا ادنیٰ سا احتمال بھی باقی نہ رہا۔

(XII) قید (اسیری) (Imprisonment) : قید اور اسیری کے نظام کا تعارف خلیفہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کرایا۔ اُنہوں نے سفیان بن اُمیّہ کا گھر چار ہزار درہم میں خرید کر اُسے قید خانہ بنا دیا۔" ("الطرق الحکمیۃ فی سیاسۃ الشرعیۃ" لابن القیم، صفحات ۱۱۹، ۱۲۰)

نبی اکرم ﷺ جنگی قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ جنگِ بدر میں آپ کا جنگی قیدیوں سے حسنِ سلوک واضح طور پر قیدیوں کے لئے ضابطہ اخلاق فراہم کرتا ہے۔ جنگی قیدیوں کو فوری طور پر رہا کر دیا جائے۔ اسلامی نظام کے تحت اُن کی طرف سے کوئی بھی کیا گیا جرم قانونی کارروائی کے قابل ہے لیکن اُن سے حسنِ سلوک کی قرآن نے بھی ترغیب دی ہے جیسا کہ فرمایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا O (الدھر : ۸)

"اور وہ (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں محتاج کو، یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔" (۸ : ۷۶)

"یہ بات بیان کرنے کے لائق ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردِ رشید، امام ابو یوسف ابتدائی زمانہ میں قیدیوں کے حقوق کے زبردست حامی تھے اور آپ نے اُن کے مفادات کے تحفظ میں بہت کچھ کیا۔ ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ قیدیوں کو اذیت دینے یا اُنہیں زدوکوب کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے نمازیوں کو زدوکوب کرنے کی ممانعت کی ہے اور قیدی بھی نمازی ہوتے ہیں۔ آپ نے اس بات کی بھی حمایت کی کہ مرد و عورت معذور قیدیوں کو موسمِ گرما اور سرما میں پوشاک کے علاوہ برابر کے ماہانہ وظائف دئے جائیں اور اُن کی اور اُن کے خاندان کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ آخر میں وہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی قیدی فوت ہو جائے تو بیت المال کو اُس کے جنازہ کے اخراجات برداشت کرنے چاہئیں۔"

("The Right of the Individual to Personal Security in Islam" (An Article) by Dr. Osman Abd-el-Malek al-Saleh, cited in "The Islamic Criminal Justice System", pp. 84, 85).

(XIII) قذف یا بہتان (Indictment) : "قذف" عربی لفظ ہے جس کا معنیٰ پتھراؤ کرنا اور زور سے پھینکنے کا ہے۔ اصطلاح میں اس کا معنیٰ دشنام طرازی کے ساتھ کسی کو بدنام کرنا اور افترا پردازی کے ذریعے اُس کی شہرت کو داغ دار کرنا ہے۔ (Dictionary and Glossary of the Koran.. John Penrice B.A., p. 116, New York, 1970 Edition)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو بچے کے تابوت کو دریا میں پھینکنے کا حکم دیا تھا جس

سورہ طٰہٰ کی آیت ۳۹ میں فَاقْذِفِيهِ کا لفظ آتا ہے۔

اصطلاح میں ''قذف'' کی یہ تعریف کی گئی ہے:
هُوَ اِتِّهَامُ رَجُلٍ بَرِئٍ اَوامْرَاَةٍ بَرِيْئَةٍ بِالزِّنَا مِنْ غَيرِ بُرْهَان
''قذف کسی بے گناہ مرد یا کسی بے گناہ عورت پر بغیر کسی ثبوت کے بدکاری کا الزام لگانا ہے۔''

قذف کی حرمت: کسی ثبوت کے بغیر کسی کو بدنام کرنا اور اُس کے متعلق ناخوشگوار باتیں بنانا جس سے اُس کی شہرت کو نقصان پہنچے' زنا ہی کی طرح حرام ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایسے بے اصولے آدمی کی ان الفاظ میں مذمت کی ہے:
اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ'' ○ (اَلنُّور : ۲۳)
''جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو انجان ہیں' ایمان والیاں ہیں' ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار ہے اور اُن کے لئے عذابِ عظیم ہے۔'' (۲۳ : ۲۴)

اَلْغٰفِلٰت سے مراد وہ پاک طینت خواتین ہیں جو طبعًا اتنی نیک ہوتی ہیں کہ اُن کے دلوں میں ان فضول حرکتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔ وہ اپنی فطری عفّت کے باعث کمینہ خصلت لوگوں کے طور اطوار سے بالکل ناواقف اور انجان ہوا کرتی ہیں۔ نیز اُنہیں بھولے سے بھی کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اُن پر کوئی انگشت نمائی کرسکتا ہے۔

قذف کی سزا: تہمت طرازی سے پیدا شدہ بُرائی زِنا سے پیدا شدہ بُرائی کی طرح ہے۔ کسی خاتون کو زنا کی تہمت لگانا نہ صرف اُس کی نیک نامی کو بٹہ لگاتی ہے بلکہ خاندانوں کے درمیان تلخیاں پیدا کرتی ہے۔ یہ ولدیت کو مشکوک بنا ڈالتی ہے' ازدواجی تعلقات کو خراب کرتی ہے اور بیسیوں لوگوں کے ذہنی سکون کو سالوں تک تباہ کئے رکھتی ہے۔ لہٰذا قرآنِ حکیم نے سورۃ النور میں اس جرم کی سخت سزا کا حکم دیا ہے:
وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' ○ (اَلنُّور : ۴' ۵)
''جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو اُنہیں اَسّی دِرّے لگاؤ اور کبھی اُن کی گواہی قبول نہ کرو' یہی لوگ تو فاسق ہیں۔ ہاں البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا' بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔'' (۴' ۵ : ۲۴)

قاذف کی سزا مندرجہ بالا آیت (۴) کی عبارۃ النص سے اَسّی (۸۰) دِرّے ثابت ہے۔لیکن اس سے اگلی آیت (۵) بتا رہی ہے کہ اگر ایسے لوگ نادم ہوں اور اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔اس آیت پر کچھ مفسرینِ کرام کی یہ رائے ہے کہ اگر قاذف ''حد'' کے نفاذ کے بعد تائب ہو تو اُس کی (عدالت میں) گواہی نہ دے سکنے کی سزا ساقط ہو جائے گی۔اسی وجہ سے اُس کی سزائے ''حد'' ایک متنازعہ مسئلہ ہے۔لیکن اسّی دِرّے بطورِ سزا پر تمام فقہائے کرام باہم متفق ہیں۔

معاملے کو کچھ اور بڑھاتے ہوئے قرآنِ حکیم درجِ ذیل حکم بھی دیتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَo وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَo وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَo وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَo (اَلنُّور : ٦ تا ٩)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور اُن کے پاس سوائے اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو تو اُن کی گواہی یہ ہے کہ وہ (مرد) چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔اور عورت سے سزا اِس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے۔'' (۲۴:۹۔۶)

''اِس بیانِ حلفی کا نام اصطلاحِ شریعت میں ''لِعان'' ہے اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔بدکاری کے ثبوت کا تو قاعدہ وہی چار گواہوں کی چشم دید شہادت کا ہے لیکن جب شوہر بیوی کے متعلق یہ دعویٰ کرے اور چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے تو خود اُس کی یہ پانچ بار کی حلفی شہادت چار گواہوں کے قائم مقام ہوگی' اور بیوی پر حدِّ زنا جاری کر دی جائے گی۔اسی طرح اگر عورت بھی پانچ بار حلفی شہادت مرد کے جھوٹا ہونے کے بارے میں دے تو حدِّ زنا سے تو بچ جائے گی البتہ اُس مرد پر حرام ہو جائے گی۔قاضی اُن دونوں کے درمیان تفریق کرادے گا اور پھر تجدیدِ نکاح بھی نہ ہو سکے گی جب تک دونوں میں سے ایک اپنی خطا کا قائل اور دوسرے کو سچا ماننے والا نہ ہو جائے۔(ماجدی اردو' ص ۷۱۲)

<u>قاذف کی شرائط</u>: قاذف میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جو یہ ہیں:

(۱) وہ ذی ہوش ہو' دیوانہ نہ ہو' نہ ہی وہ مخبوط الحواس اور احمق ہو۔دیوانے اور احمق لوگوں کے بیان پر قذف ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۲) قاذف بالغ ہو۔نابالغ کا بیان ناقابلِ قبول ہوگا۔

(۳) اگر قاذف چار عینی گواہ فراہم کردے تو اُس کا الزام جائز ہوگا۔ وہ قاذف نہیں ہوگا اور اُسے سزا نہیں

دی جائے گی بلکہ مقذوف کو سزا دی جائے گی۔سورۃ النور کی آیت ۲۳ میں اس کی ہدایت ان الفاظ میں ہے :۔

لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَاللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ O

''یہ (افتراپرداز لوگ) اِس (طوفان) پر چار گواہ کیوں نہ لائے' پھر جب وہ گواہ نہیں لا سکے تو یہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔'' (۱۳ : ۲۴)

مقذوف کی شرائط :مقذوف وہ ہے جس پر کسی ثبوت کے بغیر بہتان طرازی کی گئی ہو جو اُسے سماج میں ذلیل ورسوا کردے۔مقذوف میں درج ذیل دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے :۔

(i) اِحْصَان : جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا کہ یہ لفظ حِصْن (بہ معنی قلعہ) سے ہے اور مُحْصَن وہ ہے جو نکاح کر کے شیطانی حملوں کے خلاف قلعہ بند ہو جاتا ہے اور حفاظتی حصار میں آجاتا ہے۔ مُحْصَنات سے مراد بے داغ کردار کی پاکدامن خواتین ہیں۔ قذف کے سیاق وسباق میں مُحصَن میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے :

(۱) وہ عاقل و بالغ ہو۔نابالغ لڑکا یا دیوانہ مُحصَن نہیں ہیں۔

(۲) وہ آزاد ہو۔غلام اور لونڈی مُحصَن نہیں ہوتے۔

(۳) وہ مسلمان ہو۔غیر مسلم مُحصَن نہیں ہوسکتا کیونکہ سورۃ النور کی آیت ۲۳ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مُحْصَنات کے لفظ کے ساتھ مُؤمنات کا لفظ لائے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۲۰۴)۔

(ii) مقذوف کا نام واضح طور پر لیا جائے : مقذوف کی دوسری شرط یہ ہے کہ قاذف نے مقذوف کا نام واضح طور پر لیا ہو اور اُس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔مثلاً مجمع میں یہ کہنا کہ ایک زانی یہاں موجود ہے تو یہ قذف نہ ہوگا۔

''اگر ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ تم رنڈی باز ہو اور دوسرا اُس کے جواب میں کہے: نہیں' میں نہیں بلکہ تم ہو تو وہ دونوں قذف کی سزا کے مستحق ہوں گے کیونکہ اُن میں سے ہر ایک رنڈی بازی کا بہتان ایک دوسرے پر لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' (الھدایۃ)

قذف کے الفاظ کی شرائط : حدِّ قذف کے نفاذ سے پہلے یہ یقین کر لیا جائے کہ آیا قاذف کے الفاظ سے قذف ثابت ہوتا بھی ہے کہ نہیں۔اس لئے قذف کے الفاظ میں تین شرائط کا ہونا ضروری ہے:

(۱) قذف کے الفاظ واضح طور پر زنا کے جرم کو ظاہر کرتے ہوں۔

(۲) الفاظ اشارتاً یا تشبیہاً نہ ہوں تاکہ معاملہ مشتبہ اور مشکوک نہ رہے۔

(۳) الفاظ نہ تو مشروط ہوں اور نہ ہی مستقبل سے متعلق ہوں۔ مثلاً یہ کہنا کہ بکر کا پیدا ہونے والا بچہ نامعلوم ولدیت کا ہوگا اگر چہ بکر کی بیوی ابھی حاملہ نہیں ہوئی۔ یا یہ کہنا کہ اگر بکر اپنے والدین کی خدمت نہ کرے تو وہ ولدالحرام ہوگا۔ ان الفاظ سے سزائے ''حد'' واقع نہیں ہوتی بلکہ اُن سے تعزیر کی سزا کا اطلاق ہوتا ہے کہ وہ قاضی کی صوابدید پر ہے کہ وہ جیسے چاہے اُسے سزا دے۔

(XIV) قتل (Murder): کسی انسان کا کسی دوسرے انسان یا انسانوں کی ناحق جان لے لینا قتل کہلاتا ہے

قتل کی سزا: قصاص کی صورت میں قتل کے جرم کی سزا موت ہے تاکہ جرم کی سنگینی اور سزا کے مابین توازن رہے۔ یہ سزا سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۸ میں نہایت واضح طور پر ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْأُنْثٰى بِالْأُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ أَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ)

''مومنو! تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلہ میں آزاد' غلام کے بدلہ میں غلام' عورت کے بدلہ میں عورت' ہاں جس کسی کو اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے تو معقول (اور نرم) طریق پر مطالبہ کرنا چاہیئے اور مطالبہ کو اُس (فریق) کے پاس بہ خوبی پہنچا دینا چاہیئے' یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے' سو اس کے بعد جو کوئی بھی زیادتی کرے گا' اُس کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔'' (۲ : ۱۷۸)

لفظ مِنْ أَخِيْهِ کی بلاغت و معنویت سر دُھننے کے لائق ہے۔ قتل سے بڑھ کر شدید ہیجان' جذباتِ انتقام و اشتعال پذیری کا موقع اور کونسا ہو سکتا ہے۔ اس انتہائی جذباتی موقع پر بھی یہ لفظ لا کر بتا دیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہو جاتا' وہ بہرحال تمہارا اسلامی بھائی تو ہے۔ اگر معاف کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل پھر جُڑ جائیں اور اسلامی معاشرے کے دامن میں جو چاک پڑ گیا ہے' اُسے پھر سے سی دیا جائے۔ ربّ ذوالجلال والاکرام کے کلامِ مقدس کی یہی لطافتیں تو تھیں جنھوں نے عرب کے سرکشوں کو مطیع بنا دیا تھا۔''

آیت میں ''شَيْءٌ'' کا لفظ بھی اہم ہے۔ یعنی سزائے واجب کا کچھ حصّہ چھوڑ دیا جائے نہ کہ تمام تر معاف کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز و وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں بلکہ اُسے کوئی ہلکی سزا دے کر یا خوں بہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصّہ معاف کر کے اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔

''اِعتِداء یعنی زیادتی کی صورتیں کئی ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ مقتول کے وارث خوں بہا وصول کر لینے کے بعد بھی

انتقام لینے کی کوشش کریں یا قاتل خوں بہا ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے اور مقتول کے وارث نے جو احسان اُس کے ساتھ کیا ہے' اُس کا بدلہ احسان فراموشی سے دے۔'' (تفہیم القرآن از ابوالاعلیٰ مودودی' ج ۱' ص ۱۳۹)

قتل کی سزا کا مقصد : چار مقاصد کے حصول کے لئے ریاست مجرموں کو سزا دیتی ہے: بہ غرض اصلاح' بہ غرض مکافاتِ عمل' بہ غرض مزاحمتِ جرم اور بہ غرض مانع و دافعِ جرم۔ بہ الفاظِ دیگر مجرموں کو اس لئے سزا دی جاتی ہے تا کہ اُن کی اصلاح ہو جائے' اور شکایت کنندہ کا انتقامی جذبہ سرد پڑ جائے۔ مجرم کو جیل میں ڈال کر اُسے کچھ وقت کے لئے جرم کے ارتکاب سے روک دیا جاتا ہے۔'' ("Jurisprudence".. Salmond) بحوالہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علومِ اسلامیہ کے عبدالحمید خان نیازی کا تحقیقی مقالہ بہ عنوان "Qur'anic Law of Crimes & the P.P.C., p. 1)

قصاص کے جرائم کو بنیادی طور پر دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:
(۱) قصاص برائے حیات (۲) قصاص برائے اعضائے جسمانی۔

کسی شخص کی زندگی سے متعلق جرم قصاص کی پہلی قسم میں آتا ہے اور جو جرائم انسان کے اعضائے جسمانی کو مجروح کریں' اُن کا تعلق دوسری قسم سے ہے۔

قتل کی ممانعت کے ذریعے حیاتِ انسانی کا تقدّس : اُسے قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام : ۱۵۱ ؛ بنی اسرائیل : ۳۳)
''اور اُس جان کو قتل نہ کرو جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام کیا ہے بجز حق (شرعی) کے۔''

اسلام حیاتِ انسانی کے تقدس کو بڑی نمایاں اہمیت دیتا ہے اور جو شخص دوسرے کا خونِ ناحق بہاتا ہے' اُسے دوزخ کی ہمیشہ کی سزا بھگتنا ہوگی (سورۃ النساء: ۹۳) اور ایک آدمی کا (ناحق) قتل پوری انسانیت کے قتل کے برابر سمجھا جائے گا:
مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (المائدۃ : ۳۲)
''جو کوئی کسی کو کسی جان کے (عوض) یا زمین پر فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک کو بچا لیا تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو بچا لیا۔''

نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ یعنی وہ قتل بہ طورِ قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو۔ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ یعنی وہ قتل

کسی ایسے جرم کی پاداش میں ہو جس سے ملک میں بدامنی اور فساد کی بنیاد پڑ رہی ہو اور نظامِ عالم پر اُس سے ضرب لگ رہی ہو مثلاً جرمِ رہزنی' جرمِ ارتداد' جرمِ حرامکاری وغیرہ (تفسیر ماجدی اردو' ص ۲۴۹)

''آیت پر یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرد کا قاتل اور ساری نوع کا قاتل برابر کیسے ہو سکتے ہیں تو یہ لفظ فَكَأَنَّمَا پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہرگز نہیں ہو رہا ہے کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہوگا۔ قانون' عدالت' ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں۔ مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم و فاجر ایک شخص کی بھی جان بلاوجہ اور بے قصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا' اُس کی جسارت اور خبثِ نفس سے کیا بعید ہے کہ جو وہ پائے تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دے۔۔۔ اصل شے تو اُس کی نظر میں قانونِ شریعت کی بے وقری اور اُس کی خلاف ورزی پر اُس کی دلیری ہے۔'' (تفسیر بیضاوی بحوالہ ماجدی) حدیثِ نبوی میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتلِ ناحق ہوتا ہے' اُس کے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے کہ اِس جَور و ستم کا بانیِ اوّل تو وہی ہے (صحیح بخاری : کتاب الانبیاء) ایک صحیح حدیث میں بھی یہ مضمون ایک عام قاعدہ و ضابطہ کی صورت میں آیا ہے: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ لَهُ أَجْرُهَا وَمِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا (''جو کسی نیک کام کی بنیاد ڈالے اور اُس پر عمل بھی کرے' اُسے اپنا اجر بھی ملتا ہے اور اُس کے بعد اُس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی' بغیر اس کے کہ اُن لوگوں کے اجر سے کچھ کم کیا جائے اور جو کوئی کسی رسمِ بد کی بنیاد ڈالے اور اُس پر عمل بھی کرے اُس پر اپنے کیے کا بھی گناہ ہوتا ہے اور اُس کے بعد اُس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی' بغیر اس کے کہ اُن لوگوں کا گناہ کچھ ہلکا ہو۔'')

اسلام نے انسانی خون کو جو حد درجہ تقدس عطا کیا ہے' قرآن مجید کی متعدد آیات اور فرموداتِ رسول مقبول ﷺ اُس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ عبادالرحمٰن (اللہ کے بندوں) کے خصائص بیان کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا O (الفرقان : ٦٨)

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس انسان کی جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے' اُسے قتل نہیں کرتے بجز حق (شرعی) کے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا' اُسے سزا سے سابقہ پڑے گا۔'' (۲۵ : ۶۸)

اِس آیت میں بہ ظاہر جو سبق دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کا اللہ سے تعلق کے حوالے سے کبیرہ گناہ دوسرے دیوتاؤں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے' اور انسان کا انسان کے ساتھ تعلق کے حوالے سے کبیرہ گناہ اُسے اُس کی زندگی سے بلا جواز محروم کر دینا ہے اور شعبۂ اَخلاق میں کبیرہ گناہ بدکاری کا ارتکاب ہے۔ کچھ آیاتِ قرآنی

ایسی بھی ہیں جن میں قتلِ انسانی کی شدید مذمّت کی گئی ہے اور اُسے کافر کی علامت بتایا گیا ہے۔ ''مسلمان کے قتل کی شدید ممانعت ہے اور اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی زندگی اور جائداد محفوظ ہو جاتی ہے جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا۔ (''السیرۃ النبویۃ'' لابن ہشام' جلد چہارم' صفحہ ۲۵۰) طبع قاہرہ۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قتلِ ناحق کو انتہائی سنگین جرم قرار دیا اور فرمایا :

(۱) ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کو تباہ کرنا ایک مسلمان کے ناحق قتل کرنے کے مقابلے میں معمولی اور ناقابلِ لحاظ ہے۔'' (ابنِ ماجہ)

(۲) ''جو کوئی کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کرے جس کی حفاظت کی ضمانت مسلمان ریاست نے دے رکھی ہو' وہ جنت کی خوشبو تک سے محروم رہے گا۔'' (صحیح بخاری)

اسلام قتل جیسے مقدموں میں بھی مصالحت کی حمایت کرتا ہے تا کہ امن و آشتی کا استحکام ہو اس لئے اسلام میں قتل ترکیب پذیر جرم (Compoundable Offence) ہے یعنی قطع نظر اُس کی ذات' رنگ و نسل اور مرتبہ کے قاتل کو اپنے جرم کی پاداش میں قتل کر دیا جائے جب تک کہ مقتول کے ورثاء اُسے معاف نہ کر دیں اور جب تک اُس معافی کی توثیق و تصدیق اربابِ اختیار کی طرف سے نہ ہو جائے۔

اسلام کا قانونِ قصاص اور تحفظ حیاتِ انسانی : اسلام کا قانونِ قصاص قتل کا سدّ باب کرنے اور حیاتِ انسانی کے تحفظ کے لئے بہت مؤثر اور عملی ذرائع فراہم کرتا ہے۔ جو شخص اپنے (دینی) بھائی کی زندگی کے لئے سنگدلی کا اظہار کرتا ہے' اُسے سماج میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ مقتول کے ورثاء کی طرف سے معافی ملنے کو قتل کی حوصلہ افزائی نہ سمجھا جائے کیونکہ قتل کا ارتکاب کرنے والے قاتل کو یہ علم نہیں ہوتا کہ مقتول کے ورثاء اُسے معاف کر دیں گے یا نہیں' اس لئے موت کا خوف اُسے ہمیشہ ایسا جرم کرنے سے روکے رکھے گا۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ معافی یا رعایت کی وہاں اجازت ہے جہاں حالات ایسے ہوں کہ معافی اور رُورعایت سے اصلاحِ احوال ہو جائے گی اور تمام فریقوں کے لئے اچھے نتائج کی موجب ہوگی۔

جرائم کی روک تھام کے لئے اسلام کا مقصد دراصل اُن حالات کا قلع قمع کرنا ہے جو جرائم کی راہ میں مددگار ہوتے ہیں۔ وہ آدمی میں مکمل اخلاقی اصلاح پیدا کر کے تمام جرائم کو جڑ سے اکھیڑ دینا چاہتا ہے۔ لیکن اسلام صرف اِسی بات پر مطمئن نہیں۔ وہ معقولیت' عدل و انصاف اور انسانیت دوستی کے آمرانہ حکم کی موافقت میں ممانعت کے احکام بھی مقرر کرتا ہے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''قانونِ قصاص ایک ممانعاتی حصار کا کام دیتا ہے جس سے جرائم تعداد اور سنگینی میں کم ہو جائیں گے۔ اگر قاتل مقتول کی نسبت کسی شریف ومعزز خاندان کا ہو تو مقتول کے قریبی رشتہ دار بعض اوقات قاتل سے قصاص لینے کو گھٹیا پن سمجھتے ہیں' اس لئے وہ حملہ کر کے قاتل کے جتنے آدمی بھی مار سکتے ہیں' مار دیتے ہیں۔ پھر شاید دونوں فریق کچھ اور لوگوں کے ساتھ متحد ہو کر اُن کی مدد حاصل کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں شہری نزاع و ناموافقت اور تلخ دشمنی واقع ہوتی ہیں۔ اس تمام چپقلش کا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے عدل وانصاف کی وہ راہ ترک کر دی ہے جو قانونِ قصاص نے مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قاتل ومقتول کے درمیان تعدیل و مساوات پر مبنی قانونِ قصاص مقرر فرمایا ہے۔ اُس نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ قانونِ قصاص میں تمہارے لئے حیات ہے (سورۃ البقرۃ:۱۷۹)۔ اوّلاً تو یہ حکم قاتل اور مقتول کے قرابتداروں کی زندگیوں کو بچاتا ہے۔ دوم یہ کہ قتل کا ارادہ رکھنے والے کو ارتکابِ قتل کے بعد اپنے مارے جانے کا علم ہے تو وہ ایسا جرم کرنے سے باز رہے گا۔'' ("On Public & Private Law in islam".. Ibn-e-Taymiyah, pp. 165, 166)

قتل کی اقسام: اسلامی قانون میں قتل کی پانچ اَقسام ہیں:

(۱) **قتلِ عمد**: جیسا کہ الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس قتل میں عمد اور ارادے کو دخل ہوتا ہے۔

قتلِ عمد کی سزا: یہ سزا سورۃ النساء کی آیت ۹۳ میں بیان ہوئی ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا

''اور جو کوئی کسی مؤمن کو قصداً قتل کر دے تو اُس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا۔'' (۴ : ۹۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جو کوئی کسی مسلمان کے قتل کا اشارہ لفظاً بھی کرے تو وہ اپنے آپ کو رحمتِ خداوندی سے محروم سمجھے۔''

امام بخاری اور امام مسلم اُس یہودیہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور آپ کے ایک صحابی بشیر بن براء رضی اللہ عنہ کو گوشت میں زہر دیا تھا۔ زہر کے نتیجہ میں بشیر بن براء وفات پا گئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابی کی وفات کی وجہ سے اُس یہودیہ کو موت کی سزا دی۔

قتلِ عمد میں قصاص کی مصالحت: (۱) قتلِ عمد میں ایک بالغ، صحیح العقل ولی عدالت میں یا عدالت

کی طرف سے مجاز افسر کی موجودگی میں قصاص کی عملدرآمد سے پہلے کسی بھی وقت بدلِ صلح ☆ قبول کر کے قصاص پر صلح کر سکتا ہے۔

(۲) جہاں ریاست ولی ہو تو وہ قصاص پر مصالحت کر سکتی ہے بشرطیکہ بدلِ صلح کی قیمت دیت (خوں بہا) کی قیمت سے کم نہ ہو۔

(۳) جہاں بدلِ صلح مقرر نہ ہو یا ایسی چیز ہو جس کی قدر و قیمت نہ ہو یا ایسی جائداد اور اثاثہ ہو جس کی قیمت شریعت کے تحت نہ لگائی جا سکتی ہو تو قصاص کا ترکیب پذیر پایا جانا سمجھا جائے گا اور مجرم کو خوں بہا دینا ہوگا۔

(۴) بدلِ صلح مطالبہ پر یا کسی بعد کی تاریخ پر ادا کیا جائے گا جیسا کہ مجرم اور ولی کے مابین سمجھوتہ ہو جائے۔
("Islamic Law of Tort".. Dr.Liaquat Ali Khan Niazi, pp. 151, 152)

(II) قتل شبہ العمد: مسلم قانون میں قتل میں استعمال کئے گئے اوزار کی نوعیت کو دیکھا جائے گا۔ کسی شخص کو ایسے آلہ سے ضرب لگائی جائے جس سے قتل نہیں کیا جاتا جیسے چھڑی یا پتھریلی کنکری۔ اُس کا قصد ضرب لگانا ہو' قتل کرنا نہ ہو لیکن اُس ضرب کے نتیجہ میں مضروب مرجائے تو یہ قتل شبہ العمد ہوگا۔

قتل شبہ العمد کی سزا: اس کی سزا جرمانہ کی صورت میں تلافی کر دینا ہے یعنی تین سال کے اندر ایک سو اونٹوں کی ادائیگی۔ سزا کے اس طریق کی بنیاد وہ حدیثِ نبوی ہے جس کے راوی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:
''جو کوئی کنکری یا چھڑی یا عصا سے مرجائے تو اُسکے ورثاء کو اونٹوں کی شکل میں خوں بہا بطور جرمانہ دینا ہوگا۔''
(دارقطنی)

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:
''قتلِ شبہ العمد میں خوں بہا یا جرمانہ قتلِ عمد کی طرح ہے لیکن مجرم کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔''
(مسند امام احمد' سنن ابی داؤد)

ردّ المختار کے مطابق:
''اس دورِ جدید میں قتلِ شبہ العمد کی تلافی اونٹوں کی بجائے نقدی کی شکل میں ہونی چاہئے۔ ایسے معاملہ میں صحیح تلافی (بہ صورت خوں بہا) ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں۔ (جلد ۵' صفحہ ۵۰۴) طبع مصر

☆ ''بدلِ صلح'' سے مراد شریعت کے مطابق آپس میں وہ متفق علیہ تلافی ہے جو مجرم کی طرف سے ولی کو نقد یا منقولہ یا غیر منقولہ جائداد یا کسی اور صورت میں ادا کی جاتی ہے۔

اس صورت میں قاتل مقتول کے ترکہ کی وراثت سے محروم رہتا ہے۔

(III) قتلِ خطا: خطا دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) خطا فی القصد (یعنی ارادہ کی خطا) مثلاً کسی انسان کو درندہ سمجھتے ہوئے مار دینا۔ یہاں خطا فی القصد ہے۔ (۲) خطا فی العمل: مثلاً کسی چیز کا نشانہ باندھتے ہوئے بدقسمتی سے اُس کی جگہ کوئی اور مارا جائے۔ یہاں فعل میں خطا ہے۔ یہ قتل گناہ نہیں۔ قتلِ خطا کی ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ مثلاً ڈرائیور کسی تکنیکی یا مکینیکل نقص کی وجہ سے گاڑی پر قابو نہیں پا سکتا اور کسی کو مار دے تو یہ بھی قتلِ خطا ہے۔

قتلِ خطا کی سزا: قتلِ خطا کی سزا کی بنیاد سورۃ النساء کی درج ذیل آیت (۹۲) ہے:۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى أَهْلِهٖ اِلَّا أَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى أَهْلِهٖ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا O (النساء: ۹۲)

"اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا (واجب ہے) اور خوں بہا بھی جو اُس کے عزیزوں کے حوالے کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ پھر اگر وہ (مقتول) تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ مومن (بھی) ہو تو (صرف) ایک غلام / باندی کا آزاد کرنا (ہی لازم) ہے اور اگر وہ (مقتول) اُس قوم میں سے ہو کہ تمہارے اور اُن کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہے تو خوں بہا (بھی) جو اُس کے گھر والوں کے سپرد کیا جائے اور ایک مسلمان غلام / باندی کا آزاد کرنا (بھی لازم) ہے۔ پھر جسے (غلام / باندی) میسر نہ ہو تو (اُس پر) متواتر دو مہینوں کے روزے (لازم) ہیں۔ اللہ کی طرف سے (یہ اُس کی) توبہ ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔" (۴ : ۹۲)

(IV) قتل شبہ الخطا یا قائم بالخطا: "اگر کوئی آدمی سوتے ہوئے کسی دوسرے آدمی پر گر پڑے جس سے اُس آدمی کی موت واقع ہو جائے یا اگر تلوار یا پتھر کسی آدمی کے ہاتھ سے گر جائے اور دوسرے کسی آدمی کو لگ جائے جس سے اُس کی موت واقع ہو جائے تو اُسے "قتل شبہ الخطا" یا "قائم بالخطا" کہا جاتا ہے۔"

سزا: اس کی سزا بھی قتل بالخطا کی سزا جیسی ہے یعنی (۱) خوں بہا تین سال کے اندر ادا کرنا ہوگا اور (۲) بطور کفارہ ایک مسلمان غلام یا باندی آزاد کرنا ہوگی۔ اس کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ہوں گے۔" ("Legal Character of Islamic Punishments" ... Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, p. 85).

(V) قتل بالسبب : یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے سڑک کے درمیان میں پتھر پھینکا اور کوئی راہ گزر اُس سے ٹھوکر کھا کر مر گیا یا اگر کسی شخص نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا جس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہو گیا یا کوئی شخص کسی سواری پر تھا اور اُس سواری نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا تو یہ سب ''قتل بالسبب'' کی تعریف میں آتا ہے۔

سزا: قتل بالسبب کی سزا قتلِ خطا کی سزا کی طرح خوں بہا کی ہے لیکن اس میں آدمی کو نہ تو کفارہ دینا پڑے گا اور نہ ہی اُسے وراثت کے حق سے محروم کیا جائے گا۔ (ایضاً' صفحہ ۱۷۰)

جسمانی ضرر (Injuries): ''مُثلہ (اعضاء کی قطع برید) جس سے جسم کو خاصی تکلیف اور نقصان پہنچتا ہے' اُس آدمی کے خلاف ٹارٹ (ہرجانے) کا عمل ہے جس کے لئے دیت بطور تلافی دینا ہو گی۔ دیت کا اطلاق مُثلہ کی تمام صورتوں پر ہوتا ہے اور اُن صورتوں میں بھی جن میں قصاص کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔'' (ڈرافٹ آرڈی نینس بائی دی کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی' گورنمنٹ آف پاکستان' سیکشن ۳۵)

درج ذیل قرآنی آیت سے قصاص کی دو قسمیں معلوم ہوتی ہیں :
(الف) قصاص برائے جسمانی اعضاء
(ب) قصاص برائے جسمانی ضرر۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ'' (المائدة : ۴۵)
''اور ہم نے اُن پر اُس (تورات) میں یہ فرض کر دیا تھا کہ جان کا بدلہ جان' آنکھ کا بدلہ آنکھ' ناک کا بدلہ ناک' کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں قصاص ہے۔'' (۴۵ : ۵)

(الف) قصاص برائے جسمانی اعضاء : جسمانی اعضاء کے لئے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) اعضاء کے نام اور جگہ میں مساوات : اس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا ہاتھ کاٹنا ہی ہے اور اگر پاؤں کاٹا گیا ہے یا اُسے بالکل ناکارہ کر دیا گیا ہے تو پاؤں ہی کاٹا جائے گا۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اصل عضو کی جگہ اصل عضو اور اضافی عضو کی جگہ اضافی عضو کاٹا جائے گا۔ فریقین کی رضامندی کے باوجود اضافی عضو کو اصل عضو کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح دایاں عضو بائیں عضو کی جگہ نہیں کاٹا جائے گا اور نہ ہی بایاں عضو دائیں عضو کی جگہ کاٹا جائے گا۔ مساوات کا تقاضا یہ ہے کہ شہادت کی انگلی' شہادت کی انگلی کے بدلہ میں' انگوٹھا انگوٹھے کے بدلہ میں اور پاؤں کی انگلی پاؤں کی انگلی کی جگہ کاٹی جائے گی۔

(۲) چڑ کا اعضاء کے جوڑ پر لگایا جائے ۔ اگر جوڑ کی نشان دہی نہیں ہوسکتی یا عضو اپنے متصل عضو سے جدا نہیں ہوسکتا تو اس میں قصاص نہیں ہوگا۔

(۳) صحت اور قوّت میں مساوات : صحتمند عضو کو غیر صحتمند عضو کے بدلہ میں اور مکمل عضو کو نامکمل عضو کے بدلہ میں نہ کاٹا جائے ۔ قصاص میں جہاں بھی مساوات ممکن ہو تو قانونِ قصاص کا نفاذ ہوگا ۔ لیکن اگر اس کا نفاذ ممکن نہ ہو یا اس کا نفاذ ظلم ہو تو قصاص کی جگہ خوں بہا (دیت) ادا کرنا ہوگی ۔

(ب) قصاص برائے جسمانی ضرر : قصاص کا اطلاق ہر ارادی جسمانی ضرر پر ہوگا اس شرط پر کہ ظلم اور غیر انسانی رویّہ کو اختیار کئے بغیر مساوات کو ملحوظ رکھا جائے کیونکہ ظلم و تشدّد اور غیر انسانی اذیّت کی صورت میں قصاص کی بجائے خوں بہا (دیت) دینا پڑتا ہے ۔

انسانی اعضاء کے ضرر میں قصاص کا اصول سورۃ المائدۃ کی آیہ ۴۵ میں موجود ہے جس کا حوالہ گزشتہ صفحہ میں دیا جاچکا ہے ۔

خوں بہا کے مقصد کے لئے انسانی اعضاء کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے :

(۱) واحدی (Unitary) اعضاء : یہ قسم صرف ایک عضو کی ہے جیسے ناک، زبان وغیرہ ۔
(۲) ثنائی (Binary) اعضاء : یہ قسم جوڑے اعضاء کی ہے جیسے آنکھیں، کان، ٹانگیں، ہاتھ، بازو، جبڑے، ہونٹ، چھاتیاں، پاؤں وغیرہ ۔
(۳) مرکّب (Multiple) اعضاء : ان کی تعداد دو سے بھی زیادہ ہوتی ہے جیسے دانت، ہاتھوں کی انگلیاں، پاؤں کی انگلیاں وغیرہ ۔

اگر واحدی یا ثنائی اعضاء کی قطع و برید ہو جائے تو مکمل خوں بہا ادا کیا جائے گا (''فقہ السنۃ'' ج ۲، صفحات ۵۵۹، ۵۶۰ بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری) ۔ اگر ثنائی اعضاء میں کسی ایک عضو کی قطع برید ہو جائے تو خوں بہا آدھا ادا کیا جائے گا اور اگر مرکب اعضاء میں سے کوئی عضو ضرر میں ناکارہ ہو جائے تو متناسب خوں بہا ادا کیا جائے گا ۔'' ("Legal Character of Islamic Punishments"... Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, pp. 96, 97)

ضرر میں اعضاء کی معدومیت کے لئے خوں بہا : کچھ ضرر ایسے ہوتے ہیں جن میں اعضاء کی قطع

بر ید نہیں ہوتی بلکہ ضرر کی وجہ سے وہ کام کرنے سے رُک جاتے ہیں ۔مثلاً اگر ضرر آدمی کی عقل کو نقصان پہنچائے یا اُس کی بینائی' شنوائی' ذائقہ' چھونے اور بولنے کو مستقل طور نقصان پہنچائے تو اِن تمام نقصانات میں مکمل خوں بہا ادا کرنا ہوگا۔'' (''فقہ السنۃ' جلد ۲' صفحہ ۵۶۱' بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

اِس اصول کی بنیاد ایک قانونی نظیر (Precedent) پر ہے جس میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو جسمانی ضرر دیا جس کے نتیجہ میں اُس کی قوّتِ سماعت و بصارت کے نقصان کے علاوہ اُس کی عقل اور جنسی قوّت کو بھی نقصان پہنچا لیکن وہ شخص زندہ رہا۔اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُسے چار گنا خوں بہا دلوایا۔ (ایضاً)

اگر ایک آنکھ کی قوّتِ بصارت اور ایک کان کی قوّتِ سماعت ضائع ہو جائے تو مظلوم کو نصف دیت ادا کی جائے۔ (ایضاً)

<u>ناگواری اور زحمت کا باعث باتیں (Nuisance)</u>: ایک حدیثِ نبوی کی رُو سے اگر کوئی آدمی اپنے مکان کی تعمیر اس طرح کرے جس سے اُس کے ہمسائے کے مکان کی ہوا اور روشنی رُک جائیں تو یہ چیز (Nuisance) کہلائے گی۔(Nuisance) سے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد فرمودات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔مثلاً :

(۱) ''ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کی بلند ترین عمارت کی چوٹی پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ میں بلا شک وشبہ تمہارے مکانوں میں دکھ اور آزار کے دھبے موسلا دھار بارش میں بارش کے کثیر التعداد قطروں کی طرح دیکھ رہا ہوں۔'' (صحیح بخاری)

(۲) ''ایک آدمی نے راہ چلتے ہوئے راستہ میں پڑی ہوئی درخت کی ایک خار دار ٹہنی کو دُور کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے اُس کے اِس عمل کی قدر دانی کرتے ہوئے اُس کے گناہ معاف فرمادیئے۔'' (ایضاً)

(Nuisance) کی مندرجہ ذیل تین قسمیں بیان کی گئی ہیں :

(الف) نجی (ب) عوامی (ج) شاہراہ سے متعلق (Nuisance)

(الف) <u>نجی (Nuisance)</u>: اس کی کچھ مثالیں حسب ذیل ہیں :

(۱) اگر کسی شخص کے باغ کی ٹہنیاں بڑھ کر اُس کے ہمسایہ کے باغ یا مکان تک پہنچ گئی ہوں تو ہمسائے کو روشنی اور ہوا کا راستہ بنانے کا حق حاصل ہے کہ یا تو وہ ٹہنیوں کو کاٹ دے یا اُنہیں پیچھے کی طرف موڑ کر آپس میں باندھ دے' لیکن درخت کو نہیں کاٹا جاسکتا۔

(۲) ہر شخص کو اپنے مکان کو جتنا بلند بنانا چاہے' پورا حق ہے اور اپنی ملکیہ دیوار پر وہ جو کچھ بھی بنانا چاہے بنا سکتا ہے اور کسی کو اُس کے روکنے کا حق حاصل نہیں بشرطیکہ اُس کے ہمسایہ کے جائز قانونی مفادات کو نقصان نہ پہنچے۔

(۳) اگر گندے پانی کی نکاسی کے لئے کسی آدمی کے مکان کی زیرِ زمین نالیوں (Sewer) کا ٹوٹ جانا اُس کے ہمسایہ کے مکان کے بہت زیادہ نقصان کا موجب بنے تو اُن نالیوں کی مرمت اور اصلاح ضروری ہو جاتی ہے۔اسی طرح اگر کوئی آدمی کپڑے کی مارکیٹ میں کھانے پینے کی نئی دکان کھولتا ہے جس کا دھواں اُس کے ہمسایہ کے سامان پر پڑ کر خاصے نقصان کا موجب ہو رہا ہے تو اُس دکان کو ختم کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی مالکِ مکان اُس گرد و غبار کی وجہ سے اتنا پریشان ہے کہ اُس کا اس میں رہنا محال ہے جو اُس کے پڑوس میں نئے تعمیر شدہ مکان سے آرہا ہے تو اس ضرر کو دُور کیا جا سکتا ہے۔

(ب) عوامی (Nuisance): یہ غیر قانونی عمل کسی قانونی فرض کی ادائیگی کی راہ میں رکاوٹ بننے کا عمل ہے جس سے عوام یا اُس کے کچھ طبقات کی زندگیوں' اُن کے تحفظ' صحت اور آرام و آسائش کو خطرہ پڑ جائے۔

اسلامی قانون میں عوامی (Nuisance): کسی اذیّت ناک چیز کو راستے سے ہٹا دینے کی فضیلت احادیث مبارکہ میں بہت آئی ہے مثلاً رسالتمآب ﷺ نے فرمایا :

اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَۃٌ" (صحیح بخاری)

"راستے سے کسی اذیت ناک چیز کو ہٹا دینا صدقہ ہے۔"

اگر کوئی آدمی غسل خانہ تعمیر کرے یا جل بگولا (Waterspout) بنائے یا دیوار کھڑی کرے یا عام شاہراہ پر دکان یا لکڑی کا کھوکھا لگائے تو ہر شخص کو قطع نظر اُس کے مقام و مرتبہ کے' اُسے گرانے کا اختیار ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کو سڑک کے ساتھ آزاد راستے کا حق حاصل ہے۔شاہراہ پر پانی پھینکنے کی وجہ سے کسی بھی حادثہ کا ذمہ دار وہی پانی پھینکنے والا ہوگا۔اگر کوئی آدمی شاہراہ پر پتھر رکھ دے اور کوئی دوسرا آدمی اُس پتھر کو دور کر کے سڑک کے کسی اور حصّے میں رکھ دے جس سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو ذمہ داری پتھر کے دُور کرنے والے پر عائد ہوتی ہے کیونکہ ابتداء پتھر رکھنے والے کا عمل اپنے اثر میں منسوخ ہو چکا ہے۔ ("Islamic Law of Tort" ... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, pp. 120, 121)

پبلک Nuisance) کی وضاحت میں دفعات : (۱) راستے کا حق : عام گزرگاہ پر راستہ ملنے کا حق بہ شرطِ تحفظ ہر شخص کو حاصل ہے یعنی وہ اس شرط کا پابند ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (ایضاً صفحہ ۱۲۱)

(۲) رکاوٹوں کا دُور کرنا: حکومت کی اجازت کے بغیر کسی کو عام گزرگاہ پر خرید وفروخت کرنے کے لئے بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے' نہ ہی حکومتی اجازت کے بغیر وہ وہاں کوئی چیز رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو ممکنہ نقصان کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ اگر کوئی شخص عام گزرگاہ میں لکڑی یا پتھر رکھ دے اور کسی دوسرے آدمی کے جانور اُس سے ٹھوکر کھا کر پھسل جائیں تو ذمہ دار لکڑی یا پتھر کے رکھنے والا ہوگا۔ اگر کوئی شخص عام گزرگاہ پر تیل جیسی پھسلنے والی چیز پھینک دے اور کسی آدمی کا جانور اس سے پھسل کر مر جائے تو اس کی ذمہ داری بھی اُسی شخص پر ہوگی۔ (ایضاً' صفحہ ۱۲۲)

(۳) آگے کو بڑھتی ہوئی تعمیر اور بالکنیاں (Projections and Balconies): آگے کو بڑھتی ہوئی تعمیرات اور بالکونیاں اگر عوام کی تکلیف اور اُن کے نقصان کا موجب ہوں تو اُنہیں ہٹا دینا لازم ہے اگرچہ وہ قدیم زمانے کی ہوں (ایضاً)

(۴) متفرقات : عام گزرگاہ پر ہر شخص کو اپنے جانور کے ساتھ گزرنے کا حق حاصل ہے۔ البتہ وہاں کسی شخص کو جانور کے ٹھہرانے یا وہاں باندھنے کی اجازت نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے اور وہ جانور اپنے اگلے یا پچھلے پاؤں سے یا کسی اور طریق سے ضرب لگا کر کوئی نقصان کرتا ہے تو اُس نقصان کا ذمہ دار جانور کا مالک ہوگا۔ لیکن وہ جگہیں جو علیحدہ کر کے جانوروں کے رکھنے کے لئے بنائی گئی ہوں جیسے گھوڑوں کے بازار اور گھوڑوں کے کرائے کی جگہیں تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے گھوڑے کو عام گزرگاہ پر کھلا چھوڑ دے تو گھوڑے سے کئے ہوئے نقصان کا ذمہ دار وہ شخص ہوگا۔ (ایضاً)

(ج) شاہراہ سے متعلق (Nuisance) قانونِ اسلامی کی نظر میں: درج ذیل حدیثِ مبارکہ شاہراہ کی (Nuisance) کو اجاگر کرتی ہیں جس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَی الطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا: مَالَنَا بُدٌّ" اِنَّمَا هِیَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِیْهَا قَالَ: فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجَالِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّهَا قَالُوْا: وَمَاحَقُّ الطَّرِیْقِ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِوَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ زِیَادَةٌ" وَاِرْشَادُ الضَّالِّ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

''عام گزرگاہ پر بیٹھنے سے بچو۔ صحابہ نے کہا: وہاں بیٹھنے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں' وہ ہماری نشست گاہیں ہیں جن میں بیٹھ کر ہم آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں وہاں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کو اُس کا حق دو۔ صحابہ نے پوچھا: راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: نگاہ کا نیچا رکھنا' اذیت ناک چیز کو ہٹا دینا' سلام کا جواب دینا' نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا۔ کچھ روایات میں بھولے بھٹکے کو سیدھی راہ بتا دینا ہے۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

<u>شاہراہ پر پانی پھینکنا</u> : عام گزرگاہ پر پانی پھینکنے کی وجہ سے کسی ممکنہ نقصان کا ذمّہ دار پانی پھینکنے والا شخص ہوگا ہاں یہ کہ متاثرہ شخص جانتے بوجھتے ہوئے اُس گزرگاہ سے گزرے ۔ اگر کوئی شخص قصداً اور جانتے بوجھتے ہوئے ایسی سڑک سے گزرے جہاں پانی پھینکا گیا ہو اور وہ اس میں گر کر مر جائے تو پانی پھینکنے والے پر کوئی ہرجانہ نہ ہوگا کیونکہ متوفی اپنے ارادہ اور ضد کی وجہ سے مرا ہے ۔ یہی اصول عمارتی لکڑی یا اس قسم کی دوسری اشیاء کے راہ گزر میں نصب کرنے کا ہے ۔'' ("Islamic Law of Tort" .... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, pp. 127, 128 with ref. to "Al-Hidaya".

'' گزرگاہ پر پانی چھڑکنے والا شخص وہاں کسی بھی ممکنہ حادثہ کے وقوع کا ذمّہ دار ہوگا ۔'' (ایضاً)

<u>متفرقات</u> : کنویں کا کھودنے والا یا شاہراہ میں پتھر رکھنے والا کسی بھی ممکنہ نقصان کا ذمّہ دار ہوگا ۔ مٹی اور گرد و غبار یا شاہراہ میں بڑے گڑھے کھودنے کی کیفیت بھی وہاں پتھر رکھنے والے کی سی ہوگی ۔

'' کسی اذیت ناک چیز کو ہٹا کر اُسے کسی دوسری جگہ پر منتقل کر دینا اور وہاں بعد میں کسی حادثہ کے وقوع پذیر ہونے کی صورت میں ذمّہ داری اُس شخص پر ہوگی ۔''

'' نکاسیِ آب کے لئے بنائی گئی زیرِ زمین نالیوں کا شاہراہ پر اربابِ اختیار کی طرف سے بنائے جانے پر اور بعد میں کسی حادثہ کے وقوع پذیر ہونے کی صورت میں اربابِ اختیار ذمّہ دار نہیں ہوں گے ۔''

'' اپنی زمین میں کنواں کھودنے والا کسی ممکنہ موت کا ذمّہ دار نہیں ہے ۔ کنویں میں گر کر بھوک کی وجہ سے مر جانے والے شخص کی موت کی ذمّہ داری کسی پر نہیں ہے ۔''

'' کسی اور کی زمین میں کنواں کھودنے والے مزدور کسی حادثہ کے ذمّہ دار نہیں ہیں جب تک کہ اُنہیں اُس کے گزرگاہ ہونے کی آگاہی نہ ہو ۔ اگر کوئی آدمی کنواں کھودنے کے لئے کرائے پر مزدور لے اور وہ اُسے ٹھیک کھود بھی دیں بعد میں کوئی اس میں گر کر مر جائے تو اس کی ذمّہ داری مزدوروں پر نہیں بلکہ آجر پر ہوگی ۔'' (ایضاً)

'' ایک قلی اپنے سر پر لادے ہوئے بوجھ کی وجہ سے کسی حادثہ کی صورت میں اُس حادثہ کا ذمّہ دار ہوگا ۔''

'' کسی مسجد میں لیمپ کا لٹکانے والا یا ریت بجری کا بکھیرنے والا وہاں کسی بھی وقوع پذیر ہونے والے حادثہ کا ذمّہ دار ہے ۔ اس کا اطلاق اہالیانِ علاقہ پر نہیں ہوتا جن پر کوئی ذمّہ داری نہیں ۔'' (ایضاً ' ص ۱۲۹)

<u>کسی کی خلوت گاہ/گھر میں جھانکنا (Peeping)</u> : اسلام نے کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کی نہ صرف پابندی لگائی ہے بلکہ دوسروں کے گھروں میں جھانکنے سے بھی روکا ہے۔ ختمی مرتبت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

مَنِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِهِمْ حَلَّ لَهُمْ اَنْ یَّفْقَئُوْا عَیْنَهٗ (صحیح مسلم)
''جو کوئی کسی کے گھر میں اہلِ خانہ کی اجازت کے بغیر جھانکے تو اہلِ خانہ کے لئے اُس کی آنکھ کا پھوڑ دینا جائز ہے۔'' (صحیح مسلم)

ایک اور حدیث یوں ہے:

''سہل بن سعد الصاعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی علیہ السلام کے حجرہ مبارکہ کے دروازہ کی کسی درز سے اندر کو جھانکا۔ آپ ﷺ اُس وقت سہل کے ساتھ ایک خارش کرنے والے آلہ کے ساتھ تھے اور اپنے سر اقدس کو اُس سے کھجلا رہے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے دیکھ کر فرمایا: اگر مجھے یہ (بروقت) معلوم ہو جاتا کہ تم دروازہ سے اندر کو جھانک رہے ہو تو میں تمہاری آنکھیں پھوڑ دیتا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ نگاہ کے خلاف بطور حفاظت اجازت لینے کی ضرورت ہے۔'' ("Islamic Law of Tort" .... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, p. 92)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں جھانکتا ہے اور اہلِ خانہ اُس کے جرم کی پاداش میں کوئی چیز اُس کی آنکھ میں چبھو دیں تو وہ مجرم نہ ہوں گے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کسی کو کسی کے محض جھانکنے کی وجہ سے اُس کی آنکھ نکالنے کی اجازت نہیں ہے لیکن اگر کوئی اس جرم کا عادی ہو چکا ہے اور بار بار کی تنبیہات کے باوجود وہ اپنا رویہ نہیں بدلتا اور اس دھینگا مشتی اور ہاتھا پائی میں اُس کی بصیرت رخصت ہو جائے تو اہلِ خانہ کو اس کی سزا نہ دی جائے۔

اپنے موقف کی تائید میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ کسی کے گھر میں جھانکنا اتنا سنگین جرم نہیں ہے جتنا کہ کسی کے گھر میں ناجائز مداخلت ہے۔ جبکہ اُس کے اِس مؤخر الذکر جرم کی سزا آنکھ نکالنا نہیں ہو سکتی تو اُس سے کم تر جرم (یعنی جھانکنے) کی سزا ایسی شدید کیسے ہو سکتی ہے؟ جو لوگ امام ابوحنیفہ کے استدلال کے قائل ہیں' اُن کی رائے یہ ہے کہ دوسروں کے گھر میں جھانکنے کے جرم کی سنگینی کا لوگوں کو تاثر دینا ہے جس کا اظہار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنے شدید لفظوں میں فرمایا۔

یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی کے پروفیسر Uriel Heyd نے دوسروں کے گھر میں جھانکنے کا حوالہ دیا ہے جو عثمانی قانونِ جرائم میں جرم تھا۔ عثمانی قانونِ جرم کی دفعہ ۵۵ کی رُو سے بالخصوص اُس گھر میں جہاں خواتین رہتی ہوں'

جھانکنا حرام ہے۔("Studies in Old Ottoman Criminal Law"..Uriel Heyd, p.109)

تاہم اچانک نظر پڑ جانا (سرسری نگاہ) استثنائی صورت ہے ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالعمد جھانکنے کو آنکھوں کی بے حیائی فرمایا ہے۔تاہم اگر کسی عورت کو دیکھنے کی حقیقی ضرورت ہو تو وہ استثنائی صورت میں آتی ہے۔
("Islamic Law of Tort" .... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, p. 93)

دروغ حلفی (Perjury): عدالتی کارروائی میں قسم اٹھا کر جھوٹی گواہی دینا دروغ گوئی کہلاتا ہے۔("Criminal Law" ... Smith & Hogan, p. 711)

اللہ کی آخری کتاب (قرآنِ حکیم) نے واضح الفاظ میں دروغ حلفی کی مذمت کی ہے اور فرمایا:

(۱) وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَO (البقرۃ : ۴۲)
''اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کیا کرو اور نہ ہی جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپایا کرو۔''

(۲) وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ (البقرۃ : ۲۸۳)
''اور (ادائے شہادت کے وقت) گواہی کو چھپایا نہ کرو اور جو کوئی اُسے چھپاتا ہے اُس کا دل گنہگار رہتا ہے۔'' (۲:۲۸۳)

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًاO (النساء : ۱۳۵)
''اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو، چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی ہو، وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے، تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اگر تم کجی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُس سے خوب باخبر ہے۔'' (۴ : ۱۳۵)

(۴) وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِO (الحج : ۳۰)
''جھوٹی بات کہنے سے گریز کیا کرو۔'' (۲۲ : ۳۰)

جھوٹی گواہی پُرعناد قانونی چارہ جوئی (Malicious Prosecution) کا سبب بنتی ہے جو کہ انتہائی بے انصافی اور حقوق العباد کی بے حرمتی ہے۔اس لئے پُرعناد قانونی چارہ جوئی کے عمل میں مدعی جھوٹے گواہ کو قید کرنے اور اُسے کوڑے لگانے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔یہ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کی رائے ہے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک جھوٹے گواہ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جائے اور مشتہر کرنے کا یہ عمل دوسروں کی آنکھیں

کھولنے کے لئے کافی ہوگا۔ خلیفہ عمرؓ جھوٹے گواہ کو کوڑے لگانے اور اُسے ذلیل و رسوا کرنے پر یقین رکھتے تھے۔

پُر عناد قانونی چارہ جوئی (Malicious Prosecution) کے مقدمات میں صرف ''تعزیر'' کی سزا ہی نہیں بلکہ عدالت کی جانب سے جرمانہ اور تلافی کی سزا بھی ہو سکتی ہے کیونکہ ایسے مقدمات مدعی کے مالی اور نفسیاتی نقصانات کا باعث بنتے ہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مدعا علیہ نے مدعی کو از روئے عناد گرفتار کرایا جس سے مدعی کو مالی اور جسمانی نقصان ہوا تو مدّعا علیہ کو تعزیر کی سزا دی جائے۔

ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اسلام پُر عناد قانونی چارہ جوئی کے مقدمہ میں پُر اثر علاج فراہم کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص عدالت میں جھوٹا دیوانی مقدمہ دائر کرتا ہے تو مدّعی اُس پر ذہنی عذاب دیئے جانے کے نقصان کا مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔ ("Islamic Law of Tort" .... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, pp. 204, 205)

اسلامی قانون کی رُو سے کسی کو بغیر کسی معقول سبب کے گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ پُر عناد قانونی چارہ جوئی کی مذمّت قرآنِ حکیم میں یوں کی گئی ہے :

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ O (اَلْبَقَرۃ : ۱۸۸)

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اُڑاؤ اور نہ اُسے حُکّام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصّہ تم گناہ سے کھا جاؤ در آنحالیکہ تم جان رہے ہو (کہ تم ناحق اور زیادتی پر ہو)۔''

خلوت گاہ (Privacy): تخلیہ اور خلوت گاہ ایسی جگہ ہے جہاں انسان تنہا ہوتا ہے۔ ہم اس کا مطلب انسانی مداخلت سے ہر طرح کی آزادی سمجھتے ہیں لیکن برابر کی اہمیت کے کچھ اور عناصر بھی ہیں: جسمانی آزار اور روک ٹوک سے حفاظت اور آدمی کا اپنے ماحول سے پُر امن اور پُر آسائش طور پر حظ اندوز ہونا۔ کارخانہ کی ایک برے طریق سے لگائی گئی چمنی کا دھواں آپ کے اہلِ خانہ پر پڑ کر جسمانی نقصان کا موجب ہو رہا ہے اور آپ کے ماحول کی پُر امن حظ اندوزی میں دخیل ہے۔ یہ آپ کے تخلیہ پر بھی حملہ آور ہے لیکن بہت سے لوگ اس کی پروا نہیں کرتے۔ گھر پر آمرانہ گرفتاری پُر امن حظ اندوزی میں دخیل ہوتی ہے اور ہدایت دہی کی متقاضی ہے۔ یہ بھی تخلیہ پر حملہ آوری ہے اور اس کی مذمّت کی جانی چاہئے۔'' .. ("Cases and Materialists" Hepple and Matthews, pp. 570, 573) London 1974.

اسلام گھریلو زندگی کے تخلیہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی شدید ممانعت کرتا ہے جیسا کہ سورۃ النور میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

یَا اَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْابُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْاوَ تُسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ ” لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ O (اَلنُّور : ۲۷)

’’مؤمنو! اپنے گھروں کے سوا (دوسروں کے) گھروں میں نہ داخل ہوا کرو جب تک تم اجازت نہ لے لو اور اُن کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو‘ یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور کرو۔

محض اجازت طلب کرنے کے لئے لفظ تَسْتَاْذِنُوْا کافی تھا۔اس کی بجائے تَسْتَاْنِسُوْا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتا دو تا کہ اُسے وحشت نہ رہے۔آیت کے آخری حصّے کا مفہوم یہی ہے کہ اس اجازت لینے میں ہرگز اپنے لئے کوئی ذلت نہ سمجھو۔ یہ تو بہت سے مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا ذریعہ ہے اور ہر طرح مفید ہی ہے۔

(۲) اوپر خط کشیدہ عبارت گھر کی رازداری کو قائم رکھنے میں ایک اور اصول بتا رہی ہے۔ یعنی صاحب خانہ سے اجازت طلب کرنا اور سلام کا تبادلہ کرنا۔اس عمل میں رازداری کا تحفظ ہے اور جان پہچان کے بغیر دوستی کا قائم ہونا بھی یقینی بات ہے۔

اجازت طلب کرنے کا مخصوص طریقہ یہ ہے کہ صاحب خانہ کو پہلے سلام پیش کیا جائے اور اجازت ملنے پر داخل ہوا جائے اور اندر پہنچ کر بھی اُسے سلام پیش کیا جائے۔ اگر صاحب خانہ آنے والے کا نام پوچھے تو وہ اُسے اپنا نام بتائے اور یہ نہ کہے کہ ’’میں ہوں‘‘۔ایسا کرنے کی نبی علیہ السلام نے مذمّت فرمائی ہے کیونکہ اس میں زائر کی شناخت نہیں ہو پاتی۔

اجازت طلبی میں نبی ﷺ دروازہ کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازہ کے دائیں یا بائیں ہٹ کر انتظار فرماتے تاکہ پردہ اٹھنے یا دروازہ کھلنے پر گھر کی رازداری افشاء نہ ہوجائے۔ نیز دروازے کو کھٹکھٹانا بھی اجازت طلبی کا ایک طریقہ ہے۔آج کل کئی گھروں میں گھنٹی لگی ہوتی ہے‘ اُسے بجا کر بھی اجازت طلب کی جاسکتی ہے۔زیادہ سے زیادہ تین بار اجازت طلب کرنا چاہیے۔جس گھر میں ماں یا بہن رہائش پذیر ہوں وہاں جاتے ہوئے بھی اجازت طلب کرنا چاہیے۔ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے گھر میں جہاں اُس کی اہلیہ ہو‘ اطلاع دئے بغیر داخل نہ ہو بلکہ پاؤں کی آہٹ کرنے سے یا کھنکھارنے سے اپنی آمد کی اطلاع دے دے۔ ہوسکتا ہے کوئی اجنبیہ عورت گھر میں اُس کی بیوی سے ملنے آئی ہو۔

اسلام نے نہ صرف بلا اجازت داخل ہونے پر ہی پابندی نہیں لگائی بلکہ بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا بھی ممنوع قرار دیا ہے۔نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِ قَوْمٍ مِنْ غَیْرِ اِذْنِهِمْ حَلَّ لَهُمْ اَنْ یَفْقَئُوْا عَیْنَه‘ (صحیح مسلم)

''جو شخص دوسروں کے گھر میں اُن کی اجازت کے بغیر جھانکے' اُن کے لئے جائز ہے کہ وہ اُس کی آنکھ نکال دیں۔''

(۳) اگر وقفے وقفے سے تین بار اجازت طلب کرنے پر بھی جواب نہ آئے تو اسے اپنی توہین اور ذلت سمجھے بغیر واپس چلا آئے کیونکہ اس سے زیادہ اجازت طلب کرنا صاحبِ خانہ کو اذیّت دینا اور پریشان کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس وقت ایسے کام میں مشغول ہو جسے وہ منقطع نہ کرسکتا ہو۔ قرآن مجید نے فرمایا:

فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَـكُمۡ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ لَـكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡكٰى لَـكُمۡ (النور : ۲۸)

'' پھر اگر اُن گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اُن میں داخل نہ ہوو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے اور اگر تمہیں کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرزِ معاشرت) تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہے۔''

یہاں گھر کی تقدیس کے ساتھ ساتھ وقت کی قدر و منزلت کا بھی سبق دیا جارہا ہے یعنی مؤمن کی زندگی اتنی بے کار اور بے مصرف تو نہیں ہوتی کہ جس وقت کوئی چاہے' اُس کے اوقات میں دخیل ہوجائے' نہ اُس کے پاس اتنا فالتو وقت ہوتا ہے کہ ہر وقت آپ کے لئے گوش برآواز رہے۔ جو وقت اُس نے مطالعہ یا کسی مخصوص کام کے لئے مقرر کر رکھا ہے' اُس میں اُسے کام کرنے دو' اُس کی مصروفیتوں کا احترام کرو۔ اگر اُس نے اپنی کسی مجبوری کے تحت معذرت کی ہے تو خندہ پیشانی سے اُس کی معذرت خواہی کو قبول کرلو۔ (''ضیاء القرآن''۔۔ جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد سوم' صفحہ ۳۱۱)

سیّد قطب لکھتے ہیں:

''انسان کا گھر اُس کا خلوت خانہ ہے جہاں وہ دن بھر کی محنت و مشقّت کے بعد آرام و سکون پاتا ہے اور منفی اور ہنگامی عناصر کے خلاف گھر اُس کا ملجا و ماویٰ ہے۔ گھر میں آدمی ہر قسم کے معاشرتی دباؤ سے آزاد ہوتا ہے۔ جسم کے لئے گھر آرام کی جگہ اور دل و دماغ کے لئے استراحت کا مقام ہے۔ اس نعمتِ خداوندی کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَـكُمۡ مِّنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ سَكَنًا (اَلنَّحل : ۸۰)

''اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھر وجہِ سکون بنائے۔'' (۱۶ : ۸۰)

آدمی کسی آنے والے سے ملنے کا انکار کسی نفسیاتی مسئلہ کی وجہ سے بھی کرسکتا ہے مثلاً وہ غصّہ کی حالت میں ہے اور حال ہی میں اُس کا اپنے اہلِ خانہ سے جھگڑا ہوا ہے یا وہ کسی معزز مہمان کی متوقع آمد پر گھر کو سجانے میں مصروف ہے اور اس صورت میں وہ دوسروں کے داخلے کو پسند نہ کرے یا یہ کہ گھر میں کوئی بیمار سخت تکلیف میں اور بے سدھ پڑا ہے اور اُس کی جلد صحتیابی کے لئے مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ یا ہوسکتا ہے کہ جب نو وارد نے ملنے کی اجازت چاہی تو اُس وقت وہ کھانا کھا رہا ہو۔ اس لئے میزبان کو اچانک تکلیف سے بچانے کے لئے ملنے کا پہلے ہی سے تقرر کرلینا ضروری ہے۔'' (''فی ظلال القرآن''۔۔ سید قطب' صفحہ ۸۸)

''اس دورِ جدید میں جب ہمیں ٹیلیفون کی سہولیات میسر ہیں' تو کسی سے ملنے کے لئے فون پر اجازت طلب کر لینا پسندیدہ بات ہے۔ سماجی لحاظ سے یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ مہمان رات گئے میزبان کو تنگ کریں اور بغیر کسی اطلاع اور تعین کے مہمان کے ہاں کھانے اور شب بسری کی توقع رکھیں۔ یہ بات میزبان کے لئے نہ صرف تکلیف دہ کا موجب ہے بلکہ بُرا رویہ بھی ہے۔ بدقسمتی سے ہم زندگی کے طور طریقے اور اُن سنہرے آداب کو بھول گئے ہیں جو ہمارے مذہب نے ہمیں سکھائے تھے۔'' (ایضاً صفحات ۸۹' ۹۰)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے آیا اور آپ کی اجازت طلب کی۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: باہر کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں' میں ہوں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میں ہوں' میں ہوں کے الفاظ کو اس طرح دہرایا جس سے آپ کی ناراضی معلوم ہوتی تھی۔'' (صحیح مسلم)

میں ہوں' میں ہوں کہنے سے نووارد کا اس طرح تعارف کرانا اسلام کو پسند نہیں ہے۔ اہلِ خانہ کو اپنا تعارف کرانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نووارد کو اپنے نام یا عرف اور کنیت کے مکمل کوائف دینے چاہئیں تا کہ اُس گھر کے لوگ آنے والے کو بہ آسانی پہچان لیں اور اُس کی بابت ذہن میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ آدمی کے تخلیہ کا احترام صرف مکان میں داخل ہونے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ اس لئے دوسروں کے گھروں میں جھانکنا اور پسِ دیوار کے منظر سے جی بہلانا اور دوسروں کے خطوط کے پڑھنے کی اسلام میں ممانعت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کا خط اُس کی اجازت کے بغیر پڑھتا ہے' وہ اُسے دوزخ میں بھی پڑھے گا۔'' (صحیح مسلم' صفحہ ۱۱۷۵؛ الجامع الصغیر لجلال الدین السیوطی' صفحہ ۱۶۵) طبع مصر ۱۹۶۴۔

آدمی کے تخلیہ کی حفاظت گھر میں اُس کی گفتگو سننے کی حفاظت کو بھی شامل ہے۔ اسی اصول کے تحت کسی اندھے آدمی کو بھی اجازت لئے بغیر گھر میں داخل ہونے کی ممانعت ہے کہ اگر چہ وہ اہلِ خانہ کو دیکھ نہیں سکتا لیکن چار دیواری کے اندر ہونے والی گفتگو کو تو وہ سن سکتا ہے۔

''جہاں والدہ' ہمشیرہ اور بیٹی رہتے ہوں' وہاں بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ اپنی آمد کا اشارہ کئے بغیر اُس گھر میں داخل ہونا بھی مناسب نہیں ہے جہاں صرف رفیقہ حیات رہ رہی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر محرم عورت اُس کی بیوی سے ملنے کے لئے آئی ہوئی ہو۔'' (ضیاء القرآن' جلد سوم' صفحہ ۳۰۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
''تمہیں اپنی والداؤں اور ہمشیرگان سے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت لینی چاہئے۔'' (تفسیر ابن کثیر، جلد پنجم، صفحہ ۸۳)

اس اصول سے استثناء کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ اگر اہلِ خانہ پر کوئی افتاد یا ناگہانی مصیبت پڑے اور اُنہیں فوری مدد کی ضرورت ہو مثلاً گھر کو آگ لگ جانا یا گھر پر چوروں یا ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہو۔

بچوں کا داخلہ : اس سلسلہ میں قرآنِ حکیم کا حکم یہ ہے :
وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النُّور : ۵۹)
''اور جب تم میں سے بچے حدِّ بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ (تمہارے پاس آنے کے لئے) اجازت لیا کریں جیسا کہ اُن سے پہلے (دیگر بالغ افراد) اجازت لیتے رہتے ہیں۔'' (۵۹ : ۲۴)

اس آیت میں گھریلو تخلیہ کے تحفظ پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ گھر کے ملازمین اور خدّام یہاں تک کہ نابالغ بچوں کو بھی بلا اجازت گھر کے کمروں میں آنے جانے کی اجازت نہیں۔

سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ خواتین کے مکمل تخلیہ سے متعلق ہے جس میں فرمایا گیا :
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ (الاحزاب : ۵۳)
''مؤمنو! نبی مکرم ﷺ کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے اجازت دی جائے (پھر وقت سے پہلے پہنچ کر) کھانا پکنے کا انتظار کرنے والے نہ بنا کرو، ہاں جب تم بلائے جاؤ تو (اُس وقت) اندر آیا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جایا کرو اور وہاں باتوں میں دل لگا کر بیٹھے رہنے والے نہ بنو۔ یقیناً تمہارا ایسے (دیر تک بیٹھے) رہنا نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے (اٹھ جانے کا کہتے ہوئے) شرماتے ہیں اور اللہ حق (بات کہنے) سے نہیں شرماتا۔'' (۵۳ : ۳۳)

اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد اسد رقم طراز ہیں :

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کو آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرنے کی تاکید کرنے میں قرآنِ حکیم تمام مسلمانوں کو ہمہ وقتی اُس مرتبہ و مقام کی یاد دہانی کراتا ہے جو آپ کو اللہ کے ہاں حاصل ہے۔ علاوہ ازیں

وہ اُنہیں رویّہ اور وطیرہ کے کچھ اصول بھی بتاتا ہے جو اُن کی زندگی پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ یہ اصول بادی النظر میں اگرچہ غیراہم ہیں لیکن اُس سماج میں نفسیاتی قدر کے حامل ہیں جس میں اخوت' باہم رواداری اور ایک دوسرے کے تقدس اور تخلیہ کا احترام ہو۔'' ("The Message of the Qur'an" ... Muhammad Asad, p. 650) Gibraltar, 1980.

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گھر تمام سماج کے لئے ایک نمونہ کمال تھا' اس لئے آیتِ مذکورہ یہ ٹھوس اصول بتا رہی ہے کہ اسلام گھر کے تخلیہ کے تقدس اور اُس کے مکمل حق کو تسلیم کرتا ہے۔ اُن خواتین کے تخلیہ میں خلل اندازی کی ممانعت ہے جن سے بوقتِ ضرورت پسِ پردہ ہی بات کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک سماجی ادب ہے۔

اس سلسلہ میں سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں نبی علیہ السلام کے صحابہ کرام کو حکم دیا گیا:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ

''اور جب تم اُن (ازواجِ رسول) سے کوئی چیز مانگو تو اُن سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور اُن کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔'' (۳۳ : ۵۳)

اس طرح اِن احکامات کے ذریعے نجی زندگی کے تقدس کی حفاظت میں اسلام ایک زبردست انقلاب لایا۔

(XX) کم ناپ تول: قرآنِ حکیم میں جابجا اس سے روکا گیا ہے مثلاً :

(۱) اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (الاعراف : ۸۵)

''ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا نقصان اُن کی چیزوں میں مت کیا کرو' ملک میں اُس کی درستی کے بعد فساد برپا نہ کرو' یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' (۷:۸۵)

(۲) وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (ھود : ۸۴' ۸۵)

''ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو' میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تمہیں گھیر لینے والے عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں ۔ اور اے میری قوم! ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔''

(۳) وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ○ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ○ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ○ (التطفیف : ۱۔۳)

"(ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا پورا لے لیں اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔" (۱۔۳ :۸۳)

بعض محققین نے تَطۡفِیف کو عام اور وسیع معنوں میں لیا ہے یعنی کمی اور کوتاہی کو صرف وزن و پیائش کی چیزوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ طاعت وعبادت کی ہر چیز کو اس میں داخل کیا ہے جیسا کہ چوری صرف مال ہی میں نہیں، ہر شے میں ممکن ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں رکوع اور سجدے کو صحیح طور پر ادا نہ کرنے والے کو رکوع اور سجدے کا چور کہا گیا ہے۔

دینا اتنا کم اور مانگنا اتنا زیادہ انتہائی بے انصافی کی روح ہے جس کی یہاں مذمّت کی گئی ہے۔ فانی انسان کس منہ سے اپنے خالق کی محبت و رحمت کا طلبگار ہو سکتا ہے جبکہ وہ خود اُسے ابنائے جنس کو دینے کے لئے تیار نہیں؟ اس طرح قرآن مجید ہمیں "جیسے کو تیسا" کا اصول بتا رہا ہے۔

لہٰذا ایسے اصولوں کا وضع کرنا قانون سازی کے حوالہ سے ریاست کا فرض ہے جو نہ صرف ملاوٹ کے جرم پر اثر انداز ہوں بلکہ ممانعتی عوامل کا بھی کام دیں۔ تاکہ اس قبیح کھیل کا خاتمہ کیا جاسکے جو عوام کی صحت کے ساتھ کھیلا جارہا ہے۔

<u>لوٹ مار اور ڈکیتی</u> : یہ عمل ہتھیاروں کے زور پر شاہراہوں، گلیوں اور سڑکوں پر لوٹ مار، قتل وغارت اور لوگوں کو ہراساں کرنے کا ہے۔ عربی زبان میں اِن تمام جرائم کے لئے "محاربہ" (بہ معنی جنگ لڑنا) کا لفظ آتا ہے اور ایسے جرم کا مرتکب "مُحَارِب" کہلاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسے قطع الطریق کا نام دیا جاتا ہے جس کی تعریف یوں کی گئی ہے :

"جب ایک یا ایک سے زیادہ آدمی جو اسلحہ سے خوب لیس ہوں، کسی دوسرے شخص کی جائداد یا اثاثہ ہتھیانے کے لئے قوّت کا اظہار کریں، اس پر حملہ آور ہوں، یا کسی غلط پابندی لگانے کا سبب بنیں، یا اُس میں موت کا خوف پیدا کریں یا اُسے زخمی کردیں تو یہ عمل "الحربہ" کہلاتا ہے۔ ("Legal Character of Islamic Punishments"... Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, p. 29)

فقہ کے چاروں امام' امام ابو یوسف اور ابن حزم اسلحہ سے لیس ہونے کو ڈکیتی کی لازمی شرط سمجھتے ہیں۔
(بدایۃ المجتہد' جلد ۲' صفحہ ۳۴۰)
''جرم کا علی الاعلان اظہار بھی ڈکیتی کی ایک اور شرط ہے۔ کچھ فقہاء کی رائے ہے کہ چونکہ اس جرم کا نام ''قطع الطریق'' ہے بہ معنیٰ راستے کا روک دینا' اس لئے اس کا ارتکاب شہر سے باہر ہو جہاں گنجان آبادی نہیں ہوتی اگر ڈکیتی گنجان آبادی میں ہو جہاں ڈاکو بہ آسانی نمٹے جا سکتے ہوں اور مغلوب کئے جا سکتے ہوں تو یہ ڈکیتی نہیں ہوگی بلکہ اس جرم کا نام کوئی اور ہوگا۔'' (''لیگل کیریکٹر آف اسلامک پنشمنٹس'' صفحات ۲۹' ۳۰)

ڈکیتی اور لوٹ مار کی سزا: قرآن مجید ڈکیتی اور راہزنی کی سزا ''حد'' مقرر کرتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا:
اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْہِمْ وَاَرْجُلُہُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَہُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ O (المائدۃ: ۳۳)
''بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں' اُن کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں' یا پھانسی دئے جائیں یا اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دئے جائیں یا ملک بدر کردئے جائیں۔ یہ تو اُن کی دنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔'' (۵ : ۳۳)

سزا جرم کے مطابق ہوگی۔ جتنا جرم سنگین ہوگا' سزا اُتنی ہی سخت ہوگی۔ چنانچہ احناف نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے :

(۱) اگر اُنہوں نے قتل کیا تو اُنہیں قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے بخش دینے سے بھی معاف نہ ہوگا۔
(۲) اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو اُنہیں سولی دی جائے گی۔ لوگوں کی عبرت پذیری کے لئے شارع عام پر سولی دی جائے اور اُن کی لاشیں لٹکی رہیں۔
(۳) اگر انہوں نے قتل نہ کیا' صرف مال لوٹا تو اُن کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔
(۴) اگر انہوں نے نہ قتل کیا نہ مال لوٹا' صرف لوگوں کو ہراساں اور دہشت زدہ کیا تو اُنہیں قید کیا جائے گا۔
(روح المعانی' بحوالہ ''ضیاء القرآن'' ۔۔۔ کرم شاہ الازہری' جلد اوّل' صفحہ ۴۶۵)

نوٹ : عام قتل اور ڈکیتی قتل میں فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر میں قصاص ہے جس میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ یا تو قاتل کو معاف کردیں یا خوں بہا کا مطالبہ کریں۔ لیکن ڈکیتی کا قتل محارب کی قسم میں آتا ہے اور اس پر ''حد'' کی سزا ہے جس کے معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔

۳۲۳۰ (قانونِ شریعتِ اسلامی ۔۔۔LAW)

<u>حربہ کی سزائے ''حد'' توبہ کے ذریعے کیسے رک سکتی ہے؟</u> سورۃ المائدۃ کی آیت ۳۴ میں قرآنِ حکیم حربہ کی سزا کو ان الفاظ میں کم کرتا ہے :

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O (المائدۃ : ۳۴)

''مگر وہ جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم اُن پر قابو پالو (تو اُنہیں معاف کر دیا جائے) اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے۔'' (۵ : ۳۴)

''حربہ'' کی سزائے ''حد'' ہر صورت میں ناگزیر ہے۔ لیکن اگر مجرم گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں بہ ایں معنیٰ کہ وہ ارتکابِ جرم کے بعد نہ تو پہچانے جائیں اور نہ ہی اُن کے خلاف F.I.R. درج ہوئی ہو اور وہ اپنے جرم پر نادم ہوتے ہوئے بہ خلوصِ دل تائب ہو جائیں اور بے ضرر شرفاء کی سی زندگی بسر کرنے لگیں تو اسے رحم کی بنیاد تسلیم کیا جائے گا۔ اُن کی توبہ کرنے سے کچھ وقت بعد اگر اُن کا جرم حکومت پر ظاہر ہو جائے تو الٰہی حکم کی رُو سے اُن کی گرفتاری اور سزا کی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر ڈاکوؤں کی شناخت کر لی جائے اور اُن کے خلاف ایف۔ آئی۔ آر بھی درج ہو جائے اور وہ اپنی گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائیں تو سزا بہر حال برقرار رہے گی۔

<u>جاسوسی اور سراغ رسانی (Spying)</u>: کسی کی کوتاہیوں کی جاسوسی کرنے اور دوسروں کے نجی حالات کی عیب جوئی کرنے کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا (الحجرات: ۴۹)۔ اسی طرح غیر معقول تحقیقات کی بھی اسلام میں ممانعت ہے۔ سورۃ الاسراء میں حکم ہوا :

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا O (الاسراء:۳۶)

''اور اُس چیز کے پیچھے مت ہو لیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو' بے شک کان' آنکھ اور دل کی پوچھ (ہر شخص سے) ہو گی۔'' (۱۷ : ۳۶)

''کیونکہ کسی شخص کے نجی اثاثے یا مکان کی سراغ رسانی کرنا اُس کے تخلیہ کے حق پر حملہ ہے اور اُس کے مکان کے تقدس اور اُس کے آرام و سکون کی ضرورت میں بے جا مداخلت ہے' اس لئے اسلام نے حالات کو رُوبہ اصلاح کرنے کی ذمہ داری حکومتِ وقت پر ڈالی ہے۔'' ("Evidence in Criminal Articles of Comparative Law" ... Muhammad Mustafa, p. 56) Cairo, 1977.

اسلام کے عدالتی قانون میں قاضی (جج) تلاشی کے وارنٹ جاری کرنے کا مجاز نہیں' نہ ہی اُسے کسی شہادت یا ثبوت کے لینے کا اختیار ہے۔ اُس کا فرض صرف اس حد تک محدود ہے کہ وہ شکایت کنندہ کو اپنے الزامات کی حمایت میں ثبوت فراہم کرنے کی ہدایت دے۔ جب تک جرم کا کافی ثبوت فراہم نہ ہو جائے تو وارنٹ جاری نہ کیا جائے۔

۳۲۳۱ (قانونِ شریعتِ اسلامی ۔۔۔LAW)

''اسلام نے شروع ہی سے اس اصول کو مدِّ نظر رکھا ہے جیسا کہ درجِ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے :

حضرت عمر ابن الخطّاب رضی اللہ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو شراب پیتے پایا۔ آپ اُس گھر کی پشت کی جانب سے دیوار پھاند کر اندر کو گئے اور اُن مے نوشوں کو کہا: اللہ نے تمہیں شراب پینے سے روکا ہے اور تم شراب پی رہے ہو! اُنہوں نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! اللہ نے آپ کو جاسوسی کرنے سے روکا ہے (الحجرات: ۱۲) اور آپ جاسوسی کر رہے ہیں' اللہ نے آپ کو گھر کے دروازے سے آنے کا حکم دیا ہے (البقرۃ: ۱۸۹) جبکہ آپ گھر کی پچھلی جانب سے آئے ہیں۔ اُس نے آپ کو بلا اجازت اندر آنے سے روکا ہے (سورۃ النور: ۲۸) لیکن آپ بلا اجازت اندر آگئے۔ اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن سے تعرض کئے بغیر چلے گئے۔'' (''عبقریتِ عمرؓ' لعباس محمود العقاد' صفحہ ۱۳۲) طبع قاہرہ ۱۹۵۳ء۔

<u>کن صورتوں میں تلاشی لینا جائز ہے؟</u> (۱) اگر کسی جگہ یقینی طور پر افیون' چرس اور شراب جیسی منشیات رکھی ہوں۔ (۲) اگر اُس جگہ حکومت کے تحفظ کے خلاف کوئی سامان رکھا ہو جسے حکومت کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہو۔ (۳) اگر اُس جگہ ناجائز' غیر قانونی اسلحہ رکھا ہو جو امنِ عامہ کی خلل پذیری کا باعث بن سکتا ہو۔ (''اسلامک لا آف ٹارٹ''۔۔ لیاقت علی خان نیازی' صفحہ ۸۸)

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :

''صحافیوں کی جانب سے عوام کی عیب جوئی اور اُن پر ناجائز الزامات تھوپ دینا اور معمولی معمولی باتوں کو ہوا دینا اُنہیں اپنے فرض سے بَری نہیں کرتا۔ صحافت کے پیشہ کو کوئی خصوصی استحقاق حاصل نہیں۔ اُن کی طرف سے غلط' غیر منصفانہ' گستاخانہ' باغیانہ اور فحش و عریاں مواد کی اشاعت قرآنی احکامات کی خلاف ورزی ہے۔ مالک' مدیر' طابع' مشتہر اور اُس رسوا کن مضمون کا اوّل اختراع کرنے والا شریعت کی نگاہ میں ہتکِ عزت کے جرم کے مرتکب ہیں۔'' (''تدبرِ قرآن''۔۔ امین احسن اصلاحی' ج ۶' ص ۵۱۰)

اگر کسی ملزمہ (عورت) کی تلاشی لینی ہو تو مرد کو اُس کے صنفی اعضاء کو چھونے کی اجازت نہیں اور یہ شریعت میں اقوالِ مشہور پر مبنی شرط ہے۔ اس اصول کی توثیق حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جس کا ذکر سورۃ المُمتحنہ کی اوّلیں آیت میں ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اپنے اس فیصلہ سے صحابہ کرام کو آگاہ کیا' تو حاطب نے اہلِ مکہ کو نبی علیہ السلام کے ارادہ سے متعلق ایک خط لکھ کر اُسے سارہ نامی ایک با اعتماد عورت کے ذریعے روانہ کیا۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے جناب علی کرّم اللہ وجہہ' حضرت مقداد اور حضرت زبیر کو اُسے روکنے اور خط واپس لینے کے لئے بھیجا۔ جب وہ اُس کے سر پر پہنچے تو اُنہوں نے اُس خط واپس لینے کا مطالبہ کیا لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ اُس کے

اونٹ کی بھی تلاشی لی گئی لیکن وہاں بھی خط نہیں ملا۔ اُنہوں نے کہا کہ اللہ کا رسول دروغ گو نہیں ہو سکتا' اس لئے تمہیں خط واپس کر دینا چاہئے ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ اُن کے پختہ ارادہ کو دیکھتے ہوئے اُس عورت نے خط اپنے جوڑے میں سے نکال کر اُن کے سپرد کر دیا۔ معلوم ہوا کہ اُن تینوں صحابہ کرام نے اُس عورت کی تلاشی نہیں لی بلکہ اُس کے اثاثہ اور متعلقات کی تلاشی لی۔ اُس کے جسم یا اُس کے صنفی اعضاء کو چھوئے بغیر اُنہوں نے اُسے موت کا خوف دلایا۔'' (''ضیاء القرآن''۔۔ جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد ۵' صفحات ۱۹۱' ۱۹۲)

اس طرح اسلام وسیع تر بنیاد پر قانونِ اخوت فراہم کرتا ہے۔ اسلام کا بنیادی نظریہ باہمی توافق' اُنس و محبت اور افرادِ معاشرہ کی آپس میں خوش آہنگی ہے۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(۱) دوسروں کی عیب جوئی' اُن کے رازوں اور نجی معاملات معلوم کرنے کے پیچھے نہ بھاگتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور اگر اللہ کسی کے خلاف ہو جائے تو وہ بندہ ذلیل و رسوا ہو کے رہ جاتا ہے۔'' (ابوداؤد)

(۲) ''جو کوئی دوسروں کی گفتگو کو اُن کی اجازت کے بغیر سنتا ہے تو قیامت کے دن اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔''

بغاوت (SEDITION): اسلامی فقہ کی اصطلاح میں اس کا نام ''بــغــي'' ہے جس کا معنیٰ بے انصافی' عصبیت اور غلط چیز کا ہے۔ (''القاموس العصری''۔۔ الیاس انطون' صفحہ ۷۰) طبع ہشتم' قاہرہ ۱۹۵۹)

احناف کے نظریہ کے مطابق ''بغاوت'' اسلامی ریاست کے قانونی سربراہ کے خلاف ناجائز نافرمانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (''فتح القدیر''۔۔ الشوکانی' جلد چہارم' ص ۴۵ ؛ ردّ المحتار' جلد سوم' صفحہ ۴۲۶)

بغاوت کی شرائط: تین لازمی عناصر بغاوت کے عمل کی تشکیل کرتے ہیں:

(۱) سربراہِ مملکت کے خلاف کھڑے ہو جانا۔
(۲) طاقت اور قوت کا استعمال۔
(۳) بدنیتی (Malafide Intentions)

بغاوت کی ممانعت: قرآنِ حکیم واضح طور پر بغاوت کی ممانعت کرتا ہے کیونکہ اِسے قرآن نے ''فتنہ'' کہا ہے اور یہ قتل سے بھی بڑھ کر سنگین جرم ہے۔ قرآن مجید کا اعلان ہے:

(۱) وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ (البقرۃ : ۱۹۱)
''اور فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔'' (۱۹۱ : ۲)

(۲) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ'' وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرۃ : ۱۹۳)
''اور اُن سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے۔'' (۱۹۳ : ۲)

''فتنہ'' کا لغوی معنیٰ میل نکالنے کے لئے سنار کا سونے کو پگھلانا ہے۔ اب اس کا استعمال سخت آزمائش کے لئے کیا جاتا ہے اور سب آزمائشوں سے سخت ترین آزمائش وہ ہے جو دین کے لئے ہو یا دین سے برگشتہ کرنے کے لئے ہو۔ کفارِ مکہ بے چارے مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لئے سخت ترین سزائیں دیا کرتے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ قتل بھی بڑا بھیانک جرم ہے لیکن کسی کو اس کے پسندیدہ عقائد سے باز رکھنا جن کی صداقت اور سچائی پر وہ صدقِ دل سے یقین رکھتا ہو' قتل سے بھی زیادہ خوفناک جرم ہے۔

بہت سی احادیثِ نبویہ بغاوت کے قانونی نتائج کو آشکار کرتی ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) ''جس شخص نے ہمارے خلاف اسلحہ اٹھایا' اُس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔'' (بخاری' مسلم)

(۲) ''جو شخص اسلامی ریاست کے سربراہ کی نافرمانی کرے اور اُمّتِ مسلمہ سے نکل جانے کی صورت میں اُمّت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دے اور اس حالت میں وہ مر جائے تو اس کی موت غیر اسلامی ہے۔'' (صحیح مسلم)

(۳) ''جب تم کسی کے امیر (قائد) ہونے پر متفق ہو جاؤ اور پھر اگر کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور تمہارے درمیان خلل اندازی' ناموافقت اور افتراق و نزاع پیدا کرے تو ایسے آدمی کا سر اُڑا دو۔'' (صحیح مسلم)

<u>بغاوت کی سزا</u> : تمام فقہائے کرام باغی کی سزائے موت پر متفق ہیں۔ اس سزا کا ماخذ نبی اکرم ﷺ کی وہ حدیثِ مبارکہ ہے جس میں آپ نے یہ پیشگوئی کی تھی:

''میرے بعد یقیناً بہت سے جھگڑے' نزاع اور ہنگامے ہوں گے۔ اس لئے کسی معاملہ میں میری اُمّت کے اتفاق کے بعد کوئی شخص امت میں افتراق اور ناموافقت (بے آہنگی) پیدا کرے تو جو کوئی بھی وہ ہو' تلوار سے اُس کا سر اُڑا دو۔'' (مشکوٰۃ المصابیح' جلد ۲' صفحہ ۳۱۹)

چونکہ بغاوت کا فعل معاشرے کے سیاسی' معاشرتی اور مذہبی استحکام کے خلاف ہے' اس لئے اسے آہنی ہاتھ (سختی) کے ساتھ کچلنے کی ضرورت ہے۔ بغاوت چھوت سے لگنے والی بیماری بھی ہے۔ اسے شروع ہی میں دبا دینا چاہئے اور پنپنے کا موقع نہ دیا جائے۔ علاوہ ازیں اس کی غیر ضروری کائیں کائیں اور ہرزہ گوئی (بکواس) سارے معاشرہ کے لئے اضافی ذہنی تناؤ کا منبع ہوتی ہے۔

ا۔ اغلام بازی (SODOMY) : کچھ جرائم کی قسمیں ایسی بھی ہیں جن کی تعزیرات یا سزائیں تبویب و تدوین کی شکل میں نہیں ہیں ۔ اغلام بازی (ہم جنسیت) کی سزا سنتِ نبویہ اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہے ۔ تاہم مسلمان فقہاء کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس جرم کو ''حد'' کے تحت رکھا جائے یا ''تعزیر'' کے تحت رکھا جائے ۔ بہت سے فقہاء نے اسے ''تعزیر'' تسلیم کیا ہے ۔ قرآن مجید نے اغلام بازی کو تاکیداً نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور متعدد مقامات پر اس کی مذمّت کرتے ہوئے اس کے مہیب نتائج سے ڈرایا ہے ۔ مثلاً سورۃ الاعراف کی آیات ۸۰ تا ۸۴ ؛ سورہ ھود کی آیات ۷۸ تا ۸۳ ؛ سورۃ الشعراء کی آیات ۱۶۵ تا ۱۷۳ ؛ سورۃ النّمل کی آیات ۵۴ تا ۵۸ اور سورۃ الذاریات کی آیات ۳۱ تا ۳۷ میں ۔

اغلام بازی کی سزا: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''اگر تم کسی کو قومِ لوط کا فعل (یعنی ہم جنس پستی) کرتے دیکھو تو ہر دو فریق (فاعل اور مفعول) کو قتل کر دو ۔'' (ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

مذکورہ بالا حدیثِ نبوی کی بنیاد پر یہ نظریہ امام شافعی اور کچھ اور فقہاء کا ہے ۔ دوسرا نظریہ شادی شدہ زانیوں کے لئے ''رجم تا موت'' کی سزا اور درّے لگانا غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لئے ہے ۔ اس نظریہ کی بنیاد درج ذیل حدیثِ نبوی ہے :
''ایک مرد کا کسی مرد کے ساتھ جنسی عمل کرنے میں فاعل اور مفعول دونوں زنا کار ہیں ۔'' (ایضاً)

تیسرا نظریہ امام ابوحنیفہ اور کچھ دیگر فقہاء کا ہے ۔ اس نظریہ کے مطابق ہم جنس پرستی تعزیری سزا کی مستحق ہے اور اس کی سخت سنگینی کی بنیاد پر اسلامی ریاست نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے فرمودات اور اُن کے عمل کی روشنی میں سخت سزا مقرر کر سکتی ہے ۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اسلام کی مقرر کردہ سزاؤں میں قانونیت کے ساتھ ساتھ انسان دوستی بھی ہے ۔ اسلام میں قانون کا پہلو انسان دوستی سے کبھی جدا نہیں ہوتا ۔ اِن دو پہلوؤں کے درمیان باہمی جوابی عمل (Inter-play) اسلام کو ایک بے مثل مذہب بناتا ہے ۔

(XXV). خودکشی : سیدھے سادہ لفظوں میں خودکشی دوزخ کو جانے کا ٹکٹ ہے ۔ قرآنِ حکیم ہمیں زندگی کو اللہ کی مقدس امانت سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے ۔ ہمارا خالق و مالک کس شفقت و محبت سے ہمیں اس مقدس امانت کے تقدس و احترام کو قائم و دائم رکھنے کی ترغیب دیتا ہے جب وہ ہمیں یوں خطاب فرماتا ہے !

لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًاO (النساء : ۲۹)
''اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔''

<u>خودکشی کی وجوہات</u> : خودکشی کے مجرموں کے اس جرم کی تشخیص سے معلوم ہوا ہے کہ اُن میں سے اکثر مجرم احساسِ بے چارگی (Depression) کا شکار رہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ احساسِ بے چارگی دوقطبی انتشار رخللِ دماغ (Bipolar Disorder/Manic Depression) کی بیماری ہوتی ہے۔ وہ احساسِ بے چارگی کو ختم کرنے کے لئے بعض اوقات منشیات کا سہارا لیتے ہیں۔ خودکشی کی وجوہات میں سے کچھ وجوہ محبوب کی موت' طلاق' مالی بحران اور مصائب و تکالیف کا ایک طول طویل عرصہ جس دوران امید و بیم کی چند ہلکی کرنیں ظاہر ہوں تو ہوں۔

ایک ایسا گناہ جس پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے معاف نہیں کرے گا' وہ شرک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی ذات یا صفات یا دونوں میں کسی کو اُس کا شریک ٹھہرانا (سورۃ النساء: ۱۱۶)۔ اگر قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبوی کے متون پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رحمتِ خداوندی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ روزِ قیامت ہمارے گناہ اور ہماری نیکیاں میزان میں تولے جائیں گے اور بھاری پلڑے والا فوز و فلاح سے ہم کنار ہوگا لیکن شرک کے گناہ کے علاوہ جو ذلت و رسوائی کا بڑا سبب ہوگا' تمام گناہوں کو اُس کی رحمت کا پردہ (انشاء اللہ) ڈھانپ لے گا اور بخشش و مغفرت کر دی جائے گی۔ ربِّ ذوالجلال والاکرام اپنے بندوں کو کیا ہی جانفزا مژدہ اس آیت میں سناتا ہے !

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُO (اَلزُّمَر : ۵۳)

(اے نبی مکرّم! میری طرف سے) فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جو اپنے اوپر زیادتیاں کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو' بے شک اللہ سب گناہ معاف فرما دے گا' وہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم فرمانے والا۔'' (۳۹ : ۵۳)

سبحان اللہ! کیا شان ہے اُس وسعتِ کرم و شفقت کی جس کی کوئی انتہا نہیں کہ جن لوگوں نے اللہ کے محبوبین و مقرّبین کے خون سے اپنے ناپاک ہاتھ رنگین کئے' اُنہی کو توبہ اور مغفرت کی دعوت دی جا رہی ہے اور ''اے میرے نافرمان بندو!'' کے انتہائی پیارے اور اپنائیت کے لقب سے پکارا جا رہا ہے۔

قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ کی تعلیمات یہی ہیں کہ اللہ کے بندے صرف دعا ہی نہ کرتے رہیں بلکہ دعا کے ساتھ ساتھ دوا کا ہونا بھی لازمی ہے۔ مسلمان مریضوں کو نہ صرف ڈیپریشن بلکہ دوسری تمام بیماریوں سے رُو بہ صحت کرنے میں یہی عمل بازیابی (Redeemable Factor) کا ہے۔

خون کی نالیوں کے سکڑنے (Serotonin) اور عصبی مرسل (Norepinephrine) کی وجہ سے جب ہمارا دماغ درد والم کی تاب نہ لاکر تھک جاتا ہے تو زندگی بوجھ معلوم ہوتی ہے اور مریض اس کا خاتمہ چاہتا ہے۔اس بیماری کے آغاز سے قبل اگر کوئی روحانی ارتقاء یا کم ازکم روحانی علاج ہی میسر ہوتو مریض خود ہی ''دعا اور دوا'' کی راہ پر چل پڑتا۔اور جب مریض رُو بہ صحت ہونے کے بالکل قریب ہوتو وہ قرآنِ مجید کی بیان کردہ صداقت کوتسلیم کرنے میں خوش نصیب ہو' جس میں ایک اور پُر رحم خوشخبری کی نقاب کشائی کی جارہی ہے :

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O (الرّعد:۲۸)

''جان لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔'' (۲۸ : ۱۳)

(ڈاکٹر مہ جبیں اسلام کا مضمون بہ عنوان "Suicide and Salvation" جو روزنامہ ''ڈان'' لاہور میں مؤرخہ ۲۵ اپریل ۲۰۰۳ء کو چھپا۔)

اس اطمینانِ قلبی کے بھی مختلف درجے اور مرتبے ہوتے ہیں۔جس درجہ کا ذکرِ الٰہی ہوتا ہے' اُسی نسبت سے اطمینانِ قلبی بھی حاصل ہوتا ہے۔ذکرِ الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف وخشیت کا ہے۔(ماجدی' نوٹ ۵۴)

دہشت گردی (Terrorism): دہشت گردی کے گھناؤنے اور غیر انسانی جرم کی مذمّت میں قرآنِ حکیم سورۃ المائدہ کی آیت ۳۳ میں یوں فرماتا ہے :

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْیُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ O (المائدۃ :۳۳)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں' اُن کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں' یا پھانسی دئے جائیں یا اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دئے جائیں یا ملک بدر کردئے جائیں۔یہ تو اُن کی دنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔'' (۳۳ : ۵)

اس کی تفصیل صفحہ سابق ۳۲۲۹ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ذوالقرنین کے سیاق وسباق میں جس کا ذکر سورۃ الکہف کی آیات ۸۳ تا ۱۰۱ میں ہے' ہم ''یاجوج ماجوج'' نامی دہشت گروں اور اُن طریقوں کا ذکر پڑھتے ہیں جو اُس پارسا' خدا خوف فرمانروا نے ان دہشت گردوں کی دہشت گردی کو روکنے کے لئے استعمال کئے تھے۔

دہشت گردی اسلام کے نام پر : پورے عالم میں پھیلی ہوئی دہشت گردی کی تحریک کی بنیاد کچھ تو نفرت وعناد پر ہے۔ کسی بھی چیز کو ختم کیا جا سکتا ہے لیکن مقدّس نظامِ فکر سے پیدا ہونے والی نفرت وعناد کو ختم کرنا ناممکن ہے۔ نفرت تشدّد کو پروان چڑھاتی ہے اور فکریاتی نفرت لامحدود تشدّد پیدا کرتی ہے۔ وہ ذرّہ بھر ہمدردی اور ضمیر کی چبھن کے بغیر تمام انسانوں کا خاتمہ کرسکتی ہے۔ ذاتی نفرت عارضی عوامل سے اُبھرتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ نابود ہونے میں زیادہ وقت نہیں لیتی۔ لیکن فکریاتی نفرت کے دھیما پڑنے کے کم ہی مواقع ہوتے ہیں کیونکہ جب تک اس کا ہدف پورا نہ ہو جائے' یہ آرام سے نہیں بیٹھتی۔ یہی وجہ ہے کہ فکریاتی نفرت کو تشدّد کی صورت اختیار کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ جب اُسے یہ معلوم ہو جائے کہ ترغیب وترہیب کے پُرامن ذرائع سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہے تو اسلحہ کا سہارا لیا جاتا ہے تاکہ تمام دشمنوں کا صفایا کر دیا جائے کیونکہ وہ دہشت گردی کی کامیابی کی راہ میں سنگِ گراں ہیں اور اِسی صورت میں اُن کی پسند کا نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ اِسی منفی رویّہ کی وجہ سے اسلامی نظامِ فکر کی تمام سرگرمیاں مہلک پٹخنی کھاتی ہیں۔ لہٰذا یہ ''خود اختراعی'' دہشت گردی غیر اسلامی ہے اور اسلام کے روشن نام پر ہلاکت انگیز (Death-blow) عمل ہے۔

شاید دہشت گردی پیدا کرنے والا بڑا عامل بے انصافی ہے۔ کسی فرد یا گروہ کے خلاف بے انصافی کا رویّہ اکثر انتہائی ردِّعمل کے طور پر نفرت وکراہت کا سبب بنتا ہے جو بالآخر پُرتشدّد کاموں میں بطور نکاسی منتج ہوتی ہے۔ بعض اوقات ہنگامہ خیز بے انصافی تحفظ کے تقاضوں کے نام پر یا اپنے ملک اور عوام کو بچانے کے بہانے پر کی جاتی ہے۔ اگر کسی غیر جانبدار صاحبِ اختیار کی جانب سے حقائق صحیح طور پر پیش کئے جائیں اور اُن کا تجزیہ کیا جائے تو بے انصافی کے عناصر خود بخود معدوم ہو جائیں گے۔ کشمیریوں کے حقِ خود اِرادیت اور اُن کے آزاد مستقبل ہونے کے حق کو ہمیشہ اسی بے انصافی کی بھینٹ چڑھایا جاتا رہا ہے اور اس تنازعہ کے انتہائی خطرناک نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

عام پھیلی ہوئی غربت بھی دہشت گردی کو پیدا کرنے کی راہ دیتی ہے۔ غربت احساسِ بے چارگی کو جنم دیتی ہے اور مایوس کن صورتِ حال ناپسندیدہ کاموں کا نتیجہ بنتی ہے۔ لہٰذا دہشت گردی سے نمٹنے کا تعمیری راستہ غربت کے خاتمہ کے لئے مائل بہ عمل ہونا ہے۔

دَورِ جدید میں دہشت گرد نفرت سے پیدا ہونے والی سرگرمیوں کے ذمّہ دار ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ کہ یہ پُر تشددیت اسلام کے نام پر کی جارہی ہے۔ اُن کی ایسی سرگرمیوں کا جواز قرآنِ حکیم کی ان آیات سے مشابہ ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ O اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ O (البقرۃ: ۱۱'۱۲)

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔ سُن رکھو کہ حقیقتاً یہی لوگ فسادی ہیں اور وہ اس کا احساس بھی نہیں رکھتے۔'' (۱۱'۱۲ : ۲)

دہشت گردوں کا موقف یہ ہے کہ اسلام کا مقصد ایک مثالی معاشرہ اور مثالی ریاست کا قیام ہے لیکن جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اِسے سیاسی قوّت کے بغیر عمل میں نہیں لایا جا سکتا' اس لئے اُن لوگوں سے اُن کا جنگ لڑنا بالکل جائز ہے جنہوں نے کرسیِ اقتدار پر قبضہ کر رکھا ہے۔اس مقصد کی خاطر پُرتشدد تحریکیں بڑے وسیع پیمانے پر بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں چلائی گئیں۔اُن کا ہدف یا تو غیر مسلم حکمران یا لادین مسلم حکمران تھے۔لیکن زندگی' دولت اور ذرائع کے عظیم نقصانات کے باوجود یہ تحریکیں مثبت نتائج دینے میں ناکام رہیں۔اُن کی ناکامیاں اس بات کا ثبوت تھیں کہ اُن کی سرگرمیاں غیر اسلامی ہیں اور مذہب کے کسی بھی معیار پر وہ پورا نہیں اترتیں۔قرآنِ حکیم اسے ان لفظوں میں تعبیر کرتا ہے :

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ O (البقرۃ : ۲۰۵)

''اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔'' (۲۰۵ : ۲)

دہشت گرد یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سماج اور ریاست میں سے ہر ایک کا انحصار افراد کے جوہر پر ہے جس سے اُن کی تشکیل ہوئی ہے۔اسلامی نظامِ فکر کا براہِ راست ہدف نہ تو سماج ہے اور نہ ہی ریاست بلکہ اُس کا ہدف فرد ہے۔اسلام کا سدابہار مقصد ہر فرد کو ایک مثالی انسان بنانے کی کوشش کرنا ہے۔دہشت گردوں کی تشدد پسند سرگرمیاں اسلام کی اس دانش و معقولیت کو مدِّ نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں۔افراد کی اصلاح کے لئے تشدد کا سہارا لینا ضروری نہیں ہوا کرتا کیونکہ یہ کام اوّل تا آخر ترغیب کی پُرامن فضا ہی میں کیا جا سکتا ہے جبکہ ریاست کے نظام میں تبدیلی کی کوشش ایک باغیانہ عمل ہونے کے باعث لازمی طور پر تشدد اور جنگ کا باعث بنتی ہے۔اصلاح کے اِن پُرامن ذرائع سے ہر فرد اعلیٰ و ارفع کردار کا نمونہ ہوگا جیسا کہ قرآنِ حکیم نے ہمارے رسول ﷺ کے کردار کی بابت یوں نقشہ کھینچا ہے :

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ O (القلم:۴)

''(اے پیغمبر!) آپ بے شک عظیم الشان خُلق پر قائم ہیں۔'' (۴ : ۶۸)

لہٰذا مثالی سماج اور مثالی ریاست کسی بھی طرح اسلام کا ہدف نہیں ہیں۔اگر مثالی ریاست کا قیام اسلام کا عملی مقصد ہوتا تو قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ میں اس کے واضح احکامات موجود ہوتے لیکن ہمیں قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویہ میں اس قسم کا اشارہ تک نہیں ملتا۔البتہ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا تھا:

''جیسے تمہارے عمل ہوں گے' ویسے تمہارے حاکم ہوں گے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

پُرامن (نہ کہ پُرتشدّد) ترغیب کی معروف مثالیں صوفیائے کرام کی جانب سے چلائی گئی تحریکیں ہیں جن کا ہدف ریاست کی بجائے فرد تھا۔اُن کا کام عوام کے دل و دماغ کی روحانی اصلاح تھا تاکہ وہ اعلیٰ و ارفع کردار کا نمونہ بن کر زندگی گزاریں۔

اس مسئلہ کو مزید سیدھی راہ پر لگانے کے لئے اگر ''جہاد'' کے بارے میں غلط نظریہ کو زیرِ بحث لایا جائے تو بے جا نہ ہوگا:۔

قرآن مجید میں کسی بھی جگہ لفظِ ''جہاد'' کو جارحانہ جنگ کے معنیٰ میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ یہ ''کوشش'' کے معنیٰ میں آیا ہے۔دشمنانِ اسلام اور بدقسمتی سے آج کے تنگ نظر مسلمانوں نے اس مقدس لفظ کو غلط اور ناہموار معنیٰ پہنا دیئے ہیں اور اس طرح انسانی فلاح و بہبود کی خاطر بدقوتوں کے خلاف اسلام کی عظیم الشان کوشش کو اُنہوں نے حقیر کر دیا ہے۔

اسلام امن وآشتی کا دین ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل کھلے ثبوت اس حقیقت کی تائید میں ہیں:

(۱) لفظ ''اسلام'' ''سلام'' سے ماخوذ ہے جس کا سیدھا سادہ معنیٰ تحفظ' اطاعت اور سر کا جھکانا ہے۔تکنیکی لحاظ سے اسلام کا معنیٰ مکمل اطاعت وانقیاد ہے یعنی اللہ کی رضا کے آگے اپنا سر جھکا دینا ہے۔یہ صرف عقائد ہی کا نظام نہیں' نہ ہی وہ کچھ مذہبی مناسک کی ادائیگی کا نام ہے اور نہ ہی اپنے آپ کو عبادت کے لئے مسجد میں پابند کر لینے کا نام ہے بلکہ زندگی کا مکمل ضابطہ ہونے کے لحاظ سے قرآنِ حکیم نے اس کے لئے ''دین'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔درجِ ذیل آیت ملاحظہ ہو:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰىٓ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشّوریٰ :۱۳)

''اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے آپ کے پاس وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو حکم دیا تھا کہ اِس دین کو قائم رکھنا اور اِس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔'' (۱۳ : ۴۲)

یعنی یہ دین (اسلام) زندگی کے ہر ہر شعبہ میں انسان کی راہ نمائی کرتا ہے۔بہ طور ایک ادارہ کے اسلام کا استحکام ہے' وہ کوئی مبہم نظریہ نہیں۔اس لئے یہ بات ایک معقول آدمی کی سمجھ سے باہر ایک معمہ ہے کہ وہ ایک طرف تو اپنے پیروکاروں کو امن وآشتی کا درس دے اور دوسری طرف تشدد اور دہشت گردی کی تعلیم دے۔

(۲) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کی مثالیں تقریباً ۱۱۴ مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔اُن صفاتی ناموں میں سے اللہ کا ایک صفاتی نام اَلسَّلام (اپنی مخلوق کو امن دینے والا) ہے۔یہ کس قدر متناقض بات ہے کہ اَلسَّلام ہوتے ہوئے وہ ایسا حکم دے جو اقوامِ عالم کے امن وآشتی کے لئے خطرے کا باعث ہو!

(۳) قرآن مجید نے ختمی مرتبت رسول ﷺ کے ماتھے رحمۃ للعالمین کا جھومر سجا کر اُنہیں مخلوقات کے لئے مبعوث کیا ہے۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار دو متضاد اور نا قابلِ فہم نظریات ہیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روشن' بے داغ نام کو بدنام کرنے کے لئے صرف اور صرف دشمن کی خانہ ساز اختراع ہے۔

(۴) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس وقت پیدا ہوئے جب اُس سماج میں جنگ وجدل اور عسکریت کی فضا کا راج تھا۔ انسانیت کے محسنِ اعظم ﷺ پر ہمارے سلام ہوں جنہوں نے جنگ وجدل کی شورش سے ہمیشہ بچنے کا اہتمام کیا۔ مثلاً جنگِ احزاب کی مہم میں آپ نے اپنے صحابہ کو اپنے اور دشمن کے درمیان ایک خندق کھودنے کا حکم دیا تا کہ تصادم سے بچا جا سکے۔ عداوت سے نفرت کی اسی قسم کی مثال آپ کا حدیبیہ کی صلح کا واقعہ ہے جس میں آپ نے دشمن کی تمام شرائط کو قبول فرما لیا۔ فتح مکہ کے موقع پر تصادم سے بچنے کے لئے دس ہزار صحابہ کے ساتھ آپ شہر میں فوری طور پر داخل ہوئے اور اس کثیر تعداد سے مرعوب ہو کر دشمن نے اطاعت قبول کر لی۔

فی الحقیقت نبی علیہ السلام نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں تین جنگیں لڑیں یعنی بدر' اُحد اور حنین اور وہ بھی اپنے ذاتی دفاع اور اپنے صحابہ کی بقا کے لئے تھیں۔ پھر ان جنگوں میں آپ کا مجموعی وقت ڈیڑھ دن سے زیادہ نہیں بنتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دشمن کے جارحانہ اقدام کے پیش نظر آپ اپنے دفاع کی خاطر لڑے جس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں تھا۔

مزید معلومات کے لئے آرنلڈ کی کتاب "The Preaching of Islam" کا مطالعہ کیا جائے۔

<u>سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے</u>: ''میرا دل دکھتا ہے اور نیم خوابیدہ بے حسی میرے حواس کو ڈس رہی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے میں نے کوئی جان لیوا (زہریلا) پودا چکھ لیا ہو' اور میرے معدے کے منہ پر اکتاہٹ پیدا کرنے والا درد ہے جیسے کسی چٹان نے وہاں گھر بنا لیا ہو۔

مؤلف کو اُن کے متعلق کچھ کہنا ہے جو اپنے آپ کو فخریہ طور پر اس حد تک خود مختار سمجھتے ہیں کہ دوسروں پر خود اختراعی الزامات لگاتے ہیں اور آفاقی طور پر تسلیم شدہ انسانی قدروں کے انکار میں اپنے اعمال وافعال کو بھول جاتے ہیں۔ وہ اس یقین کے جالے میں بری طرح ماخوذ ہوتے ہیں کہ ''وہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں'' اور اس وجہ سے اُن کی بے لگام آزادی جو انسانیت کے خلاف سنگین وحشت تک جا پہنچتی ہے' اور سنگدلانہ بلا لائسنس قتلِ عام کی کوئی جوابدہی نہیں ہوگی اور روزِ قیامت اُنہیں کوئی سزا نہیں ہوگی۔ لیکن اللہ کا وعدہ اور فیصلہ حتمی اور نا قابل تغیر و تبدل ہے اور وہ اُنہیں سزا دئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ گزشتہ تاریخ کے آئینہ میں اُن کے چند اعمال کو نیچے دکھایا گیا ہے:

(۱) ریاستہائے متحدہ امریکہ نے ۶ اگست ۱۹۴۵ کو ہیروشیما پر پہلا نیوکلیائی بم پھینکا جس سے وہ شہر چشم

زدن میں جھلسا ہوا بدرنگ کنکروں اور پتھروں کا قطعہ زمین بن گیا۔ اس سے ہزاروں جانوں کا ضیاع ہوا اور شہر کا وجود بہ طور فعّال ہستی کے ختم ہو کے رہ گیا۔

اُسی سال ۹ اُگست کو ناگاساکی پر ایک اور بم برسایا گیا جس سے بھی اُسی قسم کی تباہی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ہیروشیما میں پہلے ہی دن پینتالیس ہزار اموات ہوئیں اور اُنیس ہزار لوگ اگلے چار ماہ میں لقمہِ اجل بنے۔ ناگاساکی میں پہلے دن بائیس ہزار لوگوں نے جانیں گنوائیں اور اس سے اگلے چار مہینوں میں سترہ ہزار لوگ لقمہِ اجل بنے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان بموں کے اثرات دُور رس تھے۔ سرطان اور خون کے سرطان (Leukaemia) کا سبب یہ بنے اور جنین پر ان کے اثرات کی وجہ سے بدوضعی اور بدہیئت پیدائشیں (جسمانی نقائص کے ساتھ) ہوئیں۔ قریباً اڑسٹھ سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود تابکاری کے اثرات بچ جانے والوں کی زندگیوں کے لئے مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں اور پھر آنے والی نسلوں میں جینی نقائص کے ساتھ ساتھ دوسری بیماریوں کا حملہ ایک اور اضافی مسئلہ ہے۔

''ہیروشیما اور ناگاساکی پر نیوکلیائی بموں کا پھینکا جانا انسانیت کے خلاف ناقابلِ عذر جرم ہے۔ ان دو شہروں کے لوگوں پر لگائے گئے زخم وقت کے گزرنے نے مندمل نہیں کئے۔'' (روزنامہ ''ڈان'' لاہور' مؤرخہ ۲۱ اُگست ۲۰۰۰' تحتِ عنوان "The Horror of Horrors")۔

(۲) بھارت کے بٹوارہ کے وقت ہونے والے المناک واقعات کو کون بھول سکتا ہے؟ نہ ہی عمر اور نہ ہی جنس کا خیال رکھا گیا۔ بچوں کو اپنے بازوؤں میں لی ہوئی ماؤں کو ذبح کر دیا گیا' یا نیزوں سے چھلنی کر دیا گیا یا اُنہیں گولی سے اڑا دیا گیا۔

کیا کوئی ذی ہوش انسان اور کوئی ضابطہِ اخلاق لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اُس بیان کا جواز پیش کر سکتا ہے جو اُس نے بھارت کے بٹوارہ کے وقت دیا تھا اور کہا تھا:

''جب بھی نوآبادیاتی نظام ختم ہوا تو وہاں خوں ریزی ہوئی۔ یہ وہ قیمت ہے جو آپ کو ادا کرنی ہے۔''
(روزنامہ ''ڈان'' لاہور مؤرخہ ۱۰ اُگست ۲۰۰۲ء)

(۳) غیر ملکی تسلّط سے آزادی کے چھیاسٹھ سال سے زائد جیسے طول طویل عرصہ کے دوران ہم مختلف اوقات میں ناجائز طور پر ایسی اندوہناک مصیبتوں اور پریشانیوں کی بھینٹ چڑھائے گئے جن کا تصوّر تک کرنا وبالِ جان ہے۔ بھارتی مسلمانوں کی زندگیوں' عزت و آبرو اور دولت سے کھیلا گیا اور لاکھوں مسلمانوں کو بے دردی سے موت کی نیند سلا دیا گیا۔ تو کیا یہ سب کچھ حقوقِ انسانی کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟

(۴) بھارت کی تاریخی بابری مسجد کو وہاں کی مرکزی اور یو۔پی حکومتوں کی سازش سے منہدم کر دیا گیا۔ اجودھیا' فیض آباد' باڑا بنکی اور دوسرے شہروں کے ہزاروں مسلمانوں کو بھون کر مار دیا گیا۔ ان غیر انسانی سرگرمیوں کو آخر کون سا موزوں نام دیا جائے؟ بقول کسے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام　　　وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(۵) ویتنام میں امریکہ کے سالہا سال تک ظلم و تشدد کے باعث دنیا کے کسی ملک کو اُسے ''دہشت گرد'' کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

(۶) فلسطینی زمین پر یہودیوں کی غیر قانونی تعمیرات کے ساتھ ساتھ فلسطینیوں کا بہیمانہ قتل جاری ہے۔ اس تمام کمینگی کے عمل کا اقوام عالم میں سے کسی نے نوٹس نہیں لیا۔

(۷) چیچنیا اور بوسنیا کے مسلمانوں پر ناگفتہ بہ مصائب و آلام کے دروازے کھولنے میں امریکہ اور یورپی ممالک کا عملی ہاتھ ہے۔ تاریخ بذاتِ خود اس کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۸) خلیجی ممالک کے تحفظ کی آڑ میں امریکہ نے عراق کے خلاف جارحانہ جنگ کا آغاز کیا۔ کیا یہ حقوقِ انسانی کا کھلا مذاق نہیں ہے؟

(۹) جب روس نے افغانستان کا کئی سالوں تک محاصرہ اور اُس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو امریکہ نے خود افغان مسلمانوں کو بالعموم اور طالبان اور اُسامہ بن لادن کو بالخصوص فوجی تربیت دی' اُنہیں سامانِ جنگ فراہم کیا اور اُن کی مالی مدد کی۔ اُن کے نزدیک یہ ''منصفانہ عمل'' تھا۔

اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے۔ جب امریکہ نے عراق پر حملہ کرنے کے بہانے اپنی فوجیں سعودی عرب میں اتاریں تو مذہبی ذہن کے لوگوں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے احتجاج کیا تو اُنہیں دہشت گرد اور باغی قرار دیتے ہوئے ملک بدر کر دیا گیا۔ اِن جلا وطنوں میں اُسامہ بن لادن بھی ایک تھا۔ چونکہ افغانستان بنیادی طور پر ایک مذہبی ملک ہے اور اُس کے باشندگان سچے مسلمان ہیں' اس لئے امریکہ افغانستان کے وجود اور اسلام کو ''دہشت گردی کے خاتمہ'' کے ڈرامائی اظہار میں ختم کرنا چاہتا ہے۔

جس طرح کچھ عرصہ پہلے برطانیہ نے متحدہ ہندوستان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا' اُسی طرح امریکہ' اسرائیل اور یورپی ممالک اسلام کے مراکز مکہ مکرّمہ اور مدینہ' تیل پیدا کرنے والے ممالک اور پاکستان کو دہشت

گردی کے خاتمے کی آڑ میں ہڑپ کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ وہاں نوآبادیاتی نظام قائم کرسکیں۔

(۱۰) مان لیا کہ عراق کا صدام حسین جابر وقصاب حکمران تھا لیکن عراق پر کی گئی جنگ ظلم وتشدد اور جبروت کو ختم کرنے کے لئے یا عراق کو جمہوریت دینے کے لئے نہیں تھی بلکہ وہ عراق پر قابض ہونے' اس کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے اور مشرقِ وسطیٰ کو امریکہ اور اسرائیل کے لئے زیادہ محفوظ بنانے کے لئے جارحانہ جنگ تھی۔

اِس تلخ حقیقت کو پھر دہرانے کی ضرورت ہے کہ جب تک صدام حسین امریکی مفادات کے لئے کام کرتا رہا تو وہ امریکہ کا چہیتا تھا لیکن جب وہ ایران کے خلاف نبرد آزما ہوا تو اُس کے جبر وتشدد پر واشنگٹن میں کسی نے بھی اپنی نیند نہیں گنوائی۔

جامع مسجد دہلی کے امام احمد بخاری نے صحیح استدلال پیش کیا کہ اسرائیل کو بھی دہشت گردوں میں شمار کیا جائے اور اگر اُسامہ بن لادن پر مقدمہ چلایا جائے تو اسرائیل کو بھی کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر وہ پکے دہشت گرد ثابت ہو جاتے ہیں تو اُنہیں عرب ممالک کی تنظیم (O.I.C.) کے سپرد کر دیا جائے۔ احمد بخاری کا استدلال یہ بھی تھا کہ امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں ہزاروں یہودی ملازم ہیں اور عین ممکن ہے کہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کا ڈرامہ طالبان کو بدنام کرنے کے لئے خود یہودیوں نے ہی رچایا ہو۔

مسلمان ہونے کے ناطے سے ہمیں انسانیت اور انسانی اَقدار سے پیار ہے۔ ہم دہشت گردی کی ہر صورت کی مذمت کرتے ہیں۔ ایک چیز کا ہمیں علم ہے کہ رب تعالیٰ بذاتِ خود اسلام کا قادرِ مطلق محافظ ہے اور کوئی بھی طاقت اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا نہیں سکتی۔

دشمنِ اسلام ہمارے صبر اور بُردباری کو آزما رہا ہے: ''ریڈیو تہران کے مطابق وائٹ ہاؤس کے ویب سائٹ میں قرآن مجید کو'' دہشت گردوں کی مقدس کتاب'' کا نام دیا گیا ہے۔'' [ماہنامہ ''السعید'' ملتان (پاکستان)' ستمبر ۲۰۰۲]

حقائق کو ایسے کھلے طور پر مسخ کرنے اور بدخواہی پر مبنی مفروضے کے خلاف مؤلف اپنی جانب سے اور تمام امتِ مسلمہ کی جانب سے سراپا احتجاج ہے اور پُرزور طور پر یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم مسلمان ہرگز دہشت گرد نہیں ہیں۔ ہمارے دشمن کی آنکھوں پر چڑھے ہوئے رنگین چشموں نے جو ہٹ دھرمی اور گہری عناد و دشمنی میں ڈوبے ہوئے ہیں' ہمیں ایسا بنا دیا ہے۔ درجِ ذیل ناقابلِ تردید حقائق کی روشنی میں معزز قاری کو صحیح' غیر متعصب اور منصفانہ فیصلہ تک پہنچنے کی دعوت دی جاتی ہے:

(۱) تاریخِ اسلامی کے صفحات اس حقیقت کا روشن ثبوت ہیں کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تلوار کا استعمال اپنی بقا اور دفاع کے لئے تھا' جب دشمن نے اندرونی اور بیرونی طور پر ہر طرف سے آپ کو زچ کر دیا تھا اور کفارِ مکہ کے لئے نوزائیدہ ریاست کے مسلمانوں کو اپنا تر نوالہ بنانا ممکن ہو گیا تھا۔ ملکِ عرب کی تمام تلواریں آپ کے خلاف ننگی کر دی گئیں۔ کفر اور شرک ہمیشہ اسلام کے خلاف جارحانہ جنگ لڑتا رہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

آپ ﷺ کے مقدس دور سے لے کر اب تک آپ کے صحابہ کرام اور پیروکار ہمیشہ آپ کے نقشِ قدم پر چلے ہیں اور اُنہوں نے کسی غیر انسانی یا دہشت گردی کی سرگرمیوں میں کبھی بھی اپنے آپ کو ملوّث نہیں کیا۔ اس حقیقت کی تائید مغرب کی کئی مشہور و مستند ہستیوں نے بھی کی ہے۔ مثلاً:

(۱) ''اوّل بات تو یہ ہے کہ مسلمان اپنی بقا کے لئے لڑے کیونکہ ہر چہار جانب سے وہ دشمن کی دھوکہ بازی کا شکار تھے اور اگر اُنہوں نے جرأتمندانہ قدم نہ اٹھایا ہوتا تو یقیناً دشمن اُنہیں مغلوب کر دیتا جو تعداد میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھا۔'' ("The Story of Muhammad"... Edith Holland, p. 111)

(۲) ''محمد (ﷺ) تو صرف اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو بے وفا اہلِ مکہ کے تشدد سے بچانے کے لئے فکر مند تھے اور کسی بھی ایسے ظلم کا بدلہ لینے کے لئے جو آپ یا آپ کے پیروکاروں کے ساتھ ہو۔'' ("The Arab Civilisation"... Joseph Hell, p. 26)

(۳) ''تیرہ سالہ انکساری اور فروتنی کی قوّتِ برداشت کا ثمر سوائے توہین اور شدید زخموں کے آپ کو کچھ بھی نہیں ملا۔'' ("Life of Mahomet"... Washington Irving, p. 103)

(۴) ''پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام انسانی طبقات کی باہم مل جل کر رہنے کی خواہش کا ثبوت اُس معاہدہ میں ملتا ہے جو آپ نے یہودِ مدینہ سے کیا جس میں ان دو مذہبی طبقات کو تمام جارح اور امن و آشتی کو درہم برہم کرنے والوں کے خلاف ایک مخلصانہ اور برادرانہ لڑی میں پرونے کی کوشش کی گئی تھی۔ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے خلفائے راشدین نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور اُنہیں بنیادی حقوقِ انسانی کی بلا امتیاز ضمانت دے رکھی تھی ۔ ۔ ۔ اگر قرآن اور تلوار ہی صرف متبادل ہوتے تو تاریخ رواداری کے معجزانہ تصوّر کا کبھی مشاہدہ نہ کرتی۔'' ("The Prophet and his Message".. Khalifa Abdul Hakim, p. 116)

نوٹ: مزید معلومات کے لئے انسائیکلو پیڈیا ہٰذا کی جلد سوم کے صفحات ۱۲۶۹ تا ۱۲۷۳ (''جنگی اخلاقیات'' کے عنوان کے تحت) کا مطالعہ کیا جائے۔

(II) ''اسلام میں جنگ اللہ کی خاطر کی جاتی ہے۔ مسلمان کی جنگ کا سبب منصفانہ' شریفانہ اور انسان دوستی کی بنیاد پر ہے۔ ایسے شریفانہ اور انسان دوستی کے سبب کو غیر انسانی اور غیر معزز طریقوں سے بدنام کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس طرح انسان دوستی اسلام کے جنگی تصوّر ہی میں جاں گزیں ہے۔'' ("The Qur'anic Concept of War"... Brigadier S. K. Malik, p. 50)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آٹھ سالہ مدنی زندگی میں کفارِ مکہ کے ساتھ جو مڈبھیڑ ہوئی' اس میں تقریباً ہر مہینے چھوٹا یا بڑا نقصان ضرور ہوا۔ مؤرّخین نے ایک چارٹ پیش کیا ہے جس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے دشمن کے نقصان کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ چارٹ ۸۲ جنگوں اور جھڑپوں کے دوران انسانی جانوں کے ضیاع کو ظاہر کرتا ہے:

	مقتولین کی تعداد	زخمیوں کی تعداد	اسیرانِ جنگ کی تعداد	
مسلمان	۲۵۹	۱۲۷	۱۱	
دشمنانِ اسلام	۷۵۹	نامعلوم	۶۵۶۴	(ایضاً)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس حیران کن اسلامی انقلاب کے دوران انسانی جانوں کا کل ضیاع ۹۱۸ تھا۔ اس تعداد کو ۸۲ جنگوں پر پھیلانے سے ایک جنگ میں مقتولین کی اوسط تعداد گیارہ بنتی ہے۔ اور یہ بات ہمیں تسلیم کرنا ہوگی کہ نوعِ انسانی کی تاریخ میں یہ خونریزی کے بغیر نسبتاً سب سے بڑا انقلاب تھا۔ اِس اسلامی انقلاب نے ۹۱۸ جانوں کی معمولی قیمت پر انسان کو' سماج کو' اُس کی اقدار کو' اقتصادیات' سیاست اور نظامِ حکومت کو بدل کے رکھ دیا۔ اس نے انسانی تاریخ پر خوشگوار اور دائمی اثرات چھوڑے۔ اس انقلاب نے انسان کو سمجھایا کہ وہ رب کی افضل ترین مخلوق ہے اور روئے زمین پر اُس کا ذمہ دار نائب ہے۔ اسلامی انقلاب کے بعد ہی انسان نے کائنات' اُس کی ماہیت' سبب اور مقصد پر غور کرنا شروع کیا۔ اُنہوں نے قدرت کے رازہائے سربستہ اور طبیعی علوم پر غور کرنا شروع کیا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا کردہ نظام کے تبرکات نے صدیوں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک سفر کیا ہے اور اب تک نوعِ انسان اُن سے مستفید ہو رہی ہے۔ اسلامی اخلاقیات' اقدار' ثقافت و تہذیب اور طریق زندگی سب اس جدید ہلاکت خیز' خوفناک اسلحہ جات کی موجودگی میں رحمتِ خداوندی کا عکس ہیں۔ خوف زدہ اور ہراساں انسان کے لئے اسلامی نظام ہی واحد پناہ گاہ ہے' انسان کے لئے واحد فخر ومباہات کا معاملہ ہے' یہی وہ واحد انسانی اثاثہ ہے اور انسانی وقار کے لئے اوجِ کمال ہے۔ اپنی تمام تر عملی تفصیلات کے ساتھ یہ وہ واحد نظام ہے جس کا نفاذ اور اطلاق ہر وقت اور ہر جگہ فی الفور ہو سکتا ہے۔ یہ بہت ہی آب و تاب والا' زندہ اور دائم ہے۔ اسلامی نظام انسانی مسائل کا تریاق ہے اور تمام قومی اور بین الاقوامی مسائل کو اُسی طرح حل کرنے کا اہل ہے جس طرح آغاز میں اُس نے مسائل حل کیے۔

'' جمہوریت کے نام پر ہونے والے فرانس کے انقلاب کے دوران موت کا خراج (Death-toll) اتنا زیادہ تھا کہ اُنہیں بہ یک وقت درجنوں سر کاٹنے کے لئے مقصلہ (گلا کاٹ مشین) ایجاد کرنا پڑی ۔ جمہوریت کی خدمت کے لئے یہ مشینیں فرانس کے شہروں اور قصبوں کے چوراہوں پر نصب کی گئیں تا کہ جمہوریت کی دیوی کو نا قابلِ پیائش انسانی خون کا نذرانہ پیش کیا جائے ۔ اُس جمہوری انقلاب کے لئے جو بعد میں ڈھونگ اور الفاظ کی شعبدہ بازی ثابت ہوا' تقریباً 6.6 ملین لوگوں کے سرتن سے جدا کر دیئے گئے ۔ ہر صاف ستھرے لباس والے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ۔''

'' اسی طرح اشتراکیت (کمیونزم) کے لئے روسی انقلاب میں جس نے خود نوعِ انسانی کے آدھے مسائل کے حل کرنے کا دعویٰ کیا تھا' دس ملین سے زائد لوگوں نے خونریزی اور برف نما سرد قید خانوں میں اپنی جانیں گنوائیں ۔''

پہلی جنگِ عظیم (1914-1918) کے دوران یورپی ممالک جو خود غلام تاجر تھے' اپنی قومی خود مختاری کے تحفظ کے لئے جرمنی سے لڑے ۔ اس جنگ میں مرنے والوں کی تعداد یہ ہے :

ملک	تعداد	ملک	تعداد
روس	۱۷ لاکھ	ترکی	۲.۰۵ لاکھ
جرمنی	۱۶ لاکھ	بلجیئم	۱.۰۲ لاکھ
فرانس	۱۳.۷۰ لاکھ	بلغاریہ	۱.۰۰ لاکھ
آسٹریا	۸ لاکھ	برطانیہ	۷.۰۶ لاکھ
اٹلی	۴.۰۶ لاکھ	امریکہ	۰.۵۰ لاکھ
رومانیہ	۱.۰۰ لاکھ	کل میزان :	۷۱.۳۹ لاکھ

جنگِ عظیم دوم بھی اُسی مقصد کے لئے لڑی گئی جیسی جنگِ عظیم اوّل لڑی گئی ۔ جنگ کے فریق بھی بارِ دگر وہی تھے کیونکہ انسانی جانوں کے بے تحاشا ضیاع کے باوجود مسئلہ حل نہیں ہو سکا تھا ۔ اس جنگ میں کھربوں پاؤنڈ اور ڈالر خرچ ہونے سے قطع نظر انسانی جانوں کا ایک بار پھر اندھا دھند ضیاع ہوا ۔ اموات کی تعداد جنگِ عظیم اوّل کی اموات کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی :

ملک	تعداد	ملک	تعداد
جرمنی	۲۸.۵ لاکھ	برطانیہ	۵.۵ لاکھ
چین	۲۲ لاکھ	امریکہ	۳ لاکھ
جاپان	۱۵ لاکھ	اٹلی	۳ لاکھ
روس	۷.۵ لاکھ	فرانس	۲ لاکھ
		کل میزان :	۸۶.۵ لاکھ

صرف امریکہ کا مالی نقصان ۳۵ کھرب ڈالر ہوا جبکہ وہاں دس ملین لوگ بے گھر ہو گئے۔۔(Encyclop-
aedia Britannica, Vol. 23, pp. 775, 793)

یہ سیاسی جنگوں کا نقشہ ہے۔''دنیا کی مذہبی جنگوں میں مہابھارت کی جنگ نے بھارت کی کل آبادی کو تقریباً نیست و نابود کر دیا تھا۔ چند ہی لوگ موت سے بچ سکے تھے۔ جنگ لڑنے والے فریقوں کے اندازے اور روایت کے مطابق موت کا خراج لاکھوں تک جا پہنچا۔ جب یورپ میں مذہبی عدالتوں کا قیام ہوا تو ایک فرقہ کے بارہ ملین لوگ دوسرے فرقہ کے ہاتھوں مار دیئے گئے یا زندہ جلا دیئے گئے۔ ان میں سے 3.4 لاکھ لوگ صرف سپین میں مارے گئے اور زندہ جلا دیئے گئے۔'' ("Apology for Muhammad and the Koran"...
John Davenport)

ہمارے اپنے برِصغیر میں نام نہاد ''بھارتی غدر'' کے دوران اور اس کے بعد بے گناہ بھارتیوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا۔ کارل مارکس نے اپنی کتاب بہ عنوان "The First Indian War of Independence" میں برطانوی درندگی کی کچھ مثالیں دی ہیں جو برطانیہ نے اُس دوران میں برِصغیر کے لوگوں کے ساتھ کیں۔

سقوطِ دہلی کے متعلق موجمدار لکھتے ہیں :

''برطانوی سپاہیوں نے دہلی کو تباہ و برباد کر دیا اور تباہی کے اس عمل میں اس کے بہت سے بے گناہ مرد باشندے ہلاک کر دیئے گئے۔ بمبئی ٹیلیگراف نے رپورٹ کی: ''جب ہمارے فوجی دستے شہر میں داخل ہوئے تو چار دیواری میں پائے گئے تمام لوگوں کو موقع پر ہی سنگینیں گھونپ دی گئیں۔ یہ تعداد خاصی بڑی تھی اور ایک اندازے کے مطابق کچھ گھروں میں چالیس تا پچاس لوگ چھپے ہوئے تھے۔''
("An Advanced History of India"... R. C. Majumdar, p. 777),
London, 1950 Edition.

کمال الدین حیدر حسینی نے جس کی ہمدردیاں برطانیہ کے ساتھ ہیں' مسلمان مرنے والوں کی تعداد ستائیس ہزار بتائی ہے۔ وہ لکھتا ہے: عام قتلِ انسانی سات دن تک ہوتا رہا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کتنے لوگ ذبح کئے گئے۔ بچوں کو بھی قتل کیا گیا اور یہ بیان کرنا ممکن نہیں کہ خواتین کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔'' (''قیصر التواریخ''۔۔کمال الدین حیدر' جلد دوم' صفحہ ۵۴) لکھنؤ ۱۹۰۶ء ایڈیشن۔

اس بلا وجہ اور بے تکی خونریزی کی ہیبت ناک تعداد کے مطالعہ کے بعد ہم جب اپنے پیغمبر ﷺ کے عظیم

الشان انقلاب کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ اسلامی انقلاب کا کوئی مثیل اور ہمسر نہیں کیونکہ اُس نے انسان کی دنیا ہی بدل ڈالی اور اُسے روئے زمین پر خلیفۃ اللہ بنا دیا۔ اور جیسا کہ بیان ہوا' حق و باطل کے اس معرکہ میں کل انسانی ضیاع ۹۱۸ تھا۔ اسلامی انقلاب کے قائد اور خاتم النبیین ﷺ کو اُن کے خالق و مالک نے رحمۃ للعالمین کا تاج پہنا کر مبعوث کیا (سورۃ الانبیاء : ۱۰۷)

<u>سرقہ (چوری LARCENY)</u> : گزشتہ صفحات ۳۱۲۲ تا ۳۱۲۸ ملاحظہ کئے جائیں۔

<u>لُقطہ (گری پڑی چیز TROVE)</u> : لُقطہ ایسی قیمتی چیز کے زمین پر گرے پڑے رہنے کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص اسے محفوظ کرنے کی غرض سے <u>بطور امانت</u> اٹھالے کہ مالک کے ملنے پر اُسے وہ چیز واپس کردی جائے گی۔''

("Islamic Law of Tort"... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, p. 97)

امانت ہونے کی حیثیت سے یہ بات لائقِ تحسین ہے کہ لقطہ کو اٹھانے والا عام حالات میں اُسے اپنی تحویل میں رکھے۔ اس سلسلہ میں الٰہی حکم درج ذیل ہے :

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء : ۵۸)

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل کے سپرد کرو۔'' (۵۸ : ۴)

کچھ فقہاء کے نزدیک آدمی کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اگر گری پڑی چیز کی حفاظت نہ ہوسکنے کی صورت میں اُس کے خراب ہونے کا امکان ہو تو وہ اُسے اپنی تحویل میں لے لے۔ جہاں تک اس کی حفاظت کی مدت کا تعلق ہے تو یہ بالعموم ایک سال ہے لیکن چیز کی نوعیت کے مدِّ نظر اسے تین سال تک بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ اگر تو وہ چیز قیمتی ہو اور اس کا محفوظ رکھنا آسان ہو تو عرصہِ حفاظت لمبا ہو سکتا ہے ورنہ عرصہ کم ہوگا۔ پھر امانتدار کو اس حقیقت کو باقاعدہ مشتہر کرنا چاہئے کہ اُسے ایک گری پڑی چیز ملی ہے جس کے مالک کو آکر اُس سے لے لینا چاہئے۔ اگر تو وہ دیوالیہ ہے تو اس مدت کے اختتام پر اگر وہ چاہے تو اُسے اپنے استعمال میں لے آئے۔ ورنہ اُسے خیرات کر دے۔ اگر اُس چیز کو خیرات میں دینے کے بعد لقطہ کے پانے والے کو مالک مل جائے تو اصل مالک کو دو اختیار حاصل ہیں: یا تو وہ اُس دی ہوئی خیرات کو تسلیم کر لے یا اُس سے چیز کا مطالبہ کر دے لیکن وہ یہ اُس صورت میں کر سکتا ہے جبکہ لقطہ کا پانے والا اس قابل ہو کہ اُس کی رقم اُسے ادا کر سکے۔ یہ بات قابلِ تحسین ہے کہ بھولی بھٹکی بکریوں' بھیڑوں کی حفاظت اور نگرانی کی جائے لیکن بیلوں' گھوڑوں اور اونٹوں کی نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ جب چیز کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو کسی کے اثاثے کو یونہی اٹھا لینے کی اجازت نہیں ہے۔ (صحیح مسلم' بحوالہ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی)

مجلّہ میں لکھا ہے: ''اگر کوئی شخص کسی چیز کو سڑک پر یا کسی اور جگہ پر پائے اور اُسے اپنی ملکیت بنانے کی غرض سے اٹھالے تو اُس کی حیثیت غاصب کی سی ہوگی۔''

حجاج کرام کی گری پڑی چیزیں: عبدالرحمن بن عثمان التیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاجیوں کی گری پڑی چیزوں کو اپنی تحویل میں لینے سے منع فرمایا ہے۔

مُلّا علی قاری کہتے ہیں کہ حجاج کرام کی گری پڑی چیزوں کے اٹھانے کی ممانعت خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ چونکہ حجاج کرام کا مختلف مقامات پر قیام بہت مختصر ہوتا ہے اور اُنہیں بروقت اطلاع دینا ممکن نہیں ہوتا' اس لئے اُس چیز کو اُس کی جگہ پر پڑے رہنا چاہئے جہاں وہ گری ہے تاکہ اُس کا مالک اُسے اُس جگہ سے لینے کے قابل ہوسکے۔ (''مرقاۃ''۔۔ مُلّا علی قاری' جلد ششم' صفحہ ۱۶۲)

فرعیات (Corollaries): (۱) غیر اہم لقطہ کو اُس کا پانے والا اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔

(۲) غیر قانونی گری پڑی چیزوں کو مشتہر کیا جائے اور اُنہیں اُسی طرح صَرف کیا جائے جیسا کہ قانونی چیزوں کو صَرف کیا جاتا ہے۔ (الھدایۃ)

(۳) بھولے بھٹکے جانوروں کی اُن کے مالک کی خاطر حفاظت اور نگرانی کی جائے۔ لیکن اُنہیں لینے والا اُن کے چارے اور خوراک کا ذمہ دار نہیں ہے جب تک کہ مجسٹریٹ کی جانب سے جانوروں کے کرایہ پر دیئے جانے کا حکم نامہ صادر نہ ہو۔ اگر جانور کرایہ کے لئے موزوں نہیں اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر فائنڈر نے اُنہیں چارہ یا خوراک کھلائی تو اس کا خرچہ جانوروں کی قیمت کے قریب ہو جائے گا' تو مجسٹریٹ کو اُن کی فروخت کا حکم جاری کرنا چاہئے اور حاصل شدہ رقم کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ جس سے وہ جانور فی الواقع محفوظ رکھے جاسکیں کیونکہ عام حالات میں اُن کا محفوظ رکھا جانا قابلِ عمل نہیں ہوتا۔

(۴) فائنڈر امیر آدمی کو گری پڑی چیز بطور خیرات دینے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ فرمودۂ رسول ﷺ ہے:
''اگر گری پڑی چیز کا کوئی مالک نہیں ملتا تو اُسے خیرات میں دے دو۔''
لٰہذا گری پڑی چیز زکوٰۃ کی طرح ہے جو خوشحال لوگوں کو نہیں دی جاسکتی۔

(۵) اگر فائنڈر غریب و نادار ہو تو اُسے اُس لقطہ کے استعمال میں ہچکچانے کی ضرورت نہیں۔ اسی اصول کی بناء پر اُس گری پڑی چیز کو کسی اور غریب و نادار کو بھی دے دینا جائز ہے۔ اگر فائنڈر امیر ہو اور اُس

کے والدین اور بیوی بچے غریب ہوں تو وہ اُنہیں وہ لُقطہ بطور خیرات دے سکتا ہے۔

(۶) اگر کوئی آدمی اُس لُقطہ کا دعویٰ کرے تو وہ اُسے اُس وقت تک نہیں دی جائے گی جب تک وہ اُس لقطہ کی علامات نہ بتائے۔ صحیح بخاری میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیثِ مبارکہ آئی ہے جس میں فرمایا گیا:
''جب گری پڑی چیز کا مالک اُس کے کوائف ٹھیک ٹھیک بتا دے اور ثابت کر دے کہ وہ چیز اُسی کی ہے تو وہ اُسے واپس کر دی جائے۔'' (صحیح بخاری)

غیر ہنر مند معالجین (Unskilled Doctors): اسلامی ریاست میں جو لوگ طبّی لحاظ سے مطلوبہ لیاقت کے حامل نہیں ہیں' وہ بہ طورِ معالج پریکٹس کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ یہ رویّہ طب کے میدان میں ناجائز گھسنے والوں کی نہ صرف حوصلہ شکنی کرتا ہے بلکہ اُنہیں پریکٹس کرنے سے بھی روکتا ہے۔ اُنہیں لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جب تک ڈاکٹر کی کوئی سنجیدہ قسم کی غفلت نہ ہو تو اُس پر نالش نہیں ہو سکتی۔ امام مالک اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ڈاکٹروں کو حکومتِ وقت نے پریکٹس کرنے کی اجازت دی ہے اور حکومت صرف اہل پیشہ وروں ہی کو اجازت دیا کرتی ہے۔ اس اصول کا ماخذ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانِ مبارک ہے:
''جو شخص طب کا پیشہ اختیار کرتا ہے اگرچہ وہ خود ڈاکٹر نہ ہو تو وہ کسی غفلت اور انسانی جان کے ضیاع کا ذمہ دار ہے جس کی اُسے تلافی کر دینی چاہئے۔'' (''التشریع الجنائع فی الاسلام'' -- عبدالقادر عودہ جلد اوّل' صفحہ ۵۲۳)

میڈیکل غفلت سے متعلق اسلامی قانون ایسا جامع و مانع ہے کہ وہ دوا فروشوں' حجاموں اور ختنہ کرنے والوں تک کو محیط ہے۔ اگر وہ کسی غفلت کے مرتکب ہوں تو وہ اس کی تلافی کر دینے کے ذمہ دار ہوں گے۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں ''ادلے کا بدلہ'' (Retaliation) کے قانون کا اطلاق ہوتا ہے:

(۱) اگر کسی سرجن نے کسی بیمار کی سرجری کی اور اُس نے اپنے ماتحت سٹاف کو یا کسی جونیئر رفیق کار کو زخموں پر پٹی باندھنے کو کہا اور اُس کی غفلت سے مریض مر جائے تو اس (غافل) کی قانونی حیثیت اُس سرجن کی سی ہوگی جو اپنے کسی مریض کو فوری علاج کے لئے زہر کھانے کو کہے۔

(۲) اس کے برعکس اگر پہلے سرجن کی مرضی کے بغیر پٹی کسی اور سرجن نے باندھی تو ذمہ داری دوسرے سرجن پر آتی ہے۔ اگر مریض کے زخموں پر مریض کے سرپرست یا کسی قرابتدار کی مرضی سے کسی نے پٹی باندھی یا یہ

کام فرسٹ ایڈ کے طور پر کسی سرکاری عملے نے کیا جو زخمی مریض کا قرابتدار بھی نہیں تو وہ تلافی یا ''ادلے کا بدلہ'' کے اصول کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔'' ("Islamic Law of Tort"... Dr. Liaquat A. K. Niazi, p. 242)

پیدائش سے قبل کی چوٹ (Pre-natal Injuries): غفلت یا کسی اور وجہ سے جنین (بچہ جو ابھی پیدا نہ ہوا ہو) یا مکمل تشکیل شدہ بچے کو جو ابھی پیدا نہیں ہوا' نقصان پہنچنے کی صورت میں یا ماں پر اُس کے حمل کے دوران شدید جسمانی حملہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کو کسی قسم کا نقصان پہنچے تو متعلق فریق اُس کی تلافی کا ذمہ دار ہوگا۔

ماں پر جسمانی حملہ کے نتیجہ میں اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو قانونِ شریعت حملہ کرنے والے پر ایک خاص قسم کی ''غرہ'' نامی دیت (خوں بہا) عائد کرتا ہے۔ (ایضاً' صفحہ ۲۳۸)

''اگر سلطانِ وقت یا قاضی کسی ایسی حاملہ عورت کو طلب کرے جو کسی جرم کی مرتکب ہوئی ہو اور اُسے ڈرائے جس سے بے وقت پیدائش واقع ہو جائے تو اِس اسقاطِ حمل کا ذمہ دار وہ سلطان یا قاضی ہوگا۔''
(''منہاج الطالبین'' صفحہ ۴۲۱)

بچانے والوں کا فرضِ نگہداشت: اس ضمن میں احمد بن ادریس القرافی لکھتے ہیں:

''ابنِ قاسم کہتے ہیں: اگر کسی ڈوبتے ہوئے آدمی کو بچانے کی کوشش میں آپ کو اپنی زندگی کا خطرہ ہو اور آپ اُسے ڈوبنے دیتے ہیں تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اگر آپ کسی کو تیراکی سکھا رہے ہیں اور آپ کو اپنی زندگی کا خطرہ ہو اور اُسے ڈوبنے دیتے ہیں تو اُس کے نقصان کی تلافی کے ذمہ دار آپ ہیں۔ اگر کوئی آدمی کنویں میں کود جائے اور آپ سے رسی لٹکانے کو کہے تو اُسے اوپر کھینچنے کے عمل میں آپ رسی کو چھوڑ دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں آدمی مر جاتا ہے تو اُس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔۔۔ اگر آپ کنویں میں ایک آدمی کے لئے رسی پکڑتے ہیں اور رسی ٹوٹ جاتی ہے تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں کیونکہ یہ آپ کی غفلت کا نتیجہ نہیں ہے۔ آپ کی ذمہ داری تب ہوگی جب آپ کے ہاتھوں سے رسی چھوٹ جائے۔'' (''الذخیرۃ'' ۔ القرافی' ج ۸' ص ۳۶۶)

''غلط مشورہ دینے میں وکلاء کی ذمہ داری: نمائندہ یا مشیر مقرر کرنے کے نظریہ کو اسلام نے تسلیم کیا ہے۔ بالخصوص دیوانی کے مقدمات میں عدالتی کارروائی کے لئے مختارِ عام مقرر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً جناب علی کرم اللہ وجھہ' نے دیوانی مقدمات میں کچھ تنازعات کو حل کرنے میں حضرت عقیل عبداللہ بن جعفر کو اُن کی مدد لینے کے لئے مقرر کیا۔ اُس نمائندہ کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے فرض کو بہ احسن طریق نبھائے۔''

''وکیل کا بنیادی فرض اپنے مؤکل کے مفاد کا تحفظ ہے اور اگر وکیل اپنے مؤکل کے مفاد میں عدالت کے اندر یا باہر کسی قسم کا تغافل برتتا ہے تو وہ اپنے مؤکل کے آگے جوابدہ ہے۔ جو کوئی کسی کو بطور مفتی غلط مشورہ دے تو اُس نے گناہ کا ارتکاب کیا۔'' (''اسلامک لا آف ٹارٹ''۔۔ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی' ص ص ۲۴۳' ۲۴۴)

ٹریفک حادثات: فقہِ اسلامی میں ٹریفک حادثات میں تلافی کے جامع اصول ہیں۔ ہارڈی لکھتا ہے:

''سڑک پر حادثہ کی صورت میں پولیس یا ٹریفک کے افسران کہتے ہیں کہ موت ڈرائیور کی غفلت کی وجہ سے ہوئی تو ڈرائیور کو خوں بہا (دیت) ادا کرنا ہوگی۔تاہم حادثہ کا شکار اہلِ خانہ اُسے مکمل طور پر معاف بھی کر سکتے ہیں۔'' ("Blood Feuds and the Payment of Blood Money in the Middle East"... M. J. L. Hardy, p. 93) Beirut, 1963.

(XX X) حملہ اور ضربِ شدید (Assault and Battery) کا ارتکاب: ''کسی پر ناجائز طور پر ہاتھ رکھنا یا اُسے جسمانی اذیت دینے کی کوشش کرنا حملہ (Assault) کے ضمن میں آتا ہے۔'' (Osborn's Concise Law Dictionary... John Burke, p. 34)

دھمکی دینے کے انداز میں بندوق کے ساتھ کسی آدمی کو نشانہ بنانا قانونی چارہ جوئی کا متقاضی ہے اگرچہ مدعا علیہ کے علم میں ہو کہ بندوق میں کارتوس نہیں ہے۔لیکن اگر کوئی معقول خوف نہ ہو تو حملہ تصوّر نہ ہوگا۔مثلاً بندوق کا نشانہ آدمی کی پشت کی جانب سے کیا جائے۔حملہ صرف ٹارٹ ہی نہیں بلکہ مجرمانہ جرم بھی ہے۔ ("Torts".. Salmond, pp. 123, 124)

اسلام واضح طور پر اِن دونوں جرائم سے منع کرتا ہے۔یہ قانون احترامِ آدمیت کی بنیاد پر ہے۔درج ذیل آیاتِ قرآنی حضرتِ انسان کے بے مثل امتیاز کو آشکار کرتی ہیں اور اُسے تمام موجودات پر فوقیت بخشتی ہیں:

(۱) وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل : ۷۰)

''ہم نے بنی آدم کو یقیناً عزت واحترام بخشا ہے۔'' (۱۷ : ۷۰)

(۲) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O (التّین : ۴)

''بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔'' (۹۵:۴)

ایک حدیثِ نبوی احترامِ آدمیت کو اجاگر کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

۳۲۵۳ (قانونِ شریعتِ اسلامی۔۔۔LAW)

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت میں پیدا فرمایا۔'' (صحیح بخاری' جلد دوم)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی کی طرف کسی آلے سے اشارہ کرنے کو منع فرمایا:

(۱) ''جو کوئی کسی آلے سے ہماری طرف اشارہ کرے اُس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔'' (صحیح مسلم)
(۲) ''جو کوئی اپنے بھائی کی طرف آلہ سے اشارہ کرے تو فرشتے اُس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے عمل سے باز نہ آجائے' اگرچہ وہ اُس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔'' (ایضاً)

اسلام کے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلمانوں کو ضرب نہ لگاؤ مبادا کہ وہ ذلیل ہو جائیں' اُن کے حقوق روکے نہ رکھو کہ کہیں وہ بے وفا نہ ہو جائیں' اُنہیں جنگل میں نہ رکھو مبادا کہ وہ گم ہو جائیں۔'' (ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی' صفحہ ۱۸۹)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے محمد ابن کعب القرطبی کو عدل و انصاف کی تعریف کرنے کو فرمایا تو اُنہوں نے یہ تعریف کی:
''ہر مجرم کو اُس کے جرم کے تناسب سے سزا دینا اور غیظ وغضب کی وجہ سے مسلمان کو کوڑے لگانے سے بچنا ورنہ دوزخ مقدر بن جائے گا۔'' ("The Right of the Individual to Personal Security in Islam"... Usman Abdul Malik Al-Saleh)

''ہاتھ یا کوڑے یا چھڑی سے عام مار مارنے میں کچھ علماء کی رائے میں کوئی انتقامی کارروائی نہیں ہے۔

<u>قانون کی بالا دستی کی ایک مثال</u>: ملکِ شام کا غسانی بادشاہ جبلہ بن ایہم خلیفہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دربار میں ضربِ شدید کا ایک مقدمہ لایا۔ بادشاہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور خانہ کعبہ کے طواف کے دوران اُس کے ڈھانپنے کے کپڑے کا ایک کونہ ایک بدّو کے پاؤں کے نیچے آ گیا جس پر جبلہ نے اُس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا۔ اُس بدّو نے بھی اُسے تھپڑ دے مارا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ سنایا:
''(اے جبلہ!) تم نے اپنے کئے کا بدلہ پالیا۔''

آپ کا یہ فیصلہ قانون و انصاف کی بالا دستی کا مظہر ہے۔'' (''الفاروق''۔۔شبلی نعمانی' جلد ۲' صفحات ۴۶۷' ۴۶۸) مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی۔

بیوی کو نظم و ضبط میں رکھنے کا حق : اس کا ماخذ درج ذیل قرآنی آیت ہے :

وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ○ (النساء : ۳۴)

''جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو اُنہیں نصیحت کرو اور اُنہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور اُنہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو اُن پر (ظلم کرنے کی راہ) نہ تلاش کرو، بیشک اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالا' سب سے بڑا ہے۔'' (۴: ۳۴)

دشمنانِ اسلام نے خاوند کے اس قرآنی اختیار پر بھی بڑا ہنگامہ کھڑا کیا ہے اور کہا ہے کہ صنفِ ناتواں پر یہ ظلم اور غیر انسانی فعل ہے۔ لیکن اُن کی یہ تنقید اُن کی کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اسلامی کنبے کی صحیح فطرت کیا ہے جس پر تمام عمرانیاتی نظام کا انحصار ہے۔ خاوند کا یہ اقدام بشرطِ ضرورت حتمی اور آخری تدبیر ہے تاکہ خاندان کا امن و سکون اور اتحاد و یک جہتی قائم رہے۔ یہ بات بہ شمول بیوی کے تمام اہلِ خانہ کے مفاد میں جاتی ہے کہ وہ سب بغیر کسی ردّ و کد کے امن سے رہیں۔ اس سزا کا حکم صرف اُس صورت میں ہے جب تمام مصالحاتی طریقے ناکام ہو جائیں اور بیوی گھر میں صرف اپنے بچوں کی خاطر رہنا چاہے' خاوند سے وفادار رہنے سے انکار کر دے اور اپنی سرکشی کے رویّہ کو برقرار رکھے۔ اِن حالات میں ایسے غیر مہذبانہ رویّہ کو سیدھا کرنے کا سوائے ہلکی مار کے اور کوئی متبادل راہ نہیں ہے۔ مخالفینِ اسلام کو اُس تدریجی عمل کو بھی دیکھنا چاہئے جو قرآن نے بیوی کی اصلاح کے لئے تجویز کیا ہے اور جس کی آخری اور حتمی سزا ہلکی مار ہے۔

نکاح اور شادی ایک ایسی تنظیم ہے جس کا مقصد شادی شدہ جوڑے کی مشترک فلاح و بہبود ہے۔ اُس مشترک فلاح و بہبود کی بنیاد باہمی الفت و محبت اور ہم آہنگی ہے جو ہر قیمت پر گھر میں ہونی چاہئے۔ لیکن زوجین کی باہمی کشیدگی اور عدمِ اتحاد کے نتیجہ میں بُرے اثرات صرف میاں بیوی تک ہی محدود نہیں رہ سکتے بلکہ بچوں اور آنے والی نسلوں کو بھی بری طرح متاثر کر سکتے ہیں۔ اگر اس مصیبت کا سبب بیوی ہے تو اُس کی اصلاح کی توقع کس سے کی جانی چاہئے؟ اگر معاملہ عدالت تک جا پہنچتا ہے تو یہ بات زوجین کے درمیان حائل خلیج کو اور زیادہ چوڑا کرے گی کہ اُن کے نجی معاملات میں مداخلت کی گئی ہے۔ اُن کے باہمی اختلافات معمولی اور عارضی ہو سکتے ہیں لیکن عدالت کی مداخلت معاملے کو اور ہوا دے گی اور صورتِ حال کو سنگین بنا دے گی۔ کوئی بھی ذی ہوش انسان اپنے روزمرّہ کے معمولی مسائل کو عدالت تک لے جانے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایسے معاملات سے نمٹنے کے لئے کسی ایسی با اختیار ہستی کی ضرورت ہے جو بوقتِ ضرورت اس کی اصلاح اور سرزنش کر سکے اور وہ ہستی خاوند کی ہے جو خاندان کا حقیقی اور حتمی سربراہ ہے۔

''عورت کی اصلاح کے لئے تدریجی اور مرحلہ وار ذرائع (وعظ و نصیحت' خواب گاہ سے علیحدگی اور ہلکی

مار) کی تجویز واضح طور پر اس بات کی مظہر ہے کہ عورت کی نفسیات پر اسلام کی نظر کیسی تیز اور بلیغ ہے۔'' -- "Islam the Misunderstood Religion"... Muhammad Qutub, pp. 112, 113)

محمد قطب نے بڑی ذہانت سے قرآن کے اِس اقدام کا دفاع کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سزا کسی بھی طرح عورت کے لئے ذلت آمیز یا اُس کی خودداری کو نقصان پہنچانے والی نہیں ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ)

تاہم بیویوں کے ساتھ نرم رویّہ اختیار کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ قرآن مجید اُنہیں سزا دینے اور شدید ذرائع اختیار کرنے کی اجازت اُن کے غیر اخلاقی رویّہ کی صورت میں دیتا ہے جسے قرآنی اصطلاح میں ''نشوز'' کہا گیا ہے۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ اِس جملے کا ترجمہ کرنے سے پیشتر ''نُشوز'' کے معنیٰ خیز اور پُر مغز لفظ کی وضاحت ضروری ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ ''بغاوت'' اور ''سرکشی'' ہے۔ لیکن یہ بغاوت ایک شہنشاہیت یا آمریت میں محکوم کی حاکم کے خلاف کے مفہوم میں نہیں بلکہ یہ بیوی کی اپنے خاوند کے کچھ احکام کو نہ ماننے کے مفہوم میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''نُشوز'' کا لفظ سورۃ النساء کی آیت ۱۲۸ میں خاوند کے لئے بھی استعمال ہوا ہے:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا
''اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی جانب سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف رکھتی ہو تو دونوں (میاں بیوی) پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں کسی مناسب بات پر صلح کر لیں۔'' (۱۲۸ : ۴)

اس لئے ''نُشـــوز'' کے لفظ میں خاوند کا بیوی کے بارے میں اندیشہ اور بیوی کا خاوند کے بارے میں اندیشہ دونوں شامل ہیں۔ لہٰذا یہ محکوم کی حاکم کے خلاف بغاوت کے معنیٰ میں نہیں اور سورۃ النساء کی ہر دو آیات ۳۴ اور ۱۲۸ میں ازدواج کے بندھن کو توڑنے کے سیاق میں آیا ہے۔ اگر اِس سیاق و سباق کو مدِّ نظر رکھا جائے تو بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ''نُشوز'' خاوند یا بیوی کے اُس رویّے کا نام ہے جو دوسرے کے لئے اس قدر پریشان کن ہو کہ اُن کا ایک ساتھ رہنا مشکل ہو جائے۔ اب دوسرے کے لئے یہ پریشان کن رویّہ درج ذیل دو طریقوں میں سے کسی ایک طریق میں ہو سکتا ہے :۔

(i) پریشان کرنے والے فریق کی جانب سے کوئی بدنیتی نہ ہو۔ یہ یا تو اُن دونوں کے مزاجوں میں ناموافقت کی وجہ سے ہو یا کسی ایک کی جانب سے دوسرے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہو کہ وہ دوسرے کے رویّہ میں کوئی پریشان کن پہلو محسوس کرتا ہے۔

(ii) میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک دانستہ طور پر ایسے طریق سے پیش آتا ہے جو دوسرے فریق کے لئے

سنجیدہ طور پر پریشان کن ہو۔ اس صورت میں ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کے لئے بہ ظاہر بدنیتی ہے۔

تو ''نُشوز'' کا لفظ اس دوسری قسم کے رویّہ کو شامل ہے کیونکہ دیدہ دانستہ ناشائستہ رویّہ ہی کو جس کی بنیاد بدنیتی پر ہو' بغاوت اور سرکشی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ ممکن ہے کہ ایک آدمی کے نزدیک ''نُشوز'' کا جو معنیٰ ہے' وہ دوسرے کے نزدیک نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی دونوں میں سے ایک فریق کا یہ فیصلہ کہ ایک کا رویّہ دوسرے کے خلاف ''نُشوز'' کا ہے' معروضی اور ذاتی ہے۔ قرآن مجید نے اسی لئے کہا ہے: ''اگر تمہیں نُشوز کا اندیشہ ہو'' اور یہ نہیں کہا کہ ''اگر تم نُشوز پاؤ۔''

الغرض ''نُشوز'' کا لفظ میاں بیوی میں سے کسی ایک کے ایسے رویّہ پر دلالت کرتا ہے جو دوسرے فریق کے لئے انتہائی پریشان کن ہو۔

<u>مشتبہ افراد اور مجرموں کو زدوکوب کرنا</u>: چوری کے مجرم وغیرہ کو اعتراف جرم کرانے کے لئے زدوکوب کرنے کا جواز ہے۔ اِس اصول کی بنیاد امام مالک کے وضاحت کردہ ''عوامی مفاد'' کے نظریہ پر ہے۔ ("The Principles of Muhammadan Jurisprudence" ... Sir Abdur Radhim, p. 166)

<u>عدالتیں</u>: کرسی عدالت پر کام کرنے والے (قاضی) نے اگر فیصلہ صادر کرتے وقت انصاف کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا' تو اُس پر روزِ قیامت رب کی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔

یمن کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا خط اُس وقت کے گورنروں اور قاضیوں کے لئے بہت ہی قابلِ قدر ہدایات کا حامل ہے:

''جب کوئی مقدمہ آپ کے ہاں دائر ہو تو محتاط غور و فکر کے بعد اس کا فیصلہ صادر کرو۔ یاد رکھو کہ ایک صحیح فیصلے کے اعلان کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اُس پر عملدرآمد نہ ہو۔'' (''البیان والتبیین''۔۔ الجاحظ' جلد دوم' صفحہ ۴۸)

خلیفہ علی کرّم اللہ وجہہ' اُن لوگوں کی کھلے طور پر مذمت کرتے تھے جو قاضی جیسے ذمہ دارانہ منصب پر بغیر کسی اہلیت اور لیاقت کے چپٹے ہوں۔ (نہج البلاغۃ ۔۔علی ابن ابی طالب' ترجمہ: سید محمد عسکری' ص ۲۷' ۲۸)

''غیر منصفانہ فیصلہ کے خلاف سپیشل مجسٹریٹ کو جسے ''ناظر المظالم'' کہا جاتا ہے' درخواست دے کر نقصان کی تلافی کا دعویٰ کرنا بھی ممکن ہے۔ خلیفۂ وقت کے ہاں آخری اپیل دائر کرنا بھی ہر وقت ممکن تھا۔'' ("Muslim Institutions" ... Maurice Gaudefroy-Demombyness, p. 157)

اسلام کا نظام قوت و اقتدار کے مقابلے میں قاضیوں کی تقرری کے معیار کے ذریعے حفاظتی حصار ہے: جیسے تعلیمی تفوق' دیانتداری اور متوازن کردار۔ ("The Right of the Individual to Personal Security in Islam"... Usman Abdul Malik Al-Saleh, p. 84)

عدالتوں کا رشوت لے کر بے انصافی کے فیصلے کرنے کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شدید مذمت کی ہے اور فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ رشوت لینے والے پر لعنت بھیجتا ہے اور اُس شخص پر بھی جو عدالتی معاملات میں افسرانِ مجاز کو رشوت پہنچاتا ہے۔''

فقہِ اسلامی میں خیالی زندگی کا نظریہ (THEORY OF FICTITIOUS SURVIVAL): اسلامی قانون متوفی کو قانونی ہستی کا لباس پہناتا ہے جو دوسرا کوئی قانون نہیں پہناتا۔ مسلم لاء کے مطابق قانونی ہستی ختم نہیں ہو جاتی۔ اگرچہ وہ مر چکا ہے لیکن ابھی تک وہ زندہ ہے۔ مرجانے والے کی ''خیالی زندگی'' کے نظریہ کی رُو سے اُسے کچھ حقوق و فرائض کا استحقاق حاصل ہے جو اُس کی موت کے وقت اُس کے ورثاء کو تفویض ہوئے تھے۔ اس سلسلہ میں امام شافعی درج ذیل حدیثِ نبوی کا حوالہ دیتے ہیں:

''مسلمان متوفی کی روح اُس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک اس کے قرض ادا نہ کر دئے جائیں۔''
(''کتاب الام'' لامام محمد بن ادریس الشافعی' صفحہ ۱۸۸)

اسی کی تائید میں امام سرخسی لکھتے ہیں:

''فقہائے اسلام کے مطابق متوفی کے قرضوں کا ادا کرنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ بات قرض خواہوں اور متوفی دونوں کے مفاد میں ہے۔'' (''المبسوط''۔۔ابوبکر محمد بن احمد السرخسی' ص ۶۰)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ موت ایسے معاملات میں متوفی کی ذمہ داری کو ختم نہیں کر دیتی۔ ''کفایہ'' کے مصنف کی عبارت ملاحظہ ہو:

''اور اس لئے ہم نے متوفی کو اُس کے مرنے کے بعد بھی زندہ اور اپنی جائداد کا مالک سمجھا ہوا ہے۔ وہ اپنے قرضوں کی ادائیگی اور اپنی وصیت کے نفاذ کا بھی سوال کرتا ہے۔'' (''الشریعۃ المحبوب الکفایۃ' ج ۲' ص ۴۰۰)

''متوفّی اپنے مرنے کے بعد بھی اُس قرض کی ادائی کا مکلّف ہوتا ہے جو اُس نے زندگی میں لیا ہوتا ہے۔'' (''الاشباہ والنظائر'' جلد دوم۔۔۔ابن نجیم المصری)

نازائیدہ بچہ (The Unborn Child): ماں پر اُس کے حمل کے دوران حملہ کے نتیجہ میں اگر جنین (پیدا ہونے والا بچہ) یا مکمل تشکیل پایا ہوا بچہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا' کے ضائع ہونے کی صورت میں تلافی (غرّہ) ادا کرنا ہوگی۔ اگر ماں پر حملہ کی صورت میں بچہ مردہ پیدا ہو تو شریعت حملہ کرنے والے سے ایک مخصوص قسم کا خوں بہا جسے ''غرّہ'' کہتے ہیں' وصول کرتی ہے۔ تمام سنی مکاتبِ فکر کے نزدیک یہ رقم بچے کی ہوتی ہے جو اُس کے ورثاء کو دے دی جاتی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی ایک عورت نے دوسری عورت پر پتھر پھینکا جس سے مضروبہ کا اسقاطِ حمل ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ یہ دیا کہ عمدہ قسم کا غلام یا لونڈی بطور تلافی دیا جائے۔

اسقاطِ جنین: کسی حاملہ عورت جس کے بچے کے اعضاء مکمل طور پر یا جزوی طور پر بن چکے ہوں' کا اسقاطِ حمل ہو جائے اور یہ اسقاط عورت کی زندگی کو بچانے کی غرض کی نیک نیتی سے نہ کیا گیا ہو' اسقاطِ جنین کہلاتا ہے۔

اسقاطِ جنین کی سزا: اسقاطِ حمل کرانے والے کو درج ذیل تلافی کرنا ہوگی :

(۱) اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو دیت (خوں بہا) کا بیسواں حصّہ۔

(۲) اگر بچہ زندہ پیدا ہو لیکن مجرم کے کسی فعل کے نتیجہ میں بچہ مر جائے تو پوری دیت دینا ہوگی۔

(۳) اگر بچہ زندہ پیدا ہو لیکن کچھ دیر کے بعد مر جائے تو تعزیر اور قید کی سزا جو سات سال تک ہو سکتی ہے' یا کوڑوں کی سزا جن کی تعداد تیس سے زیادہ نہ ہو یا دونوں ہو سکتی ہیں۔

دیوالیے (Insolvents): ''دیوالیہ وہ ہوتا ہے جس کے واجبات اُس کے اثاثہ جات کے مساوی یا اُس سے زیادہ ہوں۔'' (فتاویٰ عالمگیری' جلد ششم' صفحہ ۲۳۸)

جب آدمی کے قرض اُس کے اثاثوں سے بڑھ جائیں تو اُسے دیوالیہ تصوّر کیا جاتا ہے اور اُس کے قرضخواہوں کے مطالبے پر عدالت حکمِ امتناعی جاری کرتی ہے جس کی رُو سے لوگ اس سے ہر قسم کے لین دین سے باز رہتے ہیں۔ عدالت قرضخواہوں کی تلافی کے لئے اس کی جائداد کی فروخت کرتی ہے۔ جائداد کی فروخت کے بارے میں اِس حکمِ امتناعی (جسے اصطلاح میں الحجر کہا جاتا ہے) کا مقصد اُس کے قرضخواہوں کے مفاد کا تحفظ اور اُسے مزید کاروباری معاملگی سے روکنا ہے۔ ایسے ضابطے کی مثال نبی علیہ السلام نے قائم فرمادی تھی جو حسب ذیل ہے:۔

"کہا جاتا ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک سخی شخص تھے اور ہمیشہ اپنے اثاثے غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض رہتے تھے اور اُن کے قرض اُن کے اثاثوں سے تجاوز کر گئے تھے۔ وہ ایک مرتبہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کی کہ وہ اُن کے قرضخواہوں سے کہیں کہ وہ اپنے دئے ہوئے قرضوں سے دست کش ہو جائیں لیکن قرضخواہ نہ مانے۔ تو بعد میں نبی علیہ السلام نے معاذ کے قرض اتارنے کے لئے اُن کی جائداد فروخت کر دی یہاں تک کہ معاذ کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچا۔" (طاہر منصوری ص ۵۸)

قانون کی اقسام

قانون کی متعدد اقسام ہیں جن میں سے چند معروف اقسام کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(۱) بین الاقوامی قانون: اِس قانون کا تعلق اقوام کے باہمی روابط اور تعلقات سے ہوتا ہے جس میں کھلے سمندر، بین الاقوامی تجارت، سرحد کے تنازعات، جنگی تدبیریں اور اس قسم کی دوسری چیزیں شامل ہیں۔
("Grolier Academic Encyclopaedia, Vol. XII, p. 243)

قرآنِ حکیم میں ہمیں بین الاقوامی قانون سے متعلق کچھ اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً:
(۱) قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آلِ عمران: ۶۴)
"آپ فرما دیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، (وہ یہ کہ) ہم اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا۔" (۶۴ : ۳)

سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے) کے الفاظ ہی وہ بنیادی الفاظ ہیں جس سے مختلف فرعیات نکلتی ہیں جن میں سے ایک فرع بین الاقوامی تعلقات کی بھی ہے یعنی اہلِ کتاب: یہود و نصاریٰ جو اقوامِ عالم کا ایک بڑا حصّہ ہیں۔

(۲) وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○ (العنکبوت: ۴۶)
"اور کہہ دو کہ ہم اُس (کتاب) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور اُن (کتابوں) پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم نے اُسی کے آگے (اپنا) سر جھکایا ہوا ہے۔" (۴۶ : ۲۹)

(۲) پرائز لاء: اقوام کے قانون کا وہ حصہ جو جنگی زمانہ میں دشمن کے جہازوں اور سامان کی تحدید کرتا ہے' پرائز لاء کہلاتا ہے۔ اس قانون کو چلانے والی عدالتیں پرائز کورٹس کہلاتی ہیں جو قابضین اور مقبوضہ اثاثہ میں دلچسپی رکھنے والوں کے مابین انصاف کو بروئے کار لاتی ہیں۔ یہ عدالتیں بین الاقوامی عدالتیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ بین الاقوامی قانون کو چلاتی ہیں۔'' ("Jurisprudence"... Sir John Salmond, pp. 20, 21) Lahore Edition.

قرآنِ حکیم میں ہم جنگِ بدر سے کچھ وقت پہلے کے حالات کے سیاق وسباق میں پرائز لاء کے متعلق کچھ اشارات پاتے ہیں جو مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان پہلی دو بدو جنگ تھی:

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ O (الانفال: ۷)

''اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب اللہ نے تم سے (کفارِ مکہ کے) دو گروہوں میں سے ایک پر غلبہ وفتح کا وعدہ فرمایا تھا کہ وہ یقیناً تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح (کمزور گروہ) تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو ثابت فرما دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''(۸:۷)

(۳) سول لاء: یہ قانونِ جرائم یا عسکری قانون کا متضاد ہے۔ لیکن فقہ کی اصطلاح میں سول لاء سے مراد قانونِ اراضیات ہے قطع نظر زمین کی نوعیت کے۔ سول لاء کے نفاذ کا کام عدالتوں کے سپرد ہے۔

(۴) پراپرٹی لاء (''مال'' اور ''جائداد'' کی تعریفات): عربی کے لفظ ''مال'' کا ترجمہ جائداد میں کیا جاتا ہے جبکہ ''جائداد'' کی اصطلاح وسیع مفہوم ہے اور ''مال'' کے لفظ کا استعمال محدود معنوں میں ہوتا ہے۔ ''مال'' وہ ہے جسے استعمال کے لئے ذخیرہ کر کے رکھا جائے یا اُس کی حفاظت کی جائے اور بوقتِ ضرورت اُس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ مجلّہ کے مطابق ''مال'' وہ ہے جس کی طرف فطرتِ انسانی مائل ہو اور جس کا تحفظ ہو سکتا ہو۔ اسلامی قانون کے مطابق ''مال'' کی چار خصوصیات ہیں:

(i) اُس کی کوئی قدر و قیمت ہو؛
(ii) اُس کا کوئی جائز مفاد ہو یعنی اُس کے مفاد کی اسلامی شریعت اجازت دیتی ہو؛
(iii) اُس پر انسانی قبضہ ہو اور
(iv) اُسے سٹور میں رکھے جانے کی استعداد ہو۔ ("Economics and Islam".. Muhammad Musleh-ud-Din, pp. 98< 99)

چنانچہ روشنی اور ہوا جیسی عام استعمال کی چیزوں کو ''مال'' یا ''جائداد'' نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک کوئی

چیز اسلام میں جائز نہ ہو' اُسے بھی '' مال '' نہیں کہا جا سکتا ۔ مثلاً شراب اور خنزیر کا گوشت '' مال '' نہیں ہیں کیونکہ مسلمان کے لئے اُن کا استعمال ممنوع ہے جبکہ غیر مسلم اُنہیں اپنی جائداد سمجھتے ہوئے استعمال کر سکتا ہے ۔ اسی طرح مردہ جسم اور خون بھی '' مال '' کی قسم میں نہیں آتے ۔

ہر شخص کو اپنے مقبوضات اور مملوکات سے پُر امن استفادہ کرنے کا موروثی حق حاصل ہے ۔ اسلام ہر فرد کو اُس کی جائداد کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے اور اُسے کسی قانونی وجہ کے بغیر اپنی مقبوضات سے محروم نہیں کیا جا سکتا ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں لوگوں کی جائداد کے تقدس کے بارے میں فرمایا تھا:

'' تمہارے خون' تمہاری جائدادیں اور تمہاری عزت و آبرو اسی طرح محترم ہیں جس طرح تمہارا یہ دن اور تمہارا یہ مہینہ محترم ہیں ۔'' ('' مشکوٰۃ المصابیح '' باب : خطبات یوم النحر)

فقہِ اسلامی میں بہت شدید اور مؤثر قانون کی مدّات ہیں جو غاصبانہ قبضہ کی حوصلہ شکنی کرتی ہیں ۔ یہاں تک کہ اگر کسی میت کو غصب شدہ زمین میں دفنا دیا جائے تو مالک کو شرع یہ اختیار دیتی ہے کہ:

(۱) یا تو وہ قبر کو گرا کر وہاں کاشتکاری شروع کر دے یا اُسے کسی اور مقصد کے لئے استعمال کرے ۔ یا

(۲) وہ میت کے ورثاء کو میت کے قبر سے نکالنے کا کہے کیونکہ اُسے زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر دفن کیا گیا ہے ۔ ('' فتاویٰ حمادیہ ۔۔ قاضی حماد الدین احمد (م ۱۲۴۱ھ) صفحات ۵۱ '۵۲ ' ۷) طبع کلکتہ ۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی کا جانور کرائے پر لے ۔ راستہ میں وقتِ نماز آنے پر وہ نماز پڑھنا شروع کر دے اور نماز کے دوران اُسے معلوم ہو کہ جانور بھاگ گیا ہے یا کوئی اُسے چُرانے کی کوشش میں ہے تو وہ اپنی نماز کو توڑ دے تا کہ جانور ہاتھ سے نہ جانے پائے ورنہ اُسے جانور کے مالک کو تلافی کرنا ہوگی ۔'' ('' الاشباہ و النظائر '' ۔۔ لجلال الدین السیوطی' صفحہ ۸۳) طبع مصر ۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اسلام نجی ملکیت کے تقدس کو تسلیم کرتا ہے اور یہ کہ کسی کو اُس کے غصب کرنے یا نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے ۔ اس حقیقت کی توثیق درجِ ذیل اصطلاحات سے ہوتی ہے :

(i) تحفہ : اس کا ذکر سورۃ الحشر کی آیت ۹ (۹ : ۵۹) میں ہے ۔

(ii) رہن یا گروی رکھنا : اس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۳ (۲۸۳ : ۲) میں ہے ۔

(iii) حقِ شفعہ (ہمسائے کا) : قرآن مجید نے ہمسائے کے حقِ شفعہ کو سورۃ النساء کی آیت ۳۶ (۴:۳۶) میں اشارتاً تسلیم کیا ہے ۔

(۵) معاہداتی اور بزنس لاء: اس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں ہے :

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ وَلْیَکْتُبْ بَیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَکْتُبْ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْئًا (البقرۃ : ۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب تم اُدھار کا معاملہ کسی مقررہ مدت تک کرنے لگو تو اُسے لکھ لیا کرو اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اُسے سکھایا ہے پس چاہئے کہ وہ لکھ دے ۔ اور چاہئے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے اور چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے ۔'' (۲۸۲ :۲)

(۶) قانونِ وراثت (Law of Inheritance) : اسی انسائیکلوپیڈیا کی جلد پنجم کے صفحات ۲۲۸۰ تا ۲۲۹۷ کا مطالعہ کیا جائے ۔

چند متعلقہ اصطلاحات قرآنِ حکیم کی روشنی میں

(۱) الزام سے بَری قرار دیا جانا (Acquittal): جس کے بارہ میں قرآن مجید فرماتا ہے :

وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ ۝ (اَلنُّور : ۸)

''اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے ۔'' (۸ : ۲۴)

(۲) کسی معاملے میں حَکم بننا (Adjudication):

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَکُنَّا لِحُکْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ (الانبیاء : ۷۸، ۷۹)

''اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیتی کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے جب رات کے وقت اُس میں ایک قوم کی بکریاں چھوٹ گئیں اور ہم اُن کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے ۔ سو ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا ۔'' (۷۸، ۷۹ : ۲۱)

ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی کھیت میں گھس گئیں اور اُسے اجاڑ کر رکھ دیا ۔ کھیت والا دادرسی کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ بکریوں کے مالک کو بھی بلایا گیا ۔ دونوں کے بیان سن

کر آپ نے فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ اُس کے نقصان کی تلافی ہو سکے کیونکہ کھیت کا جو نقصان ہوا تھا، بکریوں کی قیمت اندازاً اُس کے لگ بھگ تھی۔ جناب سلیمان علیہ السلام نے جو ابھی کم سن تھے، جب یہ فیصلہ سنا تو کہا کہ اس سے بھی فیصلہ کی ایک بہتر صورت ہو سکتی ہے کہ بکریاں عارضی طور پر کھیت والے کو دے دی جائیں، وہ اُن کا دودھ پیے اور دوسرے فوائد حاصل کرے اور بکریوں والے کو حکم دیا جائے کہ وہ اُس اجڑے ہوئے کھیت کی نگرانی اور حفاظت کرے۔ جب کھیت اپنی اصلی حالت پر آ جائے تو کھیت والے کو اُس کا کھیت دے دیا جائے اور بکریوں کا مالک اپنی بکریاں لے لے۔ یہ فیصلہ سن کر داؤد علیہ السلام کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ اسی کے مطابق فیصلہ کیا گیا۔ اس واقعہ میں سلیمان علیہ السلام نے گویا ''حَکَم'' کا کردار ادا کیا۔

(۳) بیانِ حلفی (Affidavit):

وَ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ اَزۡوَاجَھُمۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّھُمۡ شُھَدَآءُ اِلَّاۤ اَنۡفُسُھُمۡ فَشَھَادَۃُ اَحَدِھِمۡ اَرۡبَعُ شَھٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ ۙ اِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ○ وَالۡخَامِسَۃُ اَنَّ لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَیۡہِ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ○ وَ یَدۡرَؤُا عَنۡھَا الۡعَذَابَ اَنۡ تَشۡھَدَ اَرۡبَعَ شَھٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ ۙ اِنَّہٗ لَمِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ○ وَالۡخَامِسَۃَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیۡھَاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ○ (اَلنُّور : ۶ تا ۹)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور اُن کے پاس سوائے اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو تو اُن کی گواہی یہ ہے کہ وہ (مرد) چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اور عورت سے سزا اِس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے۔'' (۶۔۹:۲۴)

(۴) استدلال :

(i) وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ عَھۡدًا فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَھۡدَہٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○ (البقرۃ : ۸۰)

''اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں (دوزخ کی آگ) سوائے گنتی کے چند دنوں کے ہرگز نہ چھوئے گی۔ آپ فرما دیجئے کیا تم نے اللہ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے، تب تو اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم (یونہی) ایسا بہتان باندھتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔'' (۸۰ : ۲)

(ii) قُلۡ اِنۡ کَانَتۡ لَکُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ اللّٰہِ خَالِصَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ وَلَنۡ یَّتَمَنَّوۡہُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡھِمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ○ (البقرۃ : ۹۴، ۹۵)

''آپ فرما دیجئے اگر اللہ کے ہاں دارِ آخرت (کی راحتیں) تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہیں تو اگر تم سچے ہو تو بھلا موت کی آرزو تو کرو۔ اور وہ ہرگز کبھی بھی اپنی کارستانیوں کے خوف

سے اس کی تمنا نہ کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' (۹۴، ۹۵ : ۲)

(iii) وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (المائدة : ۱۸)

''اور یہود اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے تو پھر خدا تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے' وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔'' (۵:۱۸)

یعنی کیا دوستوں اور پیاروں کو بھی یوں ذلیل و رُسوا کیا جاتا ہے جیسے تمہیں کیا جا رہا ہے اور کیا اپنے پیاروں پر عذابِ الٰہی کے بادل اسی طرح منڈلاتے رہتے ہیں جیسے تم پر منڈلاتے رہتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تم بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہو۔ رحمت اور سزا کا جو قاعدہ اُن کے لئے مقرر ہے' تم بھی بلا امتیاز و استثناء اُنہی کی طرح عام قاعدہ کے تحت میں داخل ہو یعنی جزا و سزا کا جو قانون ساری دُنیا کے لئے ہے' وہی تمہارے لئے بھی ہے۔

(iv) مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ O (المائدة : ۷۵)

''مسیح ابنِ مریم سوائے ایک رسول کے اور کچھ نہیں ہیں' اُن سے قبل بھی اور رسول گزر چکے ہیں اور اُن کی والدہ ایک ولیہ تھیں' دونوں ہی کھانا کھاتے تھے' دیکھئے ہم کس طرح صاف دلائل اُنہیں بیان کرتے ہیں' پھر دیکھئے کہ وہ کدھر کو اُلٹے چلے جا رہے ہیں۔'' (۵ : ۷۵)

فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ محترمہ کا کھانا کھانے میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں: اوّل تو یہ کہ جس شخص کی تخلیق ماں سے ہوئی ہو' اُس کی زندگی کی کوئی نہ کوئی ابتدا ضرور ہوگی اور جس کی ابتدا ثابت ہو اُس کا مخلوق اور فانی ہونا لازمی امر ہے۔ دوم یہ کہ اس میں اس حقیقت کا حوالہ ہے کہ دونوں ماں بیٹے پر دوسرے انسانوں کی طرح قانونِ قدرت برابر لاگو تھا جبکہ اللہ تعالیٰ حیّ و قیوم ہے اور اُسے کسی چیز کی احتیاج نہیں' لہٰذا اِن روشن دلائل کے مدِّ نظر عیسیٰ و مریم علیہما السلام خدا نہیں ہو سکتے۔

(v) وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ (النحل : ۷۱)

''اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے' سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصّہ کا مال اپنے غلاموں کو کبھی اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔'' (۱۶ : ۷۱)

(۵) شک کا فائدہ (Benefit of Doubt) :

یَآ اَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (اَلنِّسَاء : ۹۴)

''مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے' اُسے یہ مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔'' (۴: ۹۴)

مندرجہ بالا آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے ایک کافر کو قتل کرنے کے لئے اُس کا تعاقب کیا۔ بھاگنے والے شخص نے کوئی اور راہ نہ پاتے ہوئے کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ لیکن تعاقب کرنے والے نے جلدی سے اُسے قتل کر دیا یہ سمجھتے ہوئے کہ مقتول نے موت سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے۔ اُس موقع پر آیتِ بالا کا نزول ہوا کہ شک کا فائدہ (Benefit of Doubt) مقتول کو ملنا چاہئے تھا تا کہ وہ موت کی سزا سے بچ جاتا۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان اِس شک کے فائدہ (Benefit of Doubt) کے متعلق لکھتے ہیں :

''حد کے جرم کو استعمال کرنے میں قاضی کو بہت محتاط رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مروّجہ قانون کے خلاف اگر کوئی کمزور سا نکتہ بھی موجود ہو جو کسی مخصوص عمل کو حد کی سزا دئے جانے کا اعلان کرتا ہو تو اُسے شک وشبہ کے طور پر لیا جائے جو ایسی (موت کی) سزا سے بچانے کے لئے کافی ہو' اس کے باوجود کہ ملزم خود اُس نکتے میں کسی شک وشبہ کو نہیں لا رہا۔'' ("Islamic Law of Tort", p. 9)

(۶) مبادلہ پذیر (Commutation):

(i) قَالَ قَآئِلٌ مِّنْھُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْہُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْہُ بَعْضُ السَّیَّارَۃِ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ O (یوسف: ۱۰)

''اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم یوسف کو قتل مت کرو اور اُسے کسی تاریک کنویں کی گہرائی میں ڈال دو' اُسے کوئی راہ گیر مسافر اٹھا لے جائے گا' اگر تم کچھ کرنے والے ہو (تو یہ کرو۔'' (۱۰ : ۱۲)

(ii) قَالُوْا یٰٓاَیُّھَاالْعَزِیْزُ اِنَّ لَہٗٓ اَبًا شَیْخًا کَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَکَانَہٗ (یوسف : ۷۸)

''وہ بولے: اے عزیزِ مصر! اس کے والد بڑے معمر بزرگ ہیں' آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں۔'' (۷۸ : ۱۲)

(۷) اعترافِ جرم مجرم کو سزا سے بچا نہیں سکتا: جیسا کہ سورۃ المُلک میں آیا:

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِO (اَلْمُلْك: ۱۱)

''پس وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیں گے' سو دوزخ والوں کے لئے (رحمتِ الٰہی سے) دُوری (مقرر) ہے۔'' (۱۱: ۶۷)

(۸) توہینِ عدالت (Contempt of Court):

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاO (النساء: ۶۵)

''پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حکم بنالیں پھر اُس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔''☆

(۹) کورٹ آف اپیل: ایک عدالت کے فیصلہ سے عدمِ اتفاق کی صورت میں دوسری اعلیٰ عدالت کی طرف رجوع کرنا۔

☆ بارگاہِ رسالت کی عدالت کی کوئی مثیل ونظیر نہیں ہے جن کے فیصلے کو رب تعالیٰ نے جزوِ ایمان قرار دیا اور اُس پر تنگی محسوس کرنے کو خارج از ایمان ہونے کا فیصلہ سنایا گیا۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اس دنیا کی عدالت سے کسی مجرم کے خلاف صادر شدہ فیصلہ پر مجرم خوشی کا اظہار تو نہیں کرتا بلکہ فیصلہ کرنے والے کے خلاف وہ سراپا کینہ اور بغض ہوتا ہے۔ اس بغض رکھنے پر دنیا کا کوئی ضابطہِ اخلاق یا عدالت اُسے سزا دینے کے مجاز نہیں۔ لیکن سورۃ النساء کی محولہ بالا آیت ۶۵ کو پڑھیے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس اعلیٰ وارفع مقام کا اندازہ لگایئے جو اُن کے خالق و مالک نے اُنہیں عطا فرمایا ہے۔ دربارِ نبوی سے صادر شدہ فیصلہ کو مجرم کا بہ صدقِ دل بخوشی تسلیم کرلینا ہی صحیح ایمان کا تقاضا ہے۔ ورنہ وہ ''توہینِ عدالت'' کا مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان کی دولت سے بھی محروم رہے گا اور غضبِ الٰہی کا بھی مورد بنے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدالتِ عالیہ کی بلاشرکتِ غیرے ''توہینِ عدالت'' کی اس خصوصیت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ بات کہنا ضروری ہے کہ موجودہ رائج الوقت ''قانونِ توہینِ عدالت'' برطانوی قانون ہے اور اسلامی عدلیہ میں اس کا کوئی مقام نہیں۔ اس غیر اسلامی قانون نے تین برائیوں کو جنم دیا: (۱) عدل وانصاف مہنگا ہوگیا۔ (۲) ظلم وتشدد سستا ہوگیا اور (۳) قاضی اور مجسٹریٹ مغرور اور بددماغ (Stiff-collard) ہوگئے۔ تکبر اور غرور کی مدہوشی مین رحمدلی اور خدمتِ خلق کے لئے اُن کے دروازے بند ہوگئے اور وہ اپنے آپ کو مافوق الفطرت ہستی سمجھنے لگے۔ طاقت و اختیار کے بل بوتے نفیس وجمیل ''آوازِ حق'' کا گلا دبا دیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ برطانوی راج نے اس قانون کو نبی علیہ السلام کی بلاشرکتِ غیرے خصوصیت اور استحقاق کو کم کرنے کے لئے درجِ بالا آیت ۶۵ سے اخذ کیا ہو۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ O (المجادلة : ۱)

"بے شک اللہ نے اُس عورت کی بات سن لی ہے جو (اے حبیب!) آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ آپ دونوں کے باہمی سوال و جواب سن رہا تھا۔ اور اللہ خوب سننے والا' جاننے والا ہے۔" (۵۸ : ۱)

"حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد اَوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ وہ حضرت خولہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے۔ بڑھاپے کی وجہ سے اُن کا مزاج چڑچڑا ہو گیا تھا۔ غصہ سے کہہ دیا: اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ (تو مجھ پر اس طرح ہے جیسے میری ماں کی پشت)۔ زمانہ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے۔ زبان سے تو کہہ بیٹھے لیکن لگے پچھتانے۔ خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی۔ اُس نیک بندی نے جواب دیا: اُس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے' جب تک اللہ اور اُس کا رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرما دیں' تم میرے نزدیک نہیں آسکتے۔ خولہ اٹھیں اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے پیارے رسول! اَوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تھی' اُس وقت میں جوان تھی' صاحبِ مال تھی' میرے گھر والے بھی موجود تھے۔ اب میرا شباب رخصت ہو چکا' میں بوڑھی ہو گئی' میرے گھر والے بھی نہ رہے' مال بھی خرچ ہو گیا۔ اب اَوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضوا! کیا ہمارے لئے کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا۔ اُس نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اُس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا۔ وہ بار بار یہ کہتی رہیں اور حضور علیہ السلام وہی جواب دیتے رہے۔ ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی فریاد کرتی رہیں کہ الٰہی! میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر میں اُنہیں اُن کے باپ کے سپرد کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر اُنہیں اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکوں مر جائیں گے۔ بار بار وہ آسمان کی طرف منہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں۔ یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ رب تعالیٰ نے اپنی غم زدہ' پریشان حال بندی کی فریاد سن لی اور جبریلِ امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے خولہ! مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرما دیا۔ جاؤ اپنے خاوند کو بلاؤ۔ اوس حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: غلام آزاد کرو۔ عرض کیا: میرے پاس تو کوئی غلام نہیں۔ فرمایا: پھر دو ماہ متواتر روزے رکھو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں دن میں تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری بینائی جواب دینے لگتی ہے۔ میں اتنی مدت روزے کیسے رکھ سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کرنے لگے: آقا! میں بہت غریب و نادار ہوں' آپ میری مدد فرمائیں تو میں کھانا کھلا سکتا ہوں۔ اُس غریب پرور آقا نے اُنہیں پندرہ صاع اپنے پاس سے عطا فرمائے تو اُنہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا۔ اس طرح خولہ پھر اپنے گھر آباد ہو گئیں۔" ("ضیاء القرآن"۔۔۔ پیر کرم شاہ الازہری' جلد پنجم' صفحات ۱۳۵' ۱۳۶)

(۱۰) الزام وغیرہ سے بَری قرار دینا (Exoneration):

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّہٗ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ O (یوسف)

''عزیزِ مصر کی بیوی بول اٹھی: اب تو حق آشکار ہو چکا ہے (درحقیقت) میں نے ہی انہیں اپنی مطلب براری کے لئے پھسلانا چاہا تھا اور بے شک وہی سچے ہیں۔'' (۵۱ : ۱۲)

(۱۱) بُرے اور جرائم پیشہ لوگوں کی حمایت کرنے کی اجازت نہیں:

(i) وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ : ۲)

''اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون مت کیا کرو۔'' (۵:۲)

(ii) وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ O (ھود : ۱۱۳)

''اور ظالموں کی طرف مت جھکنا ورنہ تمہیں آتشِ دوزخ آ چھوئے گی اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا' پھر تمہاری مدد (بھی) نہیں کی جائے گی۔'' (۱۱۳: ۱۱)

(۱۲) جعل سازی (Forgery):

وَاِنَّ مِنْھُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَھُمْ بِالْکِتٰبِ لِتَحْسَبُوْہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَمَا ھُوَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَمَا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ O (آلِ عمران : ۷۸)

''اور انہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب پڑھتے ہوئے مروڑ لیتے ہیں تاکہ تم اُن کی الٹ پھیر کو بھی کتاب (کا حصہ) سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ (سب) اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ (ہرگز) اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹ گھڑتے ہیں۔'' (۷۸ : ۳)

(۱۳) قید خانے اور جیلیں: اِسی جلد کا صفحہ ۳۲۰۳ بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔

ازمنۂ قدیم میں اسیرانِ جنگ کو اپنا پیٹ خود کما کر بھرنا پڑتا تھا۔ جرم کے عام قیدی بھی جب تک اُن کے لواحقین اور دوست کھانا فراہم نہیں کرتے تھے' بھوکوں مرجاتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بے زبان جانور بھی ''قیدی'' کے ضمن میں آتے ہیں جو انسان کی ماتحتی اور خدمت گزاری میں ہیں۔ اُنہیں بھی مناسب طور پر خوراک اور رہائش دی جائے اور اُن کی دیکھ بھال کی جائے۔ ایک نیک آدمی جانوروں کے حقوق کو نہیں بھولتا۔

جنگِ بدر میں کفارِ مکہ کے ستر آدمی قید ہوئے جن سے فدیہ لے کر اُنہیں رہا کرنے کا فیصلہ ہوا۔ نبی علیہ السلام جنگی قیدیوں سے احسن طریقے سے پیش آتے تھے۔ جنگِ بدر میں آپ کا قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک قیدیوں کے لئے ''ضابطہ اخلاق'' بن گیا۔

<u>قیدیوں کے جنسی مسائل</u> : کچھ فقہاء کا کہنا ہے کہ شادی شدہ قیدیوں کی بیویوں کو اپنے خاوندوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کے لئے گاہے گاہے ملنے کی اجازت دی جائے۔ کچھ دوسرے فقہاء کی بھی اسی قسم کی رائے ہے کہ اگر قیدی چاہیں تو اُنہیں اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنے سے نہ روکا جائے۔ اور بہت سے علماء نے آٹھویں صدی ہجری سے شادی شدہ قیدیوں کے لئے گاہے گاہے اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کی وکالت کی ہے۔ ("Islamic Law of Tort"... Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, p.312)

''قیدیوں کو بالآخر رہا کر دینا چاہئے۔'' (''بدایۃ المجتہد'' لابن رُشد' جلد اوّل' صفحہ ۳۵۱) طبع قاہرہ۔
''قیدیوں کے خلاف کوئی بھی کیا ہوا جرم اسلامی قانون میں قابلِ کارروائی ہوگا۔'' (''الاحکام السلطانیہ''۔ الماوردی' صفحہ ۸۲)

(۱۴) <u>سیفٹی ایکٹ ۔۔ ایک پُرتشدد آمرانہ قانون</u>: (سیفٹی ایکٹ کے تحت کسی آدمی کو قومی مفاد کی آڑ میں گرفتار کر کے غیر معینہ مدت تک جیل میں بند رکھنا) اس کا اشارہ ہمیں سورہ یوسف میں ملتا ہے:

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ O (یوسف : ۳۵)

''پھر اُنہیں (یوسف کی پاکبازی کی) نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی یہی مناسب معلوم ہوا کہ اُسے ایک مدّت تک قید کر دیں۔'' (۳۵ : ۱۲)

اُنہوں نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا اعلان کیا لیکن بہرحال فوطیفار نے اُنہیں اپنی بیوی کو عوامی طعن و تشنیع سے بچانے کے لئے جیل میں ڈال دیا۔ (''دی جیوش انسائیکلو پیڈیا'' جلد ہفتم' صفحہ ۲۵۲)

(۱۵) <u>کسی جرم کے خاموش تماشائی بھی مجرم ہی کی طرح جرم وار ہی ہوتے ہیں</u>: یہودیوں کی سنگ دلانہ کیفیت پر افسوس کرتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے کہ اپنے گناہوں پر نادم اور تائب ہوتا تو کجا' وہ اپنے کفر اور ناپاک عزائم میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جرم کو دیکھتے ہوئے وہ اس کے خاموش تماشائی بنے رہے:

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ O (المائدة:۷۹)

''جو برائی اُنہوں نے اختیار کر رکھی تھی' وہ اُس سے باز نہ آتے۔ جو کچھ وہ کر رہے تھے' کیسا بے جا تھا!''
(۵ : ۷۹)

۳۲۷۰ (قانونِ شریعتِ اسلامی ۔۔۔LAW)

اسلامی قوانین اور ہمارا قانونی ڈھانچہ : ہماری قانونی عدالتیں اسلامی قوانین پر صرف چند معاملات میں عمل پیرا ہیں یعنی شادی، طلاق، وراثت اور حقِ ملکیت۔ اور اِن معاملات کے فیصلہ میں بھی بالخصوص اوّل الذکر تین میں ہمارے کچھ جج اور مجسٹریٹ صاحبان کا شریعت کا علم سطحی بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی ناراضی کا موجب ہو رہے ہیں۔ باقی تمام کا تمام قانونی نظام مغرب زدہ ہے۔ یہاں انصاف اس قدر مہنگا ہے کہ بے چارے عام آدمی کے بس سے باہر ہے۔ ''تاخیرانہ انصاف کوئی انصاف نہیں'' کی کہاوت ہمارے قانونی نظام پر صادق آتی ہے۔ درخواست گزار کی درخواست کا فیصلہ اُس وقت ہوتا ہے جب درخواست گزار پندرہ بیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ انتظار کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔

یہ کتنا متناقض اور منافقانہ رویّہ ہے جو اسلام کے ساتھ مذاق اور اُس کی بے ادبی سے کم نہیں جو ہماری قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں میں دیکھا جاتا ہے کہ شراب خور، زناکار، بدعنوان اور کیا کچھ نہیں، جب عہدہ قضا کی کرسی پر عدل وانصاف کے لئے براجمان ہوتا ہے تو وہ اُنہی مجرموں کے لئے سزائیں نافذ کرتا ہے جو اُسی جرم میں ملوّث رہے ہیں جس میں قانون کا نافذ کرنے والا خود گزشتہ رات ملوّث رہا ہے محض اس وجہ سے کہ نوکرشاہی کی کرسی ایک کے لئے ''خوش نصیبی'' اور دوسرے کے لئے محرومی بن گئی ہے۔ قرآن مجید اس افسوس ناک صورتِ حال سے ملتی جلتی بات سورۃ البقرۃ میں یہود سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے :

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (البقرۃ : ۸۵)

''کیا تم کتاب کے بعض حصّوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟'' (۸۵ : ۲)

پھر ہم اپنے قانونی نظام میں کچھ غیر اسلامی قوانین بھی پاتے ہیں جو اصلاح طلب ہیں اور اُنہیں اسلامی خطوط پر لانے کی ضرورت ہے۔ مثلاً ''مخالفانہ اور دشمنانہ قبضہ حقوق کو جنم دیتا ہے'' کی کہاوت رائج الوقت قانون میں معروف ومشہور کہاوت ہے۔ یہ سراسر اسلامی روح کے خلاف ہے اور غاصب کی غاصبانہ قوّت کو تقویت دیتی ہے۔

اسلامی نظامِ قانون پر مستشرقین کے الزامات کی تردید : (۱) مستشرقین کا پہلا الزام یہ ہے کہ اسلامی قانون بنیادی طور پر قرآن یا دوسرے اسلامی مآخذ سے ماخوذ نہیں ہے۔ اس کی جڑیں قبل از اسلام کے رسوم ورواج میں گڑی ہوئی ہیں اور اس کا ارتقاء بعد کے اموی دَور کی انتظامی عملیات سے ہوا جنہیں دوسری صدی ہجری کی اوّل چند دہائیوں میں اسلامی بنایا گیا۔ اُس دوران میں ''زندہ روایات'' جن کی بنیاد رواجی قانون پر تھی، کا مسلم سماج پر راج تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا اصل مقصد بذریعہ اصلاح ایک ایسے مثالی سماج کا قیام ہے جس کی بنیاد مساوات، اخوّت، باہمی محبت اور عدل وانصاف پر ہو۔ وہ عربوں کے تمام رواجی قانون کی نہ تو تنسیخ کرتا

ہے اور نہ ہی اُس کی توثیق کرتا ہے۔قبل از اسلام کے رواجات اور عملیات کے تمام ڈھانچے کو اندھا دھند ختم کرنے کی بجائے اُس نے صرف بدعنوان' قابلِ نفرت' گھناؤنے اور شریعتِ اسلامی کی روح کے خلاف چیزوں کو نکال باہر کیا۔قبل از اسلام کے جن رواجوں کو نکال باہر نہیں کیا گیا' اُنہیں اسلام کی ٹکسال میں مستند ہونے کی مُہر کے ساتھ لیا گیا۔قبل از اسلام کے ایسے رواج تمام اغراض و مقاصد کے لئے کفر کے رواج کہلانے سے رک گئے اور اُنہیں نبی علیہ السلام کی منظوری کے بعد سنتِ رسول کی طرف منتقل کر دیا گیا۔اور یہ فطری بات ہے کہ اسلامی قانون کا ڈھانچہ قبل از اسلام کے رواجی قانون کے بہت سے اصولوں کو شامل ہے۔حقیقت تو سادہ تھی لیکن مستشرقین نے اسلام کو نقصان پہنچانے اور سنتِ نبوی کے مستند ہونے' اُس کے تقدس کو مجروح کرنے اور جواز کو شک میں ڈالنے کے لئے اس کا استحصال کیا۔

(۲) مستشرقین کا کہنا ہے کہ علمِ حدیث کا تمام ڈھانچہ غلط ہے جس کی اختراع بہت بعد میں ہوئی تاکہ ذاتی رائے کو نظریاتی بنیاد فراہم کی جاسکے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے یہ مفروضہ ان باتوں سے لیا ہے:

(الف) ابتدائی قانونی لٹریچر میں ''سنتِ نبوی'' کی اصطلاح کا ذکر نہ ہونا۔

(ب) یہ غلط نظریہ کہ نبی اکرم ﷺ نے احادیث کے تحریر کرنے سے روک دیا تھا۔

(ج) احادیث کی بعد کے زمانہ میں تالیف۔

(د) احادیث کے بارے میں آراء کا مختلف ہونا۔

پہلی مد کے بارے میں Schacht نامی ایک مستشرق کا اصرار ''سیرت النبویہ'' لابن ہشام (م ۲۱۸ھ) کے حوالے سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح پر ہے۔وہ لکھتا ہے کہ ''سنتِ رسول'' کا ذکر سوائے ایک جگہ کے کہیں نہیں ہے اور وہ بھی بالکل مختلف سیاق وسباق میں (بحوالہ جلد چہارم' صفحہ ۲۷۶)۔اُس نے قرآن کریم اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خطبہ حجۃ الوداع میں مذکور ''سنتِ رسول'' کی اصطلاح کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن کا عطا کردہ ''سنتِ رسول'' کا نظریہ ہر زمانہ میں زندہ رہا ہے' بہت سی توضیحات ہیں۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کو دنیا کے مختلف حصوں میں لوگوں کو دین اور سنتِ رسول کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا۔(''کتاب الخراج''۔۔امام ابو یوسف' صفحات ۸' ۶۶)۔الحسن بصری (م ۱۱۰ھ) کا عبدالملک بن مروان کے نام خط میں بھی ''سنتِ رسول'' کی اصطلاح آئی ہے۔(''کتاب طبقات المعتزلہ'' لابن المرتضی احمد بن یحییٰ' صفحہ ۱۹) طبع بیروت ۱۹۶۱ء۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سنتِ رسول کا کوئی تحریری ریکارڈ نہیں تھا یا یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لکھنے سے روک دیا تھا۔دراصل نبی علیہ السلام نے یہ ہدایت دی تھی کہ حدیث کو قرآن کے ساتھ نہ لکھا جائے کہ کہیں دونوں آپس میں گڈمڈ ہو کر انتشار کا موجب نہ بنیں۔(''جامع بیان الاسلام' لخطابی' ج ۱' ص ۱۷)

احادیث کو کچھ صحابہ دائمی طور پر لکھ لیتے تھے اگر چہ اکثریتی حالات میں ترسیل کا ذریعہ زبانی تھا۔ امتِ مسلمہ میں ''صحاح ستہ'' کی چھ مشہور و معروف کتابیں کسی بھی طرح پہلی تحریری کتابیں نہیں تھیں بلکہ یہ اُس وقت کی پیداوار ہیں جب اصل کو اختراع سے متمیز کرنے کی سخت ضرورت پیش آئی۔ صحابہ کرام نے حدیث کی بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود قوانینِ ٹیکس' تلافی' وراثت اور عمومی قانون پر ایک کتاب لکھوائی جن کی نقول مدینہ سے باہر تعینات گورنروں کو ارسال کی گئیں۔ (''جامع بیان العلم'' حافظ ابن حجر العسقلانی' جلد اوّل' صفحہ ۳۱ ؛ ''کتاب الامّ'' لا امام شافعیؒ جلد ہشتم' صفحہ ۲۵۱)

اسلام کے ابتدائی دَور میں سنتِ رسول نے دراصل صحابہ کرام کے دلوں میں گھر کر لیا تھا اور وہ اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ وہ جبلّاتی طور پر اس کی اتباع کرتے تھے اور اُنہیں اس کی توثیق کے لئے حدیث کے ذریعہ کی طرف بھی رجوع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

تاہم جب غیر ملکی فتوحات اور مسلمانوں کے کچھ اعمال پر غیر ملکی اثرات کے باعث معیار گرنا شروع ہوئے تو مسلمان کی عمومی سست مندی کے باعث اور خود اختراعی اور موضوع احادیث کی تشہیر سے رائج الوقت عملیات پر اندھا اعتماد کرنا غیر محفوظ ہو گیا۔ اس چیز نے سنتِ رسول کی بنیاد اور فرمودات رسول کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیدا کر دی۔ ("Islamic Law in Malaya"... A. Ibrahim, p. 12)

(۳) مستشرقین کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جب احادیثِ نبویہ کا اِحیاء ہوا تو قانون کے قدیم مکاتب کی جانب سے اسے سخت مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ("The Origins of Muhamadan Jurisprudence" ... J. Schacht, p. 57) Oxford, 1950.

دراصل سنت کی قدر کے بارے میں کوئی اختلافِ رائے نہیں رہا۔ یہ اختلاف اُن ذرائع اور طریقوں کے بارے میں تھا جن میں احادیث ضبطِ تحریر میں لائی گئیں اور اُن اصولی شرائط پر تھا جو کسی حدیث کے معتبر ہونے کو قبول کرتی ہیں۔ (''فلسفۃ التشریع فی الاسلام''۔ محمصانی' صفحہ ۷۳) طبع لیڈن ۱۹۶۱ء۔ حدیثِ ضعیف کے بارے میں اختلافِ رائے پیدا ہوا۔

اگرچہ ذاتی مفاد اور خفیہ مقاصد کی خاطر عوامی سطح پر احادیث گھڑی گئیں تاہم فوری طور پر شدید مزاحمت' بے غرض لگن اور گرم جوش جذبے کے ساتھ اسے بے اثر بنا دیا گیا۔ گندم کو بھوسہ سے الگ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ

فروگزاشت نہیں کیا گیا۔ تالیفِ احادیث کی تاریخ بذاتِ خود ایک جیتا جاگتا اور نا قابلِ انکار ثبوت اس حقیقت کا ہے کہ محتاط مسلمانوں نے کس طرح مستند مجموعے کا تحفظ کیا۔ بغیر بحث وتمحیص اور تنقید کے احادیث کو قبول نہیں کیا گیا۔ اپنے بیان کی تنقید اور مستند اشخاص کے سلسلہ کی تلاش میں اُنھوں نے سائنسی اور صداقت پر مبنی ایک معیار قائم کیا تھا جس نے اس میدان میں مطالعہ کو قابلِ اعتماد بنا دیا تھا۔ (ایضاً صفحہ ۷۶)

لہٰذا اسلامی قانون نزولِ قرآن کے بعد کے زمانے کا نہیں ہے۔ اس کے بنیادی نظریات قرآن میں نازل کئے گئے اور اُن کی تشکیل نبی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات نے خود فرمائی۔ اس طرح اسلامی قانون کا بنیادی مصدر قرآن اور سنتِ رسول ہیں۔ اسے غیر ارادی اور منطقی نشو ونما حاصل ہے۔ ("Islam".. H.A.R. Gibb, p. 61)

لہٰذا اس بات پر اصرار کرنا کہ اسلامی قانون قرآن اور سنتِ رسول سے ماخوذ کئے جانے کی بجائے قبل از اسلام کے رواجی قانون سے لیا گیا اور اُسی پر اُس کی بنیاد ہے اور بعد میں اسے اسلامی بنانے کے لئے علمِ حدیث وضع کیا گیا، محض جہالت، خباثت اور تعصب ہے جس کے تحت مستشرقین بالعموم اسلامی قانون کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(۴) مستشرقین کا چوتھا اعتراض یہ ہے کہ شروع کے مسلمانوں نے رائے کا من مانا استعمال کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ شروع زمانہ میں رائے کا استعمال نسبتاً زیادہ آزادانہ تھا لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ رائے کا استعمال بلا امتیاز، غیر محدود، من مانا اور بے قاعدہ تھا۔ رائے کا سہارا ناگزیر صورت میں لیا جاتا تھا اور وہ بھی شرعی تقاضوں کے مطابق جس سے اس کا اطلاق متغیر معاشرتی حالات پر ہو سکے۔ تمام اہم معاملات کو باہم زیرِ بحث لایا جاتا تھا اور فیصلہ بالعموم متفقہ رائے سے ہوتا تھا۔ چاروں خلفائے راشدین نے بھی کبھی اپنی ذاتی رائے کی حتمیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ مثلاً ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے قرآن میں غور فرماتے، پھر سنتِ رسول میں اور آخر میں وہ لوگوں سے پوچھتے کہ آیا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ اگر اس کا کوئی ثبوت نہ ملتا تو آپ لوگوں کے بڑے نمائندوں کو بلاتے اور اُن سے مشورہ کرتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اس پر عمل کیا لیکن وہ خلیفہ اوّل کی جانب سے اس سے ملتے جلتے فیصلہ کے متعلق اگر کوئی ہوتا، استفسار کرتے۔

رائے کا استعمال اپنے آغازِ کار ہی میں متن تک محدود تھا۔ اجتہاد جو رائے کا منظم استعمال ہے، قیاس جو اجتہاد کی سمت کا تعین کرتا ہے اور اجماع جو اس کے خطا سے مبرا ہونے کا یقین دلاتا ہے، ان کا مکمل ارتقاء

اُس وقت تک نہیں ہوا تھا لیکن ان نظریات کے پس پردہ بنیادی اصول کا اتباع شروع ہی سے کیا گیا اور رائے کا استعمال ہر زمانہ میں محدود اور بندش لگا ہوا تھا۔

(۵) کچھ مستشرقین کا یہ استدلال ہے کہ اسلامی قانون غیر متبدّل ہے اور اس لئے وہ بے لچک اور کڑا ہے جیسا کہ Schacht نے "Introduction to the Islamic Law" کے صفحات 200, 201 میں اور M.H. Kerr نے "Islamic Reform" کے صفحات 55, 56 میں لکھا ہے۔ لیکن وہ دونوں غلطی پر ہیں۔ ''اجتہاد۔اجماع'' کا عمل جب استدلال کے مختلف طریقوں یعنی قیاس' استحسان' مصالح مرسلہ' استدلال' استشہاد سے گزرتا ہے تو وہ اس کے لچکدار ہونے اور حسبِ منشا ڈھالے جانے اور ہر زمانہ میں اس کے اطلاق کی ضمانت دیتا ہے۔ اس طرح اسلامی قانون کی الٰہی یا اخلاقی فطرت اُسے بے لچک یا ناقابلِ عمل یا تصوراتی نہیں رہنے دیتی۔

اسلامی قانون کی تاریخ شریعت کی گرم خیزی اور لچکدار ہونے کی توثیق کرتی ہے جس کی نشوونما ہر زمانہ میں جاری رہی ہے۔ اسلامی تاریخ میں حضرت عمرؓ اور ابو یوسف جیسے متعدد فقہائے کرام ہو گزرے ہیں جنہوں نے کچھ ایسے فیصلے کئے جو بظاہر متن کے خلاف معلوم ہوتے تھے لیکن بہر حال وہ اسلامی روح سے پوری طرح ہم آہنگ اور موافق تھے۔

''ناقابلِ فرار نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی قانون بے لچک اور لچکدار ہونے کا فقید المثال امتزاج ہے۔ اپنی جڑوں میں وہ بے لچک اور اپنی شاخوں میں وہ لچکدار ہے۔ وہ اس مفہوم میں بے لچک ہے کہ وہ مامونیت (سزا سے بچ جانا) کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور لچکدار اس مفہوم میں ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات میں ہر طرح ڈھالے جانے کے قابل ہے۔ ایک زندہ نامیہ (Living Organism) ہونے کی حیثیت سے اس میں فطری (خلقی) حرکت پذیری' نشوونما' یکسانیت اور ہم آہنگی بہ یک وقت موجود ہیں۔ اس کی حیران کن کامیابی و کامرانی اور روز افزوں نشوونما کا ریکارڈ ہے اور اگر آج کے مسلمان اپنے ابتدائی دَور کے مسلمانوں کا اتباع پوری ذہانت اور محتاط طریقے سے کریں تو اسلامی قانون اپنے کو دہرانے کی صلاحیت کا حامل ہے۔

ماخذ: "Islamic Legal Theory and the Orientalists"...Syed Abul Hasan Najmee, pp. 72-79)

(۱۲۴) لیلۃ البراءۃ

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا (الدُّخان : ۱ تا ۵)

"حاسیم (حقیقی معنی اللہ اور اُس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں) بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے' بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں' اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا (جدا جدا) فیصلہ ہماری بارگاہ کے حکم سے کر دیا جاتا ہے۔" (۱ تا ۵ : ۴۴)

۱۵ شعبان المعظم کی مبارک رات "شبِ براَت" کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قسم کے ذریعے فرمایا ہے اور قسم حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ کے مبارک کلمات سے کھائی۔

حٰمٓ حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ سیدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ مخفی علوم میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اُن کے حسبِ حال عطا فرماتا ہے۔ اہل اللہ/عرفاء نے اس کے معنی و مفہوم اور مراد کے لئے مختلف ارشادات دیئے ہیں۔

حٰمٓ سے مراد: امام ابو القاسم قُشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حٰمٓ میں حاء (ح) بھی قسم ہے اور میم بھی قسم ہے۔ حاء کی قسم اللہ کے اُس حق کی طرف اشارہ ہے جو بندوں پر ہے۔ تو ارشاد ہو رہا ہے: "مجھے اپنے اُس حق کی قسم جو میرا بندوں پر ہے"۔ میم سے "محبت" کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا: "مجھے اپنی اُس محبت کی قسم جو مجھے بندوں سے ہے۔" گویا اپنے حق اور اپنی محبت کی قسم کھائی۔

جس سے محبت ہوتی ہے' اُس پر حق بھی ہوتا ہے۔ ماں باپ اولاد سے محبت کرتے ہیں' شفقت کرتے ہیں' پالتے ہیں' اِس محبت میں اولاد کی تکالیف اٹھاتے ہیں' محبت میں اپنا سب کچھ اولاد کے لئے لُٹاتے ہیں اور اِس محبت میں اولاد کا مستقبل بناتے ہیں۔ اِسی لطف و احسان' کرم اور محبت و شفقت کے نتیجے میں اولاد پر اُتنا ہی حق بھی ہوتا ہے اور اولاد پر ماں باپ کے حق کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

محبت اور حق کے درمیان تلازم کا رشتہ ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ محبت سے حق جنم لیتا ہے اور حق سے محبت جنم لیتی ہے۔

ارشاد فرمایا: حٰمٓ ''لوگو! میرا جو تم پر حق ہے مجھے اُس حق کی قسم اور مجھے تم سے جو محبت ہے' مجھے اُس محبت کی قسم۔ انسان بڑا بے خبر اور نادان ہے (سورۃ الاحزاب: ۷۲)۔ نہ اُسے اللہ تعالیٰ کے حق کی پہچان رہی ہے جو اُس پر عائد تھا اور نہ اُسے اللہ کی اُس محبت کا ادراک رہا ہے جو اللہ کو بندے سے ہے۔ یہ اللہ کے بندے پر اُس حق کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اے بندے! تو مجھے پکار اور میری طرف آ۔ اور اللہ کی جو بندے سے محبت ہے' یہ اُس محبت کا نتیجہ ہے کہ وہ فرماتا ہے کہ تو اگر میری طرف ایک قدم آئے گا تو میں تیری طرف ستّر قدم آؤں گا۔ اگر تو میری طرف چل کر آئے گا تو میں تیری طرف دوڑ کر آؤں گا۔ اللہ کا بندے پر جو حق ہے' اُس حق کی وجہ سے فرماتا ہے کہ تو مجھ سے معافی مانگ اور توبہ کر۔ اور اللہ کے بندے سے جو محبت ہے' یہ اُس محبت کا نتیجہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ تو توبہ کر کے معافی مانگ کر ستّر بار بھی توڑ لے' پھر معافی مانگ لے تو پھر بھی معاف کر دوں گا۔ یہ عمل وہی کرتا ہے جسے محبت ہوتی ہے۔ یعنی اگر تو اپنی توبہ ستّر بار بھی توڑے تو مجھ سے مایوس نہ ہونا' میں پھر بھی معاف کر دوں گا۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ تعلق کسی نہ کسی طرح قائم رہے' ٹوٹنے نہ پائے۔

اس لئے قسم کھائی کہ اے بندے! تجھے کیا خبر کہ وہ حق کیا ہے اور تجھے کیا خبر کہ وہ محبت کیا ہے؟ مجھے اُس حق کی قسم جو تجھ پر ہے اور اُس محبت کی قسم' جو مجھے تجھ سے ہے۔

پھر فرمایا: وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (قسم ہے اس واضح کتاب کی جو میں نے واسطے کے ذریعے اتاری)

پس اللہ فرما رہا ہے کہ قسم ہے اُس وحی کی جو بواسطہ جبریل محبوب ﷺ کو دی اور قسم ہے اُس وحی کی جو بواسطہ جبریل کتاب کی شکل میں دی۔

نزولِ قرآن شبِ قدر یا شبِ براُت؟

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (ہم نے یہ کتاب بابرکت رات میں اتاری ہے)

ایک روایت میں آتا ہے کہ اس بابرکت رات سے مراد شعبان المعظم کی پندرھویں رات ہے جسے ہم ''شبِ براُت'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ۱۵ شعبان المعظم کی رات میں اتارتا رہا۔

جبکہ سورۃ القدر کی اوّل آیت میں ارشاد فرمایا:
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا ہے)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۱۵ شعبان کی رات کو قرآن پاک نازل ہوا یا لیلۃ القدر میں؟

اِن دونوں روایات واحادیث کے درمیان تطبیق اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے بیت العزت پر لیلۃ القدر میں سارا قرآن مجید یکبارگی نازل فرمادیا اور پھر بیت العزت سے آسمانِ دنیا پر ۱۵ شعبان المعظم کی رات پورے سال میں جتنا قرآنِ حکیم حضور ﷺ پر نزول فرمایا جاتا ہوتا' اُتنا حصہ جبریل علیہ السلام کو دے دیا جاتا اور پھر وہ حصہ اپنے اپنے مقررہ وقت' مقررہ دن اور مقررہ ضرورت کے مطابق جبریلِ امین اللہ کے امر سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ اطہر پر نازل فرماتے رہے۔

شبِ براٗت ۔۔ بجٹ کی رات : فرمایا : فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ (یہ وہ رات ہے جس میں حکمت والے تمام کاموں کو جدا جدا کر کے دیا جاتا ہے۔)

نزولِ قرآن اور اللہ تعالیٰ کے حکمت والے امر جو انسانوں کی زندگی سے متعلق ہیں' اُن کے درمیان تعلق یہ ہے کہ ایک طرف اِس رات کی نسبت پورے سال بھر کے ضرورت کے مطابق قرآن مجید کے نازل ہونے سے ہے۔ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر عرفاء کاملین نے بیان کیا ہے کہ اس رات کی برکت کے باعث ملائکہ کا ملائے اعلیٰ میں ہجوم ہو جاتا ہے اور سارے فرشتے اجتماع منعقد کرتے ہیں۔ اجتماعِ ملائکہ کی وجہ سے برکتیں عرشِ معلّٰی سے لے کر تحت الثریٰ تک اس پوری کائنات کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہیں اور کائنات برکتوں کے ساتھ معمور ہو جاتی ہے۔ جیسے اِس رات میں قرآن اگلے سال کی ضرورتوں کے مطابق اتار دیا جاتا تھا' اُسی طرح دوسری طرف اس رات میں لوحِ محفوظ پر لکھی ہوئی تقدیریں' لوگوں کے رزق' زندگی' موت' اولاد' صحت' بیماری' خوشحالی و تنگدستی کے وہ احکامات جن کا اللہ تعالیٰ نے اگلے سال انسانوں کی زندگی میں نفاذ کرنا ہوتا ہے' تقدیر کے جو جو حکم زمین پر اُترنے ہوتے ہیں' اس رات لوحِ محفوظ سے اتار دئے جاتے ہیں اور پھر جیسے جیسے مقررہ وقت آتا ہے اور جس جس حکم کے اجراء کا وقت آتا ہے' مدبّرات الامر فرشتے اُسے لے کر اللہ کے حکم سے زمین پر اترتے ہیں اور نافذ کرتے چلے جاتے ہیں۔ گویا سال بھر کے احکام کی مکمل فائل اس رات اتار دی جاتی ہے۔

چونکہ یہ رات آنے والے سال کے بارے میں کل حکمت والے کاموں کے فیصلے کی رات ہے' اس کے بعد اجراء و نفاذ ہوگا' زمین پر ہماری زندگی کے لئے نزول ہوگا' اس لئے حکم دیا کہ لوگ جاگ کر اُس کی بارگاہِ بیکس پناہ سے اپنے لئے خیر و بھلائی طلب کریں۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے سال بھر کے احکام کی مکمل فائل اتار دی اور حٰمٓ میں ''حق'' کی جو قسم کھائی گئی' اُس کی طرف اشارہ ہے کہ حق' فائل کی صورت میں اتر گیا کہ اس سال میں کیا کیا ہوگا۔ اِسے بجٹ کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح ہر ملک اپنے ایک سال کا بجٹ بناتا ہے کہ کس مد میں کس طرح' کب اور کیا خرچ کرنا ہے اور کہاں سے آمدنی ہے اور بجٹ منظور ہونے کے بعد اپنے اپنے مقررہ وقت پر اُن کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ بلا تشبیہ و بلا مثال شبِ براٗت میں انسانوں کے لئے اللہ بجٹ پاس کرتا ہے کہ کس کو کیا کیا دینا ہے؟

حٰمٓ میں دوسری قسم اللہ تعالیٰ نے بندوں سے اپنی ''محبت'' کی کھائی اور اپنے بندوں سے محبت اس طرح کی کہ ایک طرف پورے سال کی فائل بھیج دی اور ساتھ اپنے حبیبِ لبیب ﷺ سے فرمایا کہ اپنی امت سے فرما دیں کہ آج میں نے بجٹ پاس کرنا ہے' آج رات جاگ لیں اور مجھ سے جو کچھ مانگنا ہے مانگ لیں۔

حق کے تقاضا کے مطابق مکمل فائل اتار دی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اُمّتِ محمدی ﷺ کو بتا دیا کہ آج بجٹ پاس ہونے والی رات ہے۔ آج نہ سوئیں ایسا نہ ہو کہ میں اُن کا بجٹ پاس کر رہا ہوں اور وہ غفلت کی نیند سو رہے ہوں۔ پس آج رات وہ اپنا دھیان اور توجہ میری طرف لگائیں' قیام و سجود کریں' عبادت کریں' استغفار کریں اور جو مانگنا ہے آج کی رات مجھ سے مانگ لیں۔ گویا بتا بھی دیا اور جگا بھی دیا۔

اس سے بڑھ کر رب تعالیٰ نے بندوں سے محبّت کا اظہار اس طرح کیا کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''نصف شعبان کی رات اللہ تعالیٰ خود بھی آسمانِ دنیا پر آ جاتا ہے اور پھر وہ ندا دیتا ہے کہ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ میں اُس کی بدبختی کو خوش بختی سے بدل دوں۔ ہے کوئی مجھ سے رزق مانگنے والا کہ میں اُس کے رزق میں اضافہ کر دوں۔ ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ اُس کے گناہ معاف کر دوں۔ ہے کوئی مجھ سے سوال کرنے والا کہ اُس کی حاجت کو پورا کر دوں۔''

رضائے الٰہی کا حصول بذریعہ نماز : ۱۵ شعبان المعظم کی رات حق تعالیٰ سے مانگنے' اُس سے طلب کرنے' اُس کو راضی کرنے کی صورت کیا ہو؟ یاد رکھیں کہ مولیٰ کو راضی کرنے کی صورت نماز ہے۔ کونسی نماز؟ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں؟

اُنہوں نے فرمایا: جب وقتِ نماز ہوتا ہے تو میں دو (۲) وضو کرتا ہوں: ایک وضو پانی سے کرتا ہوں اور ایک وضو توبہ سے کرتا ہوں۔ توبہ سے وضو کرنے کے لئے جب پانی سے ہاتھ دھوتا ہوں تو رب تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح میرے ہاتھ دُھل گئے' اسی طرح میرے ہاتھوں کے گناہ بھی دھو دے' معاف فرما دے اور آئندہ میرے ہاتھوں کو گناہوں سے پاک کر دے۔ جب کُلّی کرتا ہوں تو دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ! جس طرح میں نے اپنے منہ' دانتوں' زبان اور حلق کو پاک و صاف کر لیا ہے' آج میرے منہ کے گناہ بھی دھو ڈال اور آئندہ اس توبہ کے پانی سے وہ پاکیزگی عطا کر کہ میرا منہ اور میری زبان بھی گناہ سے پاک ہو جائے۔

ہم زبان سے گناہ کرتے ہیں' گالی گلوچ کرتے ہیں۔ غیبت' چغلی' بہتان' مذاق اڑانا' تذلیل کرنا' بُرا بھلا کہنا یہ سب زبان کے گناہ ہیں جن سے زبان پلید ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح جسم اور لباس کے نجس ہونے کی وجہ سے

نماز نہیں ہوتی، اُسی طرح اگر زبان نجس اور پلید ہو تو اُس سے اللہ کا ذکر، تلاوت اور دعا کیسے قبول ہو گی؟

لوگو! ساری خیر کا منبع نماز ہے۔ زبان ہی سے خیر پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب آپ ہاتھ دھوئیں تو توبہ کے پانی سے ہاتھوں کو یوں پاک کر لیں کہ ہاتھوں کے پچھلے گناہوں کی معافی مانگیں اور آئندہ ہاتھوں کو گناہوں سے پاک کر لیں۔ اب ان ہاتھوں سے کم نہیں تولنا، ان ہاتھوں سے کسی پر ظلم نہیں کرنا، ان ہاتھوں کو گناہ کے لئے نہیں اٹھانا۔

اسی طرح جب چہرے کو دھویا تو دل کی زبان سے، دھیان کے ساتھ رب تعالیٰ سے عرض کریں کہ باری تعالیٰ! میرے چہرے کے گناہ بھی دھو دے۔ اس چہرے میں آنکھیں ہیں تو آنکھیں آئندہ گناہ نہ کریں اور اُس شے کو نہ دیکھیں جس کو دیکھنا گناہ ہے۔ جب چہرے کا وضو توبہ کے ساتھ کر لیا تو آئندہ رخ کسی گناہ کی طرف نہ ہو۔ اب یہ دھیان کی بات ہے۔ دھیان کو جتنا حاضر رکھیں گے اُتنا توبہ سے وضو ہو گا اور اگر دھیان حاضر نہیں ہو گا تو توبہ حاضر نہیں ہو گی۔ دھیان نہ ہونے کی صورت میں پانی والا وضو ہو گا، توبہ والا وضو نہیں ہو گا۔ اس طرح جب بازو دھوئیں گے تو بازوؤں کے گناہ ختم ہونے کی دعا کریں اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کریں۔

پس وضو کے دوران جس جس عضو کو دھوئیں گے یا مسح کریں گے، اُس عضو کو دھوتے ہوئے توبہ کے پانی سے اُس عضو سے سرزد گناہ کو پاک کرتے چلے جائیں۔ جب کانوں کا مسح کریں تو دعا کریں کہ باری تعالیٰ! آج میں توبہ کرتا ہوں کہ میرے کان کوئی غیبت نہ سنیں گے، میرے کان گناہ کی آواز نہ سنیں گے اور نہ ہی وہ کسی کی چغلی سنیں گے۔ میرے کان کوئی ایسی آواز اور گفتگو نہ سنیں جس سے تو ناراض ہو جائے۔ پس اس طرح ہاتھ، منہ، زبان، چہرہ، آنکھوں اور کانوں کو گناہ کرنے سے روک دیا اور جب پاؤں دھونے کا مرحلہ آیا تو اسی طرح پاؤں کو گناہوں سے روک دیا۔

پس جب توبہ سے وضو کر لیا اور ظاہر و باطن کو دھو لینے کے بعد پاک کر لیا۔ غلاظت، نجاست، میل کچیل کو دُور کر دیا تو اس کے بعد عملی زندگی میں بھی اس کا رنگ نظر آنا چاہئے۔ جس وضو نے آپ کے من کو، طبیعت کو اور باطن کو ہلکا نہ کیا تو اُس وضو کا کیا فائدہ؟ پس وضو کے ساتھ گناہ بھی دُھلنے چاہئیں۔

ختمی مرتبت آقا علیہ السلام سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ قیامت کے دن اپنی اُمّت کو کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا کہ میں اُنہیں اُن کے وضو والے اعضاء سے پہچانوں گا۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وضو والے اعضاء کی کیا پہچان ہو گی؟ فرمایا: میری امت کے وہ لوگ جو وضو کرتے ہوں گے، اُن کے اعضاء سے نور نکل رہا ہو گا۔

پس وضو ایسا ہونا چاہئے کہ اعضاء منوّر ہو جائیں۔ ایسا وضو تب ہو گا کہ جب وضو شروع کریں تو اُس کے ساتھ ہی لذّت و کیفیت شروع ہو جائے کہ مالک کی بارگاہ میں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ جب تیاری کا تصوّر

آجائے تو پھر مکمل دھیان جہاں جاتا ہے' وہاں لگا رہتا ہے۔ پس سارا دھیان وضو کے اندر مرکوز ہو جانا چاہئے۔

شب برأت اور شعبان المعظم کے فضائل و برکات: حضور ختمی مرتبت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

(۱) نصف شعبان کی رات کو جاگنے والے کے دل پر مُردہ کر دینے والی اشیاء بے اثر ہو جائیں گی۔

(۲) جو شخص تین دن شروع شعبان میں' تین دن وسط میں اور تین دن اُس کے آخر میں روزے رکھے تو اُسے خالقِ کائنات ستر سال کی نفلی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ اس رات میں قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ اپنے بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد احادیث میں اُن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا دامن اس مبارک رات میں بھی اللہ کی بے پایاں عطاؤں اور برکات و حسنات کو سمیٹنے سے محروم رہتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مشرک' کینہ پرور' قطع رحمی کرنے والا' ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا' شرابی' زناکار' عشار جو ظلم سے لوگوں سے محصول لیتا ہے' جادوگر' کاہن' شرطی یعنی حکومت کے سپاہی جو لوگوں پر ناحق ظلم کرتے ہیں' جابی جو ناحق لوگوں سے حاکم کو مال دلواتا ہے' مُسبِل یعنی غرور و تکبر کے طور پر ٹخنوں کے نیچے ازار' پاجامہ وغیرہ لٹکانے والا' وہ عورت جس کا خاوند اُس سے ناراض ہو' ذخیرہ اندوز' سود خور اور چغل خور وہ لوگ ہیں جو رحمت کے اس بحرِ موجزن سے بھی تشنہ کام رہتے ہیں۔ اِن محروم القسمت افراد کی فہرست پر نظر ڈالئے۔ اگر کوئی خود کو کسی مذکورہ قبیح حالت میں مبتلا پاتا ہے تو وہ سچے دل سے توبہ کرے اور درِ بخشش پر آئے پھر وہ دیکھے کہ اُس کا رب کتنا کریم ہے' اپنے بندوں پر وہ کس طرح مہربان ہے اور اُن کی خطاؤں کے باوجود وہ اُنہیں کس طرح اپنی بے پایاں رحمت سے نوازتا ہے۔

امام بیہقی نے اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا اور امام ترمذی نے مختصر روایت کی ہے کہ اس رات حضور سرورِ عالم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور آپ نے کپڑے بدل کر سونے کا قصد فرمایا اور میں ابھی تک بالکل نہیں سوئی تھی کہ اتنے میں کھٹکے سے چونک گئی اور میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کپڑے بدل کر باہر تشریف لے گئے۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید آپ ازواجِ مطہرات میں سے کسی اور کے پاس تشریف لے جا رہے ہیں تو میں بھی آہستہ آہستہ آپ ﷺ کے پیچھے گئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے مقبرہ بقیع الغرقد میں پہنچ کر مؤمنین و مؤمنات اور وہاں کے اہلِ قبور کے لئے دعا و استغفار فرمایا تو مجھے خیال ہوا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے دھیان میں ہیں اور میں کس گمان میں ہوں! پھر میں وہاں سے تیز روانہ ہوئی اور میرے پیچھے آپ ﷺ بھی واپس ہوئے مگر میں آپ سے پہلے حجرہ میں پہنچ چکی تھی لیکن میری سانس چڑھ گئی تھی۔ اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور مجھ سے فرمایا کہ تمہاری سانس کیوں چڑھی ہوئی ہے؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' آپ تشریف لائے اور آپ نے سونے کا قصد فرمایا۔ پھر آپ لباس زیب تن فرما کر باہر تشریف لے گئے تو میں نے خیال کیا کہ شاید

آپ کسی دوسری بی بی کے ہاں جا رہے ہیں۔ اسی خیال سے میں آپ کے پیچھے گئی تو میں نے بقیع الغرقد میں آپ کو شان و وقار کے ساتھ مشغول دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے نور دیدۂ صدّیق! کیا تو یہ سمجھ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول تجھ پر ظلم کریں گے؟ بات یہ ہے کہ آج جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ آج شعبان کی پندرھویں رات ہے اور اس رات میں اللہ تعالیٰ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ اپنے بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اجازت ہے کہ میں آج کی تمام رات اپنے رب کی عبادت میں گزار دوں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میری عین خوشی ہے۔ پھر آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور جب سجدہ کیا تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ بہت دیر تک بے حس و حرکت ہونے سے مجھے خوف ہوا کہ شاید آپ ﷺ کی روحِ مبارک قبض کر لی گئی ہے تو میں نے آپ ﷺ کے قدموں پر ہاتھ رکھا اور آپ نے جنبش کی تو مجھے سکون ہوا۔ میں نے کان لگا کر سنا تو آپ سجدہ میں یہ فریاد کر رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ

''الٰہی! میں تیرے عذاب سے تیرے عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی رحمت میں پناہ لیتا ہوں۔ تیری شان بہت جلیل ہے۔ میں تیری ثنا کچھ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ میرے لائق وہ ثنا ہے جو خود تو نے اپنی ثنا فرمائی ہے۔''

جب صبح ہوئی تو میں نے آپ سے اس دعا کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دعا کو سیکھ لو۔ مجھے جبریل علیہ السلام نے یہ دعا سکھائی اور کہا کہ اِس رات میں اسے بار بار پڑھو (البیہقی)۔

بعض روایات کے مطابق اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا شبِ برأت اور شبِ قدر کے لئے آپ ﷺ نے تعلیم فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ

''الٰہی! آپ (سراپا) عفو و درگزر ہیں، آپ عفو و درگزر کو پسند فرماتے ہیں، پس مجھ سے بھی درگزر فرمایئے اے بہت زیادہ بخشنے والے! اے بہت زیادہ بخشنے والے! اے بہت زیادہ بخشنے والے!''

<u>شبِ برأت کے اوراد و نوافل</u>: (۱) بارہ رکعت نفل کی نیت کریں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تیرہ تیرہ مرتبہ پڑھیں۔ فرمایا جو شخص اس طرح یہ نوافل پڑھے گا، وہ دنیا سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہوگا۔

(۲) دو رکعت نفل کی نیت کریں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور پندرہ بار سورۃ

الاخلاص پڑھیں۔ نوافل سے فارغ ہو کر سورہ یٰسٓ تین مرتبہ تلاوت کریں۔ ان دو رکعتوں اور سورہ یٰسٓ کا یہ فائدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُس کی روزی میں بہت برکت عطا فرمائے گا' بلاؤں سے بچائے گا اور عمر میں برکت دے گا۔

(۳) دس رکعت نفل نماز کی نیت کریں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھیں۔ نوافل سے فارغ ہو کر ایک تسبیح درود شریف کی پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ اولاد میں برکت عطا فرمائے گا اور اولاد نیک و فرماں بردار ہوگی۔

(۴) سو رکعت نفل دو دو رکعت کی نیت سے پڑھیں۔ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھیں۔ غنیۃ الطالبین میں اس نماز کا نام ''صلوٰۃ الخیر'' آیا ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تیس صحابہ کرام نے بیان کیا کہ شبِ برأت میں جو شخص یہ نماز ادا کرتا ہے' رب تعالیٰ اُس پر ستر مرتبہ نظرِ رحمت فرماتا ہے اور ہر مرتبہ اُس کی ستر حاجتیں پوری فرماتا ہے اور اُن میں ادنیٰ حاجت اُس کی بخشش فرمانا ہے۔

(۵) کئی مشائخِ کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص اِس رات آٹھ رکعت نماز نفل ایک ہی سلام سے ادا کرے گا اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ گیارہ بار پڑھے گا اور پھر اس نماز کا ثواب سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخش دے گا تو سیّدۃ النساء کا وعدہ ہے کہ میں جنت میں اُس وقت تک قدم نہ رکھوں گی جب تک اُس کی شفاعت نہ کرالوں۔

علاوہ ازیں اِس رات بزرگوں کی زیارت' اہلِ قبور کے لئے دعائیں' صدقہ و خیرات اور اہل و عیال کے ساتھ خوشدلی کا مظاہرہ مستحسن اور خیر و برکت کے امور ہیں۔'' (ماہنامہ ''السعید'' ملتان' جنوری ۱۹۹۵' ص ۴۴۔۴۶)

(۶) سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رب تعالیٰ چار راتوں میں خیر کو کھولتا ہے: بقر عید کی رات' عید الفطر کی رات' نصف شعبان کی رات جس میں لوگوں کی زندگیوں اور رزق کے متعلق لکھا جاتا ہے اور اس میں حج کرنے والے کا نام لکھا جاتا ہے اور عرفات کی شب میں فجر کی اذان تک (الدرّ المنثور' لجلال الدین السیوطی' ج ۷' ص ۳۴۸' ۳۴۹) طبع بیروت ۱۴۲۱ھ۔

(۱۲۵) لیلۃ القدر

إِنَّا أَنزَلْنَٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ O وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ O لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ O تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ O سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ O (القدر: ۱-۵)
"بے شک ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں اتارا ہے اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اُس میں روح القدس اور فرشتے اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ سراسر امن وسلامتی ہے' یہ رہتی ہے طلوعِ فجر تک۔'' (۱ تا ۵ : ۹۷)

شبِ قدر کی وجہ تسمیہ : علامہ قرطبی نے اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک بڑی قدر و منزلت والی کتاب' بڑے قدر و منزلت والے رسول پر اور بڑی قدر و منزلت والی امت کے لئے نازل فرمائی۔

شانِ نزول : نبی آخرالزماں ﷺ نے اپنی اُمت کی عمروں کو مختصر پایا اور خیال ہوا کہ وہ مختصر عمر میں اتنے اعمالِ صالحہ نہ کرسکیں گے جتنے پہلی امتوں نے اپنی طویل عمروں میں کئے ہیں (تفسیر مظہری) تو ربّ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے (مؤطا امام مالک' باب: لیلۃ القدر)

یہ بہتری اور افضلیت کس اعتبار سے ہے؟ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ اس ایک رات میں جو عمل کیا جاتا ہے وہ ایک ہزار ماہ کے عمل سے بہتر ہے جس میں لیلۃ القدر نہ ہو۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اس رات میں اتنی خیر کثیر تقسیم کی جاتی ہے جتنی ایک ہزار مہینہ میں بھی تقسیم نہیں ہوتی اور یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ انسان کی فلاح اور اصلاح کے لئے جو کام (نزولِ قرآن) اس ایک رات میں ہوا' یہ ہزار مہینوں کی کوششوں سے بھی بہتر اور افضل ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ رات کس مہینہ کی ہے اور کس تاریخ کو آتی ہے؟ مہینہ کا فیصلہ تو خود قرآن کریم نے کر دیا کہ قرآن کا نزول رمضان میں ہوا (سورۃ البقرۃ: ۱۸۵)۔ ثابت ہوگیا کہ یہ رات رمضان المبارک ہی کی کوئی رات ہے۔ تاریخ کے تعین کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ چالیس کے قریب اقوال مذکور ہیں لیکن صحیح حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان شریف کی ستائیسویں رات لیلۃ القدر ہے۔ حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ تو اس پر قسم کھایا کرتے تھے۔ کچھ علماء ستائیسویں شب کے لیلۃ القدر ہونے میں یہ

استدلال پیش کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر کا لفظ پوری سورت میں تین مرتبہ آیا ہے اور لیلۃ القدر کے لفظ میں کل نو (۹) حروف ہیں۔ اس لحاظ سے لیلۃ القدر کے کل حروف کی تعداد ۹+۹+۹=۲۷ بنتی ہے اور اسی میں شبِ قدر کے ستائیسوں شب کو ہونے کا اشارہ ہے۔

ایک نادر نکتہ : صاحب ابریز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا تجربہ لکھتے ہوئے فرمایا ہے اور اسی طرح صاحب ''نُزھۃ المجالس'' نے ابوالحسن سے متعلق فرمایا ہے کہ اُنہوں نے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا ہے کہ جب سے میں بالغ ہوا ہوں، کبھی بھی لیلۃ القدر مجھ سے چھپی نہیں رہی اور ہر سال میں نے اس رات کے انوار کی زیارت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرا تجربہ ہے کہ اگر رمضان شریف کا روزہ :

بدھ یا اتوار کا ہو تو لیلۃ القدر ۲۹ کو ہو گی۔
پیر کا ہو تو لیلۃ القدر ۲۱ کو ہو گی۔
جمعہ یا منگل کا ہو تو لیلۃ القدر ۲۷ کو ہو گی۔
جمعرات کا ہو تو لیلۃ القدر ۲۵ کو ہو گی۔
اگر ہفتہ کی پہلی تاریخ ہو تو ۲۳ کو اس مبارک رات کے انوار ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔☆

سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ جتنا مجاہدہ اس آخری عشرہ میں فرماتے کسی دوسرے وقت میں ایسا مجاہدہ نہ کرتے۔ اس آخری عشرہ میں آپ ﷺ اعتکاف بھی بیٹھا کرتے اور یہ معمول آخر تک جاری رہا اور اپنے غلاموں کو بھی اعتکاف بیٹھنے کی ترغیب دلاتے۔ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد بھی امہات المومنین اپنے آقا کی اس سنت پر پابندی سے عمل پیرا رہیں۔

آیت میں اَلرُّوْح سے مراد جبریلِ امین ہیں جو افضل الملائکہ ہیں۔ اُن کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر خصوصیت سے اُن کا ذکر کیا گیا۔ جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا یہ نزول از خود نہیں ہوتا بلکہ رب تعالیٰ اُنہیں حکم دیتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور اس کے مشارق و مغارب کا چکر لگاؤ۔ جہاں کہیں میرے محبوب کا کوئی امتی میرے ذکر کی شمع روشن کر کے بیٹھا ہو اُس کے پاس پہنچو اور اُسے ہماری طرف سے نوید رحمت سناؤ۔ اُس سے مصافحہ کرو اور اس کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگو۔ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اور اُنہی کے طفیل کیا شان ہے آپ کے غلاموں کی!

حضرت شاہ عبدالعزیز اس مقام پر لکھتے ہیں:

''اس رات آسمان سے فرشتے اترتے ہیں اور علیّین سے روحیں نازل ہوتی ہیں تا کہ با کمال انسانوں کے

☆ مؤلف کا اپنا ذاتی تجربہ بھی اس موقف کی تائید میں ہے۔

ساتھ ملاقات کریں اور اُن کے اعمال کے انوار سے روشنی حاصل کریں اور اپنے محبوب اور معبود کی محبت کا جو جذبہ اُن کے سینوں میں جوش مار رہا ہے' اُس کی لذت سے بہرہ ور ہوں۔''

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیلۃ القدر کو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک جمِّ غفیر کے ساتھ زمین پر اترتا ہے اور ملائکہ کا یہ گروہ ہر اُس بندے کے لئے دعائے مغفرت اور التجائے رحمت کرتا ہے جو کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے اللہ عزّ وجلّ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جبریل اور ملائکہ اُن سے مصافحہ کرتے ہیں اور ایک اور روایت کے مطابق جبریل کے مصافحہ کرنے کی وجہ سے اُن عابدین کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔

شبِ قدر کو مخفی رکھنے کی حکمتیں: رب تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو اپنی حکمتوں کے تحت مخفی رکھا ہوا ہے۔ وہ کس کی عبادت سے راضی ہوتا ہے' اُسے مخفی رکھا تاکہ بندہ تمام عبادات میں کوشش کرے۔ ولی کی کوئی علامت مقرر نہیں کی اور اسے لوگوں سے مخفی رکھا تاکہ لوگ ولی کے شائبہ میں ہر انسان کی تعظیم کریں۔ قبولیتِ توبہ کو مخفی رکھا تاکہ بندے مسلسل توبہ کرتے رہیں۔ موت اور قیامت کے وقت کو مخفی رکھا تاکہ بندے ہر ساعت میں گناہوں سے باز رہیں اور نیکی کی جدّ وجُہد میں مصروف رہیں۔ اِسی طرح لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ رمضان کی ہر رات کو لیلۃ القدر سمجھ کر اُس کی تعظیم کریں اور اُس کی ہر رات میں جاگ جاگ کر عبادت کریں۔

''امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اس رات کو معیّن کر کے بتا دیتا تو نیک لوگ تو اس رات میں جاگ کر عبادت کر کے ہزار ماہ کی عبادتوں کا اجر حاصل کر لیتے اور عادی گنہگار اگر شامتِ نفس اور اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس رات بھی کوئی گناہ کر بیٹھتے تو لیلۃ القدر سے لاعلمی کی بناء پر اُس کے ذمّہ لیلۃ القدر کا احترام شکنی اور ہزار ماہ کے گناہ لازم نہ آئیں کیونکہ علم کے باوجود گناہ کرنا لاعلمی سے گناہ کرنے کی نسبت زیادہ شدید ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کو سوتے ہوئے پایا۔ آپ نے حضرت علی کرّم اللہ وجھہٗ سے فرمایا: اُسے وضو کے لئے اٹھا دو۔ اُنہوں نے اٹھا دیا۔ بعد میں جنابِ علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ تو نیکی کرنے میں خود پہل کرتے ہیں' آپ نے خود اُسے کیوں نہیں جگایا؟ آپ نے فرمایا: اگر میرے اٹھانے پر یہ انکار کر دیتا تو یہ کفر ہوتا اور تمہارے اٹھانے پر انکار کرنا کفر نہیں ہے' تو میں نے تمہیں اُس کے اٹھانے کا اس لئے حکم دیا کہ اگر وہ انکار کرے تو اُس کا قصور کم ہو۔ ذرا غور تو کیجئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی گنہگاروں پر رحمت کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا عالم ہوگا! اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ آسان ہے کہ نیکوکار لیلۃ القدر کی جستجو میں رمضان کی متعدد راتیں جاگ کر کھنگال ڈالیں' یہ بھی گوارا ہے کہ اس تلاش میں اُن سے لیلۃ القدر چوک جائے لیکن یہ گوارا نہیں ہے کہ لیلۃ القدر بتلا دینے سے کوئی گنہگار بندہ اپنے گناہ کی ہزار گنا زیادہ سزا پائے۔ اللہ اللہ! وہ اپنے بندوں بالخصوص گنہگار بندوں کا کتنا خیال رکھتا ہے!'' (تبیان القرآن' ج ۱۲' ص ۸۹۵)

''فرشتوں کوزمین پرنازل کرنے کی حکمتیں: فرشتوں کے زمین پرنزول کے بارے میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ زمین پرانسانوں کی عبادات کودیکھنے کے لئے آتے ہیں۔امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے: تَنَزَّلُ الْمَلَائِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِم (فرشتے اور جبریلِ امین اللہ تعالیٰ کی اجازت سے زمین پرنازل ہوتے ہیں) جس سے معلوم ہوا کہ بشمولِ جبریل تمام فرشتے اللہ تعالیٰ سے زمین پرآنے کی پہلے اجازت طلب کرتے ہیں' پھراُس کے بعدزمین پراترتے ہیں اور یہ چیزانتہائی محبت پردلالت کرتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہماری طرف راغب اور مائل تھے اورہم سے ملاقات کی تمنا کرتے تھے لیکن اجازت کے منتظر تھے اور جب رب تعالیٰ سے اجازت مل گئی تو قطاردرقطارصف باندھے زمین پراترآئے۔''

''اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے اس قدرگناہوں کے باوجودفرشتے ہم سے ملاقات کی تمنا کیوں کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کو ہمارے گناہوں کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ جب وہ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کی عبادات کوتفصیل کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جب گناہوں پرپہنچتے ہیں تو لوحِ محفوظ پرپردہ ڈال دیا جاتا ہے اوراُس وقت فرشتوں کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکلتے ہیں: سبحان ہے وہ ذات جس نے نیکیوں کوظاہرکیا اورگناہوں کو چھپالیا۔'' (''تفسیر کبیر'' ج ۱۱' ص ۲۳۴' ۲۳۵ طبع بیروت بحوالہ ''تبیان القرآن'' ج ۱۲' ص ۸۹۸)

''اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے خودعبادات سے مالا مال ہیں' تسبیح وتقدیس اورتہلیل کے تونگر ہیں۔قیام' رکوع اورسجودکون سی عبادت ہے جواُن کے دامن میں نہیں ہے۔پھرانسانوں کی وہ کون سی عبادت ہے جسے دیکھنے کے شوق میں وہ انسانوں سے ملاقات کی تمنا کرتے ہیں اورزمین پراترنے کی رب تعالیٰ سے اجازت طلب کرتے ہیں؟اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص خودبھوکارہ کراپنا کھانا کسی اورضرورتمندکوکھلادے تو یہ وہ نادرعبادت ہے جوفرشتوں میں نہیں۔گناہوں پرتوبہ اورندامت کے آنسو بہانا اورگڑگڑاکراللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا' اپنی طبعی نیندچھوڑکررب تعالیٰ کی یادکے لئے رات کے پچھلے پہراُٹھنا اورخوفِ خدا سے ہچکیاں لے لے کررونا' یہ وہ عبادت ہے جس کا فرشتوں کے ہاں کوئی تصوّرنہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: گنہگاروں کی سسکیوں اورہچکیوں کی آوازاللہ تعالیٰ کوتسبیح اورتہلیل کی آوازوں سے زیادہ پسند ہے' اس لئے فرشتے یادِ خدا میں آنسو بہانے والی آنکھوں کے دیکھنے اورخوفِ خدا سے نکلنے والی آہوں کے سننے کے لئے زمین پراترتے ہیں۔''

''امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں فرشتے مسلمانوں کی زیارت کریں گے اورآکرسلام عرض کریں گے (بحوالہ سورۃ الرّعد' آیات ۲۳'۲۴)۔اور لیلۃ القدر میں یہ ظاہرفرمایا کہ اگرتم میری عبادت میں مشغول ہوجاؤ تو آخرت تو الگ رہی' دنیا میں بھی فرشتے تمہاری زیارت کوآئیں گے اورآکردنیا میں بھی تمہیں سلام کریں گے۔امام رازی نے دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ عُلماء اورصالحین کے سامنے زیادہ اچھی اورزیادہ خشوع وخضوع سے عبادت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس رات فرشتوں کوبھیجتا ہے کہ اے

انسانو! تم عبادت گزاروں کی مجلس میں زیادہ عبادت کرتے ہو' آ داب ملائکہ کی مجلس میں خشوع وخضوع سے عبادت کرو۔'' (تفسیر کبیر' جلد ۱۱' ص ۲۳۵' بحوالہ ''تبیان القرآن'' جلد ۱۲' ص ص ۸۹۸' ۸۹۹)

''ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انسان کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے کہا تھا کہ اُسے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے جو زمین میں فسق و فجور اور خوں ریزی کرے گا۔ اس رات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اُن کی امیدوں سے بڑھ کر اجر وثواب کا وعدہ کیا' اس رات کے عبادت گزاروں کو زبانِ رسالت سے مغفرت کی نوید سنائی' فرشتوں کی آمد' اُن کی زیارت اور سلام کرنے کی بشارت دی تاکہ اُس کے بندے یہ رات جاگ کر گزاریں' تھکاوٹ اور نیند کے باوجود اپنے آپ کو بستروں اور آرام سے دُور رکھیں تاکہ جب فرشتے آسمان سے اتریں تو اُن سے کہا جا سکے کہ یہی وہ ابن آدم ہے جس کی خونریزیوں کی تم نے خبر دی تھی' یہی وہ شرِ خاکی ہے جس کے فسق و فجور کا تم نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ اُس کی طبیعت اور خلقت میں ہم نے رات کی نیند رکھی ہے لیکن یہ اپنے طبعی اور خلقی تقاضوں کو چھوڑ کر ہماری رضا جوئی کے لئے یہ رات سجدوں اور قیام میں گزار رہا ہے۔ تم نے فسق و فجور اور خونریزی دیکھی تھی' ہماری خاطر راتوں کو جاگ کر سجدہ کرنے والی جبینیں نہیں دیکھی تھیں' ہماری یاد کے سبب آنکھوں میں مچلنے والے آنسو نہیں دیکھے تھے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ بڑے مان سے تمہاری عبادت دکھانے کے لئے آسمان سے فرشتے اتارتا ہے۔ کہیں تم یہ رات گناہوں میں گزار کر اُس کا مان نہ توڑ دینا۔'' (''تبیان القرآن'' جلد ۱۲' صفحہ ۸۹۹)

''فرشتوں کا سلام: مفسرین لکھتے ہیں کہ شب قدر میں عبادت کرنے والے انسان کو جس وقت روح الامین آ کر سلام کرتا ہے اور اس سے مصافحہ کرتا ہے تو اُس پر خوفِ خدا کی ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے' یادِ خدا سے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور خشیتِ الٰہی سے بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا سلام کرنا سلامتی کا ضامن ہے۔ سات فرشتوں نے آ کر جناب ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا تھا تو اُن پر نمرود کی جلائی ہوئی آگ سلامتی کا باغ بن گئی تھی۔ شبِ قدر کے عابدوں پر جب اس رات لاتعداد فرشتے آ کر سلام کرتے ہیں تو کیوں کر یہ امید نہ کی جائے کہ جہنم کی آگ اُن پر انشاء اللہ سلامتی کا باغ بن جائے گی۔''

ثواب میں اضافہ: شبِ قدر میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادتوں سے زیادہ دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اس ایک رات میں عبادت کرنے کے بعد انسان ایک ہزار ماہ کی عبادتوں سے آزاد ہو جاتا ہے؟ اسی طرح ایک نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہے اور کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے تو کیا کعبہ میں ایک نماز پڑھنے سے ایک کم ایک لاکھ نمازیں انسان سے ساقط ہو جاتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شبِ قدر کی عبادت نفلی ہے اور ہزار ماہ میں جو فرائض اور واجبات ہیں' یہ نفلی عبادت اُن کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ رہا یہ کہ ایک فرض کا ثواب اس فرض کی دس مثلوں کے برابر ہوتا ہے یا کعبہ کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے مساوی ہوتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس فرض کے ادا کرنے کا مکلف ہے جو دس مثلوں کے یا

ایک لاکھ مثلوں کے مساوی ہے۔ ان مثلوں میں سے کوئی ایک مثل اس فرض کے مساوی نہیں جو دس یا ایک لاکھ مثلوں کے برابر ہے۔ لہٰذا ان مثلوں سے فرض کی تکلیف ساقط نہیں ہوتی۔ اس لئے ایک نماز پڑھ کر انسان نہ تو دس نمازوں سے بَری ہوسکتا ہے' اور نہ شب قدر کی عبادت سے ہزار ماہ کی عبادتوں سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔''

''گناہ میں اضافہ : یہ بھی غور طلب بحث ہے کہ جس طرح شب قدر میں عبادت کرنے سے ثواب بڑھ جاتا ہے' کیا اس طرح شب قدر میں گناہ کرنے سے سزا بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو قطعی طور پر شب قدر کا علم ہو جائے اور پھر وہ اس رات میں قصداً گناہ کرے تو یقیناً اُس کا یہ گناہ اور راتوں کے گناہوں سے بڑا گناہ ہے اور وہ زیادہ سزا کا مستحق ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۰ میں ہے کہ ''جو شخص جتنی بُرائی کرے گا' اُسے اُتنی ہی برائی کی سزا ملے گی'' تو پھر اُس رات میں قصداً گناہ کرنے والا کیوں زیادہ سزا کا مستحق ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر میں گناہ کرنے والے کی دو زیادتیاں ہیں: ایک گناہ کی اور ایک شب قدر کے تقدس کو پامال کرنے کی۔ جس طرح گھر میں گناہ کی بہ نسبت حرم کعبہ میں وہ گناہ کرنا زیادہ بڑا ہے۔ اس لئے جو شخص شب قدر میں گناہ کرے گا' اُسے اُس گناہ کی بڑی سزا ملے گی لیکن ظاہر ہے کہ اس رات کا جرم دیگر راتوں کے جرم کی بہ نسبت زیادہ ہے۔'' (''تبیان القرآن''۔ علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۱۲' ص ص ۸۹۴' ۸۹۵)

لیلۃ القدر کے فضائل : ''امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے معتمد اہلِ علم سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سابقہ امتوں کی عمریں دکھائی گئیں تو آپ نے اپنی امت کی عمروں کو کم سمجھا اور یہ کہ وہ اتنے عمل نہیں کر سکیں گے جتنے کسی لمبی عمر والے لوگ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لَیلَۃُ القَدر عطا کی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔'' (مؤطا امام مالک' باب : لیلۃ القدر)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا جو اللہ کی راہ میں ایک ہزار سال تک ہتھیار پہنے رہا۔ مسلمانوں کو اس پر بہت تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: اِنَّا اَنزَلنٰهُ فِي لَيلَةِ القَدرِ ○ وَمَا اَدرٰكَ مَا لَيلَةُ القَدرِ ○ لَيلَةُ القَدرِ خَيرٌ مِّنْ اَلفِ شَهرٍ ○ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ابن کثیر)

علی بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے چار شخصوں نے اَسّی (۸۰) سال تک اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کی کہ پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی اور اُن کے نام بھی بتائے: حضرت ایوب' حضرت زکریا' حضرت حزقیل اور حضرت یوشع بن نون علیہم السلام۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو تعجب ہوا۔ تب آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ کی اُمت کو اس پر تعجب ہے کہ اُن لوگوں نے اسّی سال عبادت کی اور پلک جھپکنے کی مقدار بھی نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر چیز نازل کی ہے۔ پھر آپ کے سامنے سورۃ القدر کی آیات ۱ تا ۳ تلاوت کیں

اور کہا کہ یہ اس سے افضل ہے جس پر آپ کو اور آپ کی امت کو تعجب ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب خوش ہو گئے۔'' (تفسیر امام ابن ابی حاتم' رقم الحدیث: ۱۹۴۲۶؛ تفسیر ابن کثیر' ج ۴' ص ۵۹۳)

امام دیلمی نے حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کو لیلۃُ القدر عطا کی ہے جبکہ اس سے پہلی امتوں کو عطا نہیں کی۔ (الدُّرُّ المنثور' ج ۸' ص ۵۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزے رکھے' اللہ تعالیٰ اُس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے لیلۃُ القدر میں قیام کیا تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اُس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۰۱۴؛ سنن نسائی' رقم الحدیث ۲۲۰۶ ؛ مسند احمد' ج ۲' ص ۵۰۳)

لیلۃُ القدر میں عبادت کا طریقہ : بعض صالحین نے اِس رات کی عبادت کے مخصوص طریقے بتائے ہیں:

(۱) علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض صالحین لیلۃُ القدر میں قیام کی نیت سے دس دوگانے پڑھتے تھے۔ (۲) بعض اکابرین سے یہ بھی منقول ہے کہ جس شخص نے ہر رات لیلۃُ القدر کی نیت سے دس آیات تلاوت کیں وہ لیلۃُ القدر کی برکات سے محروم نہیں رہے گا۔ (۳) امام ابو اللیث نے بیان کیا کہ لیلۃُ القدر کی کم از کم نماز دو رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ دو ہزار رکعات ہیں اور متوسط سو رکعات ہیں اور ہر رکعت میں متوسط قرأت یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ کے بعد سو مرتبہ سورۃ القدر پڑھے۔ اس کے بعد تین بار سورۃ الاخلاص پڑھے۔ پھر دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے اور درود شریف پڑھ کر دوسرے دوگانے کے لئے اُٹھے۔ اس طرح جتنے نفل چاہے' پڑھے۔ (۴) ابن المسیب نے کہا کہ جس شخص نے لیلۃُ القدر میں مغرب اور عشاء کی نماز باجماعت پڑھی' اُس نے لیلۃُ القدر میں اپنا حصہ پالیا۔ (۵) عامر بیان کرتے ہیں کہ لیلۃُ القدر کا دن اُس کی شب کی مثل ہے اور اُس کی شب اُس کے دن کی مثل ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۲' ص ۲۵۳' رقم الحدیث: ۸۶۹۳)

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ نوافل کی جماعت بلا کراہیت جائز ہے بشرطیکہ فرائض کی طرح اذان اور اقامت نہ کریں۔ ''شرح نقایہ'' میں ''محیط'' کے حوالے سے یہ عبارت ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب میں نوافل میں امام کی اقتداء کرنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے کیونکہ جو چیز مؤمنوں کے نزدیک حسن ہو' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حسن ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر اعتراض کرنے والوں کے قول کی طرف بالکل توجہ نہ کریں جنہیں نہ عبادت کا ذوق ہے اور نہ دعاؤں کا شوق ہے۔ (''تفسیر روح البیان'' جلد دہم' ص ۵۸۰' ۵۸۱)

(۱۲۶) اسلام میں قیادت وامامت کا تصوّر (Leadership in Islam)

تفسیر کبیر میں امامت کی تعریف یوں کی گئی ہے :

''اَلاِمَامُ فِی اللُّغَةِ کُلُّ مَنِ ائْتَمَّ بِہٖ قَوْم'' کَانَ عَلٰی ھُدًی اَوْ ضَلَالَةٍ'' (تفسیر کبیر)

''لغت کے لحاظ سے امام ہر وہ شخص ہے جس کی لوگ اقتداء کریں خواہ وہ ہدایت پر ہو یا گمراہی پر۔''

''مذہبی پیشوا' ایک نمونہ' ایک مثال' ایک اصول یا کتابِ ہدایت کا نام قیادت ہے۔'' (Dictionary and Glossary of the Koran" ... John Penrice B.A., pp. 9, 10)

''ایک ایسا عالم و فاضل شخص جو قابلِ تقلید ہو یا جو مقصدِ اتباع ہو۔'' ("Al-Qamoos"... An Arabic-English Lexicon ... Edward William Lane) Lebanon, 1968.

''امام اُسے کہتے ہیں جس کی اقتداء کی جائے خواہ وہ انسان ہو جس کے قول اور فعل کی اطاعت اور اتباع کی جائے یا وہ کتاب ہو جس میں مذکور احکام کی اطاعت کی جائے اور خواہ وہ امام حق ہو یا باطل۔ قرآن مجید میں ہے: فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ یعنی کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔'' (''مفردات القرآن''۔ امام راغب اصفہانی)

امام کا شرعی معنٰی : جب امام کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کی منہاجِ نبوت پر امورِ دین میں پیروی کی جائے۔ اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام' خلفائے راشدین' قضاۃ' فقہاء' ائمہ اور نماز کے امام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اس لئے امام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امورِ دین میں اُن کی اقتداء اور اتباع لازم کر دی ہے۔ خلفائے راشدین اس لئے امام ہیں کہ نبی ﷺ نے اُن کی اقتداء لازم کر دی ہے کہ فرمایا: میری سنت کی پیروی کرو اور میرے خلفاء راشدین کی پیروی کرو۔ اور قضاۃ' فقہاء' ائمہ مجتہدین اور ائمہ تفسیر و حدیث بھی امام ہیں کیونکہ وہ سب اولی الامر میں داخل ہیں اور رب تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم کر دیا ہے (بحوالہ سورۃ النساء: آیت ۵۹)

امامت کے وجوب پر دلائل : امام مقرر کرنے کے وجوب پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) امام مقرر کرنے پر اجماع ہے حتّٰی کہ صحابہ کرام نے اس معاملہ کو نبی اکرم ﷺ کی تدفین پر مقدم رکھا۔

(۲) حدود کو قائم کرنا' احکامِ شرع کو نافذ کرنا اور مسلمان ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا واجب ہے اور یہ امور امام پر ہی موقوف ہیں۔

(۳) عدل و انصاف کو قائم رکھنا، ظلم و جور کو ختم کرنا اور معاش و معاد کی اصلاح کرنا واجب ہے اور یہ امور امام پر ہی موقوف ہیں۔

(۴) کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ امام کی اطاعت واجب ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ امام کو مقرر کرنا واجب ہو۔ امام کو مقرر کرنے کے وجوب پر اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے:

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (النساء : ۵۹)

''اللہ اور رسول کی اور اپنے میں سے اربابِ اختیار کی اطاعت کرو۔'' (۵۹ : ۴)

اسلام میں تمام تر قوت و اختیار رب تعالیٰ کا ہے اور انسان کو صرف تفویض کردہ اختیارات حاصل ہیں جو ''امانت'' کے ہم معنیٰ ہے۔ ہر وہ شخص جسے اقتدار و اختیار حاصل ہو جائے، وہ اپنے عوام کے آگے اپنے ہر عمل کا جوابدہ ہے جن کے جائز، قانونی مفاد میں اُسے ان اختیارات کو استعمال کرنا ہے۔ اس بات کو حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے خطبہ میں تسلیم کیا اور فرمایا:

''لوگو! میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس منصب (خلافت) کی کبھی آرزو نہیں کی اور نہ ہی میں نے اپنی خلوت و جلوت میں اس کے لئے دعا کی۔ میں نے اس بوجھ کو اس لئے اٹھانا قبول کیا ہے کہ کہیں فتنہ و فساد سر نہ اٹھائیں ورنہ قیادت میں کوئی خوشی کی بات نہیں۔ میرے کندھوں پر جو بوجھ ڈالا گیا ہے، میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھ میں اُسے اٹھانے کی کوئی موروثی قوت نہیں اور اس لئے میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اپنے فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے مجھے اپنا قائد بنایا ہے اگرچہ میں کسی بھی طرح آپ سے بہتر نہیں ہوں۔ جان لو کہ عقلمند ترین انسان اللہ کا خوف رکھنے والا ہے اور سب سے زیادہ احمق اور ناعاقبت اندیش وہ ہے جو اللہ سے دُور ہے۔ یقین جانو کہ تم میں سے طاقتور اور با اثر آدمی میرے نزدیک اُس وقت تک کمزور و ناتواں ہے جب تک میں اُس سے کسی کا حق واپس نہ دلا دوں۔ اور تم میں سے کمزور و ناتواں میرے نزدیک طاقت و قوت والا ہے جب تک میں اُس کا حق اُسے بحال نہ کر دوں۔ جب میں صحیح ہوں تو میرے ساتھ تعاون کیجئے اور جب میں کوئی غلطی کروں تو میری اصلاح کر دیجئے۔ جب تک میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں، تم بھی میری اطاعت کرتے رہو اور جب میں اس سے احتراز کروں تو مجھ سے منہ موڑ لو۔'' (طبقات ابن سعد، جلد ۳، صفحہ ۹۷) طبع لبنان ۱۹۹۶ء

معلوم ہوا کہ امام کی مرضی قانونِ الٰہی نہیں بلکہ اللہ کی مرضی قانونِ الٰہی ہے۔ اسلام نے تمام جھوٹی عدمِ مساوات کا خاتمہ کر دیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَا قَيْصَرَ وَلَا كِسْرٰى (اسلام میں نہ قیصر کا تصوّر ہے اور نہ کسریٰ کا)۔ اسی طرح اسلام نے قانون کے آگے مساوات کو قائم کیا اور اسے ایسے نافذ کیا جس کی مثال پہلے کہیں نہیں ملتی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی بھی اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا اور اپنے آپ کو دوسروں کے آگے بغرض انتقام پیش کیا۔ آپ نے اپنی دخترِ نیک اختر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''قانون سے اپنے آپ کو کبھی بالاتر نہ سمجھو اور نہ ہی اپنا کوئی استحقاق سمجھو۔ یاد رکھو اگر تم نے چوری کی تو بخدا! میں تمہارے ہاتھ کٹوا دوں گا۔'' (صحیح مسلم' جلد پنجم' صفحہ ۱۱۴)

گویا اسلام ایسی قیادت کا تصوّر پیش کرتا ہے جو مطلق العنان نہ ہو' ہر صورت میں من مانی کرنے والی نہ ہو بلکہ مشاورت سے مخلوقِ خدا کی صحیح سمت راہ نمائی کرنے والی ہو' فرائض و واجبات کی پابندی کرنے والی ہو اور اسی کی روشنی میں حقوق و فرائض متوازن و متساوی انداز میں چلانے والی ہو' تو وہی قیادت صحیح معنوں میں ''قیادت'' کے نام سے موسوم کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بدو بھی اطاعتِ فاروقی سے انکار کر دیتا ہے بہ ایں وجہ کہ قد کے لمبا ہونے کے باعث مالِ غنیمت میں ملنے والی چادر سے آپ کی قمیص نہیں بن سکتی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے جواب پر وہ مطمئن ہو کر خطبہ سنتا ہے۔

<u>اسلام کا تصوّرِ قیادت</u> :حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کے ضمن میں قرآنِ حکیم نے قیادت کا اصول بتایا ہے :

وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ٥ (اَلبقرۃ : ۱۲۴)

''اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ابراہیم کو اُن کے رب نے چند امور میں آزمایا اور اُنہوں نے وہ انجام دے دئے تو ارشاد ہوا کہ میں یقیناً تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ بولے: اور میری نسل میں سے بھی۔ فرمایا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچا کرتا۔'' (۱۲۴ : ۲)

امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ فقہائے اسلام اور متکلّمین (ماہرینِ علمِ کلام) اس آیت سے یہ دلیل دیتے ہیں کہ مسلمان معاشرے کی قیادت کسی فاسق و فاجر شخص کے سپرد کرنا جب تک وہ اپنے فسق و فجور پر قائم رہے' جائز نہیں ہے۔ (''مَفَاتِیحُ الغَیب''۔۔۔فخر الدین الرازی ۸۰:۳:۴۷۳:۱) قاہرہ ۱۳۰۷ھ

آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں علاّمہ زمَخشَری کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف اُن لوگوں کو جو انصاف قائم کر سکتے ہوں اور جو ہر قسم کے (بیرونی اور اندرونی) دباؤ سے آزاد ہوں' منصبِ قیادت پر فائز کیا جائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے علماء نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ بدکردار آدمی قیادت کے لئے نااہل ہوتا ہے جس کی وجہ' وہ کہتے ہیں کہ ظاہر ہے۔ وہ شخص جس کی گواہی اسلامی عدالت میں ناقابلِ قبول ہو' جسے اطاعت کے قابل ہی نہ سمجھا جاتا ہو اور جسے نماز کی امامت کرنے کی اجازت نہیں' اُسے کیونکر قیادت کی ذمہ داریاں سونپی جا سکتی ہیں! (تفسیر ''اَلکَشّاف''۔۔ الزمخشری ۹۲ : ۱) طبع قاہرہ ۱۳۴۵ھ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (اَلْحَجّ : ۴۱)

''(یہ لوگ ایسے ہیں کہ) اگر ہم اُنہیں زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز کی پابندی کریں، زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیکی کا حکم دیں اور برے کام سے روکیں۔'' (۴۱ : ۲۲)

اِس آیت (۴۱ : ۲۲) سے دو نتائج نکلتے ہیں: (۱) وہ ملک گیری کی ہوس یا عہدے اور منصب کے لئے نہیں لڑتے بلکہ اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی کے لئے حق کی خاطر لڑتے ہیں۔ (۲) وہ نہ تو اپنی رعایا کے حقوق کا استحصال کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے سفلی جذبات و خواہشات کی تسکین کرتے ہیں بلکہ وہ نیکی اور تقویٰ کا مکمل نمونہ ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں محمد اسد لکھتے ہیں:۔

''پس اسلامی ریاست بذاتِ خود ایک مقصد یا منتہائے مقصد نہیں ہے بلکہ اُس مقصد تک پہنچانے کا ذریعہ ہے یعنی لوگوں کے ایسے گروہ کی اُٹھان جو عدل و انصاف، مساوات اور باطل کے مقابل حق کی بالا دستی کے لئے سینہ سپر ہوں یا مختصراً یوں کہنا چاہئے کہ ایسے لوگوں کا گروہ جو ایسے حالات پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے کام کریں جو زیادہ سے زیادہ انسانوں کو اخلاقی اور مادّی لحاظ سے اسلام کے فطری قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل بنائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جس ناگزیر شرطِ اوّل کی ضرورت ہے، وہ معاشرہ کے افراد میں مضبوط رشتہِ اخوت کا پیدا کرنا ہے۔ قرآنی فرمودہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' (مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں) کو پیغمبرِ اسلام ﷺ نے متعدد مقامات پر زیادہ وضاحت سے بیان کیا اور فرمایا:

(۱) اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

''مؤمن مؤمن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کو مضبوطی سے تھامے ہوتا ہے۔''

(۲) اَلْمُسْلِمُ اَخُوا الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ، وَلَا يُسْلِمُهٗ، وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ نَفَّسَ كُرْبَةً عَنْ مُؤْمِنٍ نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ایضاً)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ تو اُس پر ظلم ڈھاتا ہے اور نہ ہی اُسے مصیبت میں تنہا چھوڑتا ہے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے تو اللہ اُس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کوئی کسی مؤمن کی تکلیف کو دُور کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکالیف میں سے کسی تکلیف کو اُس سے دُور کرے

گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

اب سوال یہ ہے کہ اس بھائی چارے (رشتۂ اخوت) کی جذباتی بنیاد کیا ہونی چاہئے؟ یقینی طور پر یہ قبائلی عصبیت یا قومی وفاداری تو ہو نہیں سکتی جو غیر مسلم معاشروں میں تمام سیاسی گروہ بندیوں کے لئے بقائے حیات کی وجہ بن جاتی ہے اور جس کی پیغمبرِ اسلام ﷺ نے بہ ایں الفاظ مذمّت فرمائی ہے کہ یہ سچے مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے:۔

''کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے وفات یافتہ آباء واجداد کی شیخی بگھارتے ہیں لیکن اللہ کی نظر میں وہ اُس سیاہ بھنورے سے بھی زیادہ قابلِ نفرت ہیں جو اپنی ناک سے گندگی کو گھماتا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت اور آباء واجداد کی شان وشوکت کے فخر وغرور کو دُور کر دیا ہے۔ آدمی یا تو خدا خوف مؤمن ہوتا ہے' یا بدنصیب معصیت پیشہ۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹّی سے پیدا کئے گئے۔''
(ترمذی' ابوداؤد بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سورۂ البقرۃ میں بیان ہوا کہ طالوت * کو اُن کی غربت وافلاس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسرائیلیوں کا بادشاہ بنایا جن کی بابت قرآن یوں فرماتا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوٓا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ (اَلْبَقَرَة: ۲۴۷)

''اور اُن سے اُن کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا ہے۔ وہ بولے: اُسے ہمارے اوپر امیری کیسے حاصل ہو سکتی ہے درآنحالیکہ ہم اُس سے بڑھ کر امیری کے مستحق ہیں اور اُسے مال میں بھی تو وسعت نہیں دی گئی ہے۔ (نبی نے) کہا کہ اُسے اللہ نے تمہارے مقابلہ میں منتخب کر لیا ہے اور اُسے علم وجسم (دونوں) میں کشادگی زیادہ دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے' دیتا ہے اور اللہ بڑا ہی وسعت والا' بڑا ہی علم والا ہے۔'' (۲۴۷ : ۲)

مُلْکَہٗ۔ مُلک کی نسبت اپنی طرف کر کے بتا دیا کہ درحقیقت سارے ملکوں کا وہی ایک ہی مالک ہے۔ اس واقعہ کے بیان کرنے میں قرآن مجید کا اصل مقصد یہ ہے کہ بادشاہت اور حکمرانی کے لئے کچھ اخلاقی اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے اور اُسے کسی کو عطا کرنے میں مقتدرِ اعلیٰ نسل یا خاندان' خون یا رشتہ داری اور عہدے اور منصب کو نہیں دیکھا

☆ قرآن مجید کی اس بلاغت کے قربان جائیے کہ اُس نے نام ہی ایسا رکھا جس سے بلند قامتی کی جانب پورا اشارہ ہو جائے چنانچہ اہلِ تحقیق کا ایک گروہ اس جانب گیا ہے کہ طالوت دراصل طولوت تھا اور طول سے مشتق۔ تو طالوت کو اُن کی بلند قامتی کی وجہ سے طالوت کہا گیا (معالم التنزیل)

کرتا۔ عَلِیۡم کے لفظ نے واضح کر دیا کہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس میں ملک گیری اور ملک داری کی صلاحیت موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ایک حکمران کے لئے جسمانی توانائی اور لوگوں اور اُن کے حالات سے باخبری کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ اگر چہ قرآن نے یہاں اَلۡــجِسۡــم کا لفظ (بمعنی قامت) استعمال کیا ہے جس کا مطلب اکثر مفسرین نے جسمانی طاقت کا لیا ہے اور اس کے پسِ پردہ جسمانی (سفلی) جذبات پر قابو پانے کا نظریہ ہے جس کا قدرتی نتیجہ حد درجہ جسمانی قوّت میں نکلتا ہے۔ بہر حال قرآن مجید نے اسرائیلیوں کے مادیت گزیدہ رویّے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جن کے خیال میں طالوت غربت کی وجہ سے حکمرانی کے اہل نہیں تھے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ انسان میں ودیعت کئے گئے اُن روحانی عناصر کو زیادہ وزن دیا کریں جو سماجی ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس آیت سے علامہ ابن کثیر نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ایک حکمران کو صاحبِ علم اور عمدہ خدوخال والا ہونے کے علاوہ خاصی جسمانی قوّت والا اور ضبطِ نفس کا مالک بھی ہونا چاہئے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ زَادَہٗ بَسۡطَةً فِی الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ (اُسے علم وجسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے) میں اہم اشارہ یہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی خصوصیات کو محض جسمانی خصوصیات پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ آیت میں علم (حکمت) کا ذکر پہلے اور جسمانی قد و قامت کا ذکر بعد میں ہوا ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ نے اسلامی معاشرہ میں غریب و امیر، حاکم ومحکوم میں عدل ومساوات قائم کر کے جن اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار سے اُسے ہمکنار کیا، ایسا معاشرہ کسی مطلق العنان کو بطور سربراہ برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا کوئی مطلق العنان شخص اسلامی مملکت کا سربراہ نہیں بن سکتا اور اِس حقیقت نے ''بادشاہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا'' کے نظریہ کو مسترد کر دیا۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری ہے کہ کوئی غیر مسلم اُس کا سربراہ نہیں ہو سکتا۔

حکمران کے بارہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ : سورۃُ الانبیاء کی مندرجہ ذیل آیت

وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ۝ (الانبیاء: ۱۰۵)

''اور ہم نے لوحِ محفوظ میں لکھنے کے بعد کتبِ آسمانی میں لکھ رکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔'' (۱۰۵ : ۲۱)

کا حوالہ دیتے ہوئے بعض لوگ اِس بات کے مدعی ہیں کہ حکمرانی (بادشاہت) کا کسی شخص کو دیا جانا اُس شخص کے درست ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ مرضیِ مولا نے اُسے حکمران منتخب کیا ہے۔ لیکن یہ انتہا درجے کی غلط فہمی ہے جو اصلاح طلب ہے۔

زیرِ نظر آیت ۱۰۵ کو اس سے ماقبل آیت ۱۰۴ سے جوڑا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ ۱۰۵ یوم حساب سے متعلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نیک اور صالح بندے جنتِ ارضی کے وارث ہوں گے۔ لہٰذا آیت مذکورہ کا

اِس دنیا کی زمین سے کوئی تعلق نہیں اور معترضین کا خیال اس لحاظ سے بالکل غلط ہے۔

قرآن مجید میں الارض کا اطلاق ارضِ جنّت پر بھی ہوا ہے جیسا کہ اس آیت میں :
وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَه، وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (أَلزُّمَر : ۷۴)
''اور وہ (اہلِ جنت) کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں (اِس) زمین کا مالک کر دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں' تو غرض کہ عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا انعام ہے!'' (۳۹: ۷۴)

چنانچہ یہاں بھی یہی معنی محققین سے منقول ہیں اوراس طبقہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کرا کابر تابعین تک سب شامل ہیں۔ یوں بھی عربی میں اَرض کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور جس طرح سَماء کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو سر کے اوپر ہو' اسی طرح اَرض کے اطلاق میں ہر وہ چیز شامل ہے جو پاؤں کے نیچے ہو (مفردات امام راغب)

جہاں تک اِس دنیا کی حکمرانی کا تعلق ہے تو وہ کبھی نیک اور خدا خوف بندوں کو دی جاتی ہے اور کبھی اللہ کے دشمنوں اور باغیوں کو۔ اس حقیقت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا :۔
اِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (الاعراف : ۱۲۸)
''زمین اللہ ہی کی ہے' وہ جسے چاہے اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دے۔'' (۷:۱۲۸)

آیت میں یہ اہم حقیقت صاف ہو گئی کہ دنیاوی حاکمیت' مقبولیت اور حقانیت کا معیار نہیں بلکہ وہ مصالح تکوینی کے تابع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو حاکم ہے وہ مقبول ہی ہو اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جو مقبول ہے وہ حاکم ہو۔ محکومیت' مقبولیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے' دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انسانی تہذیب کی ابتدا ہی سے کتنے ہی ظالم و جابر' درندہ صفت اور نا اہل و نالائق حکمران تختِ شاہی پر متمکن رہے جن کے مظالم اور نا اہلی سے اُن کی اپنی قوم نالاں رہی۔ حصولِ حکومت کو صلاحیت کا معیار قرار دینے والے کیا ایسے حکمرانوں کو بھی صالح ہونے کی سند دیں گے؟ کیا ہٹلر کا نام اُس کے اپنے ہم وطنوں میں آج ایک گالی بن کر نہیں رہ گیا؟ سٹالن کی زندگی میں اُس کی پوجا کرنے والوں نے اُس کے مرنے کے بعد اپنے ہی ہاتھوں سے اُس کی ہڈیاں کریملن کے مقبرے سے نکال کر باہر نہیں پھینک دیں؟ اگر دنیاوی حکمرانی اور مادّی ترقی کو ہی آپ صالحیت کا معیار قرار دیں گے تو قرآن کریم کی بے شمار آیات کی تحریف کے مرتکب ہونے کے ساتھ آپ تاریخ کی عدالت میں بھی ایک مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ آپ نے ہر اُس شخص کو قرآنی اصطلاح میں ''صالح'' کہہ دیا جس نے کسی طرح

زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی' خواہ اُس نے تمدن و حضارت کے سب روشن چراغ بجھا دیئے ہوں' خواہ اُس کی فتوحات سے کاروانِ انسانیت کی ترقی رُک گئی ہو' خواہ اُس کی خونخواریوں اور سفاکیوں کی وجہ سے عالمِ انسانیت پر بربریّت' وحشت اور جہالت کی شبِ دیجور چھا گئی ہو۔ (''ضیاء القرآن''۔۔کرم شاہ الازہری' ج ۳' ص ۱۸۹)

خلیفہ اور بادشاہ کے مابین فرق: سلیمان بن عوجاء بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے سامعین سے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ آیا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ ایک آدمی نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ آدمی نے کہا:

''اَلْخَلِيْفَةُ لَا يَأْخُذُ إِلَّا حَقًّا وَلَا يَضَعُهٗ إِلَّا فِيْ حَقِّهٖ وَأَنْتَ بِحَمْدِاللّٰهِ كَذٰلِكَ وَالْمَلِكُ يَعْسِفُ النَّاسَ فَيَأْخُذُ مِنْ هٰذَا وَيُعْطِيْ هٰذَا فَسَكَتَ عُمَرُ (حاشیہ تفسیر مظہری بحوالہ ضیاء القرآن' ج ۴' ص ۲۳۸)

''خلیفہ وہ ہے جو عدل و انصاف کے ساتھ لیتا ہے اور اُسے صحیح طور پر خرچ کرتا ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ آپ ایسے ہی ہیں۔ بادشاہ وہ ہوتا ہے جو اپنی رعایا پر جابر و ظالم ہوتا ہے' حرماں نصیبوں سے لے کر غیر مستحقین کو دیتا ہے۔ اس پر عمر مطمئن ہو گئے۔''

خلیفہ اور بادشاہ کے درمیان فرق کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل بیان میں خوب واضح کیا گیا ہے:

اَلْخَلِيْفَةُ الَّذِيْ يَعْدِلُ فِي الرَّعِيَّةِ وَيَقْسِمُ بَيْنَهُمْ بِالسَّوِيَّةِ وَيَشْفِقُ عَلَيْهِمْ شَفْقَةَ الرَّجُلِ عَلٰى أَهْلِهٖ وَ يَقْضِيْ بِكِتٰبِ اللّٰهِ (ضیاء القرآن' ج ۴' ص ۲۳۸)

''خلیفہ وہ ہے جو رعایا میں عدل و انصاف کرتا ہے' اُن میں برابری کی بنیاد پر تقسیم کرتا ہے اور اُن پر اُسی طرح مہربان ہوتا ہے جس طرح ایک شخص اپنے اہل و عیال پر مہربان ہوتا ہے اور وہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔''

مطلق العنان بادشاہ کی ذہنیت: قرآن مجید نے مصری بادشاہ جس کا لقب ''فرعون'' (اور جس کا نام رعمسیس) تھا' جو موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا' کی مطلق العنانیت کی صحیح تصویر کھینچی ہے:

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ أَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْأَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ أَمْ أَنَا خَيْرٌ'' مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ'' وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ (اَلزُّخرُف: ۵۱' ۵۲)

''اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرا دی اور کہا کہ اے میری قوم والو! کیا مصر کی سلطنت میری نہیں اور یہ نہریں میری ماتحتی میں بہہ رہی ہیں' * کیا تم (سب) یہ نہیں دیکھتے ہو؟ تو (بھلا بتاؤ) کیا میں افضل (نہیں) ہوں اُس شخص سے جو بے وقعت ہے اور بولنا تک اُسے نہیں آتا!'' (۵۱' ۵۲ : ۴۳)

☆ فرعون نے مصر کے دریاؤں کو اپنی سلطنت کا کمال قرار دیتے ہوئے شیخی بگھیری تھی' مصر کے دریاؤں کا پانی ہی اُسے لے ڈوبا۔

مطلق العنان بادشاہوں کی کج فطرتی کو سورۃ النمل کی آیت ۳۴ میں دیکھا جا سکتا ہے جب ملکہ سبا (بلقیس) نے اپنے درباریوں سے کہا تھا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اُسے تہ و بالا کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو وہ ذلیل کر دیتے ہیں۔ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ نے مطلق العنان بادشاہوں کو لگام دے دی کہ اپنے تنازعات کے فیصلے کے لئے اللہ اور اُس کے رسول (کتاب و سنت) کی طرف رجوع کیا کرو۔

<u>سربراہِ مملکت کی اہلیت کی شرائط</u> : عبدالقاہر البغدادی نے سربراہِ مملکت کے لئے درج ذیل چار شرائط کا ہونا ضروری قرار دیا ہے :

(۱) قرآن وحدیث میں بیان کردہ احکامات اور منہیات کا اُسے بخوبی علم ہو۔

(۲) وہ اعلیٰ کردار اور اسلام کے پیش کردہ اعلیٰ ضابطہ اخلاق کا حامل ہو۔

(۳) حکومت کے مختلف معاملات اور انتظامی امور میں احسن فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور جنگی امور سے بھی نمٹنے کی بھی اُس میں صلاحیت ہو۔

(۴) اُس کا قریشی النسل ہونا زیادہ بہتر ہے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اب اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ خلیفہ کا قانون کا علم پختہ اور غیر ناقص ہونا چاہئے' وہ اعلیٰ وارفع کردار کا حامل ہو' اُس میں حکومت کو سنبھالنے کی اہلیت ہو' وہ قائدانہ صلاحیتوں کا حامل ہو اور جسمانی اور ذہنی عیوب سے پاک ہو۔ (مقدمہ ابن خلدون)

<u>سربراہِ مملکت کے فرائض</u> :علامہ الماوردی نے اُس کے فرائض حسبِ ذیل گنوائے ہیں :

(۱) دینِ اسلام کے مستحکم اصولوں کا تحفظ۔

(۲) وہ تمام مقدمات کا فیصلہ شرعی قوانین کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ کرے۔ وہ طاقتور کو کمزور کا استحصال کرنے سے روکے اور طاقتور سے کمزور کو اُس کا حق دلانے میں کمزور کی مدد کرے۔

(۳) عوام کی امن و آشتی کی زندگی کے لئے وہ نظم وضبط کو قائم رکھے تاکہ عوام کی اقتصادی سرگرمیاں اضافہ پذیر ہوں اور وہ ملک میں بغیر کسی خوف وخطر کے آزادانہ چل پھر سکیں۔

(۴) وہ قرآن کے پیش کردہ ضابطہ جرم کا نفاذ کرے تاکہ لوگوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو۔

(۵) غیر ملکی حملوں سے وہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرے تاکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی زندگی اور جائداد کی ضمانت حاصل ہو۔

(۶) وہ مخالفین اور دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کے لئے ہر وقت تیار اور شمشیر بکف رہے۔

(۷) شرعی قانون کے مطابق وہ لوگوں سے خراج' عشر اور زکوٰۃ کی وصولی کرے۔

(۸) اہل اور مستحق لوگوں کے لئے وہ بیت المال سے وظائف اور الاؤنس مقرر کرے۔
(۹) وہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر اور خزانے (بیت المال) میں ایماندار مخلص لوگوں کا تعین کرے۔
(۱۰) وہ حکومتی معاملات پر کڑی نگاہ رکھے تاکہ وہ اس کی حکمتِ عملی (پالیسی) خود وضع کر سکے اور عوام کے مفاد کا تحفظ کر سکے۔ (''الاحکام السلطانیہ''۔۔۔المادردی' صفحہ ۱۱)

سربراہِ مملکت کی ذمہ داریوں سے متعلق احادیثِ مبارکہ: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(۱) ''مسلمان رعایا کا اگر کوئی گورنر اُن سے ناانصافی کرتے ہوئے مر گیا تو اُس کا نام جنتیوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)
(۲) ''جو شخص اپنی رعایا کا حاکم بنایا جائے اور پھر وہ عمدہ مشاورت سے اُن کا تحفظ نہ کر سکے تو وہ جنت کی خوشبو تک سے محروم رہے گا۔''
(۳) ''عدل و انصاف کرنے والے حاکم رحیم و کریم اللہ کے دائیں طرف نور کے منبروں پر ہوں گے۔''
(۴) ''جس کسی کو دس آدمیوں پر حاکم بنایا گیا' اُسے روزِ قیامت پابہ زنجیر لایا جائے گا یہاں تک کہ انصاف اُس کی زنجیروں کو ہلکا کر دے یا ظلم و جبر اُسے تباہ کر دے۔'' (دارمی)
(۵) ''گورنروں' وڈیروں اور نگہبانوں کے لئے ہلاکت ہے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اس بات کی تمنا کریں گے کہ اُن کی پیشانی کے بال جھمکڑوں (Pleiades) سے بندھے ہوتے اور وہ آسمان اور زمین کے درمیان جھول رہے ہوتے اور یہ کہ انہوں نے حکمرانی کی کبھی خواہش نہ کی ہوتی۔''
(۶) ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا اور اس کا مقرب عادل و منصف قائد ہوگا اور اُس کے نزدیک انتہائی نفرت والا' شدید ترین سزا پانے والا اور اُس سے دُور جابر و ظالم حکمران (امام) ہوگا۔'' (ترمذی)
(۷) ''اللہ تعالیٰ اُس شخص کی ضروریات اور غربت کی طرف نگاہ نہیں کرتا جسے اُس نے حاکم بنایا اور پھر اُس نے لوگوں کی ضروریات اور اُن کی غربت کا خیال نہ رکھا۔''

سربراہِ مملکت کی ذمہ داریوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا اللہ کے حضور جوابدہ ہوگا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اُس کی حیثیت ایک چرواہے کی سی ہے جو ریوڑ کا ذمہ دار ہوتا ہے (صحیح بخاری) اور اللہ اُسے جنت سے محروم کر دے گا جو اپنی رعایا سے ناجائز رویہ اختیار کرتا ہے۔

یہ تمام احادیث اس بات کی توثیق میں ہیں کہ اللہ کی نظر میں حقوق العباد کی ادائیگی حقوق اللہ سے متعلق کسی شخص کے ذاتی اعمال کی بہ نسبت زیادہ وزنی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقوق اللہ سے متعلق اُس کی تمام عبادات

اُس کا ذاتی معاملہ ہیں اور زبانی اطاعت الٰہی ہے۔ جب تک اللہ پر ایمان کے اس زبانی اظہار کی توثیق حقوق العباد کی عادلانہ اور بہ احسن طریق ادائیگی سے نہ ہو جائے جو اس عقیدے کا بنیادی تقاضا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ تو اس زبانی اعتراف کی کوئی قدر و قیمت ہے اور نہ مذہبی رسوم وضوابط کی ادائیگی کا کوئی مقام ہے۔''

''یہی وجہ ہے کہ بہت سے حکمران' گورنر اور قاضی جو عبادات کی ادائیگی میں بہت ہی پابند رہے ہوں' محض اس وجہ سے داخلِ جہنم کر دئے جائیں کہ انہوں نے لوگوں کے معاملات کا فیصلہ عدل وانصاف اور مساوات کی بنیاد پر نہیں کیا بلکہ ظلم وتشدد اور بے انصافی اُن کا شیوہ رہا۔ لہٰذا یہ نیکی اور انصاف یا بدی اور جارحیت کے کام ہی ہیں جن پر کامیابی وکامرانی یا ناکامی ونامرادی کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ محض زبانی اعتراف اور عبادات کی ادائیگی اللہ پر حقیقی' مخلصانہ اور بہ خلوصِ دل ایمان کا کافی ثبوت نہیں۔ اُنہیں کامل ایماندارانہ' مخلصانہ' بے غرضانہ حقوق العباد کی ادائیگی کی حمایت حاصل ہونی چاہئے اور اُس کی پارسائی' عمدگی اور انصاف کا ٹھوس ثبوت ہونا چاہئے۔''
(''انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ'' جلد ہفتم' صفحات ۲۶' ۲۷)

<u>اسلامی سربراہِ مملکت کے اختیارات</u> :سورہ صٓ کی آیت ۲۶ میں حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے اُس طریقے کی نشاندہی کر دی گئی ہے جنہیں سربراہِ مملکت کو اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اور لوگوں پر حکومت کرتے ہوئے اپنانا چاہئے۔ فرمایا گیا :

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ٥

''اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے' سو آپ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے رہئے اور (آئندہ بھی) نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ وہ راہِ خدا سے آپ کو بھٹکا دے گی' بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ روزِ حساب کو بھولے رہے۔'' (۳۸ : ۲۶)

درجِ بالا قرآنی آیت سے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں :

(۱) خلافت یا ملک کی حکمرانی اللہ کی طرف سے امانت ہے۔ یہ کوئی ذاتی شان وشوکت یا نمود ونمائش کا معاملہ نہیں۔

(۲) ایک امین ہونے کی حیثیت سے سربراہِ مملکت رضائے الٰہی کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اپنی مرضی چلانے کا مجاز نہیں۔

(۳) سربراہ ہونے کی بنیاد پر اُسے ایک عام آدمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ وہ قانونِ الٰہی کے نفاذ کے

لئے زمین پر اللہ کا نائب ہے۔

(۴) سربراہِ مملکت کا سب سے اہم فرض عدل و انصاف کا قیام ہے تا کہ کوئی شخص اپنے جائز' قانونی حق سے محروم نہ رہے۔ خود غرضانہ مصلحتیں یا ذاتی مقاصد و اغراض اس اعلیٰ و ارفع مقصد کی راہ میں حائل نہ ہونے پائیں۔ خطرات اور دھوکہ دہی کے مواقع پر اُسے ایک مناسب' شریفانہ راہ کے اختیار کرنے کا اہل ہونا چاہئے۔

(۵) بیت المال خلیفہ کی جائداد نہیں ہے اور اُسے اُس کے غلط استعمال کا کوئی حق نہیں ہے۔

(۶) اُسے اپنے ہمہ داں' ہمہ بیں اللہ کے حضور اپنی جوابدہی کو نہیں بھولنا چاہئے۔

قرآن مجید نے سربراہِ مملکت کو شہنشاہ' بادشاہ' سلطان' چیئرمین وغیرہ کے القاب نہیں دئے کیونکہ اِن القاب میں محو بالذات (Self-centredness)' انانیت (Egoism) اور ''میں اور میرا'' پر شدید اصرار (Egotism) کی بو آتی ہے۔ بلکہ اُسے ''خلیفہ'' کا نام دیا گیا ہے بایں معنیٰ کہ وہ خود مختار اور انانیت کا مجسمہ نہیں بلکہ اپنے خالق و مالک کا نائب ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے قوانین کا نفاذ اور اُس کی عطا کردہ صلاحیتوں سے اُس کی رضا کے مطابق استفادہ کرنا ہوتا ہے۔ ''خلافت'' دراصل نیابت اور ایک امانت ہے۔ امانت کا سپرد کرنے والا امین سے اس کے صحیح استعمال کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمان حکمران قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ بادشاہ کے مغربی نظریے کا موازنہ اسلامی ریاست کے سربراہ سے کیجئے:

''کہاوت کہ 'بادشاہ کوئی غلطی نہیں کرسکتا' کا مطلب صرف یہی نہیں کہ اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی بلکہ یہ بھی ہے کہ کسی غلطی کو اُس کی طرف منسوب بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے کسی کو غلطی کا ارتکاب کرنے کا کہا ہو۔۔۔ دراصل شہنشاہ کی نجی حیثیت میں اُس کے خلاف حقوق کی بازیابی کے لئے کوئی عدالتی درخواست درج نہیں کی گئی۔'' ("Constitutional & Administrative Law" ... O. Hood Phillips, pp. 548, 560) London, 1973

کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کوئی گورنر کسی کی حق تلفی کرے تو کیا اُسے تلافی کرنا ہوگی؟ آپ نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ اپنی ذاتِ اقدس کو بھی انتقامی کارروائی کے لئے پیش کر دیتے تھے۔''
(''کتاب الخراج''۔۔۔امام ابو یوسف' صفحہ ۶۶)

<u>سربراہِ مملکت کے اختیارات کی حدود</u>: سورۃ النساء کی آیت ۵۹: أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (اللہ' اس کے رسول اور اپنے میں سے اصحابِ اختیار کی اطاعت کرو) سربراہ کو آمریت کے حقوق کی کھلی چھٹی نہیں دے دیتی کیونکہ آیت سے متصل ہی یہ عبارت ہے: اگر تمہارا اللہ اور یومِ آخرت

پر ایمان ہے تو اُس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ اس لئے سربراہِ مملکت کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ احکاماتِ الٰہی کی اطاعت اور اُن کی پابندی کرے یعنی انصاف اور حق وصداقت کے ساتھ حکمرانی کرے۔ خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ کا پہلا خطبہ اِسی حکمِ الٰہی کی تعمیل میں تھا جس میں فرمایا:

''جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو اور جب میں اُس کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرو۔ میں تمہاری طرح کا انسان ہوں' جب تم مجھے صراطِ مستقیم پر پاؤ تو میری اتباع کرو اور اگر تم مجھے اُس راہ سے منحرف ہوتا ہوا دیکھو تو مجھے سیدھا کر دو۔'' (ابنِ قتیبہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جمہوری حکومت اس قدر مشہور ومعروف ہے کہ اُس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک بیچاری بڑھیا بھی آپ کی مختار کاری (Authority) کو للکار سکتی تھی جب آپ نے بیوی کے حقِ مہر کی تحدید کرنا چاہی۔ ایک عام شخص آپ کو نافرمانی کرنے کی دھمکی دے سکتا تھا جب تک کہ آپ یہ واضح نہ کریں کہ مالِ غنیمت میں لئے ہوئے چھوٹے سے کپڑے سے آپ کی قمیص کیسے بن گئی۔

تاہم سربراہ کی کبھی کبھار کی غلطی عوام کو اُس کی حکومت کے خلاف بغاوت کی اجازت نہیں دیتی جب تک عوام کی اکثریت نے اس کے خلاف بغاوت کا اعلان نہ کر دیا ہو۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَآی مِنْ اَمِیْرِهٖ شَیْئًا فَکَرِهَ فَلْیَصْبِرْ فَاِنَّهٗ لَیْسَ اَحَدٌ یُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ فَیَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً

''جو کوئی اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو اُسے صبر کرنا چاہئے کیونکہ جو کوئی بھی متحدہ سماج سے بالشت بھر بھی جدا ہوتا ہے اور اُسی حالت میں مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' (صحیح مسلم)

تو پھر ایک غیر عادل حکومت کو کب تک اور کس حد تک اُس کی رعایا برداشت کرے؟ اس سوال کا جواب کئی مستند احادیث میں ملتا ہے بالخصوص مندرجہ ذیل دو احادیث سے جنہیں اکٹھا ملا کر پڑھا جائے۔ آپ نے فرمایا:

(۱) خِیَارُ اَئِمَّتِکُمُ الَّذِیْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَیُحِبُّوْنَکُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَیْهِمْ وَیُصَلُّوْنَ عَلَیْکُمْ وَشِرَارُ اَئِمَّتِکُمُ الَّذِیْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَیُبْغِضُوْنَکُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَیَلْعَنُوْنَکُمْ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِکَ؟ قَالَ: لَا مَا اَقَامُوْا فِیْکُمُ الصَّلٰوةَ مَا اَقَامُوْا فِیْکُمُ الصَّلٰوةَ (بخاری' مسلم)

''تمہارے قائدین میں سے بہترین وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں' تم اُن کے لئے دعا گو رہتے ہو اور وہ تمہارے لئے دعا گو رہتے ہیں۔ اور تمہارے قائدین میں سے بُرے وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں' تم اُن پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہیں۔

ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ایسی صورت میں ہم اُن کا تختہ نہ الٹ دیں؟ فرمایا: نہیں' جب تک وہ تم میں نماز کی پابندی کرتے رہیں' جب تک وہ تم میں نماز کی پابندی کرتے رہیں۔''

(۲) عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ صَامِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ: دَعَانَا النَّبِيُّ ﷺ فَبَايَعْنَاهُ فَقَالَ فِيْمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعْنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِيْ مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَ يُسْرِنَا وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَأَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ أَهْلَه' إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحاً عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ بُرْهَان'' (بخاری)

''عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں بلا بھیجا اور ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ نے ہم پر ہر آرام و آسائش اور تکلیف کے وقت بات کے سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا فرض عائد کر دیا اور ہمیں تاکیداً کہا کہ جب تک ہم کسی حکمران میں واضح طور پر کفر کی بات دیکھ نہ لیں' ہم اُسے اُس کے اقتدار سے محروم نہ کریں جس کا وہ امین بنایا گیا ہے اور جس کا کھلا ثبوت تمہارے پاس کتاب اللہ میں موجود ہے۔'' (صحیح بخاری)

اس مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کے سیاق وسباق سے درج ذیل چار اصول اخذ ہوتے ہیں:

(۱) جب تک ''امیر'' قانوناً قائم کی گئی حکومت کی نمائندگی کرتا رہے تو ملک کے تمام باشندوں پر اُس کی وفاداری اور اطاعت کرنا ہو لازم ہے اگرچہ ایک یا ایک سے زائد لوگ اُسے یا اُس کے انتظامی امور کو ناپسند کریں۔

(۲) اگر حکومت کوئی ایسا قانون یا ضابطہ صادر کرے جسے شریعت کے مفہوم میں گناہ کا ارتکاب سمجھا جاتا ہو تو ان قوانین وضوابط کی اطاعت نہیں ہو گی۔

(۳) اگر حکومت علی الاعلان اور عمداً قرآنِ حکیم کی کسی نص کے خلاف اپنے موقف پر مصر ہو تو اسے کفر کا ارتکاب سمجھا جائے گا جس سے اُسے اقتدار سے علیحدہ کر دیا جائے۔

(۴) اقتدار سے یہ علیحدگی سماج کی کسی اقلیت کی جانب سے مسلح بغاوت کی صورت میں نہیں ہونی چاہیے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنبیہ فرمائی ہے:

(i) ''جو شخص ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے' اُس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں'' (یعنی مسلم معاشرے سے اُس کا کوئی تعلق نہیں) (صحیح بخاری' صحیح مسلم بہ روایت ابو ہریرہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)

(ii) ''جو کوئی اپنی تلوار کو ہمارے خلاف نیام سے باہر نکالے' وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔'' (صحیح مسلم بروایت سلمان ابن اکوع رضی اللہ عنہ)

''اس طرح رعایا کا حکومت کی سرگرمیوں کی نگرانی کرنے یا اُس پر تنقید کرنے کے حق کو اور بالآخر اُسے حکومت سے معزول کرنے کو کسی بھی طرح ایک فرد یا طبقے کی جانب سے بغاوت کے (غیر موجود) حق کے ساتھ گڈمڈ نہ کیا جائے۔ مسلم حکومت صرف جمہور عوام کے علی الاعلان فیصلہ پر ہی حتی الوسع پُرامن ذرائع سے معزول ہوگی اور اگر ضرورت ہو تو طاقت بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔'' ("The Principles of State and Government in Islam"... Muhammad Asad, pp. 79, 80)

حاکمِ وقت کو اپنے آپ سے خوشامدیوں کو دُور رکھنا چاہیئے: ''خلافت'' کے ذمّہ دارانہ منصب کا کام حکومتی معاملات اور عوامی معاملات کو اُن کے صحیح تناظر میں دیکھنا ہوتا ہے نہ کہ خوشامدیوں کے رنگین چشموں سے جو غلط کاریوں اور اپنے وقت کے حاکموں کی جابرانہ سرگرمیوں کو خوبصورت بنا کر دکھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ حکمران جماعت کو غیر انسانی پالیسیوں سے روکنے کی بجائے خوشامدی اُنہیں ایسے پُرکشش اور پُرجاذب انداز میں پیش کرتے ہیں کہ حکمران طبقہ اُن قبیح و مذموم کاموں کو صحیح اور نیکی کے کام سمجھنے لگتا ہے۔ بدی کو اپنے سامنے پنپتا ہوا دیکھ کر بھی ''سب اچھا ہے'' کا نعرہ لگانا اُن کی فطرتِ بد ہوتی ہے۔۔ آمرانہ اور جابرانہ قوانین کی تشکیل کی ناگزیریت اِنہی خوشامدیوں کی طرف سے حکمرانوں کی راہ بری کا نتیجہ ہوتی ہے اور جب ملکی سطح پر اِن غیر انسانی قوانین کے خلاف احتجاج ہوتا ہے تو احتجاج کرنے والوں پر ملک دشمن ایجنٹوں کا الزام لگا دیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہی محرکین (یعنی خوشامدی) حکمران طبقہ کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں۔

قرآنِ مجید ہمیں بالعموم اور حکمران جماعت کو بالخصوص خوشامدیوں سے دُور رکھنے کی ہدایت کرتا ہے تاکہ تمام ماحول کو اُس کے اصل اور صحیح تناظر میں دیکھا جا سکے اور یہ کہ اُن خوشامدیوں کے غیر حقیقی بیانات سے حالات غلط روش پر تو نہیں جا رہے جن کا مقصد صرف اور صرف اپنے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ O (حٰمٓ السجدۃ: ۲۵)

''اور ہم نے اُن کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیاطین) مقرر کر دیئے' سو اُنہوں نے اُن کے لئے وہ (تمام برے اعمال) خوشنما کر دکھائے جو اُن کے آگے اور اُن کے پیچھے تھے اور اُن پر (وہی) فرمانِ عذاب پورا ہو کے رہا جو اُن اُمتوں کے بارے میں صادر ہو چکا تھا جو جنات اور انسانوں میں سے اُن سے پہلے گزر چکی تھیں۔ بے شک وہ نقصان اٹھانے والے تھے۔'' (۲۵ : ۴۱)

حکمران کب اپنے لقب اور مختار کاری سے محروم ہوتا ہے؟ الماوردی کہتے ہیں کہ امام (یعنی حکمران) درجِ ذیل وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے پائے جانے سے اپنے لقب اور مختار کاری سے محروم ہو جاتا ہے:

(1) اگر اُس کی اخلاقی حیثیت میں جسے تکنیکی لحاظ سے ''عدالت'' کہتے ہیں' کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اخلاقی تبدیلی کی دو قسمیں ہیں :

(الف) ایک کا تعلق اُس کے جسم سے ہے یعنی اگر وہ اپنی سفلی اور غیر معتدل خواہشات کا اسیر بن جائے اور علی الاعلان شریعت کی ممنوعات کو حقیر جانے یا اُن کا تمسخر اڑائے تو ایسی صورت میں نہ تو وہ الیکشن لڑ سکتا ہے اور نہ ہی وہ حکمرانی کے منصب پر رہ سکتا ہے۔ (''الاحکام السلطانیہ'' لماوردی' صفحہ ۳۱)

(ب) اگر اُس کی رائے اسلام کے مستحکم اصولوں کے خلاف ہو یا وہ رائے ایسی کج اور ٹیڑھی ہو جو اسلام کے مستحکم اصولوں کی تنسیخ کی حمایت میں ہو تو نہ تو اُس کے امام بنائے جانے کی تجویز دی جا سکتی ہے اور نہ ہی وہ سربراہی کے منصب کو جاری رکھنے کا مجاز ہے۔ (ایضاً صفحہ ۳۲)

(2) اگر اُس کی ذات میں کوئی تبدیلی واقع ہو تو اُس کی تین قسمیں ہیں: حواسِ جسمانی کا ضیاع' جسمانی اعضاء کا ضیاع اور نگرانی اور ہدایت کاری کی صلاحیت کا ضیاع۔

(الف) اُن نقائص میں سے جو حواسِ جسمانی میں واقع ہوتے ہیں' دو اہم ایسے ہیں جو آدمی کو امامت کے الیکشن سے یا اُسے امامت کے منصب کو جاری رکھنے میں رکاوٹ ہیں اور وہ ذہنی صلاحیت کا فقدان اور بینائی کا ضائع ہونا ہے۔ اوّل الذکر صورت واضح ہے اور اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن دوسری صورت کا اسلامی تاریخ کے بہاؤ میں گہرا اثر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں عدالتی رائے یہ ہے کہ ایک نابینا شخص گواہی دینے اور قانونی عدالت میں جج یا قاضی بننے کا اہل نہیں ہے تو سربراہِ مملکت کی حیثیت سے بھی کام کرنے کا وہ اہل نہیں ہے۔ (ایضاً' صفحہ ۳۳)

(ب) جسمانی اعضاء کے ضیاع کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر تو وہ ضیاع معمولاتی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہیں ہے اور وہ خد و خال یا جسم کے بیرونی حسن و جمال کو بدنما نہیں بناتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثال کے طور پر مرد کے عضوِ مخصوص کا ضیاع اُسے بے اثر اور نکما نہیں کر دیتا۔

(ج) نگرانی اور ہدایت کے ضیاع کی دو قسمیں ہیں: (i) اگر امام اپنے کسی ایسے مشیر یا معاون سے مغلوب ہو کر بے اثر ہو جائے جس نے تمام اختیارات اپنے نام ہتھیا لئے ہوں لیکن وہ کھلے بندوں امام کی مخالفت نہیں کرتا تو امام اپنے منصب پر برقرار رہے گا بشرطیکہ غاصب' شریعت کے احکامات کے مطابق حکمرانی کرے اور عدل و انصاف کے مسلّمہ معیاروں کا احترام کرے۔ یہ اس بات کی یقین دہانی کے لئے ہے کہ امامت کا منصب جاری رہے اور یہ کہ لوگ احکامِ شریعت کے عدمِ نفاذ کی وجہ سے بدراہ نہ ہو جائیں (ایضاً' صفحہ ۳۷) لیکن اگر اُس غاصب کا رویّہ مذہب اور عدل و انصاف کے اصولوں کے خلاف ہو تو اُسے اُس منصب میں برداشت نہیں کیا جائے گا اور امام کسی ایسے شخص کی مدد طلب کرے گا جو اُس غاصب کو نکال باہر کر کے اعلیٰ خود مختاری خلیفہ کو بحال کر دے۔ (ایضاً صفحہ ۳۸)

(ii) اگر امام کسی دشمن کے ہاتھوں قید ہو جائے تو اُسے قید سے آزاد کرانے کی ذمہ داری تمام امت مسلمہ کی ہے (ایضاً صفحہ ۳۸)۔ اور جب تک اُس کی آزادی کی کوئی امید ہو تو وہ امامت کے منصب کو جاری رکھے گا اور اُس کی عدم موجودگی میں کسی اور کو اُس کی نیابت کرنے کے لئے منتخب کیا جائے گا۔ لیکن اگر آزادی کی امید کی کوئی بھی کرن باقی نہ ہو تو اُسے امامت کے منصب سے سبکدوش سمجھا جائے گا اور ایک نیا الیکشن منعقد ہو گا۔ (ایضاً' صفحہ ۴۰)

نماز کی امامت اور اجتماعی نماز کی اہمیت: قرآن حکیم کا حکم ہے :۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ (البقرة:۴۳)

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ جھکتے رہو۔'' (۴۳ : ۲)

آیتِ مذکورہ میں لفظ مَعَ جماعت اور ایک جگہ پر جمع ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ لہٰذا نماز با جماعت ادا کرنا واجب ہے اور کچھ فقہاء کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے جس کا انکار سزائے الٰہی کا موجب ہے بالخصوص جبکہ نزدیکی مسجد ویران اور الگ تھلگ ہو۔ (''الجامع لاحکام القرآن''۔ القرطبی' ج ا' ص ۳۵۰)

اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ

''مسجد کے ہمسائے صرف مسجد ہی میں نماز ادا کریں۔''

اس سلسلہ میں حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ ایک نابینا صحابی' ابنِ اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی کہ مجھے مسجد کی طرف لانے والا کوئی نہیں ہے' لہٰذا مجھے نماز اپنے گھر پر ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے تو اُسے ایسا کرنے کی اجازت دے دی لیکن پھر آپ نے پوچھا: کیا اذان کی آواز تمہارے گھر پہنچتی ہے؟ ابن اُمّ مکتوم نے ہاں میں جواب دیا۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تب تو تمہیں مسجد میں ضرور پہنچنا چاہئے۔'' (صحیح مسلم : کتاب الصلوٰۃ' باب المواقیت)

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ سے چند اہم نکات اخذ ہوتے ہیں :

(۱) اذان کی آواز سننے پر ایک معذور شخص کو بھی مسجد میں آنا چاہئے۔ گھر میں اکیلے ادا کی ہوئی اُس کی نماز اگرچہ ادا سمجھی جائے گی لیکن وہ نماز با جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

(۲) اذان کی آواز نہ سننا اگرچہ قابلِ تسلیم عذر ہے جو آواز سننے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ بارش' آندھی' طوفان'

شدید بھوک، رفعِ حاجت کی ضرورت، بیماری اور دشمن کا خوف نماز با جماعت میں شامل نہ ہونے کا جائز عذر ہیں۔(''بلوغ المرام''، لحافظ ابنِ حجر عسقلانی، جلد اوّل، صفحہ ۱۷۲)

نماز با جماعت کی منظم با قاعدگی سے حیرانی کی حد تک متاثر ہوتے ہوئے مشہور و معروف مؤرخ فلپ۔ کے ہٹی بڑی صاف گوئی سے لکھتا ہے:

''نظم ونسق کے لحاظ سے اس نماز با جماعت کی صحرائے (عرب) کے مغرور، انفرادیت پسند بیٹوں کے لئے بڑی قدر و منزلت ہوئی ہوگی۔ نماز با جماعت نے اُن میں سماجی مساوات اور استحکام وثبات کے شعور کو پروان چڑھایا۔ اس نے جماعت المسلمین کی اُس اخوت اور بھائی چارے کو ترقی دی جو محمد (ﷺ) کے مذہب میں نظریاتی طور پر خونی رشتے کا قائم مقام تھا۔ اس طرح نماز کی زمین اسلام کی ریاضت کی پہلی زمین بن گئی۔''

("History of the Arabs"... P. K. Hitti, p. 132)

نماز با جماعت کی فضیلت: شریعت میں نماز با جماعت کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس پر اجرِ عظیم کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

(۱) صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاَةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

''باجماعت نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ثواب رکھتی ہے۔''

(۲) صَلاَةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلاَتِهِ وَحْدَهٗ، وَصَلاَتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلاَتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَانَ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللهِ تَعَالٰى (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن النسائی، صحیح ابن حبان)

''اکیلے کی نماز سے دوسرے آدمی کے ساتھ پڑھنا افضل ہے اور دو کے ساتھ نماز پڑھنا ایک کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ جماعت میں جتنی تعداد زیادہ ہوگی، اُتنا ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔''

(۳) اِنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ اَجْراً اَبْعَدُهُمْ مَمْشًى اِلَيْهَا (صحیح مسلم)

''سب سے زیادہ ثواب اُن لوگوں کے لئے ہے جو مسجد میں دُور دراز جگہوں سے آتے ہیں۔''

(۴) اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْمَسْجِدَ لاَيُرِيْدُ اِلَّا الصَّلاَةَ فَلَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَّحُطَّ عَنْهُ خَطِيْئَةً حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِيْ صَلاَةٍ مَاكَانَتِ الصَّلاَةُ تَحْبِسُهٗ، وَالْمَلاَئِكَةُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَالَمْ يُحْدِثْ (بخاری، مسلم)

''جب تم میں سے کوئی شخص احسن طریق سے وضو کر کے صرف اور صرف نماز کی نیت سے مسجد میں آتا ہے تو اُس کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اُس کا درجہ بڑھا دیتا ہے اور اس وجہ سے اُس کا ایک گناہ کم کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد جب تک وہ جماعت کے انتظار میں رہے' اُسے نماز ہی میں مشغول سمجھا جاتا ہے۔ اور جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے' فرشتے اُس پر رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جب تک اُس کا وضو قائم رہتا ہے وہ اللہ سے یہ عرض کرتے ہیں: اے اللہ! اُس کی بخشش فرما دیجئے' اُس پر رحمت کی نظر کیجئے۔''

(۵) ایک اور حدیثِ مبارکہ میں جس کے راوی جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن لوگوں کے خلاف سخت ناراضی کا اظہار کیا ہے جو نماز با جماعت ادا کرنے میں سست روی کا شکار ہیں:

''جو لوگ مسجد میں نماز با جماعت کے لئے نہیں آتے' میں چاہتا ہوں کہ جا کر اُن کے گھروں کو آگ لگا دوں۔'' (صحیح بخاری' کتاب الاذان حدیث نمبر: ۴۳۲)

<u>امام کی ذمّہ داری اور اُس کی جواب دہی</u> : نماز کی امامت انتہائی ذمّہ داری کا کام ہے کیونکہ وہ اپنے مقتدیوں کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لئے اُس کا با وثوق کردار کا حامل ہونا از بس ضروری ہے۔ درجِ ذیل حدیث امام کی ذمّہ داری اور اُس کی جوابدہی پر خوب روشنی ڈالتی ہے :۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ ضَامِنٌ ''مَسْئُوْلٌ'' لِمَا ضَمِنَ وَاِنْ أَحْسَنَ كَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى خَلْفَهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَا كَانَ مِنْ نَّقْصٍ فَهُوَ عَلَيْهِ (بخاري: كتاب الصلاة)

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کی امامت کرنے والے کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ذمّہ دار ہے اور جو ذمّہ داری اُس نے قبول کی ہے' اُس کا وہ اللہ کے حضور جوابدہ ہے۔ اگر وہ اپنی ذمّہ داری کو بہ احسن طریق انجام دے تو اُس کا ثواب اُس کی طرح ہے جو اُس کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہے بغیر اس کے کہ اُن کے ثواب میں کمی کی جائے اور اگر نماز میں کوئی نقص رہ گیا تو اُس کا بوجھ اُسی پر ہوگا۔'' (صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ)

<u>نماز با جماعت میں مقتدیوں کے لئے رعایت</u> : نماز میں مریضوں' کمزوروں' معذوروں اور بوڑھوں کی موجودگی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اماموں کو درجِ ذیل ہدایت فرمائی :

(۱) اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالسَّقِيْمَ وَالْكَبِيْرَ فَاِذَا صَلّٰى بِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ (بخاري، مسلم)

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو اُسے قرأت میں تخفیف کرنی چاہئے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور وناتواں، بیمار اور بوڑھے ہوتے ہیں۔ جب تم اکیلے نماز پڑھو تو جتنا چاہو، نماز کو لمبا کردو۔''

(۲) إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ (احکام القرآن۔۔۔جصاص، ج ۴، ص ۱)

''بسا اوقات میں نماز کو طویل کرنے کے ارادہ سے شروع کرتا ہوں، پھر میں (اپنے پیچھے) کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اُس کا رونا اُس کی والدہ کو کتنا پریشان کر دے گا۔''

درج بالا احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں امام کے لئے راہ نما اصول یہ ہے کہ اُس کی نماز ہلکی، مکمل اور ہر طرح کامل ہونی چاہئے جس کے ہر رکن (قیام، رکوع، قومہ، سجود، قعدہ) میں تعدیل ارکان کا ہونا لازم ہے۔

صفوں کے خلا کو پُر کرنے میں بڑا ثواب ہے: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ خُطْوَةٍ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنْ خُطْوَةٍ مَشَاهَا الرَّجُلُ إِلَى فُرْجَةٍ فِي الصَّفِّ فَسَدَّهَا (البزار)

''کوئی قدم ثواب میں اُس قدم سے بڑھ کر نہیں ہوتا جو آدمی صف کے خلا کو پُر کرنے میں بڑھاتا ہے۔''

''نماز کی امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟ اس سلسلہ میں حدیثِ نبوی ہماری راہ نمائی کرتی ہے:

يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَءُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَكْثَرُهُمْ سِنًّا (صحیح مسلم)

''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو اللہ کی کتاب کا زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر قرأت میں برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے والا، اگر سنت کے علم میں برابر ہوں تو ہجرت میں سبقت لے جانے والا، اگر ہجرت میں برابر ہوں تو عمر میں بڑا امامت کرائے۔''

فاسق کی امامت بطور سربراہ مملکت: فاسق کی امامت اضطراری حالت سے مشروط قرار دی گئی ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (البقرۃ: ۱۲۴) ''میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچتا۔'' گویا دعائے ابراہیمی اولادِ صالح کے حق میں قبول ہوگئی اور جناب ابراہیم علیہ السلام کو بتا دیا گیا کہ آپ کی نسل میں دونوں طرح کے لوگ ہوں گے: مطیع اور کچھ ظالم و نافرمان۔ صالحین کو امامت کی بشارت مل گئی اور ظالم اس سے محروم کر دئے گئے۔ فقہائے امت نے آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ فاسق کی امامت کا انعقاد جائز نہیں۔ اسی وجہ سے حضرات ابن الزبیر اور حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما نے خروج کیا اور عراق کے

صالحین اور علماء نے حجاج کے خلاف خروج کیا اور اہلِ مدینہ نے بنو امیہ کے خلاف خروج کیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آیا۔

''اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ظالم امام کی اطاعت پر صبر کرنا اُس کے خلاف خروج کرنے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کے خلاف خروج کرنے میں امن کو خوف سے بدلنا ہے' خون بہانا ہے' مسلمانوں پر لوٹ مار کا دروازہ کھولنا ہے اور زمین میں فساد کی راہ ہموار کرنا ہے۔''

فاسق کی امامت نماز میں : فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہائے احناف کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اُس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک اُس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔ حدیثِ مبارکہ : صَلُّوْا خَلْفَ کُلِّ بَارٍّ اَوْفَاجِرٍ (ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو) کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب امامتِ نماز کے لئے کوئی صحیح آدمی نہ ملے تو اضطراری طور پر ایسا کرلیا کرو۔

صاحبِ ''ھدایۃ'' علامہ مرغینانی نے بھی فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے اور حدیثِ بالا سے استدلال کیا ہے۔ (''تبیان القرآن'' جلد اوّل' صفحہ ۵۳۷)

''خواتین کی امامت : نماز میں عورت عورت کی امام بن سکتی ہے اور وہ صف میں اُن کے درمیان ہی کھڑی ہوگی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُمِّ ورقہ بنتِ نوفل رضی اللہ عنہا کو گھر کی مسجد کا مؤذن کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ اہلِ بیت کو نماز پڑھا سکے۔'' (سنن ابی داوٗد' بحوالہ ''منہاج المسلم''۔۔۔ شیخ ابو بکر جابر الجزائری' صفحہ ۳۵۱) عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے اُن کے مؤذن کو دیکھا' وہ ایک بوڑھا شخص تھا۔

عورتوں کا مردوں کے لئے امام ہونا ناجائز ہے۔

بچے کی امامت : نابالغ بچہ نفل میں امام بن سکتا ہے' فرض میں نہیں کیونکہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا اور نابالغ کی نماز نفل ہے لہٰذا فرض میں وہ امامت نہ کرائے۔

نابینا آدمی کی امامت : نابینا نماز کا امام مقرر ہوسکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ (ایک نابینا صحابی) کو دوبار مدینہ میں اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے اور وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

تیمّم والے کی امامت : جس نے تیمّم کیا ہو' وہ وضو کرنے والوں کا امام بن سکتا ہے اس لئے کہ

عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے تیمم کے ساتھ ایک فوجی دستہ کو نماز پڑھائی تھی جبکہ وہ سب وضو سے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ کے آگے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے انکار نہیں فرمایا۔ (سنن ابی داؤد)

مفضول کی امامت : افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر جنابِ صدیقِ اکبر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے جبکہ آپ ﷺ اُن دونوں بلکہ کل مخلوق سے افضل ہیں (صحیح بخاری)۔

مسافر کی امامت : مسافر مقیم لوگوں کا نماز میں امام بن سکتا ہے البتہ مقیم لوگ مسافر امام کی نماز کے بعد اُٹھ کر پوری نماز پڑھیں گے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مکہ کو مسافر ہونے کی حالت میں نماز پڑھائی اور اہلِ مکہ مقیم تھے۔ پھر آپ نے فرمایا:

يَا أَهْلَ مَكَّةَ أَتِمُّوْا صَلاَتَكُمْ فَإِنَّا قَوْم" سُفُر" (موطا امام مالک)

''اے اہلِ مکہ! اپنی نماز پوری کرلو' ہم مسافر لوگ ہیں۔''

''اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو وہ اُس کے ساتھ پوری نماز پڑھے گا۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مقیم امام کے پیچھے پوری نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اُنہوں نے کہا: ''یہ ابو القاسم ﷺ کی سنت ہے۔'' (مسند امام احمد)

مقتدی کا امام کے ساتھ کھڑا ہونا : اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی عورت دوسری عورت کی امامت کر رہی ہے تو وہ بھی اُس کے پہلو کے ساتھ کھڑی ہوگی اور اگر مقتدی دو یا زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے اور پھر اُن کے پیچھے عورتیں۔ اور اگر ایک مرد اور ایک عورت مقتدی ہوں تو مرد امام کے دائیں جانب اور عورت اُن کے پیچھے کھڑی ہوگی۔ چاہے وہ مرد نابالغ لڑکا ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَ خَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا (مسلم)

''مردوں کی صفوں میں بہتر پہلی صف اور گھٹیا آخری ہے اور عورتوں کی صفوں میں آخری صف بہتر او پہلی صف گھٹیا ہے۔''

''اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ کے موقع پر جابر رضی اللہ عنہ کو جو بائیں طرف کھڑے تھے' اپنی دائیں جانب کر دیا تھا اور پھر جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آئے اور بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے دونوں کو پیچھے دھکیل دیا اور آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور اسی طرح حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور میری ماں کو اپنے پیچھے۔'' (صحیح مسلم)

(۱۲۷) فارغ اوقات (LEISURE) قرآن کی نظر میں

آخر المرسلین ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حکم فرمایا:

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ O وَاِلٰی رَبِّكَ فَارۡغَبۡ O (الانشراح : ۷، ۸)

''پس جب آپ (تعلیمِ امت، تبلیغ وجہاد اور ادائیگی فرائض سے) فارغ ہوں تو (ذکر وعبادت میں) محنت فرمایا کریں اور اپنے رب کی طرف راغب ہوجایا کریں۔'' (۷، ۸ : ۹۴)

درحقیقت اپنی ذات کو سچے اللہ (حقیقتِ مطلقہ) کے لئے باضابطہ طور پر وقف کردینا ہی اسلام کا مغز ہے اور حتمی، ناقابلِ ترمیم توحید قرآنِ مجید کا سب سے اہم مرکزی اصول ہے۔ ''وقت مختصر اور کام طول طویل ہے'' کی کہاوت تعلیماتِ قرآنی پر صادق آتی ہے۔ وقت کو بے کار اور بے فائدہ مشغلوں میں گزار دینا اسلام کے نزدیک غیر متعارف سی بات ہے (سورۃ المؤمنون : ۳) جو اپنے ماننے والوں سے اپنے فارغ وقت کو کسی تعمیری کام میں لگانے اور اُس سے مستفید ہونے کی توقع رکھتا ہے۔ ان مشغلوں میں اطاعتِ الٰہی اور اپنے خالق کا ذکر بہترین مشغلے ہیں۔ صحیح اور راست رو انسان کی تمام تر توجہ اور آرزو کا مقصودِ حقیقی خالقِ لم یزل ہے اور ہونا چاہئے۔ اس قطعی حقیقت پر بات کرتے ہوئے قرآنِ حکیم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے یہ ہدایت عطا فرماتا ہے :

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُكِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ O (الانعام : ۱۶۲)

''فرما دیجئے بے شک میری نماز، میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی)، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔'' (۱۶۲ : ۶)

اللہ رحیم وکریم اُن لوگوں کے لئے جو اُس کی طرف توبہ کرتے ہوئے اور نادم ہوتے ہوئے رجوع کرتے ہیں ہر راہ نمائی فراہم کرتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو کھلا گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے اپنی آنکھوں کو اور اپنے دلوں کو اُس کی رحمت وشفقت اور اُس سکون وآرام سے بند کر لیتے ہیں جو اُس کے ذکر اور اُس کی حمد وثنا سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید اس حقیقت کو واضح طور پر یوں بیان کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ اَنَابَ O الرَّعد : ۲۷)

''بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھہرا دیتا ہے اور جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے، اُسے اپنی جانب راہ نمائی فرما دیتا ہے۔'' (۲۷ : ۱۳)

اس سے اگلی آیت (۲۸) میں قرآن مجید حقیقی مسرت اور دائمی شادمانی کے قابلِ قدر نسخہ کی نقاب کشائی فرماتا ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ O (الرَّعد : ۲۸)

''جو لوگ ایمان لائے اور اُن کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔'' (۲۸ : ۱۳)

۳۳۱۳ (فارغ اوقات اور قرآن ۔۔LEISURE)

اس تسکین بخش آرام اور غیر مبدّل ذہنی سکون کو اُس طوفانی شوروغوغا کی مسرت' ناقابلِ تبدیلی مادّی مسرت کے لازمہ سے امتیاز حاصل ہے جس کا نتیجہ ناقابل فرار حد تک اُداس ردِّعمل میں ہوتا ہے۔ آدمی کا اپنے خالق سے رشتہ جتنا مضبوط ہوگا' وہ زندگی کے نظریہ کے بارے میں اُتنا ہی زیادہ رجائیت پسند اور خوش اندیش ہوگا۔

ذکرِ الٰہی کو زندہ رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ باہمی مبادلہ (Reciprocity) کا اس طرح وعدہ فرماتا ہے :

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرة : ۱۵۲)

''تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔'' (۱۵۲ : ۲)

وہ لوگ جو اللہ کی عطا کردہ جسمانی بصارت کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اُن کی آنکھیں آیاتِ الٰہی کو دیکھنے سے اندھی رہتی ہیں' اُنہیں سورہ طٰہٰ کی آیات ۱۲۴ تا ۱۲۶ میں اس طرح وعید سنائی گئی ہے :

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى O قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا O قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى

''اور جس نے میرے ذکر سے روگردانی کی تو اُس کے لئے دنیاوی معاش (بھی) (تنگ) کردیا جائے گا اور ہم اُسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے پالنہار! تو نے مجھے (آج) اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں (دنیا میں) بینا تھا۔ ارشاد ہوگا: ایسا ہی (ہوا کہ دنیا میں) تیرے پاس نشانیاں آئیں' پس تو نے اُنہیں بھلا دیا اور آج اس طرح تو (بھی) بھلا دیا جائے گا۔'' (سورہ نمبر ۲۰)

مَعِيْشَةً ضَنْكًا (دنیاوی معاش کی تنگی) کے چند مطالب ہیں: (۱) ایسی زندگی میں سے اللہ کی وسیع دنیا کے مفید اثرات خارج ہو جاتے ہیں۔ (۲) یہ زندگی اپنی ذات کے لئے ہوتی ہے نہ کہ دوسروں کے لئے۔ (۳) اس زندگی کی صرف اور صرف عمدہ چیزوں پر نظر رکھنے سے اُس سے صحیح صداقت جاتی رہتی ہے۔ (اے یوسف علی)

''سچے دین سے پھر جانے والا شخص سمندر میں چپّو بغیر کشتی پر سوار ہے اور ایسا آدمی اپنی تمام زندگی میں فریب نظری اور جھوٹی روشنی کا تعاقب کرتا ہے۔ دَورِ جدید میں بھی محتاط تفتیشیوں نے یہ معلوم کیا ہے کہ خودکشی کی شرح پر مذہب کا بڑا اثر ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ بہ خلوصِ دل مذہب کو اپنانے والوں میں شاذ و نادر ہی خودکشی کی وارداتیں ہوتی ہیں۔'' (عبدالماجد دریا آبادی)

اپنے خالق و مالک اللہ کے ذکر سے رُوگردانی کرنے والا گویا اپنے آپ کو شیطان کے ذکر میں مصروف کر لیتا ہے۔ شیطان ایسا دشمن ہے کہ جب انسان اپنے خالق کے احکامات سے غافل ہوتا ہے تو وہ خوشیاں مناتا ہے۔ اسی طرح سود' رشوت' جوا' حرام چیزوں کی تجارت' اوقاتِ ممنوعہ میں کاروبار کرنا' چوری' ڈاکہ زنی' دہشت گردی'

۳۳۱۴ (فارغ اوقات اور قرآن ۔۔LEISURE)

خودکشی، خودکُش حملے، بے گناہ جانوں کا قتل، دھوکہ دہی، روزمرہ استعمال کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی، غیرمعیاری اور ملاوٹی اشیاء کی فروخت، والدین کی نافرمانی اور گستاخی، قرآن مجید کو حفظ کرنے کے بعد اُسے بھلا دینا وغیرہ سب کے سب ''ذکرِ الٰہی سے منہ موڑنے'' اور ''شیطانی ذکر'' ☆ کے ضمن میں آتے ہیں۔

اپنے وسیع، جامع مفہوم میں ذکرِ الٰہی اطاعتِ الٰہی اور اُس کے احکامات کے آگے سربسجود ہونے کو شامل ہے قطع نظر اس کے کہ وہ احکام آسان ہیں یا مشکل اور دقت طلب ہیں۔ برزخ یعنی قبر کی زندگی کو یاد رکھنا، رب کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے پیش ہونا نے کو یاد رکھنا، تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) و تسبیح کہنا، اپنے گناہوں کی رب سے معافی مانگنا، خاتم النّبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا، انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کا ذکرِ خیر کرنا، اپنے مفوضہ کام میں خواہ تجارت کا ہو یا ملازمت کا، ایماندار اور مخلص ہونا، اپنے والدین کا اطاعت گزاری کے ساتھ خدمت گزار ہونا، اپنے اہلِ خانہ کو طعام و خوراک و لباس اور رہائش مہیا کرنا، رشتہ داروں سے دوست دار، مخلصانہ تعلقات قائم رکھنا، دو ناراض دوستوں اور میاں بیوی کے درمیان صلح کرا دینا، راستے سے کسی موذی، اذیت ناک چیز کا ہٹا دینا، نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا وغیرہ سب ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں بشرطیکہ وہ صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہوں۔ اسلام اور قرآن کی نظر میں فارغ اوقات کا یہی بہترین مصرف ہے جو رب تعالیٰ کی خوشنودی اور اُس کی رضا کا موجب بنتا ہے۔

آج لوگوں کے پاس لے دے کر یہی ایک چیز رہ گئی ہے کہ وہ فارغ اوقات میں ٹی وی کا بٹن آن کر کے بیٹھ جائیں اور ٹی وی، وی سی آر اور سیٹلائٹ ریسیور کے ذریعے بے مقصد اور اعصاب پر بوجھ ڈالنے والے پروگرام اور فلمیں دیکھتے رہیں۔ حالانکہ یہ رجحان صحیح اس لئے نہیں کہ وہ تفریح ہی کیا جو صحت کے لئے مضر، اعصاب پر بوجھ بننے والی اور سفلی جذبات کو قابو سے باہر کر دینے والی ہو۔ زیادہ سے زیادہ احسن طریقے سے عبادت کرنے کی نیت سے اگر صحت کا خیال رکھا جائے تو ریاضیاتی کھیل کھیلنا بھی ''ذکرِ الٰہی'' میں شامل ہے۔

☆ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''شیطان کے ذکر چار ہیں: پہلا ذکرِ شیطانی بانسری بجانا ہے جو دنیا کی سب سے پہلی ایجاد ہے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے بانسری بجائی اور ابلیس نے اُسے سکھائی۔ یہ باجہ آدم علیہ السلام اور اُن کے نیک، عابد و زاہد صحفِ آدم کی تلاوت کرنے والوں کو تلاوت میں خلل ڈالنے کے لئے بنایا گیا۔ دوسرا ذکرِ شیطانی تالیاں بجانا ہے۔ یہ بھی شیطان کی ایجاد ہے۔ سب سے پہلے تالی نوح علیہ السلام کی کافرہ بیوی کنعان کی والدہ نے بجائی اور شیطان نے اُسے سکھائی۔ تیسرا ذکرِ شیطانی سیٹی بجانا ہے جس کی موجد قومِ لوط ہے اور سکھانے والا ابلیس ہے۔ شیطان کا چوتھا ذکر گوز مارنا اور جمائی میں آواز کا نکالنا ہے۔ گوز خود شیطان مارتا ہے۔ جب کہیں ذکرِ الٰہی سنتا ہے تو گوز مارتا ہوا وہاں سے بھاگ جاتا ہے اور جب کوئی جمائی میں آواز نکالتا ہے تو شیطان خوش ہوتا ہے۔ اِن چاروں آوازوں سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں دو اور آوازوں سے بھی منع فرمایا گیا: نوحہ اور رونے پیٹنے کی آواز سے اور گانے کی آواز سے اگرچہ بغیر لہجہ اور ترنم کے ہو۔'' (تفسیر نعیمی، جلد ۱۶، صفحہ ۹۴۵)

(۱۲۸) آزادی (LIBERTY)

اسلام میں آزادی کا تصور باقی اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ وہ یہ گوارا نہیں کرتا کہ انسان انسان کے آگے سر جھکائے۔ مغربی مفکرین کے نزدیک آزادی یہی ہے کہ ایک قوم اپنے ملک اور نسل کے زعماء کے بنائے ہوئے قوانین کا اتباع کرے لیکن جب ایک پرندہ دوسرے پرندے کے قوانین کا اتباع نہیں کر سکتا تو پھر انسان دوسرے انسان کے بنائے ہوئے قوانین پر کیوں چلے۔ علمی اور عقلی مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے اپنی آزادی کو برقرار رکھنے اور دوسروں کو حقوق دینے کے لئے جو قوانین بنائے ہیں اور آزادی کی جو بھی تعریف کی ہے وہ کسی طرح بھی بین الاقوامی یا آفاقی قرار نہیں دی جا سکتی۔ سابقہ تاریخ کے تجربات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان خود اپنا واضع قانون بنانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اگر اُسے دوسروں کی بندگی سے چھٹکارا مل جائے تو وہ خود اپنی نفسانی خواہشات کا بندہ بن جاتا ہے۔

اسلام میں آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان صرف خدائے قدوس کی محکومیت اختیار کرے اور اُسی کو مقتدرِ اعلیٰ سمجھے اور تسلیم کرے۔ اس روشن حقیقت کی طرف قرآن مجید نے کئی بار توجہ دلائی ہے۔ مثلاً فرمایا:

(۱) اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف: ۵۴)

''خبردار! (ہر چیز کی) تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اُسی کا کام ہے۔'' (۷ : ۵۴)

(۲) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ O

''اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے' اُس کا حکم ہے کہ صرف اُسی کی محکومیت اختیار کرو اور کسی کو اپنا حاکم نہ سمجھو۔ یہی سیدھا راستہ ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔'' (۱۲ : ۴۰)

(۳) هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَق (الکھف: ۴۴)

''یہاں (پتہ چلتا ہے کہ) سب اختیار اللہ ہی کا ہے (جو) حق ہے۔'' (۱۸ : ۴۴)

رب تعالیٰ کو مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے دئے ہوئے قوانین پر چلے۔ اوامر پر عمل کرے اور نواہی سے بچے اور جن کی اجازت دی گئی ہے' اُنہیں پوری آزادی سے کرے۔ وہ اپنے ہر عمل میں آزاد ہے بشرطیکہ تخریبی کاموں سے رکے تاکہ دوسروں کی آزادی سلب نہ ہو۔ ہر انسان آزاد ہے لیکن وہ اللہ کے قوانین پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ اس پابندی ہی میں اُس کی آزادی' اور اُس کی صلاحیت و فطانت کی نمو کی آزادی ہے۔

آزادی کی مختلف صورتیں حسب ذیل ہیں :

(1) آزادی اظہارِ رائے: اظہارِ رائے کی آزادی فی الحقیقت آزادیِ تقریر و تحریر کا اہم ترین پہلو ہے۔

۳۳۱۶ (آزادی۔۔۔Liberty)

جسے آج دنیا کے ہر ملک کے آئین میں ''بنیادی انسانی حقوق'' کی فہرست میں شامل کیا جاتا ہے۔لیکن یہ سوال ہمیشہ پیدا ہوتا ہے کہ رائے تو اچھی اور بُری بھی ہوسکتی ہے تو کس رائے کے اظہار کی آزادی ہونی چاہئے؟ کیا گالی اور شرارت انگیز رائے کے اظہار کی بھی آزادی ہونی چاہئے؟

صالح رائے کے مناسب اظہار کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے لئے قرآن وحدیث میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔گفتگو میں شائستگی اسلامی اخلاقیات کا ضروری جزو ہے اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنے کی تلقین کی گئی ہے:
وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ : ۸۳)

جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' اُنہیں سورۃ الحج کی آیت ۲۲ میں پاکیزہ گفتگو کی ہدایت کی گئی اور حمید راہ بتائی گئی: وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِO

علاوہ ازیں اچھی' خوش دلانہ اور شائستہ گفتگو (قولِ معروف) کی ہر موقع پر تاکید کی گئی ہے۔والدین سے مخاطبت کے وقت سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ میں ارشاد ہوا کہ ''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو اُنہیں اُف تک نہ کہو' نہ اُنہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ اُن کے ساتھ احترام سے بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ اُن کے سامنے جھک کر رہو۔''

یتیموں اور مساکین کے ساتھ میٹھے بول میں بات کرنے کے لئے سورۃ النساء کی آیت ۸ میں فرمایا گیا:
وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاO

حدیث پاک میں پاکیزہ بات کو کلمہ طیّبہ کہا گیا ہے جس پر صدقہ اور خیرات کی نوید سنائی گئی:
اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ''

قرآن وحدیث کے ان حوالہ جات سے مترشح ہے کہ ہر شخص کو اچھے قول' اچھے کلام اور اچھی بات کے اظہار کی مکمل آزادی ہے لیکن اگر اس آزادی کا غلط استعمال ہو تو قانون کے تحت کارروائی ہوسکتی ہے۔علاوہ ازیں قرآن مجید نے مؤمنوں کو ٹھیک ٹھیک اور پختہ بات کرنے کی تاکید کی ہے اور فرمایا:
يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاO (الاحزاب : ۷۰)
''مؤمنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور صحیح اور سیدھی بات کہا کرو۔'' (۷۰ : ۳۳)

بعض اوقات سچ بولنے اور معاملے کی اصلیت ظاہر کرنے میں خاموشی اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے

بلکہ کسی سچے شخص کو سخت خطرے مثلاً جان کے لالے پڑنے سے بچانے کے لئے (وقتی طور پر) جھوٹ بولنے اور کلمہ کفر کہنے کی بھی اجازت دی گئی ہے بشرطیکہ دل ایمان کی دولت سے معمور ہو (بحوالہ سورۃ النحل' آیت ۱۰۶)

آخری بات یہ ہے کہ جب بھی اپنی رائے اور خیالات کا اظہار کیا جائے تو عدل کے ساتھ کیا جائے جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۲ میں حکم دیا گیا : وَاِذَاقُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْا کَانَ ذَا قُرْبٰی ''جب بات کرو تو انصاف کی بات کرو اگرچہ (فریقِ معاملہ) قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔''

اِس آیت کا مخاطب جج اور قاضی بھی ہے' عدالت میں پیش ہونے والا گواہ بھی' خاندان کا سربراہ بھی اور عوام بھی کہ جب وہ ایک دوسرے سے بات کریں تو انصاف' دیانت اور حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اِس دائرے میں رہتے ہوئے ہر شخص کو اظہارِ رائے کی مکمل آزادی ہے۔''

(2) آزادیِ تنقید : اسلام میں حکومت پر تنقید کرنے اور حکومت کی سرگرمیوں کا محاسبہ کرنے کی آزادی ہے جس کے لئے مخلصانہ نصیحت اور تعمیری تنقید شرط ہے اور اگر حکومت قانون سے رُوگردانی کرے تو حکومت کی اطاعت سے انکار کرنے کی بھی آزادی ہے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرآن کا بنیادی اصول ہے۔ یہ اصول ہر فرد کو تنقید کا حق بھی دیتا ہے اور آزادی بھی۔یہ اصول حکومت کے آمرانہ اور جابرانہ رویے کو بدلنے اور اُس کی اصلاح کا حق بھی دیتا ہے۔اس حقِ تنقید کو اصطلاح میں ''حِسْبَــہ'' کہا جاتا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان کو حکومت کی نگرانی اور اُس کے محاسبے کا حق حاصل ہے۔دوسری طرف یہ لفظ اُس شخص کے فرائض کے معنی میں بھی آتا ہے جو عوام کے اخلاق کی نگرانی کے لئے سرکاری طور پر مقرر کیا جاتا ہے جسے ''محتسب'' کہا جاتا ہے۔

تنقید کے حق اور آزادی کو سنت رسول ﷺ اور صحابہ کبار کے حسنِ کردار سے سند حاصل ہے۔صلح حدیبیہ کے وقت جو معاہدہ قریشِ مکہ سے ہوا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُس کی بعض دفعات پر اعتراض تھا۔اُنہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ جب ہم حق پر ہیں اور کفار باطل پر تو پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اُس کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا اور وہی میرا معین و مددگار ہے۔جناب عمر حضرت صدّیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو اُنہوں نے بھی لفظ بہ لفظ وہی جواب دیا جو رسول کریم ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلا تھا۔اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشویش دُور نہ ہوئی اور صحابہ کرام بھی شرائطِ صلح پر مغموم اور شکستہ دل تھے۔

آزادیِ تنقید کے حق میں آنحضور ﷺ کی اس مشہور حدیث سے زیادہ ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے جس میں فرمایا:

اَفْضَلُ الْجِهَادِ کَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ

''سب سے افضل جہاد جابر و ظالم سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔''

۳۳۱۸ (آزادی ۔۔۔Liberty)

''حضرت ابوبکر صدّیق جب منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو اُن کے اوّلیں خطاب (ملاحظہ ہو اِسی جلد کا صفحہ ۳۲۹۱) سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت پر تعمیری تنقید کی عام دعوت ہے اور لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے سیاسی قائدین کی سرگرمیوں اور اُن کے قول و فعل کی نگرانی کریں نیز جناب ابوبکرِ صدّیق رضی اللہ عنہ کے خطاب سے یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ تنقید صرف شخصی اصطلاح ہی کے لئے مفید نہیں ہوتی بلکہ ذمّہ دار حکومت کے لئے ضروری ہے۔''

''خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں تنقید و محاسبہ کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن سے ساری دنیا کے حکمرانوں نے سبق حاصل کیا ہے۔ خلیفہ اوّل کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی منصبِ خلافت پانے پر اپنے اوّلیں خطاب میں فرمایا تھا: ''لوگو! اگر تم مجھ میں کوئی کجی دیکھو تو اُسے سیدھا کردو۔'' حاضرین میں سے ایک شخص نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اگر ہم نے تم میں کجی دیکھی تو ہم اسے اپنی تلواروں سے سیدھا کردیں گے۔'' اس جواب پر تلخی محسوس کرنے کی بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ربّ جلیل کا شکر بجالائے اور فرمایا: شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو حق و صداقت کی خاطر غلط باتوں کی اصلاح کرسکتے ہیں۔

''ایک اور مثال میں بھی جس کا تعلق عورت کے حقِ مہر سے ہے' حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اُنہوں نے لوگوں کو تنبیہ کی کہ وہ نکاح کے وقت بہت زیادہ مہر نہ باندھا کریں۔ اس پر ایک عورت فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا اور وجہِ اختلاف کی تائید میں سورۃ النساء کی آیت ۲۰ کا حوالہ دیا جس پر جناب عمر نے فرمایا: یہ عورت ٹھیک کہتی ہے اور عمر غلطی پر ہے۔''

''تاریخ کے اوراق میں ایسے بے شمار واقعات درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کے عہدِ خلافت میں خلیفہ اور عمال حکومت پر تنقید کرنے کی عام آزادی تھی بلکہ جب کبھی تنقید کرنے والے کا لب و لہجہ تند اور تہذیب و شائستگی کی حدود سے تجاوز کرجاتا تھا تو اُسے نظرانداز کردیا جاتا تھا۔''

''تنقید کی آزادی دراصل آزادیِ اظہارِ رائے کا حصّہ ہے لیکن اس آزادی کو مخالفت برائے مخالفت نہیں سمجھ لینا چاہئے اور نہ آج کل کی سیاسی جماعتوں کی طرح حکومت کے خلاف تنقید برائے تنقید کو ایک مقصد بنالینا چاہئے۔ تنقید برائے اصلاح ہی آزادی کا اصل مقصد ہے۔ عصرِ حاضر میں حزبِ اختلاف اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے برسرِ اقتدار جماعت پر تنقید کو بطور اسلحہ استعمال کرنے کی عادی ہوچکی ہے جس سے سیاسی نظام میں عدمِ توازن پیدا ہوتا ہے۔''

''صحیح اور معتدل راستہ وہ ہے جس کی تلقین اس حدیثِ نبوی میں کی گئی ہے :

اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاءُ وْ فَلَا تَفْعَلُوْا (مشکوٰۃ : جلد سوم)

۳۳۱۹ (آزادی۔۔۔Liberty)

''اگر لوگ اچھا کام کریں تو تم بھی اچھا کام کرو اور اگر لوگ برا اور غلط کام کریں تو تم ایسا نہ کرو۔''

مطلب یہ ہے کہ تنقید اور محاسبہ اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ دوسروں پر نکتہ چینی سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہیئے۔ تنقید برائے تنقید سے مفید مطلب اور نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ انفرادی ذمہ داری کے موضوع پر ایک اور سبق آموز حدیث یہ ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

''تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور جو کچھ اُس کی ملکیت و رعیت میں ہے' وہ اُس کا ذمہ دار ہے۔''

''تنقید کی آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ انتشار اور تذبذب پیدا کیا جائے یا تنقید کرنے والا اپنی ذات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے۔ اس آزادی کو حقیقت کی تلاش کے لئے شمع کی مانند ہونا چاہیئے جس کی روشنی میں سرکاری حکام اور اہلِ علم و دانش کسی بھی مسئلے کی اصل حقیقت کو جانچ کر اُس کا حل پیش کرسکیں اور آخری بات یہ کہ تنقید کی آزادی کسی شک اور افواہ پر مبنی نہ ہونی چاہیئے۔ مسلمانوں کو قرآن اور سنتِ نبوی کے ذریعے شک سے بچنے کی صاف صاف ہدایت کی گئی ہے۔''

آزادیِ تنقید کے جواز کی کم از کم حسبِ ذیل تین شرطیں ہیں:

(۱) ضروری ہے کہ جن حقائق کی بنیاد پر تحقیق کی جائے' اُن کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرلی جائے (بحوالہ سورۃ الحُجرات: آیت ۶)

(۲) تنقید کرنے والے کو اپنی رائے کی اخلاقی صداقت پر بھی یقین ہونا چاہیئے۔ جب تک اُسے یہ یقین نہ ہو کہ جو کچھ وہ کہتا ہے' بالکل سچ ہے' اُس وقت تک اُسے خاموش رہنا چاہیئے ورنہ یا تو وہ منافقت کرے گا یا جھوٹ بولے گا اور منافقت اور جھوٹ دونوں کی ممانعت ہے (بحوالہ سورۃ النساء' آیت ۱۴۵؛ سورۃ الحج' آیت: ۳۰)

(۳) تنقید اپنے موضوع کے حساب سے متوازن و معتدل اور موقع کی مناسبت سے ہونی چاہیئے' نہ بہت زیادہ شدید اور نہ بہت کمزور۔ الفاظ پُر اثر ہوں۔

(3) جماعت (انجمن) سازی کی آزادی: اس کے لئے انگریزی میں Association کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان کے آئین 1973ء میں اس آزادی یا حق کو ''بنیادی حقوق'' کی دفعہ میں بیان کیا گیا۔

آزادیِ اظہارِ رائے (تقریر و تحریر) کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ لوگوں کو اپنے مقاصد کے حصول میں جماعت سازی کی آزادی بھی ہونی چاہیئے۔ شریعت کے مقاصد اور معاشرے کے مصالح کا تقاضا ہے کہ سیاسی

جماعتوں کی تشکیل کی جائے۔ معاشرے کے مصالح کیا ہیں؟ ضروریاتِ زندگی، ضروریاتِ زندگی سے وابستہ دیگر احتیاجات وآسائشات کہ وہ بھی بالآخر معاشرتی زندگی کا حصّہ ہوتی ہیں۔''

''بعض مبصرین کے نزدیک اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کی تشکیل کی ممانعت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اتحاد کی اساس بذاتہٖ اسلام سے وابستگی ہے۔ اسلام ہی مسلمانوں کی وجہِ اتحاد ہے لہٰذا اتحاد کے مزید خرخشوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ نقطہ نظر بے شک خلوص پر مبنی ہے لیکن جس عمومیت کی خواہش کی گئی ہے وہ ناقابلِ حصول ہے۔ صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسی جماعت سازی کو روکا جائے جو وحدت واتحاد کو گزند پہنچانے والی ہو اور ایسی جماعت سازی میں رکاوٹ پیدا نہ کی جائے جس کے اغراض ومقاصد مفید ہوں اور جو معاشرے کی بے لوث اور مخلصانہ خدمت بجا لانے کے لئے واقعی سرگرم ہوں۔''

''جو مبصرین اور مصنفین سیاسی جماعتوں کی تشکیل کے خلاف ہیں، وہ اپنے موقف کی تائید میں ایسی قرآنی آیات بطورِ مثال پیش کرتے ہیں جن میں اجتماعی وحدت واتحاد پر بالخصوص زور دیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کو تقسیم اور علیحدگی سے روکتی ہیں مثلاً:

(۱) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران: ۱۰۳)

''اور اللہ کی رسّی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔'' (۳:۱۰۳)

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ (الانعام: ۱۵۹)

''جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) راستے نکالے اور کئی فرقے ہو گئے، (اے حبیب!) اُن سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں۔'' (۱۵۹ : ۶)

(۳) وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ (الانفال: ۴۹)

''اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔'' (۴۹ : ۸)

وحدت واتحاد کے موضوع پر بعض احادیث کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے مثلاً: یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ (اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے)۔

لیکن سیاسی جماعت بنانے یا نہ بنانے سے اِن آیات کا تعلق نظر نہیں آتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو جماعت لوگوں میں اتحاد قائم کرنے کے لئے قرآن سے تقویت چاہے، وہ انہی آیات کا حوالہ دے گی اور اس اعتبار سے

وہ عدمِ اتحاد سے اجتناب کرے گی۔

قرآن مجید کی رُو سے جماعت سازی کی اجازت اس صورت میں بھی ہے جب بعض لوگ اللہ کی ہدایت اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں اور اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ بعض لوگ اچھی طرح سمجھ تو لیتے ہیں لیکن اُس پر عمل نہیں کرتے اور بعض لوگ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اِن تینوں طبقوں کی صراحت سورہ فـاطِر کی آیت ۳۲ میں یوں کی گئی ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ " لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ " وَمِنْهُمْ سَابِقٌ " بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر: ۳۲)

''پھر ہم نے اس کتاب (قرآن) کا وارث ایسے لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا (یعنی امتِ محمدی ﷺ کو)' سواُن میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے بھی ہیں' اوراُن میں سے میانہ رو بھی ہیں اوراُن میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھ جانے والے بھی ہیں۔'' (۳۲ : ۳۵)

(۱) اپنے نفس پر ظلم کرنے والے وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سچے دل سے اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کو ایمان داری کے ساتھ اللہ کا رسولِ برحق تو مانتے ہیں مگر عملاً قرآن وسنت کی پیروی کا حق ادا نہیں کرتے۔ بقول مولانا مودودی: ''تینوں طبقات میں اس درجے کے اہلِ ایمان کا ذکر سب سے پہلے اس لئے کیا گیا ہے کہ تعداد کے لحاظ سے اُمت میں کثرت انہی کی ہے۔''

(۲) میانہ رو وہ لوگ ہیں جو اس وراثت کا حق کم وبیش تو ادا کرتے ہیں مگر پوری طرح نہیں کرتے۔ وہ فرمانبردار بھی ہیں اور خطا کار بھی۔ انہوں نے اپنے نفس کو بالکل بے لگام تو نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اُسے خدا کا مطیع بنانے کی اپنی حد تک کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی اچھے اور برے دونوں طرح کے اعمال کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ یہ تعداد میں پہلی جماعت سے کم اور تیسری جماعت سے زیادہ ہیں' اس لئے اُنہیں دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔

(۳) نیکیوں میں سبقت کرنے والے وارثینِ کتاب میں صفِ اوّل کے لوگ ہیں۔ یہی دراصل اس وراثت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ وہ قرآن وسنت کی پیروی میں بھی پیش پیش ہیں اور پیغامِ الٰہی لوگوں تک پہنچانے میں بھی پیش پیش' دینِ حق کی خاطر قربانیاں کرنے میں بھی پیش پیش اور بھلائی اور فلاح کے ہر کام میں بھی پیش پیش۔ اس جماعت کی تعداد امت کی پہلی دو جماعتوں سے کم ہے' اس لئے اُن کا ذکر آخر میں کیا گیا ہے اگرچہ وراثت کا حق ادا کرنے کے معاملہ میں اُنہیں اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اسلام میں سیاسی جماعتیں اور غیر سیاسی انجمنیں قائم کرنے کی عام آزادی ہے بشرطیکہ اُن کے اغراض ومقاصد اور عوامی فلاح وبہبود پر مبنی ہوں۔

''سیاسی جماعتوں کی تشکیل کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں ابنِ تیمیہ سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا

کہ جو جماعتیں لوگوں کو ''خیر وحق'' (سچائی اور فلاح) کی دعوت دیتی ہیں اور لوگوں کی بھلائی اور بہبود کے لئے کام کرتی ہیں، وہ برحق اور قانوناً جائز ہیں۔ اس ضمن میں اُنہوں نے سورۃ المجادلہ کی آیت ۲۲ کا حوالہ دیا:

أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۵۸ : ۲۲)

''وہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو کہ اللہ کی جماعت والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔''

(4) ''آزادیٔ مذہب: شخصی آزادی کا ایک ضروری اور اہم لازمہ فرد کا کسی قسم کے دباؤ کے بغیر اپنا مذہب یا عقیدہ اختیار کرنے کی آزادی ہے۔ ہر شخص کو دوسروں کے ڈر یا دخل اندازی کے بغیر اپنے عقیدے کے مطابق رسوم و شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہونی چاہئے۔ اسلام کی رُو سے آزادیٔ مذہب کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور نہ اُنہیں اپنی مذہبی رسوم و عبادات پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا کی جائے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کا استحقاق حاصل ہو۔ اُنہیں اپنے مذہب کے خلاف باغیانہ ترغیب و تحریص اور جارحیت کے دفاع کا بھی حق ہے۔''

دوسری آزادیوں کی طرح آزادیٔ مذہب بھی طاقت کے بالادست ذرائع کی سختی اور دباؤ سے تحفظ دیتی ہے۔ مصر کے عالمِ دین فتحی عثمان اسی آزادی کو اسلامی طرزِ فکر قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنی تصنیف ''حقوق الانسان بين الشرعية الاسلامية'' میں لکھتے ہیں:

''اسلامی ریاست میں کسی ایسی طاقت کو نہیں ابھرنا چاہئے جو لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرے۔ اس ضمن میں اسلامی ریاست کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ اُن قوتوں کو پنپنے سے روکیں اور اُن کی نگرانی کریں جو لوگوں کو اُن کی آزادیٔ عقیدہ کو سلب کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔''

علامہ رشید رضا اپنی تفسیر ''المنار'' میں لکھتے ہیں:

''توحید کے ماننے والے علمائے دین اس امر پر متفق الرائے ہیں کہ عقیدے کا اعتراف و اظہار اگر رضا کارانہ طور پر نہ کیا جائے تو وہ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اگر اعتراف و اظہار دباؤ اور سختی کے ذریعے کیا جائے گا تو اُس کی نہ کوئی قانونی حیثیت ہے اور نہ مذہبی۔''

اسی نقطہ نظر کو مشہور و معروف حنبلی فقیہ ابن قدامہ نے اپنی تصنیف ''المغنی'' میں بیان کیا ہے۔

''آزادیٔ مذہب کے موضوع پر عصرِ حاضر کی ایک نمائندہ رائے ذیل میں درج ہے جو اسلامی قانون کی بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ سعودی عرب نے جاری کی ہے۔ اس کانفرنس میں سعودی عرب کے علاوہ یورپ کے سرکردہ دانشوروں نے بھی شرکت کی تھی:

۳۳۲۳ (آزادی۔۔۔Liberty)

''ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق مذہبی عقیدہ اور مسلک اختیار کرنے میں آزاد ہے اور کسی کو کوئی بھی مذہب جبراً اختیار کرنے پر مجبور کرنا خلافِ قانون ہے۔''

سورہ یونس (10) کی آیات ۹۹ تا ۱۰۱ میں بھی یہی کہا گیا ہے۔ ربِّ جلیل اپنے پیارے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَ فَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ O وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ O قُلِ انْظُرُوْا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ O

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں' ضرور ایمان لے آتے (جب رب نے اُنہیں جبراً مؤمن نہیں بنایا) تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے کہ وہ مؤمن ہو جائیں۔ اور کسی کو (از خود یہ) قدرت نہیں کہ وہ اذنِ الٰہی کے بغیر ایمان لے آئے۔ اللہ کفر کی گندگی اُنہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو (حق کو سمجھنے کے لئے) عقل سے کام نہیں لیتے۔ فرما دیجئے: تم لوگ دیکھو تو (سہی) آسمانوں اور زمین (کی اس وسیع کائنات میں) قدرتِ الٰہیہ کی کیا کیا نشانیاں ہیں اور (یہ) نشانیاں اور (عذابِ الٰہی سے) ڈرانے والے پیغمبر ایسے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو ایمان لانا ہی نہیں چاہتے۔''

''اسلامی قانون کی مذکورہ بین الاقوامی کانفرنس (منعقدہ سعودی عرب) کے بیان میں سورہ یونس کی متعلقہ آیات کے علاوہ خاص طور پر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ کا حوالہ دیا گیا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین میں جبر نہیں)

''آزادیِ مذہب وعقیدہ کے موضوع پر یہ آیت نہایت اہم ہے اور اسے خصوصی طور پر بطورِ حوالہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس پوری آیت کے ٹکڑے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ میں جس جبر واکراہ کی نفی کی گئی ہے' اس سے مقصود جبرِ فطری کی نفی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت وضلالت کے معاملے میں یہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا کہ وہ اپنی مشیّت وقدرت کے زور سے لوگوں کو ہدایت پر چلا دے یا گمراہی کی طرف ہانک دے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتا تو کوئی اُس کا ہاتھ پکڑنے والا تو نہیں تھا۔ لیکن یہ بات اُس کی حکمت اور اُس کے عدل کے خلاف ہوتی۔ اس کے برعکس اُس نے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے لوگوں کے سامنے حق اور باطل دونوں کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے۔ پھر جو لوگ حق کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں' اُنہیں راہِ حق اختیار کرنے کی توفیق ارزانی کر دیتا ہے اور جو لوگ باطل کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں' اُنہیں اس کے لئے ڈھیل دے دیتا ہے۔''

(ملخصاً: ''شاہکار انسائیکلوپیڈیا قرآنیات'' فروری 2009' صفحات ۹۱ تا ۱۰۰)

(۱۲۹) زندگی (LIFE)

(الف) حیاتِ دنیاوی

اللہ خالق و مالک کا نائب (خلیفہ) ہونے کے لحاظ سے حضرتِ انسان کو اُس کے احکامات کا مکمل طور پر طاعت و فرمانبرداری کا کمال مجسمہ ہونا چاہئے۔ اُس کی تمام زندگی اور زندگی کا ہر شعبہ اپنے خالق کی بندگی کا مظہر ہو۔ اُس کی زندگی، اُس کی موت، اُس کی امنگوں، آرزوؤں، خواہشات اور زندگی کی تمام تنظیمات (سسٹم) کو رضائے الٰہی اور مقصوداتِ الٰہی کا عکاس ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ضابطہ حیات کا انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ انسانی سرگرمیوں کے تمام نقوش کو محیط ہے۔ سورۃ الذاریت کی درج ذیل آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے اسی نکتے پر زور دیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ O

"اور میں نے تو جنات اور انسان ☆ کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔" (۵۱:۵۶)

اور انسان کی زندگی کوئی کھیل تماشا نہیں۔ خالق کا اس کے پیچھے ایک مقصد کارفرما ہے جیسا کہ سورۃ المؤمنون میں بیان کیا گیا:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ أَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ O (المؤمنون: ۱۱۵)

"تو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بلا مقصد پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹا کر نہ لائے جاؤ گے؟" (۱۱۵ : ۲۳)

یعنی تم نے یہ سمجھا کہ جس طرح شمع یا چراغ گل ہو جاتا ہے، اُسی طرح انسانی روح بھی معدوم محض ہو جاتی ہے۔ یہ کیسی شدید حماقت ہے! قرآن اسی خیالِ باطل کی تردید کر رہا ہے اور انسان کی حیاتِ دنیوی کا انجام پیشگاہِ الٰہی میں حاضری بتاتا ہے۔ اسی میں ان باطل مذہبوں کا رد آ گیا جو انسان کا انجام فنائے محض سمجھے ہوئے ہیں۔

☆ "مخلوقات میں جن اور انسان دو قسمیں ایسی ہیں جن میں خالق نے پورا احساسِ ذمہ داری رکھ دیا ہے اور اُن کے اندر ابتلاء و اختیار دونوں کی صلاحیتیں جمع کر دی ہیں۔ بخلاف فرشتوں کے جو ابتلاء سے خالی رکھے گئے ہیں اور بخلاف حیوانات کے جنہیں اختیار کی پوری قوت نہیں دی گئی۔ مکمل طور پر ذمہ دار ہستیاں بنا کر یہی دو مخلوق دنیا میں بھیجی گئی ہیں۔ اُن کی اپنی تکمیلِ ذات کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں، عبادت ہی کی راہ سے کریں۔ کھائیں، پئیں، بولیں چالیں، چلیں پھریں، کمائیں خرچ کریں ہر فعل اور ہر عمل سے مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہی رکھیں۔ اپنے وجود کی علتِ غائی اسی کو سمجھیں اور یہی معنی ہے اُن کی عبادت کا۔ عبدیت اور عبادت سے خود انسانیت ہی کو پوری نشو و نما کا موقع ملتا ہے اور جتنی اس میں کمی رہ جائے گی، اُسی نسبت سے انسان کا منشائے تکمیل ناتمام رہے گا۔" (تفسیر ماجدی اردو، صفحہ ۱۰۴۵، نوٹ: ۳۳)

۳۳۲۵ (زندگی۔۔۔LIFE)

ایک انگریز شاعر ہنری لانگ فیلو نے اپنے ایک شعر میں سچ کہا ہے:
''زندگی ایک حقیقت ہے' زندگی پُر جوش اور پُر عزم ہے اور قبر اس کا منتہائے مقصد نہیں ہے۔''

اس دنیا میں بھیجے جانے کے بعد انسان کو شترِ بے مہار کی طرح کھلا نہیں چھوڑ دیا گیا کہ وہ من مانی کرتا پھرے، بلکہ اُسے اپنے بھیجنے والے کے احکامات وقوانین کا پابند رہ کر زندگی گزارنی ہوگی۔ اسی نکتے کو ایک اور جگہ بیان کیا گیا اور فرمایا گیا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O(الانعام: ۱۶۲)
''فرما دیجئے بے شک میری نماز' میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی)' میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔'' (۶ : ۱۶۲)

ایک خطرناک مغالطہ / واہمہ: سورۃ الذاریٰت کی درج بالا آیت ۵۶ سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسلام صرف مسجد ہی کا مذہب ہے بایں معنیٰ کہ انسان کو اپنے خالق کی عبادت کرتے ہوئے ہر وقت مسجد ہی میں ہونا چاہیئے۔ یہ خیال کلی طور پر غلط ہے اور مقصدِ حقیقی کو سمجھا ہی نہیں گیا۔ اسلام نہ تو محض مسجد کا مذہب ہے اور نہ ہی محض دنیاوی معاملات کا۔ اسلام 'عبادت' کا مذہب ہے۔ اور عبادت نام ہے اللہ کی مکمل تابعداری اور فرمانبرداری کا۔ اسلام دراصل دونوں دنیاؤں اور مادیت ورُوحانیت دونوں کا حسین امتزاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ سے دونوں دنیاؤں میں خیر اور بھلائی عطا کئے جانے کی دعا سکھائی گئی ہے اور فرمایا گیا:

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ● (البقرۃ: ۲۰۱)
''اے ہمارے پالنہار! ہمیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچالے۔'' (۲ : ۲۰۱)

دیکھئے اس دعا میں دُنیا نہیں مانگی گئی بلکہ ''بھلائی'' اور صرف ''بھلائی'' جہاں کہیں بھی وہ پائی جائے' اس دنیا میں یا اُس دنیا میں' کی درخواست کی گئی ہے۔ نبی مکرّم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ ایک مثالی اور دل پسند دعا تھی کیونکہ اس کے دو جملوں میں اِس دنیا اور اُس دنیا کی جملہ بھلائیوں اور نعمتوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس جامعیت نے ایک عیسائی مصنف کو یہ لکھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لکھتا ہے:

''یہ دعا اسلام میں انتہائی دقّت طلب متناقض خصوصیت کی حامل ہے۔ اس دنیا سے لطف اندوز ہونے' اس کی نعمتوں کو استعمال کرنے اور اسے تسلیم کرنے میں اسلام بہت ہی عملی مذہب ہے لیکن اسلام کے پیش

کردہ گناہوں کی مغفرت کے اصول پر وہ اِس دنیا کا نہیں بلکہ کلیتاً کسی خیالی دنیا کا مذہب معلوم ہوتا ہے۔''
"Religious Life and Attitude in Islam"... Macdonald, p. 43)

پس اسلام میں عبادت کا تصور زیادہ جامع ہے۔اس سلسلہ میں اسد نے صحیح بخاری کے اپنے انگریزی ترجمہ کی جلد اول' صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے :

''اسلام میں عبادت خالصتاً دینی وابستگی کے بندھے ہوئے طریقے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی وسعت انسان کی انفرادی اور معاشرتی تمام عملی زندگی تک پھیلی ہوئی ہے۔اگر ہماری زندگی کا مجموعی مقصد اللہ کی عبادت کرنا ہو تو ہمیں اس کے کل پہلوؤں میں زندگی کو ایک مربوط اخلاقی ذمہ داری سمجھنا چاہئے۔اس طرح ہمیں اپنے تمام اعمال کو خواہ وہ کتنے ہی معمولی نوعیت کے ہوں' عبادت کے طور پر ادا کرنے چاہئیں یعنی اُنہیں شعوری طور پر اُس کائناتی منصوبے کا حصہ بنانا چاہئے جس کی تشکیل اللہ نے کی ہے۔'' (ماجدی)

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرآنی آیت اِنَّمَا أَمۡوَالُكُمۡ وَأَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ'' (سورۃ التّغابن:۱۵) (تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو بس آزمائش ہی کی چیزیں ہیں ۶۴:۱۵) کے نزول پر کچھ نیک نیت مسلمانوں نے لذت بخش غذا نہ لینے اور اپنی بیویوں سے قربت نہ کرنے کی قسم کھالی تھی۔نبی ﷺ نے اس پر انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: لَا رَهۡبَانِيَّةَ فِي الۡإِسۡلَام (اسلام میں ترکِ دنیا یعنی راہبوں اور راہبات کی کوئی گنجائش نہیں)۔سورۃ المائدۃ کی ذیل کی آیت ۸۷ بھی ایسے ہی نیک نیت لوگوں کے لئے نازل ہوئی تھی :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَO

''مؤمنو! اپنے اوپر اُن پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہیں' حرام نہ کرلو اور حدود سے آگے نہ نکلو۔بے شک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (۵:۸۷)

کسی جائز چیز سے کسی طبی یا انتظامی مصلحت کی بنا پر دست بردار ہو جانا اور چیز ہے جیسے یعقوب علیہ السلام نے عرق النسا کے مرض کی وجہ سے اونٹ کے دودھ اور گوشت کو اپنے اوپر ممنوع کرلیا تھا (تفسیر بیضاوی: سورہ آلِ عمران' آیت :۹۳) اور ظاہر ہے کہ اس طبی پرہیز کا حُرمتِ شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔تو معلوم ہوا کہ ترکِ لذات کی اور بیویوں سے دُور رہنے کی خود عائد کردہ قسموں کا کوئی اعتبار اور کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کے مطابق نہ ہوں۔اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جذباتِ تشکر و امتنان کے ساتھ استعمال میں لانا چاہئے لیکن اُن کے استعمال میں بھی حدود سے آگے نکل جانے کو وہ پسند نہیں کرتا اور حدود سے آگے نکل جانے کا مطلب اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام اور ممنوع کر دینا ہے۔

عبادت کی ہیئت ترکیبی (شکل) اور روح: اسلام کے قائم کردہ ہر عبادت دو عناصر پر مشتمل ہے

یعنی ظاہری شکل وصورت (ہیتِ ترکیبی) اور اس کی روح۔ اوّل الذکر عبادت کی خارجی اور ظاہری شکل وصورت ہے جبکہ روح اُس کا داخلی پہلو ہے اور یہی داخلی اور اندرونی پہلو عبادات کا حتمی اور حقیقی مقصد ہے۔ مثلاً قیام' رکوع' سجود' جلسہ اور قعدہ نماز کی خارجی شکلیں ہیں لیکن نماز کی روحانی رفعت اور عمدگی اس صحیح اور حقیقی مقصد میں پنہاں ہے کہ نماز کے ذریعے اپنے خالق و مالک کا قرب حاصل کیا جائے۔ اگر کوئی نمازی یا عابد عبادت یا نماز کے اصل مقصد سے غافل ہوتے ہوئے اُس کی ظاہری شکل وصورت میں گم رہتا ہے تو اُسے روح کے معدوم ہونے کے ناگزیر اور قدرتی نتیجے کی کھیتی کاٹنی ہوگی۔ قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرآنِ حکیم کے نزدیک لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی تقویٰ ہے۔

افضال الرحمٰن اپنے ''انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ'' میں لکھتے ہیں:۔

''عبادت کی شکل و ہیئت اس لحاظ سے اہم ہے کیونکہ اسی کے مشاہدہ کے ذریعے دین کی روحِ حقیقی کا حصول ہوتا ہے لیکن اگر عبادت کی شکل و ہیئت میں روح مفقود ہو تو وہ مغز کے بغیر بادام کی طرح ہوگی جس کا بہ ظاہر کچھ بھی تو فائدہ نہیں۔ اِن حالات میں زندگی کے عملی مسائل اور روئے زمین پر نظامِ عدل وانصاف' خیر و فلاح اور پاکیزگی کے استحکام کے حوالے سے محض شکل و ہیئت بے فائدہ اور غیر متعلق ہو جاتی ہے۔ عبادت نظم وضبط کی بے مثال تنظیم ہے۔'' (جلد ہفتم' صفحہ ۲۴)

<u>عبادت کی ظاہری شکل وصورت اور روح کی بابت قرآن وسنت کے حوالہ جات</u> : قرآن مجید کی مختلف آیات عبادت کی ظاہری شکل اور اس کی روح کے مابین تعلق پر روشنی ڈالتی ہیں:۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (البقرۃ : ۱۱۵)

''اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی)' سوتم جدھر کو بھی منہ پھیرو اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا' بڑے علم والا ہے۔'' (۱۱۵ : ۲)

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی ہمہ جہت نفوذ پذیری (All-pervasiveness) پر زور دے رہی ہے یعنی وہ کسی خاص سمت یا جہت میں نہیں ہے بلکہ وہ ہر جگہ اور ہر سمت میں مساوی طور پر موجود ہے۔ وہ تمام سمتوں اور جہتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قرآن یہاں اسی بات پر زور دے رہا ہے کہ عبادت کی جگہ یا سمت ایک ثانوی چیز ہے۔ عبادت (نماز) کے دوران مشترک سمت مقرر کرنے کا مقصد ملّی وحدت کو قائم کرنا ہے تاکہ امام اور اس کے مقتدی ایک ہی طرف کو رخ کریں اور اپنی معروضات ومناجات اُس اللہ کے حضور پیش کریں جس کی قوتِ مقتدرہ' مختار کاری (اتھارٹی) اور دائرۂ کار زمان ومکان دونوں لحاظ سے ہر شے کو محیط ہے۔ علیم وخبیر ہونے کے ناطے سے اُسے بخوبی معلوم ہے کہ اُس کا کون سا بندہ کہاں' کب اور کس ارادہ کے ساتھ اُسے یاد کر رہا ہے اور اس طرح اُس کا اپنی مخلوقات کے ساتھ قریبی رابطہ ہے۔ اس لئے قطب نما کی سوئی کے اشارے سے قطع نظر اپنے خالق و مالک کی عبادت میں منہمک رہو۔

سورۃ البقرہ میں مندرجہ بالا اصول کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔
سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍO (البقرۃ: ۱۴۲)
''اب بیوقوف لوگ ضرور کہیں گے کہ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو اُن کے (اس) قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے' ہٹا دیا۔ آپ فرما دیجئے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی مِلک ہیں۔ وہ جسے چاہے سیدھی راہ چلا دیتا ہے۔'' (۱۴۲ : ۲)

یعنی کسی خاص سمت و جہت میں کوئی تقدّس نہیں رکھا ہوا۔ اُس کے لئے سب جہتیں برابر ہیں۔ وہ جدھر اور جس چیز کو بھی چاہے نماز کے لئے رُخ مقرر کر دے۔ یہ ضربِ کاری ہے مشرق پرستی' مغرب پرستی اور ہر قسم کی سمت پرستی پر جو مختلف مشرک جاہلی قوموں کا مذہب رہی ہے۔

یاد رہے کہ تحویلِ قبلہ (قبلہ تبدیل کرنے) کا یہ حکم سب سے زیادہ ناگوار یہودیوں کو ہوا۔ اب تک وہ یہ سمجھ کر خوش ہو رہے تھے کہ مسلمان کم از کم اُن کے ہم قبلہ تو ہیں۔ اب یہ مسرّت بھی اُن سے چھن گئی۔ کوتاہ نظر اور تنگ نظر ہوتے ہوئے کئی نادان لوگوں نے جو اس تحویلِ قبلہ کے صحیح مفہوم کی مصلحت کے سمجھنے سے عاری تھے' اس پر تنقید کرنا شروع کر دی یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ کسی ایک خاص سمت میں محدود ہے اور یہ کہ تحویلِ قبلہ کے اس حکم کا معنی یہ ہے کہ اب رخ اُس طرف کو کر لیا جائے جہاں اللہ اپنی جگہ بدل کر پہنچ گیا ہے۔ اس بے بنیاد اعتراض کو یہ کہہ کر دُور کیا گیا کہ مشرق و مغرب اور دوسری تمام سمتیں اللہ ہی کی مِلک ہیں جو کسی ایک سمت و جہت میں محدود نہیں ہے۔

دنیا کی جاذبیتوں سے محبت کے باعث یہودی دین کی اصل روح سے بیگانہ ہو چکے تھے اور رسوم و روایات کے غلام بن چکے تھے۔ اُن کی عبادت محض اس کی ظاہری شکل تک محدود تھی اور وہ دین کے مقصد یعنی اس کی روح کو مکمل طور پر بھول چکے تھے۔ لہٰذا یہاں قرآنِ حکیم یہود و نصاریٰ اور دوسری اقوام کو دین کی عملی اہمیت اور اصل روح کی یاد دہانی کراتا ہے کہ اس روح کا عبادت کی ظاہری شکل و صورت کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ اگر عبادت سے اُس کی روح مفقود ہو جائے تو انسان محض اس کی ظاہری ہیئت سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

''اگر عبادت کو صحیح طور سے اور اس کے مقصد کو سمجھتے ہوئے ادا کیا جائے تو تمام انسانی معاملات خالقِ حقیقی کے ساتھ روحانی تعلق کی عکاسی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ روحانی رفعت انسانوں کی اعلیٰ اخلاقیات اور اپنے ابنائے جنس کے ساتھ معاملات میں اعلیٰ کردار کی مظہر ہے۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں یہ اثرات معدوم و مفقود ہیں تو اُن کی عبادت میں کہیں نہ کہیں ضرور کوئی نقص ہے۔ یا تو وہ عبادت کو کماحقہٗ' ادا نہیں کرتے یا یہ کہ وہ اس کی ظاہری ہیئت میں اس قدر محو ہیں کہ وہ اس کے مقصد کو کلی طور پر نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ' جلد ہفتم' صفحہ ۲۴)

۳۳۲۹ (زندگی۔۔۔LIFE)

مندرجہ ذیل حدیثِ مبارکہ عبادت کی روح کی مکمل طور پر عکاسی کرتی ہے :

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّكَ تَرَاہُ وَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاكَ (صحیح بخاری)

"عبادات میں احسان (حسن پیدا کرنا) یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت یہ سمجھ کر کرے گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے اور اگر تجھ میں اُسے دیکھنے کی قابلیت نہیں تو (کم از کم) یہ سمجھ کر اُس کی عبادت کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

''اگر مسلمان آج عبادت کے عملی فائدوں کے حاصل کرنے کے قابل نہیں رہے' وہ لوگوں کے ساتھ معاملات میں عبادت کی اعلیٰ اخلاقیات کو نہیں سمو سکے اور وہ زندگی کے عملی معاملات میں سست و کاہل' غیر ذمہ دار اور نااہل ہیں تو اس میں قصور اُنہی کا ہے کیونکہ وہ عبادت کی روح سے عاری ہیں اور اس کی ظاہری شکل وصورت سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے اُن کی پسماندگی میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے عبادت کو مقرر اور فرض کیا تھا اوّل تو اس لئے کہ وہ اپنے مقتدرِ اعلیٰ سے وفادار رہیں اور یہ کہ وہ اپنے خالق کے ساتھ قریبی تعلق قائم کریں جس سے مادّی جاذبیتوں اور تحریصات کے مقابل کافی مضبوط دفاع اُنہیں حاصل ہوگا۔''

''بہ الفاظِ دیگر اس ضابطے کا مقصد اُنہیں ایک خالص اور مبنی بر انصاف نظام حیات کے قائم کرنے جیسے مشکل کام کے لئے تیار کرنا تھا تاکہ عوام الناس امن وآشتی کی زندگی بسر کرسکیں اور بغیر کسی جبر و اِکراہ اور تشدد کے آزادانہ طور پر ہر اُس چیز کو بروئے کار لاسکیں جسے وہ صحیح اور حق سمجھیں۔ اسی لئے راستی اور نیکی کسی خاص اعتقاد کے ساتھ محدود نہیں ہے بلکہ اُس مقتدرِ اعلیٰ کے حضور اپنے مکمل سراپا کو کلی طور پر جھکا دینے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ سورۃ البقرہ اس بنیادی صداقت کی طرف یوں اشارہ کرتی ہے :

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْنَصَارٰی تِلْكَ اَمَانِیُّھُمْ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَO بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ" فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ" عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَO (البقرۃ : ۱۱۱' ۱۱۲)

''اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا مگر ہاں وہی جو یہودی یا نصرانی ہوں' یہ اُن کی (نری) آرزوئیں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنی سند لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لئے اُس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔'' (۱۱۱'۱۱۲ : ۲)

''اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر لوگ عبادت کے مقصدِ حقیقی یعنی ''اپنے سراپا کو اللہ کے سپرد کردینے'' سے صَرفِ نظر کرلیں تو تمام طریق ہائے عبادت' اعتقادات اور عبادت کی ظاہری شکلیں بے معنیٰ ہو کے رہ جاتی ہیں۔ جب تک ایک عابد اپنے تمام وجود' اپنی اَقدار' خواہشات' امنگوں' رسوم و رواج اور روایات کو مکمل طور پر کمال خلوص کے ساتھ الٰہی ضابطے کے تحت نہ کرے کہ اُس کے تمام مذہبی' اقتصادی' معاشرتی' ثقافتی اور سیاسی

معاملات پر قانونِ الٰہی کی حکمرانی ہو جائے' اُس وقت تک وہ عبادت کے مطلوبہ مقصد کے حصول میں ناکام رہتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ لوگ عبادت کی ظاہری شکل قائم کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت کے مقصدِ حقیقی یعنی اُس کی روح کے قیام کا بھی اہتمام کریں اور پھر کردار کی اعلیٰ وارفع خصوصیات کے حصول کی بھی کوشش کریں۔ جس طرح روح کو اپنے وجود کے لئے شکل و ہیئت کی ضرورت ہوتی ہے' اسی طرح روح کے بغیر ظاہری شکل انسانی زندگی میں اپنی اہمیت کھو دیتی ہے۔اس مفروضہ کی توثیق میں کہ ظاہری شکل و ہیئت اور روح دونوں ہی عبادت کے بنیادی اجزاء ہیں' ذیل میں کچھ احادیث ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں :۔

(۱) ''کوئی حاکم جسے مسلمان رعایا پر بااختیار حکمران بنایا جائے' اگر اُن سے بے ایمانی اور بددیانتی کا سلوک کرتے ہوئے مرجائے تو اُس کا جنت میں داخلہ ہرگز نہ ہوگا۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

(۲) ''وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر بااختیار حاکم بنایا ہو اور وہ خیرخواہی کے ساتھ اُن کی حفاظت نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا۔''

(۳) '' منصف مزاج لوگ بروزِ قیامت اللہ کے ساتھ نور کے منبروں پر اللہ کے دائیں طرف ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی رعایا اور ہر اُس چیز کے ساتھ منصفانہ سلوک کرتے ہیں جو اُن کے اختیار میں دی گئی ہے۔'' (صحیح مسلم)

(۴) ''حاکموں' سرداروں اور نگرانوں کے لئے ہلاکت ہے۔روزِ محشر کو یہ لوگ آرزو کریں گے کہ اُن کی پیشانیوں کے بالوں کو بنات النعش ☆ کے ساتھ باندھ دیا جائے اور یہ کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان جھول رہے ہوں اور یہ کہ کاش اُنہوں نے کبھی حکمرانی نہ کی ہوتی۔'' (شرح السنہ؛ مسند احمد)

(۵) ''روزِ محشر انصاف پسند حکمران اللہ کو محبوب اور اس کے مقرب ہوں گے' اور روزِ محشر اللہ کے نزدیک ظالم و جابر حکمران قابلِ نفرت ہوں گے جنہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔'' (ترمذی)

یہ تمام احادیث اس بات کی توثیق کرتی ہیں کہ اللہ کی نظر میں حقوق العباد' حقوق اللہ اور عباداتِ الٰہی کی نسبت زیادہ باوزن ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے ساتھ زبانی اطاعت کا ذاتی معاملہ ہے اور اس میں حقوق العباد کی ادائیگی کا کوئی تعلق نہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات میں زبانی ایمان کے ساتھ ساتھ اُس ایمان کا جزوِ لاینفک (یعنی حقوق العباد کی رعایت) شامل نہ ہو تو نہ تو اس زبانی اقرار کی اور نہ ہی مناسکِ عبادات کی ادائیگی کی اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت یا حقیقت ہے۔''

''اسی وجہ سے بہت سے حکمرانوں اور قاضیوں کو جو عباداتِ الٰہی کی ادائیگی میں بہت ہی باقاعدہ ہوں گے' صرف اس وجہ سے جہنم بُرد کر دیا جائے گا کہ اُنہوں نے لوگوں کے معاملات کو عدل و انصاف سے نہ نمٹایا ہوگا بلکہ ظلم و عُدوان سے اُن کے حقوق کو تلف کیا ہوگا۔اس طرح بے انصافی کے اور نیکی کے پابندی اور جارحیت کے کام ہی ہیں' نہ کہ

☆ مجمع النجوم ثور میں واقع سات ستارے جنہیں سہیلیاں کہا جاتا ہے اور جو سات سہیلیوں کا جھمکا ہوتا ہے (آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری۔۔شان الحق حقی' صفحات ۱۲۶۳' ۱۲۶۴)

۳۳۱ (زندگی ۔۔۔LIFE)

ایمان کا زبانی اقرار یا عبادات کی ادائیگی جن سے روزِ محشر کو انسان کی حتمی تقدیر (کامیابی یا ناکامی) کا فیصلہ ہوگا۔'' اس حقیقت کا اظہار سورۃ المُلک کی اس آیت میں کیا گیا ہے :

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (المُلك : ۲)

"اُس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل میں کون بہتر ہے۔" (۶۷:۲)

''موت عدمِ محض یا فقط سلبِ حیات کا نام نہیں جیسا کہ بعض جاہل فلاسفہ نے سمجھ رکھا ہے بلکہ وہ ایک مستقل وجودی مخلوق ہے۔ یہود کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ صرف حیات حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اور موت تو شیطان نے نافرمانی کر کے پیدا کر دی ہے۔ آیت سے اس اعتقاد کی تصحیح بھی مدِّ نظر ہے۔ حیات کا عرصۂ عمل ہونا تو بالکل ظاہر ہی ہے۔ یہ مہلت اور موقع اگر حاصل نہ ہو تو انسان اچھا بُرا عمل کرے ہی کس وقت؟ اور موت حسنِ عمل کے لئے بمنزلہ شرط ہے۔ موت کے مشاہدہ سے دنیا کے فانی ہونے کا اور آخرت کے اعتقاد سے وہاں کے اجر کا اگر یقین نہ ہو تو انسان حسنِ عمل کے لئے کوشش ہی کیوں کرے۔'' (تفسیر ماجدی اردو، صفحہ ۱۱۲۵، نوٹ : ۲)

''اس طرح اعتقادات اور عبادات کی اہمیت عملاً اُسی وقت قائم ہوتی ہے جب اُنہیں ٹھوس اعمال و افعال کی تائید حاصل ہو۔ قرآنِ حکیم اس نکتے کی مکمل طور پر تائید کرتا ہے کیونکہ قرآن نے اعمالِ صالحہ کے ذکر کے بغیر صرف ایمان کا ذکر کہیں بھی نہیں کیا بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ذکر ہمیشہ اکٹھا کیا ہے اور اعمالِ صالحہ کو ایمان کی تائید میں اور ایمان کو اعمالِ صالحہ کی تائید میں بیان کیا ہے۔ اس سے ہمارے اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ روح کے بغیر عبادت کی محض ظاہری شکل و ہیئت کی کوئی حیثیت نہیں۔ عبادات کو اُن کے مقصدِ حقیقی کو سمجھتے ہوئے ادا کرنا چاہئے اور پھر عوامی معاملات میں اس کی توثیق ٹھوس اور مضبوط اعمال و افعال کے ذریعے کرنی چاہئے۔''

انسان اگر آیت کے صرف اسی حصّہ پر غور کرے لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا تو اُس کی ہدایت پذیری کے لئے کافی ہے۔ اُس کے دل میں یہ احساس پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا اُس کے لئے امتحان گاہ ہے اور یہ حیاتِ مستعار اُس کے لئے امتحان کی مدّت ہے اور امتحان وہ لے رہا ہے جو ظاہر و باطن، خفی و جلی، غیب و شہادت کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر کیا مجال کہ انسان گناہوں سے اپنا دامنِ حیات ملوّث کرے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو اس حقیقت کی طرف بڑے دل نشیں انداز میں متوجہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان الفاظ سے نصیحت فرمائی:

خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسُقْمِكَ وَمِنْ شَبَابِكَ لِهَرَمِكَ وَمِنْ فَرَاغِكَ لِشُغْلِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ فَإِنَّكَ لَاتَدْرِیْ مَااسْمُكَ غَدًا

"اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے لئے، اپنی جوانی کی حالت میں بڑھاپے کے لئے، اپنے فارغ لمحات میں مصروفیت کے لئے اور جب تک زندگی کی شمع روشن ہے، موت کے لئے ذخیرہ جمع کر لو۔ کیونکہ تجھے نہیں معلوم کہ کل تیرا کیا نام ہوگا"

اپنے موقف کی تائید میں ہم کچھ مزید احادیث پیش کرتے ہیں جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(۱) ''ایمان کے ساٹھ (یا ستّر) سے اوپر شعبے ہیں' اُن میں سے اعلیٰ تر اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور اُن میں سے ادنیٰ تر شعبہ یہ ہے کہ راستہ سے ہر اُس چیز کو ہٹا دیا جائے جو راہ گزروں کو تکلیف دے۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

(۲) ''اے مسلم خواتین! اپنے ہمسائے کو معمولی چیز بھی تحفتاً بھیجنے میں عار محسوس نہ کیا کرو۔'' (ایضاً)

(۳) ''اپنے آپ کو نارِ جہنم سے بچاؤ اگر چہ وہ آدھی کھجور ہی بطور خیرات دینے کے ذریعے کیوں نہ ہو۔''

(۴) ''صدقہ و خیرات ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اگر اس کے پاس خیرات میں دینے کو کچھ نہیں تو اُسے اپنے فائدہ کے لئے اپنے ہاتھوں سے کام کرنا چاہئے اور اپنی کمائی میں سے کچھ نہ کچھ خیرات میں دینا چاہئے۔ اگر وہ کام نہیں کر سکتا تو اُسے غریب و محتاج اور مستحق کی مدد کرنی چاہئے۔ اگر وہ یہ بھی نہیں کر سکتا تو اُسے دوسروں کو نیکی کے کاموں کی ترغیب دینی چاہئے (تو یہ عمل بھی اُس کی طرف سے خیرات ہوگا)۔ اور اگر وہ یہ بھی نہیں کر سکتا تو اُسے اپنے آپ کو دوسروں سے برائی کرنے سے روکنا چاہئے تو یہ بھی اُس کی طرف سے خیرات ہوگی۔'' (ایضاً)

(۵) ''ایک مسلمان پودا لگاتا ہے یا کھیتی کاشت کرتا ہے اور پھر انسان یا جانور یا پرندے اس میں سے کچھ کھا جاتے ہیں تو یہ اُس کی طرف سے خیرات اور صدقہ ہوگا۔''

(۶) ''ایک راہ گزر کو سخت پیاس لگی۔ ایک کنویں پر پہنچ کر وہ اس کے نیچے اترا' خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اُس سے باہر آنے پر اُس نے ایک کتے کو زبان باہر نکالے ہوئے اور اپنی پیاس کو بجھانے کے لئے مٹی کو چاٹنے کی کوشش کرتے دیکھا۔ آدمی کو خیال ہوا کہ کتے کو بھی اُسی طرح کی پیاس لگی ہے جیسے اُسے کچھ دیر پہلے لگی ہوئی تھی۔ سو وہ دوبارہ کنویں میں نیچے اترا' اپنی چرمی جرابوں کو پانی سے بھرا اور اُنہیں اپنے دانتوں سے پکڑتے ہوئے کنویں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے اس عمل کی قدردانی کرتے ہوئے اُس کے گناہ معاف کر دئے۔ کسی صحابی نے نبی علیہ السلام سے دریافت کیا: کیا ہمیں جانوروں سے مہربانی سے پیش آنے کا بھی ثواب ملے گا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جانوروں سے مہربانی سے پیش آنے کا بھی ثواب ہے۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

''جب تک مسلمانوں نے عبادات کی ظاہری شکل اور اُس کی روح کو صحیح طور پر قائم رکھا' وہ دنیا پر غالب رہے اور اُن کے نظام ہائے حیات اور اقدارِ حیات کو اپنی عمدگی اور فوقیت کے باعث اقوامِ عالم نے بہ نظرِ عزت و تکریم دیکھا لیکن جونہی اُن کی عبادت سے روح مفقود ہوئی اور وہ صرف اس کی ظاہری شکل و ہیئت میں محدود ہو کر رہ گئے تو وہ اخروٹ کے اُس خالی خول کی طرح ہو گئے جس میں کوئی مغز نہ ہو۔''

''مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیرِ قرآن میں بڑی خوبصورتی سے اسلام میں وحدت و یگانگت کے اصول کی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

'' قرآن حکیم ہر ایک کو آفاقی اور مشترک صداقت کی طرف واپس لانا چاہتا ہے۔ یہ آفاقی اور مشترک

۳۳۳۴ (زندگی ۔۔۔LIFE)

صداقت کیا چیز ہے؟ یہ زندگی میں وہ کامیابی یا نجات ہے جو اللہ سے وابستگی اور نیک و صالح زندگی گزارنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی زندگی کا وہ قانون ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بطور مذہب کے ہمیں عطا کیا ہے اور یہی وہ مذہب ہے جسے قرآن نے ''الاسلام'' کہا ہے۔ قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ نجاتِ اُخروی اور زندگی میں حقیقی کامیابی محض اللہ سے وابستگی اور صالح زندگی میں ہے نہ کہ کسی خاص ہیئت یا گروہ سے منسلک رہنے میں۔'' (''ترجمان القرآن'' بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ' جلد ہفتم)

اس سلسلہ میں قرآن مجید نے نجاتِ اُخروی کا ایک معیار مقرر کیا ہے جو یہ ہے:

(۱) فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّى هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ O (البقرة:۳۸)

''پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو اُن کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (۳۸ : ۲)

(۲) بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ O (البقرة: ۱۱۲)

''ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لئے اُس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔'' (۱۱۲: ۲)

(۳) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَوٰةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ O (النحل: ۹۷)

''جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اُسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم اُنہیں اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔'' (۱۶:۹۷)

(۴) فَأَمَّا مَن طَغَىٰ O وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا O فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ O وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ O فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ O (النازعٰت: ۳۷ تا ۴۱)

''تو جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دُنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو ایسے کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہوگا اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھانہ جنت ہی ہے۔'' (۳۷ تا ۴۱ : ۷۹)

(۵) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ O جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ O (البيّنة: ۷، ۸)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو یہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔ اُن کا صلہ اُن کے رب کے نزدیک ہیشگی والی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے' یہ اُس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔'' (۹۸:۸'۷)

۳۳۳۴ (زندگی ۔۔۔LIFE)

<u>اس حیاتِ فانی کی حقیقت</u> : اُس قادرِ مطلق کی آہنی قوّت کے مقابل انسان کی بے بسی اور بے چارگی اور اس فانی زندگی کی حقیقت کا نقشہ قرآنِ مجید نے یوں کھینچا ہے :

(۱) فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ o وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ o وَنَحْنُ أَقْرَبُ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُونَ o فَلَوْ لَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ o تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ o (الواقعة : ۸۳ تا ۸۷)

''سو جس وقت رُوح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اُس وقت (بیکسی اور حسرت کی تصویر بنے) تکا کرتے ہو اور ہم تم سے بھی اُس شخص کے زیادہ قریب ہوتے ہیں البتہ تم نہیں سمجھتے ہو۔ تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں تو پھر تم اُس رُوح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے اگر تم سچے ہو۔'' (۸۳ تا ۸۷ : ۵۶)

کافروں سے کہا جا رہا ہے کہ اے کافرو! اگر تم ہماری وحی اور روزِ حساب کو جھٹلاتے ہو اور ہم سے بے نیاز ہو کر شترِ بے مہار ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو کیا تم مرنے والے شخص کی رُوح (عملِ تنفّس) کو اُس کے جسم میں لوٹا سکتے ہو جبکہ اُس کے تمام لواحقین اور رشتہ دار حسرت و یاس کی تصویر بنے اُس کے بسترِ مرگ کے گرد جمع ہوتے ہیں؟ روزِ حشر سے بچنے کی نسبت یہ بات تمہارے لئے زیادہ آسان ہوگی (اگر تم میں اتنی استطاعت ہے)۔ ظاہر ہے کہ تم بیچارے اور کمزور ہو تو اُس زبردست قوّتوں والے اللہ کو جسموں میں دوبارہ روح ڈالنے سے کیسے روک سکتے ہو؟''

(۲) اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا (اَلحدید : ۲۰)

''جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور ظاہری آرائش ہے اور آپس میں فخر اور خودستائی ہے اور ایک دوسرے پر مال و اولاد میں زیادتی کی طلب ہے۔ اس کی مثال بارش کی سی ہے جس کی پیداوار کسانوں کو بھلی لگتی ہے' پھر وہ خشک ہو جاتی ہے' پھر تم اُسے پک کر زرد ہوتا دیکھتے ہو اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔'' (۲۰ : ۵۷)

''دنیاوی زندگی کے دامن میں جو رنگین کھلونے ہیں' اُن میں سے ایک ایک کا ذکر کر دیا اور پھر انسان کو جھنجھوڑا اور اُس سے دریافت کیا کہ اِن کھلونوں میں سے کوئی کھلونا اِتنا قیمتی ہے کہ اُسے اس زندگی کا حاصل قرار دیا جا سکے۔ اگر نہیں تو پھر قرینِ دانشمندی یہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرے۔ فرمایا کہ دنیاوی زندگی عبارت ہے لہو و لعب سے جو بچوں کا کام ہے۔ زینت و آرائش سے جو عورتوں کا شیوہ ہے۔ تفاخر و تکاثر سے جس میں احمق اور نادان ہی اپنے آپ کو مشغول رکھ سکتا ہے۔''

قرآن مجید انسان کو اُس کے بیمار ہونے کے وقت کے آنے سے پہلے خوابِ غفلت سے بار بار جگاتا ہے'

جب اُس کے اعضاء کام کرنے سے رک جاتے ہیں اور اُس کی حالت نازک اور دگرگوں ہو جاتی ہے۔ اُس کے لئے معالجین کو بلایا جاتا ہے لیکن موت کے چنگل سے اُسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اب اُس کی وصیت کرنے کا وقت بھی قریب آ چکا ہے لیکن اُس کی آواز اتنی مدھم اور کمزور ہے کہ سنی نہیں جا سکتی۔ اُس کی زبان لڑکھڑاتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اب وہ کسی کو پہچان بھی نہیں رہا۔ اب وہ اُکھڑے اُکھڑے سانسوں سے بول رہا ہے۔ اُس کی آنکھوں کی پلکیں جھک گئی ہیں۔ یہی وقت خالق کے حضور اپنی جوابدہی کے آگاہ ہونے کا ہے۔ رشتہ دار، ہمسائے اور دوست اُس کے سرہانے کھڑے رو رہے ہیں۔ اسی دوران اُس کے جسم کا ہر عضو بے حس ہونا اور بے جان ہونا شروع ہوتا ہے اور انجام کار آخری سانس لیتے ہوئے اُس کی روح آسمان کو پہنچ جاتی ہے۔ رشتہ دار اور دوست اُس کی فوری تدفین کا بندوبست کرتے ہیں اور اُسے منوں مٹی تلے دبا دیا جاتا ہے، وہ جس نے کبھی بھی اپنی اولاد کی خوشیوں کی قربان گاہ پر اپنے ایمان کو بیچنے کی پروا نہیں کی تھی۔ کچھ دن سوگ منانے کے بعد تمام رشتہ دار موت کے ہاتھوں واقع ہونے والے خلا کو بھول کر مرجانے والے کے اثاثے اور جائداد کو تقسیم کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں جبکہ اُسے اپنے اعمال کا اپنے خالق کے حضور جوابدہ ہونا ہوتا ہے۔

یہ ہے انجام اِس فانی زندگی کا!!

(ب) برزخ (قبر) کی زندگی

لفظِ ''برزخ'' کا لفظی معنیٰ دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ ہے۔ اسی معنیٰ کی مناسبت سے اس لفظ کا استعمال سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۰۰ اور سورۃ الفرقان کی آیت ۵۳ میں ہوا ہے۔ مذہبی اصطلاح میں ''برزخ'' موت اور محشر کے درمیان کے عرصہ کا نام ہے۔ اس عرصہ میں مؤمن امن وسکون محسوس کرتا ہے جبکہ کافر سزائے الٰہی کا شکار رہتا ہے۔ اس ضمن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِّنَ النَّارِ

''قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔''

''جنت کا باغ'' نیکوکاروں کے لئے اور ''آگ کا گڑھا'' بدکاروں اور اللہ کے نافرمانوں کے لئے۔ حدیثِ مذکورہ کی تشریح یہ ہے کہ قبر کی اذیتیں انسان کے دل، آنکھوں، زبان، اعضائے صنفی، ہاتھوں اور پاؤں سے کئے گئے گناہوں کا نتیجہ ہوں گی۔ اچھے اور نیک کام کرنے والے جسمانی اعضاء کو اجرِ جزیل سے نوازا جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب لوگ میت کو قبرستان میں لے جاتے ہیں تو اگر تو وہ نیک ہے، تو وہ لوگوں سے اُسے جلد از جلد لے جانے کی درخواست کرتا ہے۔ اور اگر وہ بدکار رہے تو وہ اپنی بدبختی کو کوستا ہے اور لوگوں سے پوچھتا

ہے کہ وہ اُسے کہاں لئے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میت کی چیخ و پکار کو انسانوں اور جنات کے علاوہ سب مخلوقات سنتی ہے۔ اگر انسان اُس کی چیخ و پکار کو سن لیں تو اپنے ہوش و حواس گم کر بیٹھیں اور بیہوش ہو جائیں ☆ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

إِنَّهُمْ يُعَذَّبُونَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ كُلُّهَا (صحيح بخاری: ٦٣٦٦)

''کوئی شک نہیں کہ اُنہیں سخت عذاب دیا جاتا ہے جسے سب کے سب چوپائے سنتے ہیں۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

فَلَوْلَا أَنْ تَدَافِنُوْا لَدَعُوْتُ اللهَ أَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِیْ أَسْمَعُ مِنْهُ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۷۲۸۶۷ ۲۱۳، ۲۱۳؛ السنۃ لابن احمد بن حنبل، کتاب البعث لابن داؤد السجستانی؛ المسند للحمیدی ؛ اسباب ورود الحدیث للسیوطی)

''اس اندیشہ کے سبب کہ تم مُردوں کو دفنانا چھوڑ دو گے، میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ اُس اذیّت کو تمہیں بھی سنائے جسے میں سنتا ہوں۔''

''قبر'' وہ جگہ ہے جہاں مُردے کو سُلایا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن لوگوں کو آگ میں پھونک دیا جاتا ہے، یا دریا اور سمندر بُرد کر دیا جاتا ہے، یا جو جل کر خاک ہو جاتے ہیں، برزخ میں زندہ نہیں ہوتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جزا اور سزا کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں رب تعالیٰ اتنا قادرِ مطلق ہے کہ وہ جسم کے منتشر اعضاء اور شکستہ ہڈیوں کو یکجا کر سکتا ہے۔

مرنے والے کو لا الٰہ اِلاّ اللہ کہنے کی تلقین کرنا: حضرات ابوسعید خدری اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ (صحیح مسلم)

''اپنے مرنے والوں کو لا الٰہ اِلاّ اللہ کی تلقین کیا کرو۔''

''تلقین سے یہاں مراد یہ ہے کہ مرنے والے کے سامنے لا اِلٰہ اِلاّ اللہ کی بار بار تکرار کی جائے تاکہ وہ اسے سن کر کلمہ پڑھنے لگے۔ جب اُس نے ایک بار لا الٰہ اِلاّ اللہ کہہ دیا تو تلقین روک دیں۔ اگر وہ لا الٰہ اِلاّ اللہ کہنے کے بعد کوئی اور بات کہہ دے تو اُسے پھر تلقین کرنی چاہیے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اُس کے

☆ اگر (بدکار) مُردے کی یہ چیخ و پکار انسانوں کو سنادی جائے تو ''ایمان بالغیب'' کی شرط کالعدم ٹھہرے گی۔ اس نہ سنانے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس چیخ و پکار کو سننے کی صورت میں وہ ناامیدی اور قنوطیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر زندگی کی سرگرمیوں میں حصّہ لینے سے رک جائیں گے۔

آخری کلمات لا الٰہ اِلاّ اللہ کے ہوں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِہٖ لا اِلٰہ اِلاّ اللہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ

''جس مسلمان (کی زندگی کے) آخری کلمات لا الٰہ اِلاّ اللہُ ہوں تو وہ جنت میں جائے گا۔''

مسلم اور غیر مسلم کی موت کی علامات: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) ''مسلمان کے مرنے کے وقت اُس کی پیشانی پر پسینہ ہوتا ہے۔'' (نسائی' ج۴' ص۶ ؛ المستدرک للحاکم' جلد ا' ص۳۶۱ ؛ حلیۃ الاولیاء' ج۹' ص۲۲۳ ؛ ابن ماجہ' حدیث نمبر:۱۴۵۲ ؛ مسند احمد' ج۵' ص۳۵۷ ؛ مسند البزار' حدیث نمبر:۹۷۷ ؛ الطیالسی' حدیث نمبر:۸۰۸)

(۲) ''مرنے والے میں تین علامات دیکھو: اگر اُس کی پیشانی پر پسینہ ہو' اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے نمناک ہوں' اور اُس کے نتھنے پھول جائیں تو یہ سب کچھ رحمتِ خداوندی کے اظہار میں ہے۔ اگر مرنے والا جواں سالہ اونٹ کی طرح اُس کے ذبح ہونے کے وقت کی آواز نکالے' اُس کا رنگ ماند پڑ جائے اور اُس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے تو یہ سب کچھ قہرِ الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہے۔'' (''احیاء علوم الدین''---امام غزالی' جلد چہارم' صفحہ ۴۶۵)

قبر کے اندر کی کیفیت: نیک آدمی کو جب قبر کے اندر رکھا جاتا ہے تو دو فرشتے اُسے اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں جن میں سے ایک کا نام ''منکر'' اور دوسرے کا نام ''نکیر'' ہے۔ وہ اُس سے تین سوال پوچھتے ہیں: (۱) مَنْ رَبُّكَ (تمہارا رب کون ہے؟) (۲) مَا دِیْنُكَ؟ (تمہارا دین کیا ہے؟) (۳) مَاذَا تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ ھٰذَا الرَّجُلِ؟ (اس ذات کی بابت تیری کیا رائے ہے؟) اور اُسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے۔

نیک اور پارسا انسان ہونے کی حیثیت سے وہ صحیح اور درست جواب دیتا ہے اور اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو اپنے خالق کی جانب سے واضح نشانیاں لائے ہیں اور یہ کہ اُن نشانیوں کی صداقت پر اُس کا پختہ ایمان ہے۔ اس پر اُسے دوزخ میں شور و غوغا اور افراتفری کا ایک مقام دکھایا جاتا ہے اور اُسے بتایا جاتا ہے کہ خالقِ لم یزل نے اُسے اس سزا سے محفوظ رکھا ہے۔ اس کے بعد اُسے جنت کے باغوں کا ایک مقام دکھایا جاتا ہے جو انتہا کا سجا ہوا ہوتا ہے اور بڑی نفاست سے اُس کی تزئین کی گئی ہوتی ہے جس کے خوش کن نظارے اُس کی خوشی کا موجب بنتے ہیں اور اُسے یہ مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر صحیح عقیدہ کی وجہ سے اور اُس کے صالح اعمال کی بدولت قیامت کے دن وہ اس گھر سے نوازا جائے گا۔

لیکن جب ایک بدکار شخص کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہی دو فرشتے ''منکر'' اور ''نکیر'' اُسے اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں اور ڈر' اضطراب اور پریشانی اُسے گھیر لیتے ہیں۔ فرشتے اُس سے وہی تین سوال کرتے ہیں۔ حیرانی اور سراسیمگی کے

عالم میں وہ کہتا ہے کہ وہ ان سوالوں میں سے کسی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ وہ لوگوں سے جو کچھ سنتا تھا' اُسے ہی دہرانے کا وہ عادی رہا ہے۔ اس پر بابِ جنت کھول دیا جاتا ہے اور اُس کی سج دھج اور شان وشوکت دکھائے جانے کے بعد اُسے بتایا جاتا ہے کہ اُس کا اصل گھر یہی تھا۔ لیکن وہ اُسے اب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کے سبب نہیں مل رہا۔ اس کے بعد دوزخ کا شعلہ زن منظر اُسے دکھایا جاتا ہے۔ نارِ جہنم کے شور وغوغا اور افراتفری کے منظر سے اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ ہیبت ناک حد تک خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ اُسے بتایا جاتا ہے کہ روزِ قیامت اُسے یہ گھر دیا جائے گا کیونکہ وہ اپنی زندگی میں مذہب سے برگشتہ رہا ہے' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی صداقت پر شک وشبہ سے کام لیتا رہا ہے اور اِسی حالت میں اُسے موت آ گئی۔ پس روزِ قیامت اُسے اِسی حالت میں قبر سے اٹھایا جائے گا۔

قبر کی ہولناکیاں : حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے تو وہاں کچھ لوگ خوشی اور شادمانی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور جھوم رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''اگر خوشیوں کو ختم کر دینے والی موت اُنہیں یاد ہوتی تو وہ خوشی ومسرت کو تحریک دینے والی چیزوں سے گریز کرتے۔ ہر آدمی کی قبر ہر روز یہ اعلان کرتی ہے: میں تنہائی کا مقام ہوں' میں وحشت کا گھر ہوں' میں کیڑوں مکوڑوں' بچھوؤں اور سانپوں کا گھر ہوں۔ جب مسلمان کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے: میں تمہاری مبارک آمد پر تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں' تمہیں پا کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ اُن تمام لوگوں سے جو میرے پاس سے گزرتے تھے مجھے تم سے زیادہ محبت تھی۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہارے ساتھ میرا رویّہ کیسا ہو گا۔ اس پر قبر اس حد تک وسیع ہو جاتی ہے کہ مردے کی جہاں تک نگاہ جاتی ہے' وہ قبر کو وسیع پاتا ہے اور جنت کی طرف سے کھلنے والی ایک کھڑکی سے بادِ نسیم اور خوشبودار جھونکے آنے لگتے ہیں۔''

''لیکن جب ایک بدکار اور نافرمان کو قبر میں لٹایا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے: تمہاری آمد انتہائی مکروہ اور قابلِ نفرت ہے' میں تمہیں پا کر ناخوش ہوں۔ اُن تمام لوگوں سے جو میرے پاس سے گزرتے تھے' مجھے تم سے زیادہ نفرت تھی۔ میں اب تمہیں دکھاؤں گی کہ میرا تمہارے ساتھ رویّہ کیسا رہے گا۔ اس کے بعد قبر اتنی تنگ کر دی جاتی ہے کہ اُس کے ایک جانب کی پسلیاں اور ہڈیاں دوسری جانب کی پسلیوں اور ہڈیوں میں گھس جاتی ہیں (نبی علیہ السلام نے اسے اپنے ایک دستِ مبارک کی انگلیوں کو دوسرے دستِ مبارک کی انگلیوں میں پیوست کر کے دکھایا)۔ اس کے بعد ستر سانپ اُسے ڈسنا شروع کرتے ہیں جو اِس قدر زہریلے ہیں کہ اگر اُن میں سے کوئی اس زمین کو ڈس لے تو قیامت تک اُس زمین میں کوئی پیداوار نہ اُگے۔''

تمام لوگوں میں عقلمند ترین کون ہے؟ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی

نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند اور محتاط ترین کون ہے تو آپ نے فرمایا:

''لوگوں میں عقلمند ترین وہ ہے جو ہر وقت موت کو یاد رکھے اور جو ہر وقت موت کی تیاری کرتا رہے۔ انہی لوگوں کی عزت نہ صرف اِس دنیا میں ہوتی ہے بلکہ اُس دنیا میں بھی ہوگی۔''

عذابِ قبر : عذابِ قبر بالکل برحق ہے اور اہل سنت علماء کا اس پر اجماع ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عذابِ قبر کا ثبوت قرآن میں نہیں بلکہ حدیث میں ہے لیکن یہ بات درست نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید سے تین آیات کا اخراج کا ہے جن سے عذابِ قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ تین آیات یہ ہیں :

(1) وَلَوْتَرٰی اِذِالظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ۝ (الانعام : ۹۳)

''کاش! آپ اُس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ اُن کی طرف بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں (جلد) نکالو' آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا بوجہ اس کے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ کے ذمّے ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبّر کیا کرتے تھے۔'' (۶ : ۹۳)

اَلْیَوْم کی قید سے مراد قبضِ روح کا دن ہے اور یہی عذاب برحق ہے۔ ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ ہی ذلت کا عذاب دینے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے۔

(2) وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ سَنُعَذِّبُھُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ۝ (اَلتوبۃ : ۱۰۱)

''اور مدینہ والوں میں سے ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حدّ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ اُنہیں نہیں جانتے' ہم اُنہیں جانتے ہیں۔ عنقریب ہم اُنہیں دگنی سزا دیں گے۔ پھر وہ بھاری عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔'' (۹ : ۱۰۱)

اِس آیتِ مبارکہ میں منافقوں کو متعدّد عذابوں کی وعید سنائی گئی ہے۔ جس کی وضاحت یہ ہے کہ عَذَاب عَظِیْم سے تو ظاہر ہے کہ جہنم کا عذاب ہی مراد ہے۔ اس عذابِ عظیم سے پہلے دو اور عذابوں کا بیان ہے جنہیں سَنُعَذِّبُھُمْ مَّرَّتَیْنِ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِن دو عذابوں میں ایک تو دنیاوی عذاب ہوگا یعنی ذلت و رسوائی اور دوسرا موت سے شروع ہوگا یعنی عالمِ برزخ اور قبر کا عذاب۔ اس ضمن میں مفسرین کے اقوال یہ ہیں:

(۱) إِحْدٰهُمَا فِي الدُّنْيَا وَالْأُخْرٰى فِي الْقَبْرِ (ابنِ جریر)
"اُن میں سے ایک عذاب دنیا میں اور دوسرا قبر میں ہوگا۔"

(۳) أَكْثَرُ النَّاسِ عَلٰى أَنَّ عَذَابَ الثَّانِيْ هُوَ عَذَابُ الْقَبْرِ (بحر المحیط لابی الحیان)
"جمہور علماء کے نزدیک دوسرے عذاب سے مراد عذابِ قبر ہے۔"

نوٹ : نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (ہم اُنہیں جانتے ہیں) سے معلوم ہوا کہ کسی انسان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم کوئی انسان نہیں لگا سکتا ۔ کیا جانے اُس کریم کو تو پسند ہے کہ وہ

(3) وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ ۞ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۞ (ألمؤمن : ۴۵، ۴۶)

"اور آلِ فرعون کو بُرے عذاب نے گھیر لیا وہ لوگ (فرعونی) صبح وشام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (یہ کہا جائے گا کہ) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔"
(۴۰ : ۴۵،۴۶)

درجِ بالا آیات ۴۵، ۴۶ واضح طور پر عذابِ قبر سے متعلق ہیں کیونکہ قرآنی الفاظ اَشَدَّ الْعَذَاب روزِ قیامت سے متعلق ہیں جو اُنہیں روزِ محشر کو دیا جائے گا۔ لہٰذا اس سے قبل کا عذاب قبر کا عذاب ہے۔ علامہ بدرالدین عینی نے قرآنی الفاظ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا کا صحیح اور موزوں ترجمہ کیا ہے اور لکھا ہے:

وَعَرْضُهُمْ عَلَيْهَا اِحْرَاقُهُمْ بِهَا يُقَالُ عَرَضَ الْاُسَارٰى عَلَى السَّيْفِ إِذَا قَتَلْتَهُمْ بِهٖ (عمدۃ القاری)
"آگ پر پیش کرنے کا مطلب آگ میں جلانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے قیدیوں کو تلوار پر پیش کیا بہ ایں معنیٰ کہ اُس نے قیدیوں کو تلوار کے ذریعے قتل کر دیا۔"

درجِ بالا آیتِ مبارکہ عذابِ قبر میں نصِ صریح ہے جس کی تائید میں علماء ومفسرینِ کرام کے اقوال ملاحظہ ہوں:۔

(۱) دَلَّ أَنَّ الْمُرَادَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا قَبْلَ الْقِيَامَةِ (ابوبکر جصّاص)
"آیت میں دلیل ہے کہ آلِ فرعون قیامت سے پہلے آگ پر صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں۔"

(۳) هٰذِهِ الْاٰيَةُ دَلِيْل " عَلٰى عَذَابِ الْقَبْرِ (دُرِّ منثور لجلال الدین السیوطی)
"یہ آیتِ مبارکہ عذابِ قبر کے برحق ہونے پر دلیل ہے۔"

(۴) وَفِيْهِ دَلِيْل " عَلٰى بَقَاءِ النَّفْسِ وَعَذَابِ الْبَرْزَخِ (تفسیر بیضاوی)
"آیتِ مبارکہ میں دلیل ہے کہ جان باقی رہتی ہے اور برزخ میں عذاب ہوتا ہے۔"

(۵) اِحتَجَّ أَصحَابُنَا بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ عَلیٰ اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَذٰلِکَ یَدُلُّ عَلیٰ اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ فِیْ حَقِّ هٰؤُلَاءِ وَاِذَا ثَبَتَ فِیْ حَقِّهِمْ ثَبَتَ فِیْ حَقِّ غَیْرِهِمْ لِأَنَّهٗ لَا قَائِلَ بِالْفَرْقِ

(تفسیر کبیر لفخرالدین رازی)

''ہمارے اصحاب نے اس آیت سے عذابِ قبر کے ثبوت پر حجت پکڑی ہے۔ فرعون اور آلِ فرعون کے حق میں یہ آیت عذابِ قبر کو ثابت کرنے پر دلالت کرتی ہے تو دوسرے نافرمانوں کے حق میں بھی ثابت کرے گی کیونکہ ان میں اور دوسرے نافرمانوں کے درمیان فرق کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔''

(۶) هٰذِهِ الْاٰیَةُ تَمَسَّکَ بِهَا أَهلُ السُّنَّةِ فِیْ اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ صَرَّحَ بِذٰلِکَ فِیْ عِلْمِ الْکَلَامِ وَکُتُبِ التَّفَاسِیْرِ جَمِیْعًا (تفسیر احمدی : مُلّا جیون)

''اس آیتِ کریمہ میں اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ عذابِ قبر برحق ہے۔ علمِ کلام اور تمام کتب تفاسیر میں اس کی صراحت موجود ہے۔''

درج بالا آیت (۴۶:۴۰) کی عبارت غُدُوًّا وَّعَشِیًّا (صبح وشام) میں ایک معنی تو یہی صبح وشام کے ہیں یعنی ایسے اوقات میں جو ہمارے عالمِ ناسوت کے صبح وشام کے مقابل ہیں (تفسیر قرطبی)۔ دوسرا مفہوم ''ہمیشہ'' کا بھی ہوسکتا ہے (تفسیر کبیر وقرطبی)۔ الٰہی پیش گوئی کے تحت فرعون کی لاش بروئے آیت ۹۲ سورہ یونس (۱۰:۹۲) ہمیشہ کے لئے محفوظ کردی گئی ہے اور قاہرہ (مصر) کے عجائب خانہ میں اُسے دیکھا جاسکتا ہے۔ قرآن نے کہا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جل رہا ہے۔ لیکن کسی آنکھ نے اُسے کبھی بھی آگ میں جلتے بھنتے نہیں دیکھا۔ چنانچہ اُس کا ''جہنم کی آگ میں جلنا'' ہی تو عذابِ قبر کا دوسرا نام ہے اگرچہ اُسے قبر نصیب نہیں ہوئی۔ یہی حال نوح علیہ السلام کے نافرمان لوگوں کا ہے جو ڈوب کر ہیبت ناک انجام سے دوچار ہوئے۔

مولانا مفتی محمد شریف الحق آف مبارکپور (انڈیا) نے صحیح بخاری کی جلد دوم کے صفحہ ۸۶۳ پر لکھا کہ درج ذیل آیت عذابِ قبر سے متعلق نازل ہوئی :

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۝ (ابراهیم : ۲۷)

''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی پختہ بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو وہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔'' (۲۷ : ۱۴)

اَلْقَوْلِ الثَّابِت سے مراد کلمہ توحید وایمان ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اخلاص ویقین سے کلمہ شہادت

پڑھتے ہیں، اُس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اُنہیں ہر مقام پر ثبات واستقامت بخشتا ہے۔ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِت سے مراد کلمہ طیبہ میں موجود دونوں شہادتوں پر قائم و دائم رہنا ہے بایں معنیٰ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دنیا میں بھی اور آخرت (یعنی قبر) میں بھی کلمہ طیبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہاں آیت میں ''آخرت'' سے مراد قبر ہے کیونکہ یوم آخرت کے سفر کی اوّل منزل قبر ہے۔ آیت کے اختتامی الفاظ وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّالِمِیْن کا مطلب یہ ہے کہ ظالم لوگ نکیرین ☆ کے سوالات کا جواب نہیں دے سکیں گے اور عذابِ قبر اُن کا مقدر بن کے رہے گی۔

<u>عذابِ قبر کے منکرین کے جواب میں</u>: ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا جلد دوم، صفحہ ۹۰۸۔

<u>عذابِ قبر کی مختلف صورتیں</u>: سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج میں دیکھا کہ:

(۱) کچھ لوگوں کے سر کچلے جا رہے ہیں۔ جونہی اُن کے سر اپنی پہلی حالت پر واپس ہوتے تو اُنہیں پھر کچل دیا جاتا۔ بار بار یہی ہوتا رہا۔ جبریل امین سے آپ نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اوقاتِ نماز میں سو جایا کرتے تھے۔ وہ نماز کو بطورِ فرض ادا نہیں کرتے تھے بلکہ ایک بوجھ کو اتارنے کے لئے کرتے تھے۔ یا تو وہ نماز تب ادا کرتے جب دنیاوی آرام اُنہیں موقع دیتا یا وہ نماز سے بالکل غافل رہتے تھے۔

(۲) آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنے اعضائے صنفی کو چیتھڑوں سے چھپایا ہوا تھا، اُن کی نظریں جانوروں کی سی تھیں۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی نہ تو زکوٰۃ دی اور نہ کبھی صدقہ وخیرات کیا۔

(۳) آپ نے کچھ ایسے مردوں اور عورتوں کو دیکھا جن کے سامنے بھنا ہوا اور سڑاند گوشت رکھا ہوا تھا لیکن بھنا ہوا گوشت لینے کی بجائے وہ خراب اور سڑاند گوشت کو ترجیح دے رہے تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جائز، منکوحہ بیویوں کو نظر انداز کرتے ہوئے طوائفوں سے ناجائز تعلقات قائم کئے ہوئے تھے۔ عورتیں وہ تھیں جنہوں نے

☆ نکیرین کی آنکھیں آسمانی بجلی کی طرح چمکتی ہیں اور اُن کی آواز گھن گرج کی آواز ہے۔ اُن کے اگلے نوکیلے دانت گائے کے سینگوں کی طرح ہیں۔ جب وہ سانس لیتے ہیں تو اُن کے منہ سے شعلے نکلتے ہیں۔ اُن کے بال اتنے لمبے ہیں کہ پاؤں تک پہنچتے ہیں۔ اُن کے کندھے اتنے چوڑے ہیں کہ ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک کا فاصلہ کئی دنوں کی مسافت کا ہے۔ اُن کی ظاہری شکل وصورت ہیبت پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ نرمی اور ملاطفت اُن کے نزدیک غیر مانوس ہیں لیکن وہ مسلمانوں سے تندی اور سختی سے پیش نہیں آتے۔ اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایسا زبردست اور بھاری ہتھوڑا ہے کہ اگر تمام انسان اور جن اُسے اٹھانا چاہیں تو اُٹھانا تو کجا اُسے ہلا بھی نہ سکیں۔ ("The Spectacle of Death including Glimpses of Life Beyond the Grave." ... Khwaja Mohammad Islam, p. 128)

اپنے جائز' قانونی شوہروں کونظرانداز کررکھا تھااور غیر مردوں کے لئے اپنے بستروں کو سجاتی تھیں ۔

(۴) آپ نے ایک آدمی کو بھاری وزن اٹھائے ہوئے کراہتے ہوئے دیکھا' پھر اُس پر ایک مزید بوجھ آپڑتا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جو دوسروں کے مال کو بطورِ امانت رکھتا تھا لیکن اُس امانت میں خیانت کرتا تھا۔

(۵) آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کی زبانیں اور ہونٹ آہنی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جونہی اُنہیں کاٹا جاتا تو وہ اپنی پہلی حالت پر واپس آجاتے اور اُنہیں پھر کاٹا جاتا۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ مبلغین اور خطیب لوگ ہیں جو امت میں نفاق اور تفریق کا بیج بوتے تھے۔

(۶) آپ نے بہت سے ایسے مردوں اور عورتوں کو دیکھا جن کے منہ وں کے دہانے چر کر کھلے ہو گئے تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قول اور فعل میں تضاد تھا اور وہ دن بھر جھوٹ بولنے کے عادی تھے۔

(۷) آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جن کے کان' آنکھیں اور ناخن سرے سے تھے ہی نہیں۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فحش باتیں سنا کرتے تھے اور حرام چیزوں کو دیکھا کرتے تھے۔

(۸) آپ نے کچھ خواتین کو دیکھا جو الٹی لٹکی ہوئی تھیں اور سانپ اُن کی چھاتیوں کو ڈس رہے تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلانے سے دُور رکھتی تھیں۔

(۹) پھر آپ نے کئی ایسے مردوں اور عورتوں کو الٹا لٹکا ہوا' گارا چاٹتے ہوئے دیکھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ اپنے وقتِ مقررہ سے پہلے افطار کر لیتے تھے۔

(۱۰) کچھ آگے جا کر آپ نے بہت سے ایسے مردوں اور عورتوں کو دیکھا جن کے پیٹ سوجے ہوئے گنبد نما تھے۔ جب بھی وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے تو وہ گر پڑتے۔ وہ بری طرح رو رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے کہ وہ روزِ قیامت کا انعقاد نہ کرے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گزران سود خوری پر تھی۔

(۱۱) آپ کا ایسے لوگوں سے بھی رابطہ ہوا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں سے مشابہ تھے اور جنہیں پتھر کے نوالے دیئے جا رہے تھے جو اُن کی مقعدوں (Anuses) سے خارج ہو رہے تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کے مال کو خورد بُرد کر جاتے تھے۔

(۱۲) آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنہیں اُن کی پسلیوں کا گوشت پیش کیا جا رہا تھا۔ اُنہیں اس کے

کھانے پر اسی طرح مجبور کیا جا رہا تھا جس طرح وہ زندگی میں اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے عادی تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ عیب جو اور غیبت کرنے والے ہیں۔

(۱۳) آپ کو ایسے آدمی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کا سر کچلا جا رہا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے قرآن مجید کی تعلیم تو حاصل کی لیکن بعد میں اُسے بھلا دیا۔ اُس نے اپنا وقت خوابِ غفلت میں گنوا دیا اور فرض نمازوں کی ادائیگی کی بھی پروا نہیں کی۔

(۱۴) آپ کو کچھ ایسے مَردوں اور خواتین سے بھی واسطہ پڑا جنہیں دہکتی آگ میں بھونا جا رہا تھا اور اُن کے اعضائے صنفی سے بدبو خارج ہو رہی تھی۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ زانی تھے۔

(۱۵) آپ نے کچھ ایسے موٹے مشٹنڈے آدمی بھی دیکھے جن کی مقعدوں کو اُن کے منہ کی جانب سے آگ سے بھرا جا رہا تھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ اِغلام بازی (لونڈے بازی) کے مرتکب رہے ہیں۔

(۱۶) آپ نے ایک دسترخوان بھی دیکھا جس پر تازہ' بھنا ہوا گوشت چنا گیا تھا لیکن کھانے کے لئے کوئی بھی مہمان وہاں نہیں تھا۔ آپ نے وہاں ایک اور دسترخوان دیکھا جس پر باسی گوشت کی طشتریاں چُنی گئی تھیں اور کچھ مہمان دسترخوان کے گرد جمع تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ ناجائز کمائی کو جائز کمائی پر ترجیح دیتے تھے۔

(۱۷) نبی اکرم ﷺ نے ایک مردہ جسم کو دیکھا جسے بھڑکتی ہوئی آگ میں بھونا جا رہا تھا۔ فرشتے اُسے اچھی خاصی مار دے رہے تھے اور وہ چیخ و پکار اور آہ وزاری کر رہا تھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ جھوٹ اس کا پیشہ تھا اور وہ جھوٹی قسمیں کھایا کرتا تھا۔

(۱۸) نبی اکرم ﷺ نے کئی ایسے آدمیوں کو دیکھا جو اپنی زبانوں پر لٹک رہے تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمان مَردوں اور مسلمان عورتوں پر بہتان طرازی کیا کرتے تھے۔ "The Spectacle of Death including Glimpses of Life Beyond the Grave." ... Khwaja Mohammad Islam.

<u>عذابِ قبر سے کیسے نجات پائی جائے؟</u> حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ عذابِ قبر سے چھٹکارا اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے اسباب سے چھٹکارا نہ ملے۔ انتہائی مؤثر ذریعہ جو انسان کو عذابِ قبر سے نجات دلاتا ہے' یہ ہے کہ سونے سے پہلے آدمی ایک لمحہ کے لئے اپنا یہ جائزہ لے کہ آج اُس نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ سو

سے پہلے وہ اپنے گناہوں پر نادم اور تائب ہو کر رب تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔ جونہی وہ صبح کو اُٹھے تو وہ اپنی توجہ کو نیک اور صالح اعمال کرنے میں مرکوز رکھے۔ زندگی کو عطیہ خداوندی سمجھتے ہوئے اُسے اپنے خالق کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اپنے رویّہ اور کردار میں واقع تمام خامیوں کو دُور کرنا چاہئے۔'' (ایضاً' صفحہ ۱۴۷)

قبرستان کا ہر کونہ مسلمان میت کے اعزاز میں مزیّن اور بارونق ہوتا ہے جبکہ کافر اور نافرمان میت کے لئے اس کے الٹ ہوتا ہے: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کے مرنے پر قبرستان کا ہر کونہ مزیّن اور بارونق ہو جاتا ہے اور اس بات کی آرزو کرتا ہے کہ کاش کہ اُسے اس میں دفن کیا جائے۔ لیکن جب کافر مرتا ہے تو قبرستان میں اندھیرا چھا جاتا ہے اور اُس کا ہر کونہ اللہ کی پناہ چاہتا ہے اور اُس سے درخواست کرتا ہے کہ اس بدبخت کو اس میں دفن نہ کیا جائے۔ (ایضاً' ص ۱۸۳)

''نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمان کے مرنے پر موت کا فرشتہ اُس کی روح کو بالائی طبقات کو لے جاتا ہے۔ جبریلِ امین علیہ السلام اُس کا استقبال ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ کرتے ہیں جو اُسے اُس میت کی اطاعت خداوندی میں زندگی گزارنے کا مژدۂ جانفزا سناتے ہیں۔ پھر ملک الموت اُس روح کو عالمِ بالا (Empyrean) کو لے جاتا ہے۔ جونہی روح وہاں پہنچتی ہے تو وہ رب کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ ملک الموت کو حکم دیتا ہے کہ اُس کے بندے کی روح کو ایسی جگہ لے جایا جائے جہاں بے خار بیریاں اور تہ بہ تہ کیلوں کے درخت ہوں۔ جب اُس کی میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو نماز اُس کے دائیں جانب کھڑی ہو جاتی ہے' اُس کے روزے بائیں جانب کھڑے ہوتے ہیں' قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کی حمد وثنا اُس کے سر کی جانب کھڑے ہوتے ہیں' وہ قدم جو اُس نے نماز باجماعت کو پانے کے لئے آگے بڑھائے تھے' اُس کے پاؤں کی جانب کھڑے ہوتے ہیں اور مصائب وآلام میں اُس کا صبر اور گناہوں سے پرہیز قبر کے قرب میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد عذابِ قبر اپنی گردن باہر نکالتا ہے اور میت تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب وہ دائیں جانب پر حملہ کرتا ہے تو نمازیں اُس کی حفاظت کو آجاتی ہیں اور سزا کے لئے آڑ بن جاتی ہیں۔ نمازیں یہ قسم کھاتی ہیں کہ اس شخص نے دنیا میں ہمیشہ مصائب و آلام جھیلے اور کبھی سکھ کی نیند نہیں سویا۔ پھر عذاب بائیں جانب کو حملہ کرتا ہے تو روزے اُس کی کوشش کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ پھر عذاب سر تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو تلاوتِ قرآن اور اللہ کی حمد وثنا اُسے کسی قسم کا گزند پہنچنے سے روک دیتے ہیں۔ الغرض عذابِ قبر کسی بھی راہ سے اُس تک پہنچنے اور اُس پر حملہ آور ہونے میں کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ اُس کے اعمالِ صالحہ کسی بھی حملہ کے خلاف اُس کا تحفظ کرتے ہیں' عذاب کی تمام تدبیروں کو عاجز کر دیتے ہیں اور اس لئے وہ اُس بندۂ خدا کو چھو تک نہیں پاتے۔ اس طرح عذاب ناکام ہو کے چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد صبر جو ایک طرف کو کھڑا ہوتا ہے' اُس کے اعمالِ صالحہ سے کہتا ہے کہ اگر کوئی جانب کمزور نظر آئی ہوتی تو وہ مدد کرنے کے مناسب وقت کے انتظار میں تھا کہ وہ حملہ کو ناکام بنا دیتا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب چیزیں عذابِ قبر کو روکنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ صبر یومِ محشر میں اعمال کے تولتے وقت مددگار ثابت ہوگا۔'' (ایضاً' صفحات ۱۲۷' ۱۲۸)

اب نکیرین کی آمد کا وقت ہوتا ہے جو اُس سے تین سوال کرتے ہیں جن کا ذکر سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسالتمآب ﷺ سے سوال کیا کہ کیا سوالات کے اُس وقت میں میت میں طبع رسائی اور جودت وذکاوت ہوتی ہے؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا جواب مثبت میں دیا اور فرمایا کہ مُردے اپنی طبع رسائی اور جودت وذکاوت کو اُسی طرح قائم رکھتے ہیں جس طرح وہ زندگی میں اسے قائم رکھے ہوئے تھے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے سُکھ کی سانس لی اور فرمایا کہ وہ انشاء اللہ نکیرین سے اپنی طبع رسائی اور جودت وذکاوت کے ذریعے نمٹ لیں گے۔ (ایضاً' صفحہ ۱۸۱)

(ج) آخرت کی زندگی

حشر ونشر کے حقائق کے اعلان میں قرآنِ حکیم نہات واضح ہے۔ اس دنیا اور آخرت کی دنیا کے مابین براہِ راست تعلق ہے۔ جبکہ اللہ علیم وخبیر کو ہر عمل کا پہلے ہی سے علم ہوتا ہے تو یہ لوگوں کے اپنے آزادانہ اختیار کے تحت کئے گئے اعمال ہی ہیں جو روزِ آخرت کو اُن کی تقدیر کا فیصلہ کریں گے۔ سورۃ الاعراف (۷) کی یہ آیت:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ O (الاعراف: ۱۷۲)

''اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے اُن کی نسل نکالی اور اُنہیں اُنہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور پوچھا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے)' ہم گواہی دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس دن سے بے خبر تھے۔''

اس حقیقت کی تائید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلے ہی معلوم علم کے ساتھ پیدا کیا اور انسان کے لئے یہ عذر باقی نہیں رکھا کہ اُسے اس صداقت کا علم نہیں۔ چونکہ یہ دنیا اور آخرت کی دنیا اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ باہم مربوط ہیں جن میں سے ایک عمل کی دنیا اور دوسری اُس عمل کی جزا یا سزا ہے' لہٰذا اُن میں نمایاں امتیاز ہے۔ یہ دنیاوی زندگی خودنمائی اور فضول خوشیوں کی آماج گاہ ہے (بحوالہ سورہ آلِ عمران: ۱۸۵؛ النساء: ۷۷؛ الانعام: ۳۲؛ النحل: ۹۶؛ العنکبوت: ۶۴؛ لقمٰن: ۳۳؛ فاطر: ۵؛ الحدید: ۲۰) جبکہ آخرت دائمی گھر اور صحیح معنوں میں بابرکت' خوش کن زندگی کی جگہ ہے۔ بہت سے مبصرین کے نزدیک اس دنیا اور اُس دنیا کی مسرتوں میں یہ فرق ہے کہ اوّل الذکر کی مسرتوں میں دکھ' درد کے سوا کچھ نہیں جبکہ مؤخر الذکر مسرتیں ایسی نہیں ہیں' اس دنیا کی مسرتیں قابلِ تغیر جبکہ آخرت کی مسرتیں ناقابلِ تغیّر ہیں۔ اس دنیا کی مسرتیں عارضی جبکہ اُس دنیا کی مسرتیں دائم اور ہمیشہ رہنے والی ہیں۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف دی قرآن' جلد دوم' صفحہ ۴۴) طبع لیڈن۔

روزِ محشر کے لئے قرآن مجید مختلف اصطلاحات استعمال کرتا ہے ۔ مثلاً :

اصطلاح	حوالہ	معنی
(۱) یَوْمُ الدِّین	(سورۃ الفاتحہ : ۱)	(فیصلے کا دن)
(۲) یَوْمُ النَّفْخَة	(الانعام : ۷۳)	(صور پھونکے جانے کا دن)
(۳) یَوْمُ الْوَزْن	(الاعراف : ۸)	(میزان رکھے جانے کا دن)
(۴) یَوْمٌ مُّحِیْط	(هود : ۸۴)	(احاطہ کرنے والا دن)
(۵) یَوْمٌ مَّجْمُوع	(هود : ۱۰۳)	(اکٹھا ہونے کا دن)
(۶) یَوْمٌ مَّشْهُود	(هود : ۱۰۳)	(گواہی کا دن)
(۷) یَوْمُ الْحَسْرَةِ	(مریم : ۳۹)	(حسرت وافسوس کا دن)
(۸) یَوْمُ الْفَزَعِ الْاَکْبر	(الانبیاء : ۱۰۳)	(بڑی گھبراہٹ کا دن)
(۹) یَوْمُ التَّقَلُّب	(النور : ۳۷)	(دگرگوں ہونے کا دن)
(۱۰) اَلسَّاعة	(الروم : ۵۵)	(قیامت کی گھڑی)
(۱۱) یَوْمُ الْبَعْث	(الروم : ۵۶)	(جی اُٹھنے کا دن)
(۱۲) یَوْمُ النُّشُور	(فاطر : ۹)	(حشر ونشر کا دن)
(۱۳) یَوْمُ الْحِسَاب	(صٓ : ۲۶)	(حساب کا دن)
(۱۴) یَوْمُ الْوقت المعلوم	(صٓ : ۸۱)	(وقتِ مقررہ کا دن)
(۱۵) یَوْمُ التَّلَاق	(المؤمن : ۱۵)	(باہم ملنے کا دن)
(۱۶) یَوْمُ الْجَزَاء	(المؤمن : ۱۷)	(جزاء کا دن)
(۱۷) یَوْمُ الْآزِفَة	(المؤمن : ۱۸)	(قریب آنے والی آفت کا دن)
(۱۸) یَوْمُ التَّنَاد	(المؤمن : ۳۲)	(چیخ وپکار کا دن)
(۱۹) یَوْمُ الْاَشهاد	(المؤمن : ۵۱)	(گواہیوں کا دن)
(۲۰) یَوْمُ الْوَعِیْد	(قٓ : ۲۰)	(تنبیہ کا دن)
(۲۱) یَوْمُ الْخُلُود	(قٓ : ۳۴)	(ہمیشگی کا دن)
(۲۲) یَوْمُ الْخُرُوج	(قٓ : ۴۲)	(قبروں سے باہر نکلنے کا دن)
(۲۳) اَلْوَاقعة	(الواقعة : ۱)	(ناگزیر واقعہ)
(۲۴) یَوْمُ الْجَمْع	(التَّغَابُن : ۹)	(اکٹھا ہونے کا دن)
(۲۵) یَوْمُ التَّغَابُن	(التَّغَابُن : ۹)	(جمع ہونے کا دن)

(۲۶) اَلْحَآقَّة	(اَلحآقة :۱)	(حق وصداقت کا دن)
(۲۷) یَوْمُ النَّاقُور	(المدّثر : ۸)	(صور پھونکے جانے کا دن)
(۲۸) یَوْمٌ عَسِیْر	(المدّثر : ۹)	(تنگی کا دن)
(۲۹) یَوْمُ الْقِیٰمَة	(القیامة : ۱)	(قیامت کا دن)
(۳۰) یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا	(الدھر: ۱۰)	(نہایت سیاہ اور بدنما کر دینے والا دن)
(۳۱) یَوْمُ الْفَصْل	(المرسلات : ۳۸)	(فیصلے کا دن)
(۳۲) نَبَاٌ عَظِیْم	(النبا:۲)	(بڑی اہم خبر)
(۳۳) اَلطَّآمَّةُ الْکُبْرٰی	(النازعت:۳۴)	(بہت سخت آفت والی)
(۳۴) اَلصَّآخَّة	(عبس:۳۳)	(کان پھاڑ دینے والی)
(۳۵) یَوْمُ الْفِرَار	(عبس:۳۴)	(فرار کا دن)
(۳۶) یَوْمٌ عَظِیْم	(المطفّفین : ۵)	(بڑا اہم دن)
(۳۷) اَلْغَاشِیَة	(الغاشیة:۱)	(چھا جانے والی)
(۳۸) یَوْمُ الزَّلْزَلَة	(الزلزال : ۱)	(سخت بھونچال والا دن)
(۳۹) اَلْقَارِعَة	(القارعة:۱)	(کھڑ کھڑا دینے والی)

قرآنِ حکیم یہ نہیں بتاتا کہ قیامت کب آئے گی کیونکہ اُس کا علم صرف اللہ کو ہے (سورۃ الاعراف: ۱۸۷) اگرچہ اس کی علامات احادیثِ مبارکہ میں بیان ہوئی ہیں اور وہ تمام علامات اور نشانیاں مکمل ہو چکی ہیں۔

دینی زبان میں ہر شخص کی موت اُس کے لئے قیامت ہے۔ مفسرینِ کرام نے سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۷ کی یہ تاویل کی ہے کہ علاماتِ قیامت کسی تنبیہ کے بغیر ظاہر ہوں گی اور اُن میں ایک ڈرامائی مداخلت کی کیفیت ہوگی جس سے زندگی کی عمومی سرگرمیاں رک جائیں گی۔ قدرتی دنیا کی خوش آہنگی کو تہ و بالا کرتے ہوئے قرآن مجید اُس دہشت ناک تباہی کے واقعات کا نقشہ انتہائی موزوں الفاظ میں یوں کھینچتا ہے :

اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ o وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ o وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ o وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ o وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ o وَاِذَاالْبِحَارُ سُجِّرَتْ o وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ o وَاِذَاالْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ o بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ o وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ o وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ o وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ o وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ o عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ o (التّکویر : ۱ تا ۱۴)

"جب آفتاب لپیٹ لیا جائے گا۔ جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ جب پہاڑ اُکھیڑ دیئے جائیں گے۔ جب اونٹنیاں چھٹی پھرنے لگیں گی۔ جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے۔ جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں

گے۔ جب جانیں (جسموں) سے جوڑی جائیں گی۔ جب زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔ جب اعمال نامے کھول دئے جائیں گے۔ جب آسمان کی کھال اُدھیڑ دی جائے گی۔ جب دوزخ خوب دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب کر دی جائے گی (تو اُس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا (اعمال) لے کر آیا ہے۔'' (۱تا۱۴ : ۸۱)

دَآبَّۃُ الْأَرْضِ: سورۃ النمل کی آیت ۸۲ دَآبَّۃُ الارض کی بابت بتاتی ہے جو قربِ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہوگی۔ اس کے خروج پر قرآن مجید کے علاوہ حدیثِ پاک میں بھی نصِّ صریح موجود ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ٥ (اَلنَّمل : ۸۲)

''اور جب عذاب کا قول اُن لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔'' (۲۷:۸۲)

''قربِ قیامت کی بہت سی علامات احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اُس وقت بہت سی عجیب وغریب چیزوں کا ظہور ہوگا اور عجیب چیزوں کا خاصہ یہ ہے کہ اپنے ظہور سے پہلے وہ سمجھ میں نہیں آتیں۔ ریل، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس، ٹیلیویژن، انٹرنیٹ وغیرہ تمام مادّی ایجادیں پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ جب ظہور میں آئیں تب سمجھ میں آئیں۔ جس قسم کے جانور کا یہاں ذکر ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ظہور بالکل آخر میں ہوگا اور خود الفاظِ قرآن بھی یہی چاہ رہے ہیں۔ حدیث میں اس عجیب ترین حیوان کا نام ''جساسہ'' آیا ہے۔ کافر اُس وقت بالاضطرار اس خارقِ عظیم کی تصدیق کریں گے لیکن ظاہر ہے کہ اضطراری تصدیق مقبول نہ ہوگی۔ اَلْقَول یہاں عذاب وقیامتِ موعود کے معنیٰ میں ہے۔ آیت میں مِنَ الْاَرْض کا لفظ بہت قابلِ غور ہے۔ اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس حیوان کی پیدائش عام حیوانات کی طرح بہ طریق توالد وتناسل نہ ہوگی بلکہ یہ ازخود پیدا ہو جائے گا۔'' (دریابادی، ص ۷۷۷)

''وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم کا معنیٰ وَجَبَ الْوَعِيدُ عَلَيْهِمْ یعنی اُن پر عذاب ثابت ہوگیا، جب لوگ گناہوں میں سرکش ہو جائیں گے، والدین کی نافرمانی کرنے لگیں گے، آیاتِ الٰہی سے رُوگردانی کریں گے، قرآن مجید میں غور و فکر کرنا چھوڑ دیں گے، احکاماتِ الٰہی پر عمل نہیں کریں گے اور گناہوں میں اس قدر غرق ہو جائیں گے کہ اُن کے دلوں پر کوئی وعظ ونصیحت اثر نہیں کر سکے گا اور نہ ہی یادِ آخرت اور قیامت کا تذکرہ اُنہیں اس گمراہی اور بے راہ روی سے باز رکھ سکے گا۔ غرضیکہ وہ کسی پہلو راہِ راست کی طرف آنے کو تیار نہ ہوں گے اور وہ اس حد تک نافرمان اور باغی ہو جائیں گے تو پھر اُن پر اِتمامِ حجت ہو چکی اور اللہ کا قہر وغضب اُن پر برقِ آسمانی بن کر ٹوٹے گا جس کے بارے میں آیت مذکور ارشاد ہوا۔''

''یہ چوپایہ عقلمند ہوگا اور بڑی فصاحت کے ساتھ کلام کرے گا' یہ اس لئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ چوپایہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی ہے کیونکہ اتنا تو لوگوں کو بہ ظاہر معلوم ہوتا ہی ہے کہ چوپائے عادتاً عقل رکھنے والے اور کلامِ فصیح کرنے والے نہیں ہوا کرتے۔'' (''اَلتَّذکِرۃ فی احوال الموتیٰ و امور الآخرۃ'' لامام شمس الدین القرطبی: اردو ترجمہ از مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی' ج ۲' ص ۶۵۱)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ''دآبۃُ الارض ایک عظیم الجثہ جانور ہے جو صفا پہاڑی کے شگاف سے برآمد ہوگا اور وہ نکل کر انسان کو دو حصوں میں تقسیم کر دے گا: مسلم اور غیر مسلم۔ کوئی بھی شخص اُس کی دسترس سے باہر نہیں ہوگا۔ اُس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ وہ ہر مؤمن کی پیشانی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے نشان لگا کر اُسے روشن کر دے گا اور کافر کے چہرے پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے نشان لگا کر اُسے سیاہ کر دے گا۔ تمام مؤمن اور کافر اس طرح متمیز ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت اور کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مؤمن! اور اے کافر! کہہ کر بلائیں گے۔ دآبۃُ الارض ہر شخص کو اُس کا نام لے کر جنت یا جہنم کی بشارت یا وعید سنائے گا۔'' (تفسیر ابن کثیر' ج ۵' ص ص ۲۵۸۔۲۵۶ مطبوعہ ادارہ اندلس)

''امام ثعلبی' امام ماوردی اور دوسرے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دآبۃُ الارض یعنی یہ ارضی جانور تمام حیوانات کی صورتوں کا جامع ہوگا: اُس کا سر بیل کے سر جیسا ہوگا' اُس کی آنکھیں خنزیر کی آنکھوں سے مشابہ ہوں گی' اُس کے کان ہاتھی کے کانوں جیسے ہوں گے' سینگ بارہ سنگھا کے سینگوں جیسے ہوں گے' اُس کی گردن شترمرغ جیسی ہوگی' اُس کا سینہ شیر کے سینہ سے مشابہ ہوگا' اُس کا رنگ چیتے جیسا ہوگا' اُس کی کمر جنگلی بلّے کی کمر جیسی ہوگی' دُم چھترے اور دُنبے جیسی ہوگی' اُس کی ٹانگیں اونٹ کی ٹانگوں جیسی ہوں گی۔ اُس کے اعضاء کے ہر دو جوڑوں کے درمیان کا فاصلہ بارہ ہاتھ کے برابر ہوگا (یعنی ۱۸ فٹ جس کے چھ گز بنتے ہیں)'' (ایضاً ص ۶۵۵)

صور کا پھونکا جانا' مُردوں کا قبروں سے نکلنا اور اُن کا ایک جگہ جمع ہونا: صور کا تند و تیز اعصاب شکن دھما کا قیامت کے وقوع کا اعلان ہوگا اور اس کا ذکر کبھی تو ''الصُّور'' اور کبھی ''النَّاقور'' کے نام سے قرآنِ حکیم میں کئی بار کیا گیا ہے۔ ان بیانات میں قرآنی نقش گری بہت بارعب ہے۔ درج ذیل مثال ملاحظہ ہو:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَۃٌ'' وَّاحِدَۃٌ''o وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَّاحِدَۃًo فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَۃُoوَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَھِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاھِیَۃٌ''o (اَلْحَآقَّۃ: ۱۳ تا ۱۶)

''جب صُور یکبارگی پھونک دیا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اُٹھا لئے جائیں گے' یہ دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے تو اُس دن وہ ہونے والی چیز ہو کے رہے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اُس دن بالکل بودا ہوگا۔'' (۱۳ تا ۱۶: ۶۹)

۳۳۵۱ (زندگی۔۔۔LIFE)

نفخہ اُولیٰ کی دہشتناک آواز سے تمام دنیاوی کاروبار معطل ہو کے رہ جائیں گے اور رب تعالیٰ کی ذات کے سوا تمام جاندار اور بے جان چیزیں فنا ہو جائیں گی جیسا کہ سورۃ القصص کی (آخری) آیت ۸۸ اور سورہ الرّحمٰن کی آیات ۲۶' ۲۷ میں ارشاد ہوا۔ توحید الٰہی کو بہ تاکید منوانے اور جتانے کے لئے موت کا ہونا ضروری تھا اور دوبارہ زندگی کا ملنا اس لئے ضروری ہوا تا کہ الٰہی انصاف ظالم کی گردن تک پہنچ سکے اور مظلوم کی دادرسی کر سکے۔ دہشت اور ہول کا وہ انتہائی وقت یقیناً ہوگا لیکن اہلِ ایمان کو دہشت کیوں ہونے لگی۔ اُنہیں تو خوابِ موت سے جاگتے ہی تسکین' تشفی اور دلدہی کے لئے فرشتے مل جائیں گے جو اعزاز و اکرام سے اُنہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۳ میں فرمایا:

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ o

''اُنہیں بڑی گھبراہٹ ذرا بھی غم میں نہ ڈالے گی اور اُن کا استقبال تو فرشتے (یہ کہتے ہوئے) کریں گے کہ یہ ہے آپ کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔'' (۱۰۳ : ۲۱)

سورۃ القلم کی آیت ۴۲ الٰہی اظہار کی عجیب کیفیت کو آشکار کرتی ہے:

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ o (القلم : ۴۲)

''جس دن پنڈلی کی تجلّی فرمائی جائے گی اور سجدہ کی طرف بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔''

ٹخنے اور گھٹنے کی درمیانی جگہ کو عربی میں سَــاق کہتے ہیں اور کشف ســاق شدت اور سختی سے کنایہ ہے۔ جب کسی معاملہ کی شدت اور ہولناکی کی خبر دینا ہو تو ''ساق'' کا ذکر کرتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ o (سورۃ القیامۃ : ۲۹)

''یعنی دنیا کی آخری شدت' روزِ قیامت کی پہلی شدت سے لپٹ جائے گی۔'' (۲۹ : ۷۵)

اس محاورہ کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ روزِ قیامت جب حالات بڑے تکلیف دِہ اور ہولناک ہو جائیں گے اور ہر شخص جلالِ خداوندی سے لرزہ براندام ہوگا اور دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے' اُس وقت لوگوں کے ایمان یا کفر' خلوص یا نفاق کو ظاہر کرنے کے لئے اُنہیں حکم دیا جائے گا کہ آؤ سب اپنے رب کو سجدہ کرو۔ جن کے دلوں میں ایمان اور اخلاص ہوگا' وہ فوراً سربسجود ہو جائیں گے لیکن کافر اور منافق سجدہ کرنے کے لئے بہت زور لگائیں گے کہ خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہو جائیں لیکن اُن کی کمر اکڑ جائے گی اور بڑی کوشش کے باوجود بھی سجدہ نہ کرسکیں گے۔ اس رسوائی پر اُن کی آنکھیں جھک جائیں گی اور اُن کے کھوکھلے دعووں کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ جائے گا۔

''سَــــاق'' کسی چیز کی اصل کو بھی کہتے ہیں جس پر وہ قائم ہو جیسے درخت کے تنے اور انسان کی ٹانگ کو سَاق کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے معنیٰ یہ ہوگا کہ جب تمام لوگوں کے اعمال کی اصل کو کھولا جائے گا اور تمام حقائق منکشف ہو

جائیں گے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ساق سے مراد نورِ عظیم ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر بیان کی ہے (مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۷۲۸۳)۔

اِس سجدہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قیامت تو دارالجزاء ہے' دارالعمل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مکلّف ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ حصولِ لذّت اور حصولِ تقرب کے لئے سجدہ کریں گے۔

اَلْحِسَاب (جوابدہی کا وقت): وقتِ حساب کی آمد قرآن مجید کا مستقل موضوع ہے جس کے مطابق ہر ہر فرد کو اپنے اعمال و افعال کا ضرور بالضرور جواب دینا ہوگا۔ نامہ ہائے اعمال جو اُس وقت تک عالم غیب میں فرشتوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوگا' حشر میں کھول کر ہر بندہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا' کیونکہ :

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِيْ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ ٥ (یٰسٓ : ۱۲)

''اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے۔'' (۱۲ : ۳۶)

اور اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ٥ (الاسراء : ۱۴)

''لے' اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے' تُو خود ہی اپنے حق میں حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔'' (۱۷:۱۴)

اور جیسا کہ اس سے قبل کی آیت (۱۳) میں کہا گیا کہ ہر انسان کا عمل ہم نے اُس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے یعنی ہر حال میں ہم نے اُس کے عمل کو اس کے ساتھ غیر منفک جزء کے طور پر لازم کر دیا ہے کہ محاورہ عرب میں اَلْزَمْنٰهُ طٰئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ شدّتِ لزوم اور کمال ربط کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ آیت میں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ ہر آدمی اپنے اچھے بُرے اعمال کے واسطہ سے اپنے مقدّر کا خود معمار ہے۔ سورۃ الحآقّۃ (۶۹) کی اِن آیات نے معاملہ کی حقیقت کو مزید طشت از بام کر دیا ہے:

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ٥ إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ٥ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ٥ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ٥ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ٥ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ٥ وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ أُوْتَ كِتٰبِيَهْ ٥ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ٥ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ٥ مَآ أَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ٥ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ٥ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ٥ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ٥ إِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ٥ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ٥ (اَلْحَآقَّة : ۱۹ تا ۳۴)

''تو جس شخص کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا لو! میرا نامہ اعمال پڑھ لو۔ میں تو جانے ہوئے تھا کہ مجھے میرا حساب ضرور پیش آنے والا ہے تو وہ شخص خوب مزے کی زندگی میں ہوگا' بہشتِ بریں میں ہوگا جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے' کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ اُن اعمال کے بدلہ

میں جو تم گزشتہ ایام میں کر چکے ہو۔ اور رہا وہ جس کا نامہ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھے میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے' کاش موت ہی خاتمہ کر چکی ہوتی۔ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔ میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا ہوا۔ اُسے پکڑ داور اُسے طوق پہناؤ' پھر اُسے دوزخ میں داخل کر دو' پھر اُسے ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی پیائش ستر گز ہے۔ اُس کا ایمان ہی خدائے بزرگ پر نہ تھا اور نہ وہ غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔''

(۱۹ تا ۳۴ : ۶۹)

قرآن مجید میں ''مِیزان'' جمع کے لفظ ''مَوازین'' کے لفظ کے ساتھ ذکر ہوا ہے (سورۃ الانبیاء: ۴۷) جبکہ حدیثِ پاک میں مفرد اور جمع دونوں طرح آیا ہے اس لئے اختلاف ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کئی میزان ہوں۔ بہر حال ''میزان'' روزِ حشر کی نہایت اہم صداقتوں میں سے ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میزان ایک ہو لیکن اُسے تعبیر جمع کے صیغہ سے کیا گیا ہو۔ جیسا کہ سورۃ الشُّعراء میں ہے: کَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ٥ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُالْمُرْسَلِيْنَ ٥ حالانکہ رسول ایک ہی ہیں جنہیں قومِ عاد نے جھٹلایا تھا اور اسی طرح قومِ ثمود نے ایک رسول کو جھٹلایا مگر ایک رسول کو جمع کے لفظ سے تعبیر کرتے ہوئے ''مُرسَلین'' فرمایا گیا ہے۔ یہی حال میزان اور موازین کا ہے۔

اس طرح ''مِیزان'' اس دنیاوی زندگی میں احساسِ ذمہ داری اور حق وانصاف کے مابین تطبیق اور ہم آہنگی کا نام ہے۔ الٰہی فیصلہ میں نرمی اور رعایت کرنے یا اُس کے نفاذ میں التواء سے متعلق کسی قسم کے احتجاج یا عذر خواہی کی گنجائش نہیں ہوگی۔ فیصلہ اپنی قطعیت میں حتمی اور حرفِ آخر ہوگا اور بندے کے اعمال کا براہِ راست نتیجہ ہوگا۔ صادر شدہ فیصلہ کی حقانیت اور صداقت کے حق میں بندے کے اپنے اعضاء و جوارح گواہی دیں گے اور اُن کی کل رودادِ زندگی رتی رتی حق تعالیٰ کے سامنے اُنہی کے ہاتھوں پیروں کی زبانی پیش ہوگی:۔

(۱) يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (اَلنُّور : ۲۴)

''اُس دن اُن کے خلاف اُن کی زبانیں' اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے اُن کاموں کی جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (۲۴ : ۲۴)

(۲) اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ (یٰسٓ)

''آج ہم اُن کے منہ پر مُہر لگا دیں گے اور ہم سے اُن کے ہاتھ کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ لوگ کیا کیا کرتے رہتے تھے۔'' (۶۵ : ۳۶)

<u>میزان کو مجازی معنی میں لینے کی تردید</u>: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر میزان کو مجازی معنی میں لیا جائے جیسا کہ بعض علماء سے منقول ہے تو پھر کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ

''پُل صراط'' سے مراد ''دینِ حق'' ہے اور جنت اور دوزخ سے مراد دُکھ' تکلیف اور خوشی اور فرحت ہے جو روح پر وارد ہوتی ہیں اور شیاطین اور جنّوں سے مراد اخلاقِ مذمومہ ہیں اور ملائکہ نام ہے قوائے محمود کا یعنی شر کی قوت کا نام جِنّ رکھ دیا گیا ہے اور قوتِ خیر کو ملائکہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ یہ سب باطل اور فاسد ہے کیونکہ یہ صادق و مصدوق نبی ﷺ کی حدیثِ مبارکہ سے مردود ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: فَيُعْطٰى صَحِيفَةُ حَسَنَاتِهِ (اُسے اُس کی نیکیوں کا صحیفہ دیا جائے گا) اور فَيُخْرَجُ لَهٗ بطاقة'' (اُس کا نامہ عمل نکالا جائے گا) اور یہ میزانِ حقیقی پر دلیل ہے اور موزون یعنی جس چیز کا وزن کیا جائے گا وہ صحیفہ ہائے اعمال ہوں گے۔(''اَلتَّذکِرۃ فِی احوال الموتٰی و اُمور الآخرۃ'' لشمس الدین قرطبی ترجمہ: غلام نصیر الدین گولڑوی' ج ۲' ص ۴۲)

<u>پُل ''صراط''</u> : قرآن مجید میں کہیں اِس پُل کا ذکر نہیں ہے۔تاہم اُس میں لفظ ''صِراط'' (بمعنٰی راہ اور راستہ) بالخصوص ''صِراطِ مُستَقیم'' کے ذکر میں بکثرت آیا ہے (بحوالہ سورۃ الفاتحہ کی آیت ۶ ؛ سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۱ ؛ سورہ ھُود کی آیت ۵۶ ؛ سورہ یٰسں کی آیت ۴)۔اِن تذکروں میں صرف دو آیات (سورہ یٰس:۶۶ ؛ سورۃ الصّافّات :۲۳) کا حوالہ جہنم پر کے پُل کے تصوّر کے طور پر آیا ہے' اوّل الذکر (۳۶:۶۶) غیر معیّن ہے۔مؤخر الذکر (۳۷:۲۳) یعنی صراط الجحیم میں پُل کا حوالہ ہے اور اسے اسلامی روایت میں جہنم کی بالائی تہہ کی علامت کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔معادیات (حشر و نشر) کا لٹریچر اکثر اس بات کی توثیق میں ہے کہ جن لوگوں کا نہ تو ایمان ہے اور نہ ہی اُن کے اچھے عمل ہیں' وہ اس پُل کو تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک پائیں گے اور یہ کہ اُن کا اس سے نیچے گرنا جہنم سے ناقابلِ فرار ہوگا۔تاہم مخلصین و مؤمنین اُس وسیع پُل سے بہ آسانی اور بہ سرعت گزر جائیں گے جسے سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ اور پھر اُن کی اُمت عبور کرے گی۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن' جلد دوئم' صفحہ ۴۹)

روایات میں آیا کہ قیامت کے دن لوگوں کا پُل صراط پر سے گزر اُن کے ایمان اور اعمال کے مطابق ہوگا۔کوئی پلک جھپکنے کی مقدار میں' کوئی تیر کی طرح' کوئی تیز اُڑان والے پرندے کی طرح' کوئی عمدہ نسل کے گھوڑے کی رفتار سے' کوئی آدمی کے دوڑنے کی رفتار سے اور کوئی آہستہ چلنے کی رفتار سے گزر جائے گا یہاں تک کہ آخری نجات یافتہ شخص سُرین کے بل گھسٹتا ہوا گزرے گا۔یہ شخص اللہ تبارک و تعالیٰ سے عرض کرے گا: اے پالنہار! میری رفتار اتنی سست اور کم کیوں ہے؟ جواب ملے گا کیونکہ تیرے عمل کمزور ہیں (<u>اور رفتار میں تیزی اعمال کی قوت سے پیدا ہوتی ہے</u>)۔'' (اردو ترجمہ ''سفرِ آخرت کی منازل'' از مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی' جلد دوم' صفحہ ۱۷)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن جب لوگ پُل صراط کے کنارے پر ہوں گے تو اُس وقت عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ آواز دے گا: اے شہنشاہِ جبّار عزّ وجلّ کی مخلوق! تم پُل پر سے گزر جاؤ۔تم میں سے

جو ظالم اور نافرمان ہے' وہ رُک جائے۔ ہائے اُس گھڑی سے خدا کی پناہ! وہ کتنی خوفناک گھڑی ہوگی اور اُس وقت گرمی کس قدر سخت ہوگی! جو لوگ دنیا میں کمزور اور ذلیل تھے وہ آگے ہوں گے اور جو دنیا میں طاقتور اور مرتبہ و منصب والے تھے' پیچھے ہوں گے۔ پھر اس ترتیب کے بعد تمام لوگوں کو پُل صراط سے گزرنے کی اجازت دے دی جائے گی (اور چلنے کا سگنل ہو جائے گا) اور لوگ اپنے اعمال کے مطابق گزریں گے۔ کوئی روشنی میں چلے گا اور کوئی تاریکی میں ہوگا۔ پُل صراط پر میری اُمّت جب آندھی جیسی تیزی کے ساتھ گزر رہی ہوگی تو وہ مجھے پکاریں گے اور میں اپنی اُمّت کی ہلاکت اور نقصان کے ڈر اور اندیشہ کی وجہ سے فوراً اُس طرف دوڑوں گا اور جبریل علیہ السلام مجھے میری کمر سے پکڑے ہوئے ہوں گے اور میں بلند آواز سے پکاروں گا: ''رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ'' (اے پروردگار! میری اُمّت' میری اُمّت) آج میں تجھ سے اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں مانگتا' بس میری اُمّت کو بچا لے اور فرشتے پُل صراط کے دائیں بائیں کنارے کھڑے پکاریں گے: ''رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ'' (اے پروردگار! سلامتی' سلامتی) بڑا خوفناک منظر ہوگا۔ نافرمان لوگ دائیں بائیں گر رہے ہوں گے' سیاہ ملائکہ اُنہیں پکڑ کر زنجیروں اور طوقوں میں جکڑ دیں گے اور سخت لہجے سے کہہ رہے ہوں گے: کیا تمہیں بُرے کام کرنے سے روکا نہیں گیا تھا؟ کیا تمہیں دوزخ کا خوف نہیں دلایا گیا تھا؟ کیا تمہیں ہر طرح سے ڈرایا نہیں گیا تھا؟ کیا تمہارے پاس نبی مختار تشریف نہ لائے تھے؟ ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اپنی کتاب ''رَوْضَۃُ الْمُشْتَاقِ وَالطَّرِیْقُ اِلَی الْمَلِکِ الْخَلَّاقِ'' میں نقل کیا ہے۔''

(بحوالہ 'سفرِ آخرت کی منازل' از مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی' ج ۲' ص ۴۷)

''پُل صِراط کا تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہونے کا مفہوم: بعض علماء نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ پُل صراط پر سے گزریں گے تو اُنہیں اپنے اپنے گناہوں اور نیکیوں کے مطابق آسانی و سہولت اور تنگی و مشقت کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ ایک قاعدہ اور رسم جاری ہے کہ اگر کسی گہری اور پوشیدہ بات کو بیان کرنا ہو تو اُسے اس طرح تعبیر کرتے ہیں اور اُس کی مثال بیان کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو بال سے زیادہ باریک بات ہے۔ باقی حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ بخوبی جاننے والا ہے۔''

''اَحَدُّ مِنَ السَّیْفِ'' (تلوار سے زیادہ تیز ہونے) کا معنی: پُل صراط کا تلوار سے زیادہ تیز ہونا اور بال سے زیادہ باریک ہونا اس لئے درست نہیں ہوسکتا کہ حدیث پاک میں پُل صراط کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ اس کے دونوں کناروں پر ملائکہ کھڑے ہوں گے اور اُس کے دونوں کناروں پر خاردار جھاڑی کی طرح لوہے کی کانٹے دار سلاخیں لگائی گئی ہوں گی جن کے سرے مُڑے ہوئے ہوں گے۔ بعض لوگ اُن میں اُلجھ کر نیچے گر جائیں گے اور بعض زخمی ہو جائیں گے۔ بعض لوگ اُس پر پیٹ کے بل چلیں گے اور بعض پھسل کر گر جائیں گے پھر اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس پُل پر سے گزرنے والوں میں سے بعض کے لئے اتنی روشنی ہوگی جتنی جگہ اُن کے دو پیر گھیر لیتے ہیں۔ لہٰذا اس بات میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ پُل صراط کے اوپر سے گزرنے والوں کے لئے پُل پر پاؤں

دھرنے کی جگہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ پُل صراط کے بال جیسا باریک ہونے کی حالت میں اِن تمام امور کا ہونا ممکن نہیں ہوگا اور بعض حفاظِ حدیث سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ لفظ ثابت نہیں ہے۔''

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ قائل کا یہ قول مردود ہے اور اس باب کی احادیث اس قول کی تردید کرتی ہیں۔ احادیثِ مبارکہ میں جو بیان ہوا ہے کہ پُل صراط تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے' اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو ذاتِ پاک ہوا میں پرندے کو روک لینے پر قدرت رکھتی ہے' وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بال سے باریک پُل صراط پر مخلوق کو ٹھہرائے اور اس کو چلنے اور دوڑنے کی طاقت عطا فرمائے۔ لہٰذا جب لفظ کے حقیقی معنی کے مراد لینے میں کوئی مشکل امر نہیں ہے تو حقیقت ہی مراد ہوگی اور خواہ مخواہ حقیقت کو چھوڑ کر لفظ کو اُس کے مجازی معنی پر محمول کرنا کسی طور جائز نہیں ہے۔ اور پھر یہ کہ اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث اور عادل اور ثقہ ائمہ کے آثار وارد ہو چکے ہیں۔'' (ایضاً' جلد دوئم' صفحہ ۷۳' ۷۴)

جس کی جواب طلبی ہوگئی وہ ہلاک ہوگیا: سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنۡ نُوۡقِشَ الۡحِسَاب هَلَكَ /عُذِّبَ (بخاری' ج ۱' ص ۱۹۶ ؛ مسلم' ج ۱۷' ص ۲۰۸ ؛ مسند احمد' ج ۶' ص ۴۷' ۹۱' ۱۲۷ ؛ ابوداوٗد' رقم الحدیث: ۳۰۷۸ ؛ ترمذی' رقم الحدیث: ۳۳۳۸ ؛ ابن حبان' ج ۹' ص ۲۳۱ ؛ بغوی' ج ۱۵' ص ۱۳۱)

روزِ قیامت کی مقدار: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روزِ حساب کی طوالت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے سورۃ المعارج کی آیت ۴ کی تلاوت فرماتے ہوئے اس کا جواب دیا:

تَعۡرُجُ الۡمَلآ ئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِيۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ○ (المعارج: ۴)

''اُس (کے عرش) کی طرف فرشتے اور رُوح الامین عروج کرتے ہیں ایک دن میں جس کا اندازہ (دنیوی حساب سے) پچاس ہزار برس کا ہے۔'' (۷۰ : ۴)

اس کے بعد آپ نے مزید فرمایا کہ قسم ہے اُس خدائے واحد کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ مسلمان کے لئے اُس دن کا دورانیہ اتنا کم کر دیا جائے گا جتنا وہ فرض نماز کی ادائی میں وقت لگاتا تھا۔

آیت کا ایک معنی تو یہ ہے کہ قیامت کو جو عذاب واقع ہوگا اُس کا دورانیہ ۵۰ ہزار برس کے قریب ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ملائکہ اور ارواحِ مؤمنین جو عرشِ الٰہی کی طرف عروج کرتی ہیں' اُن کے عروج کی رفتار ۵۰ ہزار برس یومیہ ہے۔ وہ پھر بھی کتنی مدت میں منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں' اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہاں سے نوری سال (Light Year) کے تصوّر کا استنباط ہوتا ہے۔

روزِ قیامت اور شفاعت: ملاحظہ ہوں جلد پنجم کے صفحات ۲۳۱۰ تا ۲۳۲۷۔

جہنم کی ہولناکیاں: جہنم کی اذیتوں کی بابت قرآن مجید کچھ مخصوص اشارات دیتا ہے مثلاً:

(۱) اُس کے شعلے سخت غضبناک اور اس کا غیظ و غضب سسکیاں لینا اور دھاڑتا ہے (سورۃ الفُرقان: ۱۲)

(۲) اُس کا پانی سخت کھولتا ہوا ہے (سورۃ الرحمٰن: ۴۴ ؛ سورۃ الواقعۃ: ۵۴)

(۳) اُس میں لُو کی لپٹ اور سیاہ دھوئیں کے سائے ہیں (سورۃ الواقعۃ : ۴۲، ۴۳)

(۴) اُس کے دھاڑنے میں یوں لگتا ہے کہ غیظ و غضب میں وہ ابھی پھٹنے کو ہے (سورۃ المُلک: ۷، ۸)

(۵) مردودوں اور راندۂ درگاہ لوگوں کے لئے اعلان ہوگا: خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ٥ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ٥ (اُسے پکڑو اور اُسے طوق پہناؤ، پھر اُسے دوزخ میں داخل کر دو، پھر اُسے ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی پیمائش ستر گز ہے) (سورۃ الحاقّۃ : ۳۰ تا ۳۲)

(۶) اہلِ جہنم کا لباس تارکول کا ہوگا اور آگ اُن کے چہروں پر چھا رہی ہوگی (سورۃ الحِجر: ۵۰)

(۷) آگ اُن کے چہروں کو جلا دے گی اور اس میں اُن کے دانت نکلے ہوئے، منہ بگڑے ہوں گے۔ (سورۃ المؤمنون: ۱۰۴)

(۸) وہ سسکیاں لے رہے ہوں گے، آہیں بھر رہے ہوں گے اور اپنی قسمت کو کوس رہے ہوں گے۔ (ھود)

(۹) آگ میں بھونی ہوئی اُن کی جلدوں کو بدل کر ہمیشہ دوسری نئی کر دیا جائے گا تاکہ وہ برابر عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ (سورۃ النساء : ۵۶)

(۱۰) وہ پیپ لہو کا پانی پئیں گے جو اُن کے حلق سے نہ اترے گا اور اگرچہ اُن کے چاروں طرف موت ہی موت ہوگی لیکن موت اُنہیں آئے گی نہیں۔ (سورہ ابراھیم : ۱۶، ۱۷)

(۱۱) اُن کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے، اُن کے سروں کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائے گا جس سے اُن کے پیٹ کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی اور اُن کے مارنے کے لئے گرز ہوں گے۔ (الحج: ۱۹۔۲۱)

(۱۲) جب بھی وہ اس سے باہر نکلنا چاہیں گے، اُسی میں دھکیل دئے جائیں گے۔ (سورۃ الحج: ۲۲)

(۱۳) یہ چار آیات بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کے پیٹ کو اُس کی گہرائی تک بھر دے گا:

سورۃ الاعراف: ۱۸؛ سورہ ھُود: ۱۱۹ ؛ سورۃ الاسراء : ۶۳ ؛ سورہ صٓ : ۸۵)

(۱۴) جہنم کے انگارے اپنی بڑائی کے لحاظ سے بڑے بڑے محل جیسے ہوں گے۔ (سورۃ المُرسَلات: ۲۲)

(۱۵) جہنم ایسی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو کھال اُدھیڑ دینے والی ہے۔ (سورۃ المَعارِج: ۱۵، ۱۶)

دوزخیوں کا لباس اور کھانا پینا: اُن کے لباس کے بارے میں قرآن نے فرمایا:

(۱) سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ (ابراھیم: ۵۰)

''اُن کے کرتے (آگ بھڑکانے والے روغن) تارکول کے ہوں گے۔''

(۲) فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَاب" مِّنْ نَّار (الحج : ۱۹)
"کافروں کے لئے آگ کے لباس تیار کر دیئے گئے ہیں۔"

اُن کے ماکولات اور مشروبات کے بارے میں قرآن نے فرمایا:

(۱) اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ ٥ طَعَامُ الْأَثِيْمِ٥ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ٥ (اَلدُّخان: ۴۳ تا ۴۵)
"بے شک تھوہر کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہوگا' پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا۔"

(۲) وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ (الکهف: ۲۹)
"اور اگر (شدّتِ پیاس کی وجہ سے) وہ فریاد کریں تو اُن کی فریاد رسی (اُس) پانی سے ہوگی جو پگھلائے تانبے کی طرح ہوگا' (اُن کے) منہ بھون دے گا' کیا ہی بُرا پینا ہوگا۔" (۱۸:۲۹)

(۳) فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْم" ٥ وَّلَا طَعَام" اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ٥ لَّا يَأْكُلُهٗ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ٥
"تو آج یہاں اُس کا کوئی دوست نہیں (جو اُسے کوئی فائدہ دے یا شفاعت کرے) اور نہ کچھ کھانے کو مگر دوزخیوں کا پیپ' اُسے خطا کار ہی کھائیں گے۔" (الحاقّة: ۳۵'۳۶)

(۴) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا٥اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا٥ جَزَآءً وِّفَاقًا٥ (اَلنَّبا: ۲۴ تا ۲۶)
"وہ اس میں نہ کسی قسم کی ٹھنڈک کا مزہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ' جیسے کو تیسا بدلہ (یعنی جیسے کفر بدترین جرم ہے' ویسا ہی اُنہیں سخت ترین عذاب ہوگا)۔"

(۵) تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَام" اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ٥ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ٥
"وہ کھولتے پانی کے چشمے سے پلائے جائیں گے۔ اُن کے لئے کوئی کھانا نہ ہوگا سوائے خاردار خشک زہریلے درخت کے جو نہ بدن کو موٹا کرے اور نہ بھوک مٹائے۔" (الغاشیة: ۵تا۷)

"جہنم کی گہرائی اور اس کی حدّت : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ نے ایک گڑگڑاہٹ کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا: تمہیں معلوم ہے یہ کیسی آواز تھی؟ ہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک پتھر ہے جسے ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا' وہ اب تک اُس میں گر رہا تھا اور اب اُس کی گہرائی میں پہنچا ہے۔" (صحیح مسلم: کتاب الجنة والنار؛ مسند احمد ج ۲' ص ۳۷۱؛ ابن حبان ج ۹' ص ۲۷۸؛ ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۵۹۹۵)

"حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر بیل کی ناک کے سوراخ جتنی جگہ جہنم کی آگ کے لئے کھول دی جائے اور وہ سوراخ مشرق میں ہو اور ایک شخص مغرب میں ہو تو اتنی دُور سے بھی اُس کی گرمی کی وجہ

سے آدمی کا دماغ کھولنے لگ جائے گا اور پگھل کر بہہ جائے گا۔ اور جہنم جب جوش مارے اور چنگھاڑے تو کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل نہیں ہوگا مگر اپنے گھٹنوں کے بل گر جائے گا اور نَفسِیْ نَفسِیْ پکارے گا۔'' (''سفرِ آخرت کی منازل'' (اردو ترجمہ) از مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی' ج ۲' ص ص ۱۷۶' ۱۷۷)

جہنم کی دیواریں : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشاہدہ کیا کہ جہنم کی چار دیواریں ہیں اور ہر دیوار اس قدر وسیع ہے کہ اس چوڑائی کو عبور کرنے کے لئے چالیس سال کے مسلسل چلنے کا عرصہ چاہیے۔

جہنم کے دروازے : اس ضمن میں سورۃ الحِجر کی آیات ۴۳' ۴۴ میں اعلان کیا گیا :

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَO لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌO

''اور بے شک اُن سب کے لئے وعدہ کی جگہ جہنم ہے جس کے سات دروازے ہیں' ہر دروازے کے لئے اُن میں سے ایک الگ حصہ مخصوص کیا گیا ہے۔'' (۱۵ : ۴۳' ۴۴)

اس سلسلہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

''جہنم کے سات دروازے ہیں جن میں سے ایک اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے میری اتباع کرنے والوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔'' ("The Spectacle of Death".. Kh. Mohammad Islam, p. 299)

جہنم کے مختلف نام : قرآن نے مختلف مقامات پر جہنم کے سات نام بیان کئے ہیں :۔

(۱) سَعِیْر (سورۃ النساء : ۱۰' ۵۵ ؛ سورۃ الفرقان : ۱۱ ؛ سورۃ الاسراء : ۹۷)
(۲) جهنّم (سورۃ البقرۃ : ۲۰۶ ؛ آلِ عمران : ۱۲' ۶۲' ۱۶۷ ؛ النِّساء : ۹۳' ۹۷' ۱۱۵)
(۳) جَحِیم (البقرۃ : ۱۱۹ ؛ المائدۃ : ۱۰' ۸۶ ؛ التوبۃ : ۱۱۳ ؛ الحج : ۵۱ ؛ الشعراء : ۹۱)
(۴) لَظٰی (المعارج : ۱۵)
(۵) سَقَر (القمر : ۴۸ ؛ المُدثّر : ۲۶' ۲۷' ۴۲)
(۶) هَاوِیَة (القارعة : ۹)
(۷) حُطَمَة (الهُمَزَة : ۴' ۵)

کافروں کے ٹھکانے کے لئے قرآن نے بالعموم نَار (بمعنی آگ) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید نارِ جہنم کے طبقات کی تفصیل کے بارے میں خاموش ہے۔ سورۃ الحِجر کی آیت ۴۴ صرف اتنا بتاتی ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازہ کے الگ الگ حصے ہیں۔ ممکن ہے کہ دروازوں کی یہ تعداد استحقاقِ عذاب کے لحاظ سے

سات طبقوں کے اظہار کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ محض خلود (ہمیشہ کے لئے رہنا) مراد ہو اور اس سے مقصود دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرتِ تعداد کا اظہار ہو (تفسیر بیضاوی)۔ جہنم کے دروازوں پر اُنّیس انتہائی تندرُو' سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو حکمِ الٰہی کی تعمیل سے ذرّہ بھر غفلت نہیں برتتے (بحوالہ سورۃ التحریم' آیت ۶؛ سورۃ المُدّثّر' آیت ۳۰)۔ بعض اوقات جہنّم کا لفظ بہ حیثیت مجموعی آگ کے مفہوم میں اور بعض اوقات اُس کے بالائی طبقے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ جہنّم کی تہہ میں زَقُّوم نامی ایک ہیبت ناک درخت اُگتا ہے (بحوالہ سورۃ الصّافّات' آیت ۶۲؛ سورۃ الدُّخان' آیت ۴۳) جس کے پھول شیاطین کے سر ہیں اور جو اللہ کے باغیوں کا کھاج ہوں گے۔''

<u>دوزخیوں کی سرداروں کے لئے بددعائیں اور قائدین کے خلاف بیزاری کا اظہار</u>: قرآن مجید نے بروقت لوگوں کو کفر کے اُن خود بیں' خود غرض اور انانیت پسند وڈیروں سے بچ جانے کی تنبیہ کی ہے جن کی حکم برداری میں وہ زندگی بھر رہے۔ وہ اُس دن اُن کے کسی کام نہ آئیں گے اور وہ اُس بڑھتے ہوئے سخت مشکل وقت میں اور جوابدہی کے نہ تھمنے والے افراتفری کے وقت میں اُن کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتّٰى إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرٰهُمْ لِأُولٰهُمْ رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ أُولٰهُمْ لِأُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ (الاعراف: ۳۸' ۳۹)

''جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی' وہ اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی' یہاں تک کہ جب اُس میں سارے (گروہ) جمع ہو جائیں گے تو اُن کے پچھلے اپنے اگلوں کے حق میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! اِنہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا سو اُنہیں دوزخ کا دوگنا عذاب دے۔ ارشاد ہوگا: ہر ایک کے لئے دوگنا ہے مگر تم جانتے نہیں ہو۔ اور اُن کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے سو تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہ ہوئی' پس (اب) تم (بھی) عذاب (کا مزہ) چکھو بہ سبب اس کے جو کچھ تم کماتے تھے۔'' (۷: ۳۸' ۳۹)

(۲) يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗ أَنْدَادًا (سَبَا (۳۴): ۳۲ : ۳۳)

''کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔ متکبر لوگ کمزوروں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی بلکہ تم خود

ہی مجرم تھے۔ پھر کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے: بلکہ (تمہارے) رات دن کے مکر ہی نے (ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور ہم اُس کے لئے شریک ٹھہرائیں۔''

نارِ جہنم کا درجہ حرارت: دوزخ کی آگ اس دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔ شروع شروع میں اس کا رنگ سرخ تھا' پھر سفید اور اب سیاہ ہے۔ اس کی سات سطحیں ہیں اور ہر سطح میں داخلے کی بہت جگہ ہے۔ دوزخ کی پہلی سطح اُن مسلمان گنہگاروں اور بت پرستوں کے لئے ہے جنہوں نے مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام سے تعاون کیا۔ جہنم کی باقی چھ سطحیں مشرکوں' آتش پرستوں' ملحدوں' یہودیوں' عیسائیوں اور منافقوں کے لئے ہیں۔'' ("The Spectacle of Death" p. 300)

دوزخ کا غیظ وغضب: سورۃ المُلک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:
إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُO تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ (المُلك: ۷' ۸)
''جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے تو اُس کی خوفناک آواز سنیں گے درآنحالیکہ وہ جوش مار رہی ہوگی گویا (ابھی) شدّتِ غضب سے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جائے گی۔'' (۶۷: ۸'۷)

جس وقت دوزخ نافرمانوں کو دُور سے بھی دیکھ لے گی تو وہ غیظ وغضب سے زوردار چیخ مارے گی اور جب اُنہیں زنجیروں میں جکڑے ہوئے دوزخ کے کسی تنگ خانے میں ڈالا جائے گا تو وہ شدّت سے موت کی آرزو کریں گے (بحوالہ سورۃ الفرقان: آیت ۱۳)۔

اگرچہ جہنم ایک کشادہ جگہ ہے لیکن نافرمانوں اور کافروں کو چھوٹے چھوٹے' تنگ خانوں میں رکھا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اُنہیں دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے کیل دیوار میں ٹھونسے جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

جنت کی کامل مسرتیں اور شادمانیاں: قرآنِ کریم میں جنت کو اکثر واحد (یعنی جَنّة) لایا گیا ہے اگرچہ مفہوم کے لحاظ سے وہ جمع (جَنّات) ہی ہے۔ ''نَعِيم'' کی اصطلاح کا استعمال جنّات کے حوالے سے ابتدائی مکّی سورتوں میں کثیر الوقوع ہے۔

جنات کا اعلیٰ ترین درجہ ''فردوس'' ہے جس کے دو حوالہ جات سورۃ الکھف کی آیت ۱۰۷ اور سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۱ میں آئے ہیں۔ کچھ مفسرین کے نزدیک ''فردوس'' جنت کا انتہائی وسیع اور بلند ترین حصّہ ہے اور عرشِ معلّی کے بالکل نیچے ہے جس سے جنت کی چار نہریں رواں دواں ہیں: یعنی لازوال پاک و صاف پانی کی نہر' دودھ کی نہر جس کا ذائقہ کبھی نہ بدلے' سرور بخش شراب کی نہر اور خالص مقطر شدہ شہد کی نہر

(سورہ محمد: ۱۵)۔ ایک فرمانِ نبوی یہ بھی ہے جس میں آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا جب تم اپنے کسی متوفّٰی کے لئے دعا کرو تو اُسے جنت الفردوس دیئے جانے کی دعا کیا کرو۔ جنت کی نہروں کا ذکر آخری مکّی اور آخری مدنی سورتوں میں ۳۵ مرتبہ ہوا ہے۔ سورہ الرحمٰن کی آیت ۴۶ میں دو جنتوں کا ذکر ہوا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝

''اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے' اُس کے لئے دو جنتیں ہیں۔'' (۵۵:۴۶)

اس آیت (۴۶) کے بعد کی آیات میں جوڑے جوڑے چیزوں کا ذکر ہے: (i) دو چھلکتے ہوئے چشمے (آیات ۵۰'۶۶) (ii) ہر قسم کا پھل جوڑوں جوڑوں میں (آیت ۵۲) (iii) ان کے علاوہ دو اور جنتیں جن میں چشمے رواں دواں ہیں (آیات ۴۶' ۵۰' ۶۲)۔ اس سے بعض مبصرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جنت میں دراصل چار شعبے انتہائی بابرکت ہیں جن میں سے ''فردوس'' یا ''عدن'' سب سے بلند و بالا ہے۔

سورۃ الزُّمَر کی آیت ۷۳ ہمیں بتاتی ہے کہ نیک لوگوں کو جنت کی طرف گروہ در گروہ لایا جائے گا۔ اُن کے وہاں پہنچنے پر جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اُن کا گرمجوشی سے استقبال کیا جائے گا۔

یہ حظ اندوزیاں اور مسرتیں انسان کے حیطۂ تصوّر و خیال سے ماوارء ہیں خواہ وہ تصوّر کے کتنے ہی گھوڑے کیوں نہ دوڑائے' اُن لطف اندوزیوں تک پہنچ ہی نہیں سکتا جو اہلِ جنت کے لئے چھپا کے رکھی گئی ہیں:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدۃ: ۱۷)

''سو کسی کو علم نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا (سامان) اُن کے لئے خزانۂ غیب میں مخفی ہے' یہ صلہ ہے اُن کے (نیک) اعمال کا۔'' (۳۲ : ۱۷)

حقیقۃً جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اپنے ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے یہ جو حدیثِ قدسی مختلف طریقوں سے مروی ہوئی ہے کہ قَالَ اللّٰهُ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ'' رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ'' سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے' نہ کسی کان نے سنا ہے اور جو نہ کسی انسان کے دل میں گزری ہیں) وہ گویا ٹھیک اِسی آیت کی تفسیر ہے۔

''ادنیٰ جنتی کا مرتبہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے کم درجے کا جنتی وہ ہوگا جس کے اَسّی ہزار خادم اور بہتر (۷۲) بیویاں ہوں گی۔ (ترمذی' رقم الحدیث:

۱۵۶۲ ؛ مسند احمد ج ۳' ص ۷۶ ؛ ابن حبان رقم الحدیث: ۲۶۳۸)

ایک اُلجھاؤ اور اُس کا سُلجھاؤ : ''اِس باب کی ایک حدیث میں ہے کہ جنتیوں کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی اور اُن کی اگر بتیاں عُود کی ہوں گی۔ اب اِشکال یہ ہے کہ جنتیوں کے نہ تو بال بکھریں' اُلجھیں گے' نہ میلے کچیلے ہوں گے کہ اُنہیں سنوارنے اور کنگھا کرنے کی ضرورت پڑے' اسی طرح اُن کا پسینہ خالص مشک ہوگا پھر اُنہیں اگر بتیوں اور دھونیوں کی کیا حاجت ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ جنت کی یہ ساری نعمتیں اور قسم قسم کے لباس اس لئے نہیں کہ کسی تکلیف اور الم کو دُور کرنے کے لئے ہوں گے بلکہ لذت کے لئے ہوں گے تاکہ وہ نئی نئی لذت اور مزے سے لطف اندوز ہوتے رہیں اور مسلسل اور پے در پے نعمتوں سے حظ اُٹھاتے رہیں۔'' (اردو ترجمہ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی' ج ۲' ص ص ۳۰۲' ۳۰۳)

مذکورہ بالا مادّی حظ اندوزیوں اور مسرّتوں کے علاوہ ایک اور قسم کی مسرت کے حوالہ جات بھی قرآن مجید میں ہیں جو اُن مادّی مسرتوں سے کہیں بڑھ کر اور اعلیٰ و اَرفع ہے۔ جنات الفردوس اور جنات النّعیم کی لطف اندوزیوں سے بڑھ کر رضا اور خوشنودِ الٰہی ہے جس کا ذکر سورۃ التوبۃ میں یوں ہوا :

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ أَکْبَرُ ذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ o (اَلتَّوبۃ : ۷۲)

''اور اللہ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑھ کر ہے' بڑی کامیابی یہی ہے۔'' (۹:۷۲)

''صوفیائے عارفین نے لکھا ہے کہ جنت میں دیدارِ الٰہی گو ایک عظیم الشان نعمت ہے لیکن یہ لذت تو صرف عاشقوں اور دیدار کرنے والوں کے نقطۂ خیال سے ہے۔ عاشق کے لئے بے شک دیدارِ محبوب سے بڑھ کر لذیذ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن محبوب کی رضا تو اس سے بھی بڑھ کر لطیف و لذیذ ہے اور محبوبِ حقیقی کی رضا صرف تعمیلِ احکام اور ادائے فرائض میں ہے۔'' (ماجدی' حاشیہ صفحہ ۴۱۴ اُردو)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کو سلام کا تحفہ : سورہ یٰسٓ میں ارشادِ خداوندی ہے:

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ o (یٰسٓ : ۵۸)

''اُن پر رحمت والے رب کی طرف سے سلام ہوگا۔''

اس آیت کی تفسیر زبانِ رسالت مآب ﷺ کی طرف سے ملاحظہ ہو: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت اہلِ جنت اپنی نعمتوں کی لطف اندوزیوں میں مشغول ہوں گے کہ اچانک اوپر سے ایک نور چمکے گا۔ جب وہ سر اُٹھا کر دیکھیں گے تو اُنہیں معلوم ہوگا کہ اُن کا ربّ کریم اُن کی طرف نظرِ کرم فرما رہا ہے' ارشاد ہوگا : اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا أَھْلَ الْجَنَّۃِ اور سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ کا یہی

مطلب ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی طرف دیکھے گا اور وہ اُس کی طرف دیکھتے رہیں گے۔ محویت کا یہ عالم ہوگا کہ جب وہ جمالِ حقیقی کا دیدار کر رہے ہوں گے تو جنت کی کسی دوسری نعمت کا اُنہیں خیال تک نہیں رہے گا یہاں تک کہ حُسنِ حقیقی پردہ فرمائے گا لیکن اس کا نور اور اس کی برکت اُن پر اور اُن کے مکانوں پر ضیاء بار رہے گی۔ (ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۴ ؛ موضوعات لابن جوزی ج ۳' ص ۲۶۱)

قولِ باری تعالیٰ وَلَدَيْنَا مَزِيد" اور لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَة" کی تفسیر:

سورہ ق کی آیت ۳۵ اس طرح ہے: لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيد" (اہلِ جنت کو وہاں سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی بہت کچھ ہے۔) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کریم کا دیدار کریں گے اور وہ کافور کے ایسے ٹیلے پر بیٹھیں گے جس کے کنارے دکھائی نہیں دیں گے اور ان ٹیلوں کے درمیان ایک نہر چلتی ہے جس کے دونوں کنارے مشک کے ہیں اور نہر کے کنارے بیٹھی اتنی خوبصورت آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہیں کہ ایسا حُسنِ قرآت کا مظاہرہ کبھی نہ اگلوں نے سنا ہے اور نہ پچھلوں نے۔ پھر جب جنتی اپنے گھر کی طرف چلیں گے تو ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے' موتیوں کے پلوں کو عبور کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوں گے۔"

قیامت کے دن دیدارِ الٰہی کے بارے میں معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ ایک غیر مادّی ہستی ہے اس لئے وہ نظر نہیں آ سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ وہ نظر آ سکتا ہے' اُسے انسان کی طرح سمجھنے کے ہم معنی ہوگا (اور نظریہ تجسیمیت Anthropomorphism اسی کا نام ہے)۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں سورۃ الانعام کی یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ جس کا معنیٰ وہ غلط طور پر یہ کرتے ہیں کہ آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں جبکہ وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ قولِ باری تعالیٰ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَة" کے بارے میں فرماتے ہیں: "اس آیتِ کریمہ میں "زِيَادَة" " سے مراد اللہ عزّ وجلّ کی ذات کا دیدار کرنا ہے اور اہلِ جنت کے نزدیک جمعہ کے دن دیدارِ الٰہی کے انعام سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ ہوگی اور اس کا نام "یومُ المزید" بھی ہے۔

مقامِ اَعراف: اَعْـراف کے لفظی معنیٰ بلند چیز کے ہیں۔ اصطلاح میں یہ اُن لوگوں کا مقام ہوگا جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی اور وہ (Waiting List) میں ہوں گے۔ جنت میں جانے کی اُن کی آرزو پوری کر دی جائے گی اور وہ مولائے کریم کے فضل و کرم سے بالآخر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اُن کی بابت قرآن مجید فرماتا ہے:

وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (الاعراف : ۴۶ تا ۴۸)

''اور اُن دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اَعراف کے اوپر (بہت سے) لوگ ہوں گے' وہ سب کو اُن کے قیافہ سے پہچانیں گے اور اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو اور (ابھی) یہ لوگ اس میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اگر چہ وہ اس کے آرزومند ہوں گے۔ اور جب اُن کی نگاہیں اہلِ دوزخ کی طرف جا پھریں گی تو بول اُٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں (ان) ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔ اور اعراف والے (بہت سے) اشخاص کو پکاریں گے جنہیں وہ اُن کے قیافہ سے پہچانیں گے اور کہیں گے تمہارا جتھا اور تمہارا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کچھ کام نہ آیا۔'' (۴۶ تا ۴۸ : ۷)

<u>جنت کا موسم اور درجہ حرارت</u> : سورۃ الدھر میں ارشادِ پاک ہوا :

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ۝ (الدھر: ۱۳)

''وہ جنت میں نہ تپش پائیں گے اور نہ سردی۔''

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہاں کا موسم نہ ہی گرم اور نہ ہی سرد ہوگا بلکہ انسان کی حس اور طبیعت کے مطابق و موافق انتہائی خوش کن اور من بھاتا ہوگا۔

جنتیوں کی خوشیوں اور مسرّتوں کے مناظر کا نقشہ قرآن مجید میں حیرت انگیز اور بے مثالی انداز میں کھینچا گیا ہے۔ اُنہیں وہاں انتہائی پُر اطمینان' پُر امن اور ہر خطرے سے محفوظ دکھایا گیا ہے جہاں وہ کوئی فضول اور تہذیب و اخلاق سے گری ہوئی بات نہیں سنیں گے اور امن کا ماحول پائیں گے۔ ارشادِ پاک ہوا :

(۱) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ (الحجر: ۴۵ تا ۴۸)

''بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے' (کہا جائے گا کہ) اُن میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو اور جو کچھ اُن کے دلوں میں کینہ ہوگا' اُسے ہم نکال باہر کریں گے۔ سب بھائی بھائی کی طرح آمنے سامنے تختوں پر براجمان ہوں گے۔ اُس میں نہ اُنہیں کوئی تکلیف چھوئے گی اور نہ وہ اس میں سے (کبھی) نکالے جائیں گے۔'' (۴۵ تا ۴۸ : ۱۵)

(٢) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○ (مریم : ٦٢)
''اُس جنت میں وہ کوئی فضول بات نہ سنیں گے ہاں البتہ سلام کی آوازیں سنیں گے اور اُنہیں اس میں اُن کا کھانا صبح وشام ملتا رہے گا۔'' (٦٢ : ١٩)

اردو محاورہ میں صبح وشام سے ایک مراد دوام (ہمیشگی) کی ہوتی ہے نہ کہ طلوع وغروب آفتاب کے دو متعین وقت۔ جنت میں ظلمت ہی سرے سے کہاں ہوگی جس سے یہ متعارف صبح وشام پیدا ہوتے ہیں ع
چسکا پڑا ہے جام کا' شغل ہے صبح وشام کا (ماجدی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جنتی لوگ جنت میں کھائیں اور پئیں گے' وہ اس میں نہ تو تھوکیں گے اور نہ پیشاب کریں گے' نہ رفع حاجت کریں گے اور نہ ناک صاف کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: پھر اُن کا کھانا کہاں جائے گا؟ فرمایا: کھانے پینے کے بعد اُن کے جسم سے پسینہ بہے گا اور اس کے ساتھ ہی اُن کا پیٹ فارغ اور خالی ہو جائے گا۔ (مسند احمد ج ٤' ص ٣٧١ ؛ سنن دارمی ج ٢' ص ٣٣٤ ؛ ابن ابی شیبہ ج ١٣' ص ١٠٨ ؛ حِلیۃ الاولیاء ج ٨' ص ١١٦)

اہلِ جنت کی خوش عیشی کی تکمیل کے لئے دوسری لذتوں کے ساتھ مواصلت کا ذکر بھی ضروری تھا۔ سورۃ الواقعۃ کی آیات ٣٥ تا ٣٨ میں بتایا کہ جنت کی عورتوں کی (بہ شمول حورانِ جنت اور اِس دنیا کی جنتی بیویاں) بناوٹ حیرت انگیز ہوگی۔ اُن کا شباب' اُن کا حسن وجمال' دلکشی اور اہلِ جنت کے ساتھ اُن کی ہم عمری یہ سب چیزیں مستقل' پائدار اور دائمی ہوں گی اور اس دنیا کی نعمتوں کی طرح فنا پذیر نہ ہوں گی:۔
اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ○ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ○ عُرُبًا اَتْرَابًا ○ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ○ (الواقعۃ: ٣٥-٣٨)
''بے شک ہم نے اُن عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ایسا بنا دیا ہے کہ وہ کنواری رہیں گی اور دائیں والوں کے لئے محبوبہ اور ہم عمر رہیں گی۔'' (٣٥ تا ٣٨ : ٥٦)

اُن کے بارے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال کرنے پر ختمی مرتبت آقا ﷺ نے فرمایا: اے اُمّ سلمہ! ان سے مراد دُنیا ہی کی بیویاں ہیں۔ اگرچہ وفات کے وقت وہ بوڑھی تھیں' اُن کے بال سفید تھے' اُن کی بینائی کمزور تھی' آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ساری ہم عمر ہوں گی۔ (ضیاء القرآن)

عُرُب'' کا واحد عَرُوب'' ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ وہ عورت ہے جو ناز وانداز اور خوش گفتاری سے اپنی محبت کا اظہار اپنے خاوند سے کرے۔ یہ عورت کی ایسی صفت ہے جس میں اس کی نسوانیت کی ساری خوبیاں سمٹ آتی ہیں۔ حسین وجمیل بھی ہو' ناز وادا والی بھی ہو' خوش گفتار بھی ہو' ہنس مکھ بھی اور اپنے خاوند کو دل سے چاہنے والی

بھی ہو اور اپنی چاہت کو چھپانے والی نہ ہو بلکہ اس کا اظہار کرنے والی ہو۔'' (ضیاء القرآن' ج ۵' ص ۹۲)

اِن انعامات کے علاوہ قرآن مجید نے اہلِ جنت کے لئے کچھ اور نوازشات کا بھی ذکر فرمایا مثلاً:
(۱) اُن کے لئے موت نہیں ہوگی اور وہ حیاتِ جاودانی سے حظ اندوز ہوتے رہیں گے۔ (الدُّخان: ۵۶)
(۲) وہ مہذّب گفتگو سے حظ اندوز ہوتے رہیں گے (الرَّعد : ۲۴)
(۳) پرندوں کے گوشت سے لطف اندوزی' لمبے لمبے سایوں' پانی کی آبشاروں' پھلوں کی بہتات میں وہ زندگی بسر کریں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن سے روکا جائے گا۔ اونچے اونچے پلنگوں پر بستر بچھے ہوں گے (سورۃ الواقعۃ: ۲۱' ۳۰ تا ۳۴)
(۴) بہتی ہوئی شراب سے لبریز سفید' سفید' پینے والوں کے حق میں خوب لذیذ اُن پر جام دَور کرے گا جس سے نہ چکر آئے گا اور نہ اس سے وہ بہکی بہکی باتیں کریں گے۔ (سورۃ الصَّافّات: ۴۵ تا ۴۷)
(۵) بڑی سے بڑی انفرادی اور مادّی لذّتیں بھی اہلِ جنت کے لئے کافی نہ ہوں گی۔ ہم مشربوں' دوستوں اور عزیزوں کے اجتماع کا لطف ان لذّتوں کو دوبالا کردے گا۔ (سورۃ الصَّافّات: ۵۰)
(۶) اہلِ جنت سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے' اُن کے پاس لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے' آب خورے' آفتابے اور بہتی ہوئی شراب سے لبریز جام لے کر آمد و رفت رکھیں گے۔ (سورۃ الواقعۃ: ۱۵ تا ۱۸)
(۷) جنت کے پھلوں کے گچھے جھکا کر نیچے کر دئے جائیں گے تا کہ وہ کھڑے' بیٹھے' لیٹے ہر حال میں بہ آسانی پھل لے سکیں۔ (سورۃ الدّھر: ۱۴)
(۸) اہلِ جنت کو پانی کی ضرورت پڑنے پر ایسا نہ ہوگا کہ اپنے بالا خانوں سے نیچے اتر کر اُنہیں مشکیزہ یا گھڑا بھر کر لانا پڑے بلکہ جدھر اشارہ کریں گے' اُس چشمہ کا پانی وہاں بہتا چلا جائے گا۔ کوئی بلندی و پستی' کوئی گڑھا اور وادی اُس پانی کے رواں ہونے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ (سورۃ الدھر: ۶)
(۹) اہلِ جنت کو ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جو سر بمہر کر کے رکھی ہوئی ہے۔ (المطفّفین: ۲۵' ۲۶)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیتِ کریمہ خِتَامُہٗ مِسْكٌ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ چاندی کی مثل سفید شراب ہے اور پینے والے اس خاص شراب کو سب سے آخر میں پئیں گے۔ اُس کی خوشبو کا یہ عالم ہے کہ اگر دنیا کا کوئی آدمی اس شراب کے مٹکے میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لے تو دنیا بھر کے ذی روح اُس کی خوشبو محسوس کریں یعنی پوری دنیا کو اُس کی خوشبو اپنی لپیٹ میں لے لے اور پورے عالم کی فضا معطر ہو کے رہ جائے۔
اس نتھری ہوئی اور خوشبودار شراب کا ذکر فرمانے کے بعد اُس کے حصول کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ (المطففین : ۲۶)

''اور للچانے والوں کو اسی پر للچانا چاہئے (دنیا میں نیک کاموں میں سبقت کر کے) (۸۳:۲۶)

(۱۰) اہلِ جنت کے چہرے بارونق ہوں گے' عالیشان جنت میں وہ اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے۔ جنت میں اونچے اونچے تخت بچھے ہوں گے' ساغر قرینے سے رکھے ہوں گے' گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے۔ (سورۃ الغاشیۃ : ۸' ۹' ۱۰' ۱۳ تا ۱۶)

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جنتی لوگ اپنے سروں پر تاج پہنے ہوں گے جن میں موتی جڑے ہوں گے۔ اِن تاجوں میں سب سے گھٹیا موتی سے ایسی زبردست روشنی خارج ہوتی ہے جس سے مشرق و مغرب کے مابین تمام جگہ روشن ہو سکتی ہے۔''

(x) بالخصوص جنتی مَردوں کو فراہم کردہ شادمانیوں اور مسرتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُنہیں بہ اذنِ الٰہی (جواں سالہ) دوشیزگان کی ہمراہی نصیب ہوگی جن کی چوڑی چوڑی مدھری آنکھیں ہوں گی۔ قرآن کا بیان ملاحظہ ہو :

(۱) وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍO (الدُّخان: ۵۴ ؛ اَلطُّور : ۲۰)
''اور ہم اُنہیں گوری رنگت والی کشادہ چشم حوروں سے بیاہ دیں گے۔'' (۴۴:۵۴ ؛ ۵۲:۲۰)

(۲) فِيۡهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ" قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ"O (الرحمٰن : ۵۶)
''اور اُن میں نیچی نگاہ رکھنے والی (حوریں) ہوں گی جنہیں پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جنّ نے۔'' (۵۶ : ۵۵)

(۳) حُوۡرٌ" مَّقۡصُوۡرٰتٌ" فِى الۡخِيَامِO (الرَّحۡمٰن : ۷۲)
''ایسی حوریں جو خیموں میں پردہ نشین ہیں۔'' (۷۲ : ۵۵)

''قدرتی بات ہے کہ اِن جیسی آیات کو عیسائی مصنّفین ناپسندیدگی کی نظر سے بلکہ تقریباً خوف اور بیزاری کی ملی جلی کیفیت سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ عیسائیت کی اخلاقیات میں جنسی زندگی کو موروثی بدی سمجھا جاتا ہے جسے ناگزیر برائی کے طور پر برداشت کیا جاتا ہے۔ زندگی کے ساتھ یہ غیر صحتمند رویّہ سیاہ عیسائیت کے دَور کی پیداوار ہے۔ اسلام کا نظریہ اس مریضانہ نظریہ کے خلاف ہے۔ آزادانہ اور بیباکانہ طور پر اسلام کا نظریہ جدید سائنسی علم کے مطابق ہے اور وہ یہ کہ جنسی زندگی اُن اعلیٰ ترین اور بلند ترین خوشیوں کا منبع ہے جن کا کوئی بدل نہیں۔ یہ اعلیٰ ترین اور ناقابلِ موازنہ نفسیاتی مسرت ہے جس کی نشوونما ہونی چاہئے' نہ کہ اُسے دبا کر رکھا جائے۔۔۔ جنسی زندگی ہرگز برداشت کی گئی برائی نہیں جس سے فرار مشکل ہو بلکہ بڑا عطیہ (خداوندی) ہے جس کے بغیر زندگی بے رونق ہو جائے۔ انسانی وجود میں جنسی عنصر کی قدر اور نشوونما ہونی چاہئے۔'' ("Biological Tragedy of Woman".. Nemilov, pp. 200-201)

آیا جنت اور جہنم پہلے ہی سے موجود ہیں؟ آدم اور حوّا علیہا السلام چونکہ جنت میں رہتے رہے ہیں اس لئے جنت وجہنم کے وجود کا پہلے ہی سے ہونا ایک کھلی حقیقت اور اٹل صداقت ہے۔

جنت کے ایک درجہ کی وسعت: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ایک ایک درجہ اتنا وسیع ہے کہ اگر تمام جہان اُس کے کسی ایک درجہ میں جمع ہو جائیں تو سما سکتے ہیں کہ اس میں اتنی گنجائش ہے۔ (ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۲)

''جنت کے ناقابلِ تصوّر طول وعرض کا ثبوت سائنس کی رُو سے: سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۳ کے الفاظ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (اُس جنت کا عرض آسمان اور زمین ہیں) اور سورۃ الحدید کی آیت ۲۱ کے الفاظ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اُس کی چوڑائی ہی آسمان اور زمین کی وسعت جتنی ہے) کا یہی مطلب ہے کہ جنت کی صرف چوڑائی ہی تمام آسمانوں اور زمین جتنی ہے یعنی اُس تمام مخلوق جتنی جس کا ہم تصوّر کر سکتے ہیں۔ موجودہ علمِ فلکیات کی تحقیق کی رُو سے: ایک آسمان لاکھوں کہکشاؤں کو شامل ہے اور ایک کہکشاں تقریباً ایک سو ارب ستاروں سے تشکیل شدہ ہے۔ صرف ایک کہکشاں کی چوڑائی اس قدر وسیع ہے کہ روشنی کو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لئے تقریباً بیس ہزار سال لگیں گے۔ اب تمام آسمانوں کے سائز کا اندازہ لگایئے اور پھر جدید کائنات میں جنت کے سائز کا اندازہ کر لیجئے جسے ان تمام چیزوں سے کہیں زیادہ وسیع بتایا گیا ہے۔''

''اسی طرح دوزخ اور مقامِ اعراف کے حجم بھی بہت وسیع ہیں۔ معلوم ہوا کہ کائناتِ جدید کا تمام نظام کسی بھی تصوّر سے ماوراء ہے۔'' ("Doomsday and Life After Death" ... Sultan Bashir Mahmood, pp. 144.145)

جنت کے دروازے: اللہ بزرگ وبرتر کا ارشادِ گرامی ہے:

حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا (اَلزُّمَر: ۷۳)

''یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اُس کے دروازے کھلے ہوں گے۔''

جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر یہ کلمہ پڑھے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، تو اُس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جس دروازے سے چاہے، جنت میں داخل ہو جائے۔ (صحیح مسلم ج ۳، ص ۱۱۸؛ مسند احمد ج ۴، ص ص ۱۴۶ تا ۱۵۳؛ مستدرک للحاکم ج ۲، ص ۳۹۹؛ ابن حبان ج ۲، ص ۱۹۳)

بعض علماء سے اِن دروازوں کی تعیین کا قول بھی منقول ہے۔اُنہوں نے اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے امام مالک نے مؤطا میں اور امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مال میں سے ایک جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو جنت میں اس کے لئے ندا کی جائے گی: اے اللہ کے بندے! یہ نیکی ہے پس جو شخص نمازیوں میں سے ہوگا اُسے ''باب الصلوۃ'' سے پکارا جائے گا' جو مجاہدوں میں سے ہوگا اُسے ''باب الجھاد'' سے پکارا جائیگا' جو صدقہ دینے والا ہوگا اُسے ''باب الصدقۃ'' سے پکارا جائے گا' جو روزہ داروں میں سے ہوگا' اُسے ''باب الریان'' سے پکارا جائے گا۔حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کسی شخص کو اِن تمام دروازوں سے پکارے جانے کی ضرورت تو نہیں ہے' پھر بھی کوئی ایسا شخص ہوگا جسے اِن تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟'' فرمایا: ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم اُن میں سے ہوگے۔'' (صحیح بخاری ج ۴' ص ۱۱۱؛ صحیح مسلم: کتاب الزکوۃ؛ ترمذی رقم الحدیث ۳۶۷۴؛ مسند احمد ج ۴' ص ۳۸۶؛ مؤطا امام مالک ج ۲' ص ۴۶۹' ابن حبان ج ۱' ص ۲۶۳' البیہقی ج ۹' ص ۱۷۱)

<u>جنت کے دروازوں کی وسعت:</u> حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہِ قدرت میں مجھ محمد کی جان ہے' جنت کے دروازوں کے کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ مکہ اور مقامِ ہجر کے درمیان' یا مکہ اور مقام بصریٰ کے درمیان ہے۔ (صحیح مسلم: کتاب الایمان)

<u>جنت کے درختوں کی نوعیت</u>: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ہر درخت کا تنا سونے کا ہے۔(ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۵؛ ابن حبان ج ۹' ص ۲۵۰)

<u>جنتیوں کے لباس</u>: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝ (سورۃ الحج: ۲۳)
''اور جنت میں اُن کا لباس ریشم کا ہے۔''

(۲) يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُندُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ (الکھف: ۳۱)
''اُس میں اُنہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے باریک اور دبیز کپڑے پہنیں گے۔''

(۳) عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ (الدھر: ۲۱)
''اُن (جنتیوں) پر باریک ریشم کے اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے۔''

<u>''سبز رنگ کو مخصوص کرنے کی وجہ</u>: مفسرین فرماتے ہیں کہ سبز رنگ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نظر کے

لئے موزوں اور اس کے لئے موافق و سازگار ہے۔ سیاہ رنگ غصہ پیدا کرتا ہے۔ سبز رنگ سیاہ اور سفید دونوں رنگوں کی درمیانی اور اعتدالی کیفیت کا حامل رنگ ہے جس پر نظر ٹھہرتی ہے اور انتشارِ نظر کا موجب نہیں بنتا۔ اس لئے اِس معتدل رنگ کو جنتیوں کے لباس کے لئے خاص کیا گیا ہے۔" (ایضاً ص ۳۴۳)

جنت کے گھر کی تعمیر کس میٹیریل سے ہوئی ہے؟ یہ سوال صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا:

"اس گھر کی تعمیر سونے اور چاندی کی اینٹوں سے اس طرح کی گئی ہے کہ سونے کی اینٹ کے اوپر چاندی کی اینٹ' پھر چاندی کی اینٹ کے اوپر سونے کی اینٹ رکھی گئی ہے۔ چونے کے پتھر کی بجائے موتیوں اور جواہر کا استعمال ہوا ہے اور اُس کی زمین زعفران کی بنی ہوئی ہے جس کی رنگت زرد اور خوشبو بڑی دل آویز ہے۔ اُس میں داخل ہونے والا امن وسکون سے رہے گا جس میں کوئی فنائیت نہیں ہے۔ موت کے نام سے وہ ناواقف ہے' اُس کا لباس کبھی بوسیدہ نہ ہوگا اور نہ ہی اُس کا شباب زوال پذیر ہوگا بلکہ اُس کا شباب ہمیشہ اپنے پورے جوبن میں رہے گا۔"

زمین اور آسمان کے تبدیل ہونے میں حکمت: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (سورہ ابراھیم: ۴۸)

"جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیا جائے گا۔)" (۱۴:۴۸)

"یہ آیت اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلیل ہے جس میں قیامت کی جزئیات کی اس لئے خبر دی ہے تاکہ سننے والے کو پہلے سے بصیرت حاصل ہو اور قیامت کی ہولناکیوں کا اُسے پہلے سے علم ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو ان ہولناک چیزوں کے لئے تیار کر لے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ تمام امور اچانک پیش آجائیں۔ حدیثِ پاک میں بھی یہ مضمون آیا ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ میدانِ حشر کی زمین اس موجودہ زمین سے بہت بڑی ہوگی اور زمین کی ان صفات میں یہ حکمت ہے کہ جس زمین میں حساب وکتاب ہوگا' وہ ظلم اور گناہوں سے پاک ہو اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے مؤمن بندوں پر جو تجلی فرمائے گا' وہ ایسی زمین ہو جو اُس تجلی کی عظمت کے لائق ہو۔ کیونکہ اُس زمین میں صرف اللہ وحدہٗ لا شریک کا حکم ہوگا۔ پس اس کے مناسب یہ ہے کہ وہ زمین بھی خالص اُس کے لئے ہو (یعنی اُس میں مجازاً بھی کسی اور کا حکم نافذ نہ ہو)۔" ("تبیان القرآن" از علامہ غلام رسول سعیدی' جلد ششم' ص ۲۲۴)

کیا زمین و آسمان کی تبدیلی سے مراد ذات کی تبدیلی ہے یا فقط اُن کی صفات کی تبدیلی؟" جیسا کہ آیتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ یہ زمین اور یہ آسمان بدل دئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کی جگہ دوسری زمین اور آسمان پیدا فرمائے گا' تبدیلی کے وقت لوگ "پُل صراط" پر ٹھہریں گے اور اس کے بعد پھر نئی زمین پر آجائیں گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اکثر لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ زمین کی تبدیلی سے مراد اُس کی صفات کا بدل جانا ہے اس طرح کہ اس کے نشیب وفراز کو ہموار کر دیا جائے گا' پہاڑوں کو ختم کر کے زمین کو بچھا دیا جائے گا (اور زمین کی اِسی ہمواری اور برابری کا نام تبدیلی ہے)

علامہ قرطبی نے التذکرۃ فی امور الآخرۃ میں صاحب الافصاح سے نقل کیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا تبدیل کرنا دو مرتبہ ہوگا۔ پہلے صور پھونکنے کے وقت صرف اُن کی صفات تبدیل ہوں گی' پس ستارے منتشر ہو جائیں گے' سورج اور چاند کو گہن لگ جائے گا' آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اور سروں سے کھینچ لیا جائے گا' پہاڑ چلنے لگیں گے اور زمین میں تموّج ہوگا' سمندر آگ بن جائیں گے۔ پھر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زمین پھٹ جائے گی' پھر اُس کی بنیاد اور ہیئت بدل جائے گی۔ پھر اس کے بعد صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے' آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا اور زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا جس کا ذکر سورۃ الزُّمَر کی آیت ۶۸ میں ہوا۔'' (ایضاً ص ۲۲۶)

''آسمان کی تبدیلی: خلاصہ یہ ہے کہ پہلی بار زمین کی صفات کو تبدیل کیا جائے گا اور اُسے چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا اور دوسری بار زمین کے مادّے اور اُس کی ذات کو بدل دیا جائے گا۔ پہلے وہ مٹی کی تھی اور اب اُسے سفید روٹی بنا دیا جائے گا۔ یہ تو زمین کی تبدیلی تھی۔ آسمان کی تبدیلی کے متعلق علامہ قرطبی نے لکھا ہے جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ابن الانباری نے یہ کہا ہے آسمان دھواں بن جائے گا' سمندر آگ بن جائیں گے۔ آسمان کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح وثیقہ (اسٹامپ پیپر) کو لپیٹ دیا جاتا ہے (بحوالہ سورۃ الانبیاء' آیت ۱۰۴)۔''

''قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے اشارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ یہ زمین ہے' اسی جگہ میدانِ حشر قائم ہوگا لیکن اس زمین کا مادّہ اور اُس کی ذات وصفات یہ نہیں ہوں گی۔ پہلے اس زمین کو ہموار کر دیا جائے گا اور دوسرے صور کے پھونکے جانے کے وقت یہ زمین میدہ کی روٹی بنا دی جائے گی۔'' (ایضاً ص ۲۲۶)

''سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۳ اور سورۃ الحدید کی آیت ۲۱ سے معلوم ہوا کہ جنت کا صرف عرض (چوڑائی) ہی تمام آسمانوں اور زمین کی وسعت کے برابر ہے۔ علم الافلاک کی جدید تحقیق کے مطابق صرف ایک آسمان لاکھوں کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک سو اَرب ستارے ہیں۔ صرف ایک کہکشاں کی چوڑائی اس قدر وسیع ہے کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرنے والی روشنی کو کہکشاں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے میں تقریباً بیس ہزار سال لگتے ہیں۔ یہ صرف ایک کہکشاں کا حال ہے۔ اب تمام آسمانوں کے حجم (سائز) کا اندازہ کر کے اس نئی کائنات میں اُس جنت کے حجم کا تصور کر لیجیے جس کے متعلق بتایا گیا

ہے کہ وہ ان تمام سے وسعت میں کہیں زیادہ ہے۔''

''اسی طرح جہنم اور مقامِ اعراف کے حجم (سائز) بھی بہت وسیع ہیں اور اس طرح نئی قائم شدہ کائنات کا تمام ضابطہ ہر قسم کے تصور سے ماوراء ہے۔'' ("Doomsday and Life after Death" ... Sultan Bashir Mahmood, pp. 144-145)

اَشراطُ السَّاعة (قیامت کی علامات) میں سے ایک علامت وقتِ آخر میں یاجوج ماجوج (بحوالہ سورۃ الکہف: آیت ۹۴' سورۃ الانبیاء: آیت ۹۶) کا خروج' مہدی علیہ السلام اور دجّال کا ظہور اور عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری ہے۔

یاجوج وماجوج' مہدی علیہ السلام اور دجّال کا ظہور: ملاحظہ ہوں صفحات ۱۲۲۷ تا ۱۲۳۱ (جلد سوم)

جنتی حوض ''کوثر'' : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مخاطب ہوئے خدائے قدّوس نے فرمایا:

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (الکوثر: ۱)

''بے شک ہم ہی نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔'' (۱: ۱۰۸)

''کوثر'' سے مراد حوضِ کوثر یا نہرِ جنت بھی ہے اور قرآن اور نبوت وحکمت بھی' فضائل ومعجزات کی کثرت یا اصحاب واَتباع اور امت کی کثرت بھی مراد لی گئی ہے۔ رفعتِ ذکر اور خُلقِ عظیم بھی مراد ہے اور دنیا و آخرت کی نعمتیں بھی' نصرتِ الٰہیہ اور کثرتِ فتوحات بھی مراد ہیں اور روزِ قیامت مقامِ محمود اور شفاعتِ عظمٰی بھی مراد لی گئی ہے۔'' [''عرفان القرآن''۔۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری' صفحہ ۹۹۹ (ذیلی نوٹ)]۔

حوضِ کوثر کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے :

''حوضِ کوثر کا حجم (سائز) عدن اور عمان (یا یمن اور شام) کی درمیانی مسافت کا ہے۔ اُس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اِس کے آبخوروں کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہے۔ جو کوئی اُس سے ایک مرتبہ پی لے گا' اُسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ لوگوں کا پہلا گروہ جو اس سے پینے آئے گا وہ غریب مہاجرین ہوں گے (جنھوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی)۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی میں مفلس ونادار تھے۔ اُن کے بال بکھرے ہوتے تھے اور اُن کا لباس مٹی سے اٹا ہوتا تھا۔ کوئی بھی مالدار عورت اُن سے شادی کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اُنہیں نظرانداز کر دیا گیا تھا اور جب بھی اُنہوں نے دنیادار لوگوں سے مدد چاہی تو اُنہیں نفرت سے دُھتکار دیا جاتا تھا۔''

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

''ہمارے قائد و راہنما محمد ﷺ کو دو حوض عطا کئے جائیں گے۔ پہلا حوض آپ کو اُس سرزمین پر عطا کیا جائے گا جہاں لوگ قیامت کے دن اکٹھے ہوں گے تاکہ لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنی پیاس محمد ﷺ کی سبیل سے بجھا سکیں۔ ہر پیغمبر کا پانی کا حوض ہوگا تاکہ اُس کے پیروکار اس سے پیاس بجھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد آپ کے حوض پر جمع ہوگی۔ دوسرا حوض جنت میں صرف اور صرف آپ کو عطا کیا جائے گا اور کسی پیغمبر کو جنت میں کوئی حوض نہیں ملے گا۔''

ایک حدیث میں یہ بھی آیا کہ برائیوں کی تشہیر کرنے والوں اور نبی علیہ السلام کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دینِ اسلام میں نئی نئی اختراعات کرنے والوں کو اس حوض سے کچھ نہیں ملے گا بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نفرت سے اُنہیں دھتکار دیں گے اور کہیں گے کہ اپنی راہ پکڑو۔

(د) حیاتِ انبیاء علیہم السلام : کوئی شک نہیں کہ موت ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور کسی کو اس سے فرار ممکن نہیں کیونکہ یہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے :

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آلِ عمران:۱۸۵ ؛ الانبیاء : ۳۵ ؛ العنکبوت : ۵۷)

''ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے۔'' (۱۸۵ : ۳ وغیرہ)

قرآنی لفظ ذَآئِقَة سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موت دائمی نہیں بلکہ وہ عارضی ہے کیونکہ کسی چیز کا چکھنا ہمیشہ مختصر سے وقت کے لئے ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر موت ایک ابتدائی مرحلہ ہے اور دائمی و ابدی زندگی میں داخلے کا دروازہ ہے۔ بہ شمول انبیاء علیہم السلام تمام جانداروں کو بلا کسی استثناء کے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ لیکن لوگوں کی موت اور پیغمبر کی وفات میں بہت بڑا فرق ہے۔ ایک عام آدمی کا جسم اُس کی موت کے چند گھنٹوں کے بعد گل سڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اُس کی ہڈیاں اور گوشت چند ہفتوں بعد متعفّن اور زوال پذیر ہو جاتے ہیں جبکہ ایک پیغمبر جب اس دنیا سے اُس دنیا کو منتقل ہوتا ہے تو نہ تو اُس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے اور نہ ہی اُس کی ہڈیاں اور گوشت زوال پذیر ہوتی ہیں۔ موسمی حالات خواہ کتنے ہی شدید اور ناموافق کیوں نہ ہوں، اُن کا پیغمبر کے جسم و جان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مندرجہ ذیل بیان اس حقیقت کی تصدیق کے لئے کافی ہوگا:۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام قرآنِ حکیم کی روشنی میں : قرآنِ حکیم، احادیثِ مبارکہ اور معدوم حیوانات کے مطالعہ (Palaeontology) کی رُو سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام اور گوشت زوال پذیر ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے ماوراء اور بالکل آزاد ہیں۔ جیسا کہ ذیل کے حقائق اس پر شاہد ہیں:

(۱) سورہ سَبا کی آیت ۱۴ میں سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے جس کے مطابق آپ کی زیرِ نگرا

جنات ہیکل کی تعمیر کر رہے تھے۔نماز کے دوران اپنے عصا پر جھکے ہوئے ہونے کی حالت میں آپ کی روح پرواز کر گئی۔عصا نے آپ کے جسم کو اُسی حالت میں پورا ایک سال سہارا دئے رکھا اور جس دوران ہیکل کی تعمیر مکمل ہو گئی' دیمک نے آپ کے عصا مبارک کو چاٹنا شروع کیا حتیٰ کہ جب وہ اُسے پوری طرح کھا چکیں اور اُسے اندر سے خالی کر دیا تو عصا پیغمبر سلیمان علیہ السلام کے جسمِ اطہر کو نہ سہار سکا جس سے بالآخر آپ زمین پر آرہے۔

یہ واقعہ انبیاء علیہم السلام کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اُن کی حیات کی روشن مثال ہے۔قدرت کے عام قانون کے برعکس ایک سال کا طویل عرصہ بھی آپ کے جسم و جان پر اثر انداز نہ ہو سکا جو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی بجائے آپس میں مربوط اور گتھا ہوا رہا اس کے باوجود کہ روح آپ کے جسم سے جدا ہو چکی تھی۔(بحوالہ سورہ سبا : آیت ۱۴)

بالکل اسی قسم کی مماثلت اور مشابہت ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۹ میں عزیر علیہ السلام اور سورۃ الکھف کی آیات ۱۷ تا ۱۹ میں اصحاب کہف کے بیان میں پاتے ہیں۔اصحاب کہف پیغمبر نہیں تھے بلکہ اولیاء اللہ تھے جو اپنے گھروں سے اپنا ایمان بچانے کے لئے نکلے تھے۔اُن کی وفات اور 309 برس کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود اُن کے جسم بغیر کسی زوال پذیری یا ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے مربوط اور گتھے رہے۔

(۲) اپنے موقف کی تائید کے ثبوت میں ذیل کی آیت بھی ہے جس میں نبی ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ O (الزُّمَر: ۳۰)

''(اے حبیبِ مکرّم!) بے شک آپ کو توفات (صرف ذائقہ چکھنے کے لئے) آنی ہے اور وہ (کافر) یقیناً (دائمی ہلاکت کے لئے) مُردہ ہو جائیں گے (پھر دونوں موتوں کا فرق دیکھنے والا ہوگا)۔'' (۳۹ : ۳۰)

مندرجہ بالا آیت میں حرفِ عطف ''و'' دونوں جملوں کے درمیان لایا گیا ہے اور ''و'' کا حرف ہمیشہ تنفر اور تغایر کا متقاضی ہوتا ہے۔اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ہم دو مختار کاروں (اتھارٹیز) کا حوالہ دیتے ہیں:

(i) اَلْوَاوُ اَصْلُهَا الْعَطْفُ وَهِيَ دَلِيْلُ الْاِنْفِصَالِ (شرح جامی لعبد الرحمٰن جامی)

''واوَ اصل میں حرفِ عطف ہے اور وہ ماقبل کے مابعد سے تغایر کی علامت ہے۔''

(ii) حَقِيْقَةُ الْعَطْفِ مُغَايَرَةٌ ('' جلاء الافھام '' للعلامہ ابن قیم ۔۔ تلمیذ ابنِ تیمیہ)

''حرفِ عطف کی حقیقت ماقبل کا مابعد سے مغائر ہونا ہے۔''

مندرجہ بالا وضاحت کے بعد یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعد از وفات کی

زندگی لوگوں کی بعد از موت زندگی کے برابر نہیں ہوسکتی اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ کی بعد از وفات کی زندگی اپنی حقیقت میں اور منصبِ رسالت کے مرتبہ میں انتہائی اعلیٰ و ارفع ہے اور اسی وجہ سے آپ کا اس دنیا سے رخصت ہونے کو "اِنَّكَ مَيِّت" کے علیحدہ جملے میں بیان کیا گیا اور اس طرح دوسرے لوگوں کی موت اور آپ کی وفات میں خطِ امتیاز کھینچ دیا گیا ہے۔ اگر یہ فرق نہ ہوتا تو تمام لوگوں کی موت اور پیغمبر کی وفات کو برابر کرنے کے لئے ایک ہی جملہ کہہ دینا کافی تھا۔

(۳) شہداء کی دائمی زندگی پر زور دیتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَآء" عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَO فَرِحِيْنَ بِمَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْف" عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَO يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَO (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۱)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں اُنہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں اُنہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔ وہ (حیاتِ جاودانی کی) اِن (نعمتوں) پر شاداں و فرحاں رہتے ہیں جو اللہ نے اُنہیں اپنے فضل سے عطا فرمارکھی ہیں اور اپنے اُن پچھلوں سے بھی جو (تا حال) اُن سے نہیں مل سکے (اُنہیں ایمان اور اطاعت کی راہ پر دیکھ کر) خوش ہوتے ہیں کہ اُن پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ وہ اللہ کی (تجلّیاتِ قرب کی) نعمت اور (لذّاتِ وصال کے) فضل سے مسرور رہتے ہیں اور اس پر (بھی) کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (۳: ۱۶۹تا۱۷۱)

یہ آیت شہداء کی ابدی زندگی کی واضح شہادت ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کا مقام اور مرتبہ تو شہداء کے مرتبہ سے کہیں ماوراء اور بلند و بالا ہے اور اسی وجہ سے بعد از وفات کی زندگی اُن کا خاص الخاص حق ہے جو اُن کے خالق و مالک کی طرف سے اُنہیں عطا ہوا ہے۔ اور پھر ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام و مرتبہ کا تو کیا کہنا جو آپ کو اپنے پیغمبر بھائیوں کے مرتبہ و مقام سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ حاصل ہے۔ لہٰذا آپ کی حیات بعد از وفات محولہ بالا آیت سے ثابت ہے۔

(۴) سورۃ الزخرف کی آیت ۴۵ میں نبی علیہ السلام سے یہ پوچھا گیا ہے:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ آلِهَةً يُّعْبَدُوْنَO

''اور جو اپنے رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے آپ اُن سے پوچھئے کہ کیا ہم نے (خدائے) رحمان کے سوا کوئی اور معبود بنائے تھے کہ اُن کی پرستش کی جائے۔'' (۴۳ : ۴۵)

پیغمبروں سے پوچھنے کے خدائی حکم کا تقاضا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعد از وفات زندگی کو تسلیم کیا جائے جیسا کہ ابن القیم نے بیان کیا ہے:

هٰذَا السَّلَامُ وَالْخِطَابُ وَالنِّدَاءُ لِمَوْلُوْدٍ يَّسْمَعُ (تفسیر روح البیان)

''ایسا سلام اور خطاب اُسے کیا جاتا ہے جس میں سننے کی صلاحیت ہو۔''

اور یہ ظاہر ہے کہ سننے کی صلاحیت زندگی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں شبِ معراج انبیاء علیہم السلام سے پوچھا تھا:

اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَاَلَهُمْ لَيْلَةَ الْاَسْرَاءِ (شِفاء السقام)

(۵) درجِ ذیل آیت کے حوالے سے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرة : ۱۴۳)

''اور (اے مسلمانو!) اِسی طرح ہم نے تمہیں اعتدال والی (بہتر) امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ رسول ﷺ) تم پر گواہ ہو۔'' (۲ : ۱۴۳)

مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ مِنْ يَّوْمٍ اِلَّا وَتُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَعْمَالُ أُمَّتِهٖ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَ أَعْمَالِهِمْ فَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ (المواهب اللّدُنية)

''کوئی بھی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں اُمّت کے اعمال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں، سو آپ اپنی امت کی شکلوں اور اُن کے اعمال کو پہچانتے ہیں اور اسی وجہ سے آپ روزِ قیامت اُن پر گواہ ہوں گے۔''

(۶) سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں لوگوں کو آپ ﷺ کو ایذا دینے اور آپ کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے۔ جس سے آپ کی حیات بعد از وفات کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں: (i) اذیت زندہ شخص ہی کو دی جاتی ہے۔ (ii) زندہ شخص کی منکوحہ سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی لکھتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کی حیات اُن کی قبورِ مبارکہ میں منقطع نہیں ہوتی، لہٰذا اُن کی ازواج اُن کی وفات کے بعد بھی اُن کے حبالۂ عقد میں رہتی ہیں۔ لوگوں کو اُن کی ازواج سے نکاح کرنے کا کوئی اختیار نہیں کیونکہ

عام لوگوں کی موت اور نبی کی وفات میں بہت بڑا فرق ہے۔'' (''آبِ حیات'' صفحہ ۱۶۸)

(۷) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًاO (النِّساء : ۶۴)

''اور اگر یہ لوگ جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں' (اے حبیب!) آپ کے پاس آجائیں اور اللہ سے بخشش مانگیں اور پیغمبر اُن کے لئے بخشش مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً معاف کرنے والا مہربان پائیں گے۔''

اس آیت کی تفسیر میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رقمطراز ہیں :

''یہ قرآنی آیت کسی خاص زمانہ کے لئے مخصوص نہیں ہے چاہے لوگ آپ کے ہم عصر ہوں یا آپ ﷺ کے بعد آنے والے ہوں اور اسے کسی خاص وقت اور زمانہ کے ساتھ مقید کیا ہی کیوں جائے جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجودِ مسعود آپ کی تمام امت کے لئے رحمت ہے اور اللہ کی مغفرت طلب کرنے کی نیت سے آپ کے پاس آنے والوں کے لئے آپ کی رحمت کا جواز تبھی بنے گا جبکہ آپ کو اپنی قبرِ مبارکہ میں زندہ مانا جائے۔''
(''حیات النبی'' ﷺ از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری' صفحہ ۱۲۵)

اور ابنِ حجر مکی شافعی لکھتے ہیں :

''دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلٰى حَثِّ الْاُمَّةِ عَلَى الْمَجِيْءِ اِلَيْهِ ﷺ وَالْاِسْتِغْفَارِ عِنْدَهٗ' وَاسْتِغْفَارِهٖ لَهُمْ وَهٰذَا لَا يَنْقَطِعُ بِمَوْتِهٖ وَالْاٰيَةُ الْكَرِيْمَةُ وَاِنْ وَرَدَتْ فِيْ قَوْمٍ مُّعَيَّنٍ فِيْ حَالِ الْحَيٰوةِ نَعَمْ بِعُمُوْمِ الْعِلَّةِ كُلُّ مَنْ وَجَدَ فِيْهِ ذٰلِكَ الْوَصْفَ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ وَلِذٰلِكَ فَهِمَ الْعُلَمَاءُ مِنْهَا الْعُمُوْمَ لِجَانِبَيْنِ (شِفاء السقام' ص ص ۸۱' ۸۲ ؛ الجواہر المنظم' ص ۶؛ شواہد الحق' ص ۶۱)

''یہ آیت اُمتِ محمد یہ کو آپ ﷺ کے پاس آنے' آپ کے سامنے اللہ کی مغفرت طلب کرنے اور پھر نبی ﷺ کی اُن کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کی ترغیب دے رہی ہے اور یہ چیز آپ کی وفات کے ساتھ آپ کے اس دنیا سے تعلق کو منقطع نہیں کرتی۔ آیت اگرچہ کچھ مخصوص لوگوں کے لئے نازل ہوئی لیکن سبب کی عمومیت کی بناء پر اس کا اطلاق اُن تمام لوگوں پر ہوگا جو نبی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں یا آپ کی وفات کے بعد آپ کے پاس اللہ کی مغفرت طلب کرنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے دین نے اُن تمام لوگوں کے لئے ایک عمومی اصول بنالیا ہے جو آپ کی حیاتِ طیبہ میں یا بعد میں آپ کے پاس آتے ہیں' تو آپ اُن کے لئے اللہ کے حضور ضرور بخشش طلب کرتے ہیں۔''

اور سیّدنا علی کرّم اللہ وجھہ' فرماتے ہیں :

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تدفین سے تین دن بعد ایک بدّو ہمارے پاس آیا۔ اُس نے نبی علیہ السلام

کی قبرِ اطہر پر اپنے آپ کو گرا دیا اور قبرِ مبارکہ کی مٹی کو اپنے سر پر ڈالتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے اپنے جسم و جان پر بڑا ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ از راہِ کرم اللہ تعالیٰ سے میری بخشش کرا دیں۔ اس پر قبرِ انور سے آواز سنی گئی کہ تمہاری بخشش ہو گئی ہے۔"

(٨) وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (السجدة : ٢٣)

"اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی تو آپ اُن کی ملاقات کی نسبت شک میں نہ رہیں۔" (٢٣ : ٣٢)

کچھ مفسرین کے نزدیک آیت کے آخر میں آنے والے ہٖ کا مرجع موسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ اقدس ہے۔ اس سلسلہ میں اُن کا تبصرہ حسب ذیل ہے :

(i) فَلَا تَكُنْ فِيْ شَكٍّ مِنْ لِّقَاءِ مُوْسٰى فَإِنَّكَ تَرَاهُ وَتَلْقَاهُ (تفسیر کبیر)

"(اے حبیبِ لبیب!) آپ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بارہ میں شک میں نہ پڑیں کیونکہ آپ اُن سے ضرور ملیں گے۔"

(ii) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ أَنَّهٗ قَدْ رَآى مُوْسٰى وَلَقِيَ مُوْسٰى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهٖ (تفسیر ابن کثیر)

"ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "آپ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں شک میں نہ پڑیں کہ آپ نے شبِ معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔"

(iii) قَدِ الْتَقَيَا لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ (جلالین لامام جلال الدین محلی)

"اِن دونوں مقدس ہستیوں کی ملاقات شب معراج میں ایک دوسرے سے ہو چکی ہے۔"

(iv) كَانَ قَتَادَةُ فَسَّرَهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ لَقِيَ مُوْسٰى عليه السلام (شفاء السقام تقی الدین سبکی ص ١٣٩)

"حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے آیت کی تفسیر نبی علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں کی۔"

(v) قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ وَعَدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهٗ سَيَلْقِيْ مُوْسٰى قَبْلَ أَنْ يَّمُوْتَ ثُمَّ لَقِيَهٗ فِي السَّمَاءِ وَبَيْتِ الْمَقْدِسِ حِيْنَ أُسْرِيَ بِهٖ (فتح القدیر لشوکانی ج ٤ ص ٢٥٦)

"مفسرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ اپنی وفات سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں گے۔ لہٰذا آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے بیت المقدس میں اور پھر آسمانوں میں شبِ معراج کے موقع پر ملاقات کی۔"

اِن دونوں مقدس ہستیوں کی باہمی ملاقات موسیٰ علیہ السلام کی حیات بعد از وفات کی توثیق کرتی ہیں جبکہ آپ کی وفات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ مبارک سے صدیوں پہلے ہو چکی تھی۔

(۹) کفارِ عرب نے شدید ہٹ دھرمی کے تحت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ اللہ کے سچے رسول ہیں تو وہ اُن پر عذاب لا کے دکھائیں (بحوالہ سورۃ الانفال: ۳۲) تو اس کے جواب میں قرآن نے فرمایا: ''(اے حبیبِ لبیب!) جب تک آپ اُن میں موجود ہیں، اللہ اُن پر عذاب نہیں بھیجے گا۔'' (الانفال: ۳۳)

اس آیت کا اطلاق آپ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ اور بعد از وفات دونوں پر ہوتا ہے۔ (''شرح الشفاء''، لملا علی قاری، جلد اوّل، ص ۲۶۱)

(۱۰) سورۃ الاحزاب کی آیت ششم:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ

''یہ نبی مکرّم مؤمنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ کی ازواج (مطہرات) اُن کی مائیں ہیں۔'' (۶ : ۳۳)

کے سلسلہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی لکھتے ہیں: ''دو علیحدہ جملوں کہ ''آپ ﷺ مؤمنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں'' اور ''آپ کی ازواج (مطہرات) اُن کی مائیں ہیں'' آپ ﷺ کی حیات بعد از وفات کا ایسا پختہ ثبوت ہیں کہ اس کے بعد کسی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

(۱۱) نبی علیہ السلام کی تمام عالم پر رحمتِ عامّہ کو اجاگر کرتے ہوئے آیتِ ربّانی:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء: ۱۰۷)

''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (۱۰۷ : ۲۱)

میں جو جامعیت ہے اُس نے اِسے دیگر آیات سے ممتاز کر دیا ہے۔ جو کمالات اور صفاتِ عالیہ متفرق اور منتشر تھیں، اُن سب کو یہاں یکجا کر دیا ہے۔ اس قسم کی آیات کو پڑھ کر جہاں ایک طرف عبدِ محبوب کے مرتبہ کمال کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف ان کمالات کے بخشنے والے کی شانِ کریمی اور ادائے بندہ نوازی دیکھ کر بے ساختہ دل و زبان سے سبحان اللہ! سبحان اللہ! کی صدا بلند ہوتی ہے۔''

<u>حیاتِ انبیاء علیہم السلام احادیث کی روشنی میں</u>: اس حقیقت کے ثبوت میں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبورِ مبارکہ میں زندہ ہیں، ذیل میں کچھ احادیث کا حوالہ دیا جاتا ہے:

(۱) اَلْاَنْبِیَاءُ أَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ (الخصائص الکبریٰ لسیوطی، ج ۲، ص ۲۸۱)

''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، وہ (وہاں) نماز پڑھتے ہیں۔''

(۲) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی لَیْلَۃَ أُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَھُوَ قَائِمٌ "یُصَلِّیْ" (القول البدیع للعلامہ سخاوی)

''حضرت اَنس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں شبِ معراج وادیٔ احمر کے مقام پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ آپ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔''

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : لَا تَاْکُلُ الْاَرْضُ جَسَدَ مَنْ کَلَّمَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے روح القدس (جبریل امین) بات کرے' اُس کے جسم کو زمین نہیں کھاتی۔'' (جلاء الافہام لابن القیم جوزیہ)

(۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَامِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ فِیْ شَرْقٍ وَّلَا غَرْبٍ اِلَّا وَاَنَا وَمَلَائِکَۃُ رَبِّیْ نَرُدُّ عَلَیْہِ السَّلَامَ (جلاء الافہام ؛ القول البدیع)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مشرق ومغرب میں کوئی بھی مسلمان جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میں اور میرے رب کے فرشتے اُس سلام کا جواب دیتے ہیں۔''

(۵) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : حَیَاتِیْ خَیْرٌ "لَّکُمْ یَنْزِلُ عَلَیَّ الْوَحْیُ مِنَ السَّمَاءِ فَاُخْبِرُکُمْ بِمَا یَحِلُّ لَکُمْ وَمَایُحَرَّمُ عَلَیْکُمْ وَمَمَاتِیْ خَیْرٌ" لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ کُلَّ خَمِیْسٍ فَمَا کَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَمَا کَانَ مِنْ سَیِّءٍ اِسْتَغْفَرْتُ لَکُمْ (الخصائص الکبریٰ للسیوطی' ج ۲' ص ۲۸۱؛ المواھب اللدنیہ للزرقانی' ج ۵' ص ۳۳۷)

''حضرت اَنس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ آسمان سے مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے تو میں تمہیں حلال وحرام کے متعلق بتا دیتا ہوں اور میری وفات (بھی) تمہارے لئے بہتر ہے کہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اچھے عمل پر میں اللہ عزّ و جلّ کا شکر ادا کرتا ہوں اور برے عمل (دیکھنے پر) میں تمہارے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں۔''

(۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ آدَمُ وَ فِیْہِ قُبِضَ وَ فِیْہِ النَّفْخَۃُ وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلَاۃِ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ" عَلَیَّ قَالُوْا : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! وَکَیْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ بَلِیْتَ؟ قَالَ : اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ أَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (ابن ماجہ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے کہ اِسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور

اُسی دن آپ نے وفات پائی' اسی دن صور پھونکا جائے گا' اسی دن مخلوقات مدہوش ہوگی تو اُس دن مجھ پر بہ کثرت سلام بھیجا کرو کیونکہ تمہارے سلام مجھے پیش کئے جاتے ہیں۔صحابہ نے پوچھا : یارسول اللہ! ہمارے سلام آپ پر کیسے پیش ہوتے ہیں جبکہ آپ کا جسم بودا ہو چکا ہوگا ؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔''

(۷) یزید بن معاویہ نے اپنے دَورِ حکومت میں مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور بے گناہ شہریوں کی زندگی اور عزت و آبرو کے خلاف کافی گھٹیا اور ظالمانہ کام کئے۔مسجد نبوی میں تین دن تک اذان اور اقامتِ صلاۃ رکے رہے اور خود مسجدِ نبوی گھوڑوں' خچروں اور اونٹوں کے اصطبل میں تبدیل ہوگئی۔معصوم دوشیزگان کی عزتیں لوٹی گئیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ اطہر کی انتہائی بے حرمتی کی گئی۔لوگ خوفزدہ ہو گئے اور وہ ڈر کے مارے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔☆

مشہور صحابی سعید بن میسب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں اُس وقت مسجدِ نبوی میں محصور ہو کر رہ گیا تھا اور باہر نکلنے کا کوئی موقع نہیں پا سکا۔حفظِ ماتقدم کے طور پر میں نے اپنے آپ کو اُس منبر کے پیچھے چھپا لیا جس پر کھڑے ہو کر نبی علیہ السلام خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اور وہاں میں تین دن اور تین راتیں رہا۔اس تمام عرصہ میں مجھے نماز کے اوقات کا علم نہیں ہوتا تھا اس لئے میں اپنی تمام نمازیں منبر کے نیچے ہی ادا کرتا تھا۔اس صورتِ حال کا نقشہ خود اُنہی کی زبانی سنئے۔فرماتے ہیں:

وَمَا يَأْتِي وَقْتُ صَلَاةٍ إِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ (الحاوی للفتاویٰ للسیوطی ۲:۳۶۶)

''وقتِ نماز اُس وقت تک نہیں آتا تھا جب تک میں قبرِ اطہر سے اذان کی آواز سن نہ پاتا تھا۔''

☆ مدینہ منورہ کے تقدس کے بارہ میں چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) مَنْ اَرَادَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ بِسُوْءٍ أَذَابَهُ اللّٰهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ (صحیح مسلم)

''جو کوئی اہلِ مدینہ سے ہلکی سی برائی بھی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے اس طرح پگھلائے گا جس طرح نمک کو پانی میں گھولا جاتا ہے۔''

(۲) مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ (صحیح بخاری)

''جو کوئی مدینہ منورہ میں افراتفری اور ہنگامہ بھڑکائے تو اُس پر اللہ تعالیٰ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے' اُس کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں کی جاتی۔''

(۱۳۰) لعان

لعان کا لفظ ''لعن'' سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنیٰ ''دور کرنا'' کے ہیں ۔ کیونکہ لعن کے سبب وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے ۔ طلاق کے اس طریقہ کو بھی قرآن مجید میں ''لعان'' سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے شوہر اور بیوی دونوں قسمیں اٹھا کر ایک دوسرے سے دُور ہو جاتے ہیں ۔

لعان کا اصطلاحی معنیٰ : کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگانا جسے اصطلاح میں ''قذف'' کہتے ہیں' بہت بڑا جرم ہے ۔ اس جرم کی سزا اَسّی (۸۰) کوڑے قرآنِ حکیم سے ثابت ہے :

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (النُّور: ۴)

''جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں' پھر چار گواہ لے کے نہ آئیں تو اُنہیں اَسّی کوڑے مارو ۔''

اس حکم کے نزول پر صحابہ کرام میں یہ سوال پیدا ہوا کہ غیر مرد یا عورت کی بدچلنی دیکھ کر انسان صبر بھی کر سکتا ہے' زبان بندی بھی کر سکتا ہے اور معائنہ کو نظر انداز بھی کر سکتا ہے لیکن اگر خود اپنی بیوی کی بدچلنی کو دیکھے تو کیا کرے ؟ قتل کر دے تو سزا کا مستوجب ہوگا' گواہ ڈھونڈنے جائے تو اُن کے آنے تک مجرم کب ٹھہرا رہے گا ؟ صبر کرے تو آخر کیسے کرے ؟ پھر رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے ایسے مقدمات عملاً پیش ہوئے جن میں شوہروں نے اپنی آنکھوں سے یہ معاملہ دیکھا تو اس پر یہ آیاتِ لعان نازل ہوئیں :

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ٥ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ٥ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ (اَلنُّور : ۶ تا ۹)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور اُن کے پاس سوائے اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو تو اُن کی گواہی یہ ہے کہ وہ (مرد) چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں ۔ اور عورت سے سزا اِس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے ۔'' (۶ ۔ ۹ : ۲۴)

''اِس بیانِ حلفی کا نام اصطلاحِ شریعت میں ''لِعان'' ہے اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے ۔ بدکاری کے ثبوت کا تو قاعدہ وہی چار گواہوں کی چشم دید شہادت کا ہے لیکن جب شوہر بیوی کے متعلق یہ دعویٰ کرے اور چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے تو خود اُس کی یہ پانچ بار کی حلفی شہادت چار گواہوں کے قائم مقام ہوگی' اور بیوی پر حدِّ زنا جاری کر دی

جائے گی۔اسی طرح اگر عورت بھی پانچ بار حلفی شہادت مرد کے جھوٹا ہونے کے بارے میں دے تو حدِّ زنا سے توبچ جائے گی البتہ اُس مرد پر حرام ہو جائے گی۔قاضی اُن دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گا اور پھر تجدید نکاح بھی نہ ہو سکے گی جب تک دونوں میں سے ایک اپنی خطا کا قائل اور دوسرے کو سچا ماننے والا نہ ہو جائے۔(ماجدی اردو' ص ۷۱۲)

''زوجین میں سے ہر ایک کی جانب سے قسم کے ساتھ اللہ کی لعنت اور غضب کی شہادت دینا ''لعان'' کہلاتا ہے۔ یہ لعان شوہر کے حق میں جھوٹی تہمت اور عورت کے حق میں زنا کی حد (شرعی سزا) کا قائم مقام ہوتا ہے۔چنانچہ اگر شوہر اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگائے اور چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے تو اُس پر لازم ہوگا کہ یا تو وہ اپنے الزام کے جھوٹا ہونے کا اقرار کر لے۔اس صورت میں اُس پر جھوٹا الزام لگانے کی شرعی سزا یعنی اَسّی کوڑے نافذ ہوگی یا وہ لعان کرے۔''

''لعان کا طریقہ: یہ ہے کہ حاکم کی موجودگی میں شوہر چار مرتبہ پہلے یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں البتہ اس بات میں ضرور سچا ہوں جو میں نے اس عورت کو زنا کی نسبت لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ مرد اپنے لئے یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت اگر میں اس زنا کے الزام میں جھوٹوں میں سے ہوں جو میں نے اس عورت پر لگایا ہے۔پانچویں مرتبہ اُس عورت کی طرف اشارہ کرے۔اس کے بعد عورت چار مرتبہ یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتی ہوں کہ وہ مرد ضرور اِس تہمتِ زنا میں جھوٹوں میں سے ہے جو اُس نے مجھ پر لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ وہ عورت اپنے لئے یوں کہے کہ اگر یہ مرد اس الزامِ زنا میں جو اُس نے مجھ پر لگایا ہے' سچوں میں ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔''(''ضیاء النبی ﷺ''۔کرم شاہ الازہری' ج ۴' ص ص ۵۵۵'۵۵۶)

''لعان کا وجوب: لعان کے واجب ہونے کا حکم صرف اس صورت میں ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی پر الزام کے اثبات کے لئے چار گواہ پیش نہ کرے۔چنانچہ جب گواہ موجود ہوں تو حاکم لعان کا حکم دینے کا مجاز نہیں۔''

''لعان کا اثر: جب مرد و عورت دونوں لعان کر چکیں تو قاضی اُن دونوں میں تفریق کرا دے گا۔امام ابو حنیفہ اور صاحبین (امام محمد اور ابو یوسف) کے نزدیک جب تک قاضی اُن دونوں میں تفریق نہ کرا دے تو مرد اور عورت کے درمیان فرقت واقع نہ ہوگی اگرچہ صحبت کرنا حرام ہوگا۔چنانچہ اگر لعان کے بعد مگر قاضی کے تفریق کرانے سے پہلے مرد اپنے آپ کی تکذیب کرے اور یہ کہے کہ میں نے عورت پر جھوٹا الزام لگایا تو ایسی صورت میں مرد کے لئے عورت سے (بلا نکاحِ جدید) صحبت کرنا جائز ہوگا۔اگر قاضی نے تفریق کرا دی اور اُس کے بعد مرد نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کیا تو زوجین باہمی رضامندی سے نکاحِ جدید کر سکتے ہیں لیکن اگر لعان قائم رہے گا تو ایسی صورت میں عورت مرد کے لئے دائماً حرام رہتی ہے۔(''ضیاء النبی''۔کرم شاہ الازہری' ص ۵۵۸)۔

''<u>لعان کی حکمت</u> : (۱) لعان میں زوجین کی عزت کا تحفظ اور مسلمان کی تکریم ہے کیونکہ شرعاً لوگ باتیں نہیں بنا سکتے۔
(۲) خاوند سے حدِّ قذف اور بیوی سے حدِّ زنا ساقط ہو جاتی ہے۔
(۳) حمل اگر واقعتاً دوسرے (غیر خاوند) کا ہے تو اس کے انکار کی قانونی گنجائش نکل آتی ہے۔''

''<u>لعان کے احکام</u> : (۱) مرد و عورت دونوں عاقل و بالغ ہوں تو لعان ہوگا کیونکہ مجنون اور نابالغ غیر مکلف ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاثَةٍ۔۔۔۔
(۲) مرد صاف دعویٰ کرے کہ اُس نے عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے اور انکارِ حمل میں یہ دعویٰ کرے کہ اُس نے اس عورت سے جماع ہی نہیں کیا' یا اس مدت میں جماع نہیں کیا جس میں حمل ٹھہرا ہے۔ مثلاً یہ دعویٰ کرے کہ اس عورت نے اس بچے کو چھ ماہ سے کم مدت میں جنم دیا ہے' ان دعوؤں کے بغیر لعان نہیں ہوگا اس لئے کہ محض الزام اور شبہ کی بنیاد پر لعان کرنا مشروع نہیں ہے۔ (بحوالہ سورۃ الحُجرات : ۱۲)

محض الزام کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اُس عورت کو طلاق دے دے تا کہ دل کے وساوس کی لذت اور ضمیر کی ملامت سے بچ سکے۔

(۳) حاکم ایمان والوں کی ایک جماعت کے سامنے لعان کا اجراء اُنہی الفاظ سے کرائے جو قرآن میں مذکور ہیں۔
(۴) حاکم کو چاہئے کہ خاوند کو اس انداز پر سمجھائے جیسا کہ فرمانِ رسول ﷺ ہے:
''جو شخص اپنے (حقیقی) بچے کا انکار کرتا ہے جبکہ وہ (بچہ) اُس کی طرف دیکھ رہا ہو' اللہ اُس سے حجاب کر لے گا اور پہلے پچھلے لوگوں کے سامنے اُسے رسوا کر دے گا۔''

اور عورت کو آپ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق سمجھائے :
''جو عورت کسی برادری میں اس (بچے) کو داخل کر دیتی ہے جو اُن میں سے نہیں ہے تو اللہ کا اُس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ اُسے کبھی بھی بہشت میں داخل نہیں کرے گا۔''
(۵) اب قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرا دے اور اس کے بعد وہ کبھی بھی اکٹھے نہ ہو سکیں گے جیسا کہ فرمانِ رسول ﷺ ہے : اَلْمُتَلاَ عِنَانِ اِذَا تَفَرَّقَا لَا يَجْتَمِعَانِ اَبَدًا (دارقطنی)
(۶) لعان کرنے والے خاوند سے بچے کی نسبت کٹ جائے گی' یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور نہ وہ اُس بچہ پر خرچ کرے گا۔ البتہ کچھ احکامات میں وہ بچہ اور خاوند احتیاطاً باپ بیٹے کی مانند ہیں مثلاً خاوند اُس بچے کو زکوٰۃ نہیں دے گا نیز وہ بچہ اُس کی بیٹیوں کے لئے محرم قرار پائے گا اور ایک دوسرے کے حق میں اُن کی شہادت معتبر نہ ہوگی۔'' [منہاج المسلم'' لابی بکر جابر الجزائری (اردو ترجمہ) ص ۶۵۲' ۶۵۳]

(۱۳۱) استماعِ قرآن (Listening to the Recitation of the Holy Qur'an)

قرآنِ کریم میں حکمِ ربانی ہوا :

(۱) وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ O (الاعراف : ۲۰۴)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے توجہ سے سنا کرو اور کاملاً خاموش رہا کرو☆ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (۷ : ۲۰۴)

اس طرح قرآنِ حکیم اپنے پڑھنے والوں اور سننے والوں دونوں کو مکمل اخلاقی اور روحانی فوائد فراہم کرنے کا وعدہ فرماتا ہے بشرطیکہ اس کے آداب کی مکمل طور پر پابندی کی جائے کیونکہ قرآن مجید کا چھوٹے سے چھوٹا عنوان بھی ایک نمایاں اور امتیازی معجزے کا مظہر ہے۔

''تلاوتِ قرآن مجید کا سننا روح کی خوشبو، دلوں کی راحت اور جان کی خوراک ہے۔ یہ نفسیاتی علاجوں میں سب سے اہم علاج ہے۔ یہ کچھ جانوروں تک کے لئے خوشی و شادمانی کا منبع ہے اور اعتدال کی خوشی اندرونی قوّت کو پاک و صاف کرتی ہے، فطری صلاحیتوں کو بڑھاتی ہے، بڑھاپے کی بیماریاں نکال باہر کرکے اُس کی زوال پذیری کو کم کرتی ہے، چہرے کے قدرتی رنگ کو مائل بہ اصلاح کرتی ہے اور تمام جسم کو تازہ دم کردیتی ہے جبکہ اس کے برعکس تجاوز عن الحد کی خوشی جسم کی بیماری کو اور زیادہ بڑھاتی ہے۔'' (انگریزی ترجمہ: Medicine of the Prophet"ﷺ... Suyuti, p. 199)

ابونُعیم اپنی ''طبِّ نبوی'' میں بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید کو سننے کے فوائد اُس وقت بڑھ جاتے ہیں جب اس کے معانی و مفہوم کو سمجھ کر قرآن سنا جائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ قرآن کی اور اسے خوش الحانی کے ساتھ اپنی آوازوں کو بلند کرنے اور اس کے سننے کی اجازت دے رکھی ہے۔

ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ: ''خوش آوازی کے ساتھ اور مترنم تلاوتِ قرآن خیالات کو صاف کرتی ہے، انفرادیت کو شیریں بناتی ہے، جان میں روح لانے کا سبب بنتی ہے، خون کو پاک و صاف کرتی ہے، لوگوں میں موذی امراض کی اصلاح کرکے اُن کی حالت کو بہتر بناتی ہے۔ خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کو کچھ بیماریوں کے علاج کا

نوٹ :اِنصات کا معنیٰ ایسی خاموشی ہے کہ سوئی جیسی ہلکی چیز بھی اگر نیچے کرے تو اُس کی بھی آواز آئے جسے انگریزی میں (Pindrop Silence) کہتے ہیں۔

حصہ بنانے کی سفارش کی گئی ہے' بالخصوص وہ بیماریاں جن کا تعلق تلی سے ہے۔

(۲) فَبَشِّرْ عِبَادِO الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَه' (ألزُّمَر : ۱۷'۱۸)
"سو آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجئے جو (اس) کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں' پھر اس کی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔" (۱۸'۱۷ : ۳۹)

"احکامِ شرعیہ میں بعض اعمال صحیح اور حسن ہوتے ہیں اور بعض اصح اور احسن ہوتے ہیں۔ تو جو شخص عقل اور نظر صحیح سے کام لے گا وہ صحیح اور حسن کے مقابلہ میں اصح اور احسن پر عمل کرے گا اور اس آیت میں احسن افعال کی اتباع کی تحسین کی گئی ہے مثلاً اگر کسی شخص نے اپنے مقتول کا قصاص قاتل کو قتل کرنے کی صورت میں لے لیا تو یہ صحیح ہے اور احسن یہ ہے کہ وہ اپنے قاتل کو معاف کر دے۔ اسی طرح برائی کے بدلہ میں اتنی ہی برائی کرنا صحیح ہے اور برا سلوک کرنے والے کو معاف کر دینا اور اس سے جواب میں نیک سلوک کرنا احسن ہے۔" (تبیان القرآن' ج ۱۰' ص ۲۱۰)

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ "تلاوت" سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: یہ حق و صداقت کے پہنچانے کا ذریعہ ہے اور یہ دلوں کو حق و صداقت کی طرف مائل کرتا ہے۔ جب آپ سے خوش آوازی کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے یہ جواب دیا کہ خوش آوازی ایسی گفتار اور نغمگی پیدا کرنے کا ایسا عمل ہے جس میں اللہ قادرِ مطلق نے خوشبو اور عطریات و مہک کا اضافہ کر دیا ہے۔

<u>تلاوتِ قرآن مجید کی افضلیت</u> : جس کے بارے میں نبی علیہ السلام نے بروایت انس بن مالک فرمایا:
(۱) مَثَلُ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَالْاُتْرُجَّۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ" وَرِیْحُھَا طَیِّبٌ" وَالَّذِیْ لَایَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَالتَّمْرَۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ" وَلَا رِیْحَ لَھَا وَ مَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ رَیْحَانَۃٍ رِیْحُھَا طَیِّبٌ" وَطَعْمُھَا مُرٌّ" وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَۃِ طَعْمُھَا مُرٌّ" وَلَارِیْحَ لَھَا (صحیح بخاری : باب فضائل القرآن)
"قرآن تلاوت کرنے والے کی مثال گلگل ☆ پھل کی طرح ہے جس کا کھانا مزیدار اور جس کی خوشبو دل آویز ہوتی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت نہ کرنے والے کی مثال کھجور کی طرح ہے جس کا کھانا مزیدار لیکن جس کی کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔ اور عیاش آدمی کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے' نیازبو کے پودے کی طرح ہے جس کی خوشبو من بھاونی اور جس کا کھانا کڑوا ہے۔ اور اُس عیاش و اوباش کی مثال جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا' کڑوی تونبی کی طرح ہے جس کا ذائقہ کڑوا اور جس کی کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔"

☆ ایک جھاڑ جس میں لیموں کی طرح کا پھل لگتا ہے جس کا چھلکا موٹا' مہک دار ہوتا ہے۔

(۲) مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰی آیَۃٍ مِّنْ کِتٰبِ اللّٰہِ کُتِبَتْ لَہٗ حَسَنَۃً ' ' مُّضَاعَفَۃً ' ' (مسند احمد' رقم الحدیث : ۸۴۷۵ ؛ جامع الصغیر' رقم الحدیث : ۸۴۲۵ ؛ التذکار للقرطبی ص ۱۲۹)

' ' جس نے قرآن پاک کی ایک آیت کو سنا تو اُس کے لئے کئی گنا نیکیاں لکھ دی جائیں گی ۔ ' '

(۳) کَانَتِ الْاٰیَۃُ لَہٗ نُوْرًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۲۶ ؛ سنن الدارمی' رقم الحدیث : ۳۳۶۷ ؛ التبیان للنووی' ص ۸۴)

' ' وہ آیت اُس کے لئے روزِ قیامت نور ہوگی ۔ ' '

استماعِ قرآن کی حیثیت و مقام : بہت سے مسلم علمائے دین کے نزدیک قرآنِ مجید کی تلاوت کا سننا واجب یا فرض ہے ۔ کچھ احناف کے نزدیک وہ فرضِ کفایہ☆ ہے اور کچھ کے نزدیک وہ فرضِ عین ہے ۔ جو علماء اسے فرض کفایہ قرار دیتے ہیں' وہ اُسے سلام کے جواب دینے کے مشابہ قرار دیتے ہیں ۔

جو علماء استماعِ قرآن کو فرضِ کفایہ قرار دیتے ہیں اُن کے ردّ میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ جب قرآن کی تلاوت مجمع میں کی جارہی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجمع کا کوئی ایک آدمی اُسے بغور سن رہا ہوگا جبکہ باقی لوگ غیر متوجہ ہوں گے اور آپس میں باتوں میں لگے ہوں گے جو قرآن کی صریحاً بے ادبی ہے ۔

دو وجوہ کی وجہ سے استماعِ قرآن کو سلام کے جواب دینے کے مشابہ قرار نہیں دیا جاسکتا : (۱) سلام کا جواب دینے کا حکم ' ' خبرِ واحد ' ' سے ثابت ہے اور اس کا فرض ہونا ظنی ہے جبکہ استماعِ قرآن کا حکم قرآن ہی سے ثابت ہے اور اس کا واجب ہونا حتمی ہے ۔ (۲) سلام کا جواب دینا مسلمان کا حق ہے جبکہ استماعِ قرآن کے دوران خاموش رہنا اور اُسے بغور سننا کلام اللہ کا حق ہے اور کلام اللہ کا حق آدمی کے حق سے کہیں زیادہ افضلیت حامل ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ تلاوتِ قرآن کا بغور سننا فرضِ عین ہے نہ کہ فرضِ کفایہ ۔ ' ' (' ' تبیان القرآن ' ' 'علامہ غلام رسول سعیدی' جلد ۴' ص ۵۱۶)

استماعِ قرآن نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے : عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے آپ کے سامنے قرآن سنانے کو فرمایا ۔ میں حیران ہوا اور کہا : یارسول اللہ! کیا میں آپ کے سامنے تلاوتِ قرآن کروں جبکہ قرآن آپ پر وحی کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا : میں کسی اور سے کلام اللہ سننا چاہتا ہوں ۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی اور جب میں اس آیت پر پہنچا : فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًاO (النساء : ۴۱)

' ' تو اُس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمّت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے ۔ ' ' (۴ : ۴۱)

☆ فرضِ کفایہ وہ ہے جسے اگر کچھ لوگ ادا کرلیں تو وہ سب کی طرف سے ادا سمجھا جاتا ہے جیسے نمازِ جنازہ ۔

تو میں نے اپنا سر اٹھایا' کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے اشکبار تھیں (بخاری' رقم الحدیث: ۴۵۸۲' ۵۰۵۰' ۵۰۵۵؛ مسلم' رقم الحدیث: ۱۸۶۷؛ مسند احمد' حدیث نمبر: ۱۰۱؛ المصنف ابن ابی شیبہ' حدیث نمبر: ۳۰۲۹۴؛ جامع المسانید لخوارزمی' جلد اوّل' صفحہ ۲۲۱؛ اسباب ورود الحدیث للسیوطی ص ۸۵' ۹۲)

استماعِ قرآن صحابہ کرام کا عمل رہا ہے: ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں: ''ایک مرتبہ میں غریب مہاجرین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور وہ کپڑے ناکافی ہونے کی وجہ سے اپنے جسموں کو چھپا رہے تھے۔ اُن میں سے ایک آدمی قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور ہمارے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ آپ کے تشریف لانے پر وہ قاری قرأت کرنے سے رک گیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہم کتاب اللہ کی تلاوت سن رہے تھے۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا: شکر ہے اُس اللہ کا جس نے میری اُمّت میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور مجھے اُن کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر آپ مساوات قائم رکھنے کے لئے ہمارے درمیان بیٹھ گئے اور اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دائرہ بنالو۔ آپ کے فرمان پر ہم نے دائرہ بنالیا اور آپ کی طرف رخ کر لیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے طبقۂ مہاجرین! روزِ قیامت تم پر نور کی رِم جھم ہو! تم لوگ مالدار لوگوں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور (اُس دن) یہ آدھا دن پانچ سو سال کا ہوگا۔'' (سنن ابی داؤد' حدیث نمبر: ۳۶۶۶؛ مسند احمد' حدیث نمبر: ۱۱۶۲۶؛ مسند ابی یعلیٰ' حدیث نمبر: ۱۱۴۶؛ دلائل النبوۃ للبیہقی' جلد ۱' ص ۳۵۱؛ مشکوٰۃ المصابیح' حدیث نمبر: ۲۱۹۸)

استماعِ قرآن ملائکہ کا عمل ہے: ایک رات جبکہ حضرت اُسید بن حُضَیر اپنے کھیتوں میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے کہ اچانک آپ کی گھوڑی نے پنجوں پر اچھلنا شروع کیا۔ اُنہوں نے تلاوت روک لی تو گھوڑی بھی اچھلنے سے رک گئی۔ اُن کے دوبارہ تلاوت شروع کرنے پر گھوڑی نے پھر اپنے پنجوں پر اچھلنا شروع کر دیا۔ اُسید فرماتے ہیں کہ اس ڈر کے مارے کہ کہیں گھوڑی میرے بچے یحیٰی کو کچل نہ ڈالے' میں گھوڑی کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک سائبان میرے سر کو ڈھانپے ہوئے ہے جس میں فانوس نما کچھ روشن چیزیں تھیں۔ وہ سائبان اوپر کو چڑھنا شروع ہوا یہاں تک کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اگلی صبح میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور آپ کو تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت سننے آئے تھے۔ اگر تم صبح تک تلاوت کو جاری رکھتے تو دوسرے لوگ بھی اُن فرشتوں کو دیکھتے۔'' (صحیح بخاری' حدیث نمبر: ۵۰۱۸؛ صحیح مسلم' حدیث نمبر: ۱۸۵۹ بحوالہ ''انوار العرفان فی اسماء القرآن'' لقاری ظہور احمد فیضی' صفحہ ۸۶۰)

تلاوتِ قرآن کے آداب: ہر کہہ و مہ کو اس بات کا علم ہے کہ قرآن مجید أحکمُ الحاکمین (شہنشاہوں کے شہنشاہ) کی کتاب ہے۔ اس لئے اس کی تلاوت کے کچھ آداب ہیں جن کی بہر صورت تکمیل ہونی چاہیے۔ اُن کا خلاصہ ذیل میں سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے:

(۱) اگر آپ قرآنِ حکیم کو اپنے سامنے رکھ کر اُس کی تلاوت کر رہے ہیں تو آپ کا باوضو ہونا لازم ہے جیسا کہ سورۃ الواقعہ کی آیت ۷۹ میں حکمِ ربانی ہے: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ''اِسے پاک (طہارت والے) لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوئے گا۔'' اس آیت کی وضاحت میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کو بھیجتے ہوئے ایک خط اُن کے حوالے کیا جس میں یہ حکمِ رسول ﷺ درج تھا:

أَنْ لَّا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ '' قرآن کو بے وضو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔''

(مؤطا امام مالک' حدیث نمبر: ۱۷۷ ؛ بلوغ المرام لابن حجر عسقلانی ص ۳۳ ؛ الدرّ المنثور لجلال الدین السیوطی' ج ۸' ص ۲۸ ؛ المستدرک للحاکم' حدیث نمبر: ۶۱۰۵)

حضرت اَنس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ اپنے ہاتھ میں برہنہ تلوار لئے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے عمر نکلے۔ راستہ میں اُنہیں اطلاع ملی کہ اُن کی ہمشیرہ اور اُن کے خاوند اسلام لا چکے ہیں۔ الٹے قدموں وہ اُنہیں اُن کے گھر ملے جہاں خباب نامی ایک آدمی اُنہیں تعلیم دے رہا تھا اور قرآن کی تلاوت کی جارہی تھی۔ عمر نے کہا کہ جو کتاب تم پڑھ رہے ہو' وہ مجھے پڑھنے کے لئے دو۔ اس کے ردّ میں آپ کی ہمشیرہ نے کہا:

إِنَّكَ رِجْسٌ " وَلَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ فَقُمْ فَاغْسِلْ أَوْ تَوَضَّأْ

''تم ناپاک ہو اور اسے باوضو لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں' پس اُٹھو' غسل کر کے وضو کرلو۔'' (سنن دار قطنی' ج ۱' حدیث نمبر: ۴۳۵ ؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد' ج ۳' ص ۱۴۲ ؛ سنن الکبریٰ للبیہقی' ج ۲' ص ۲۱۹ دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۲' ص ۲۱۹ ؛ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام' ج ۱' ص ۳۶۳ ؛ احکام القرآن لابن العربی' ج ۴' ص ۱۷۶ ؛ مجمع الزوائد للھیثمی' ج ۹' ص ۶۴ ؛ مناقب عمر ابن الخطاب للدکتور السید الجمیلی ص ۲۶ ؛ السراج المنیر للشربینی' ج ۷' ص ۲۹۶ ؛ اسد الغابۃ' ج ۴' ص ۱۵۹ بحوالہ قاری ظہور احمد فیضی)

چنانچہ عمر باہر گئے' غسل کیا اور پھر قرآن ہاتھ میں لیا۔

(۲) تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ اور تسمیہ☆ پڑھ لینا قرآن کا حق ہے۔ جیسا کہ یہ حکم ہوا:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ (النحل : ۹۸)

''سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کی وسوسہ اندازیوں) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔'' (۹۸ : ۱۶)

(۳) تلاوت کے دوران کامل ادب و احترام کے ساتھ قبلہ رخ ہونا بہتر ہے-----------

☆ تعوذ : أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ تسمیہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۴) تلاوتِ قرآن کے دوران اُس کے معانی ومفہوم کی گہرائی کو سمجھا جائے اور لفظاً ومجازاً واستعارتاً اُس پر غور اور تدبر کیا جائے کیونکہ روح کی انتہائی آرزو اللہ کی رضا کا معلوم کرنا اور اُس کے مطابق عمل کرنا ہے۔

(۵) تلاوتِ قرآن کے دوران تواضع اور انکساری اللہ کو پسند ہے اور یہ چیز روحانیت کی تجدید میں اضافے کا موجب بنتی ہے۔

(۶) لاؤڈ سپیکر پر تلاوت کرنا جائز نہیں ہے جبکہ آواز کا مسجد کی حدود سے باہر جانے کا اندیشہ ہو کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا، تلاوتِ قرآن کا سننا فرضِ عین ہے اور بازار یا گلی کے لوگ تلاوت کو سننے کی حیثیت میں نہیں ہوتے۔ تاہم اگر لاؤڈ سپیکر کی آواز کو اتنا مدھم کر دیا جائے کہ وہ مسجد کی حدود سے باہر نہ جا سکے تو تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۷) قرآنِ مجید کا ایک رات میں ختم کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ تیس پاروں کے الفاظ اور تلفظ کی ادائیگی کا انداز اتنے مختصر وقت میں صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کے ختم کے لئے کم از کم تین راتیں درکار ہیں۔

(۸) دفع وقتی اور خانہ پُری کی خاطر قرآن کے الفاظ کو اتنی جلدی سے ادا نہ کیا جائے۔ قرآن کے الفاظ تو اتنے حسین وجمیل ہیں کہ اُنہیں بڑے ہی پیارے انداز میں ہم آہنگ نغمگی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ قرآنی اُصطلاح میں اسے ''ترتیل'' کا نام دیا گیا ہے (بحوالہ سورۃ المزّمّل: ۴)۔

سورۃ البقرۃ میں اُن لوگوں کی تحسین کی گئی ہے جو اس کی تلاوت کما حقہ' کرتے ہیں:
اَلَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلاَ وَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرۃ: ۱۲۱)
''(ایسے لوگ بھی ہیں) جنہیں ہم نے کتاب دی۔ وہ اُسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں۔'' (۱۲۱ : ۲)

''ترتیل'' کا مطلب ہے کہ قرآن کو اس طرح آہستہ آہستہ پڑھا جائے کہ پہلا حرف دوسرے حرف سے جدا جدا اور متمیز نظر آئے اور اس طرح جلدی جلدی نہ پڑھا جائے کہ ایک حرف دوسرے حرف میں داخل ہو جائے۔'' (''اعراب القرآن''۔۔ ابوجعفر النحاس، جلد ۵، صفحہ ۵۶)

جب قرآن کی ترتیل کے بارے میں آنحضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
بَيِّنْهُ تَبْيِيْنًا وَلاَ تَنْثُرْهُ نَثْرَ الدَّقْلِ وَلاَ تَهُذَّهٗ هَذَّ الشِّعْرِ قِفُوْا عِنْدَ عَجَائِبِهٖ وَحَرِّكُوْا بِهِ الْقُلُوْبَ وَلاَ يَكُنْ هَمُّ اَحَدِكُمْ آخِرَ السُّوْرَةِ (الدُّرُّ المنثور، ج۸، ص ۳۱۴)

''اس کی تلاوت اس طرح کرو کہ ہر ہر حرف واضح اور نمایاں ہو۔ اُسے نہ تو بے قدر کھجوروں کی طرح منتشر کر دو اور نہ ہی اُسے بالوں کے کترنے کی طرح کترو۔ اُس کے معجزاتی بیان پر غور و فکر کے لئے رک جاؤ اور اُن کے ذریعے اپنے دلوں میں تحریک پیدا کرو اور اس کے آخر تک پہنچنے کی فکر مت کرو۔'' (الدرُّ المنثور)

ایک اور مقام پر آپ قیامت کے دن اُس شخص کے اعلیٰ و ارفع مقام پر روشنی ڈالتے ہیں جو قرآن مجید کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کیا کرتا تھا:

يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اِقْرَأْ وَارْقَ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا (مسند احمد، رقم الحديث: ٦٧٩٩)

''صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا: تلاوت جاری رکھو اور مدارج چڑھتے جاؤ۔ تلاوت کرو جیسا کہ تم ترتیل کے ساتھ اپنی زندگی میں تلاوت کیا کرتے تھے۔ یقیناً تمہاری آخری منزلِ مقصود وہ آخری آیت ہے جس کی تم اپنی زندگی میں تلاوت کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے جواب دیا: اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ سائل نے پوچھا کہ ازراہِ کرم اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ کی وضاحت فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جو قرآن کو اوّل تا آخر پڑھنے اور پہلا دور ختم کرنے کے بعد دوسرا دور شروع کر دیتا ہے۔ (سنن ترمذی، جلد ۵، ص ۱۸۱)

اس دنیا میں قاری کے مسلسل عملِ تلاوت کی بنیاد پر وہ روزِ قیامت قرآن مجید کا مسلسل دورے پر دورہ جاری رکھے گا اور اس طرح ارفعیت کے کثیر التعداد اعلیٰ مقامات سے نوازا جائے گا۔

مُلّا علی قاری لکھتے ہیں:

''قیامت کے دن اُس کی تلاوت کا بڑا مقصد روحانی بالیدگی اور وجدانی کیفیت کا حصول اور خالق کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرنا ہوگا۔'' (''مرقاۃ'' (شرح مشکوٰۃ) جلد ۴، صفحہ ۶۴۳)

(۹) قرآنِ مجید کی خالصتاً عرب لہجے میں تلاوت کرنا قرآن مجید کا ایک اور اہم ادب ہے۔ تلاوت میں کسی اور لہجے کو اپنانا درست نہیں ہے جیسا کہ آج کل عموماً دیکھنے میں آتا ہے۔ اس نکتے پر زور دیتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(i) اِقْرَؤُا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا (المعجم الاوسط، حديث نمبر: ٨٢١٩)

''قرآن مجید کو عربوں کے لہجوں اور اُن کی آواز میں پڑھو۔''

(ii) إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ أَنْ یُّقْرَأَالْقُرْآنُ کَمَااُنْزِلَ (جامع الصغیر' حدیث نمبر: ۱۸۹۷)

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ قرآن اس طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل کیا گیا۔''

(iii) جَوِّدُوالْقُرْآنَ وَزَیِّنُوْهُ بِأَحْسَنِ الْاَصْوَاتِ وَأَعْرِبُوْهُ فَإِنَّہٗ عَرَبِیٌّ'' وَاللّٰہُ یُحِبُّ أَنْ یُّعْرَبَ بِہٖ (مقدمہ تفسیر قرطبی' ج ا' ص ۵۷)

''قرآن کو خوبصورت کر کے پڑھو اور عمدہ آواز سے اُسے زینت دو' اُسے عرب لہجہ میں پڑھو کیونکہ عرب لہجے میں پڑھے جانے کو اللہ پسند کرتا ہے۔''

(۱۰) قرآن کا ایک اور اہم ادب یہ ہے کہ سنتِ نبوی کے اتباع میں دو حافظ اس کا باہم دورہ کیا کریں۔ یہ ادب اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ وہ جبریلِ امین کو باقاعدگی سے نبی علیہ السلام کی طرف باہمی دورہِ قرآن کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری رمضان المبارک میں آپ ﷺ نے جبریل امین کے ساتھ دومرتبہ دورہِ قرآن مجید کیا۔

نـــوٹ: قرآن مجید کی اُن تلاوت کرنے والوں کے لئے مقامِ افسوس ہے جو اِن حروف کی ادائیگی میں فرق کا خیال نہیں رکھتے: (ا' ء' ع) (ذ' ز' ض' ظ) (ث' س' ص) (ت' ط) (ق' ک) (ذ' ض) (ح' ہ) الفاظ کی مثالیں یہ ہیں: (متوفِّی' متوفّٰی) (شِفا' شَفا) (خَلُف' خَلَف)' (شان' شأن) (قانت' قانط)

<u>''قرآن پاک کی تلاوت اور لفظ ''اللہ'' کی تکرار کے اثرات</u>: نیدرلینڈ سے تعلق رکھنے والے ایک ماہرِ نفسیات وینڈر ہوون (Vander Haun) حال ہی میں ایک نئی دریافت کو منظرِ عام پر لائے ہیں جس کا تعلق قرآنِ پاک کی تلاوت اور لفظ ''اللہ'' کی تکرار سے نارمل اور مریض افراد پر پیدا ہونے والے اثرات سے ہے۔

''ڈچ پروفیسر نے تین سال کی محنتِ شاقہ' تحقیق' جستجو اور کثیر تعداد میں مریض افراد پر اس کے اطلاق کے بعد ان اثرات کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جن افراد پر اُس نے قرآن مجید کی تلاوت اور لفظ ''اللہ'' کی تکرار کے اثرات کا تجربہ کیا' اُن میں سے کچھ مریض غیر مسلم بھی تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو عربی نہیں بول سکتے تھے۔ لہٰذا اُنہیں لفظ ''اللہ'' کی درست ادائیگی کی باقاعدہ ٹریننگ دی گئی۔''

''بعد ازاں اس کے نہایت شاندار نتائج سامنے آئے' خاص طور پر اُن افراد پر ''اللہ'' کے اثرات نہایت

مثبت طریق پر دیکھنے میں آئے جو Dejection (اداسی) اور Tension (بے چینی' تناؤ) کا شکار تھے۔ سعودی عرب کے روزنامہ ''الوطن'' کی رپورٹ کے مطابق سائیکالوجسٹ وینڈر ہوون نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا کہ وہ مسلمان جو عربی پڑھ سکتے ہیں اور قرآن پاک کی باقاعدہ تلاوت کرتے ہیں' وہ اپنے آپ کو نفسیاتی بیماریوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔''

''ماہرِ نفسیات وینڈر ہوون نے اس امر کی بھی وضاحت کی کہ کس طرح لفظ ''اللہ'' کا ہر حرف نفسیاتی بیماریوں پر کس طرح صحت مندانہ طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اپنی اس دریافت کو بیان کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ لفظ ''اللہ'' کے پہلے حرف (الف) کی ادائیگی نظامِ تنفس سے ہوتی ہے جو کہ سانس کو کنٹرول کرتا ہے۔ لفظ ''اللہ'' کے دوسرے حرف (ل) کی عربی زبان کے مطابق ادائیگی کے وقت زبان آہستگی کے ساتھ تالو کے ابتدائی حصّے کو مس کرتی ہے اور ادائیگی کے وقت ایک مختصر سا ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے اور تھوڑی دیر رکنے کے بعد اس حرف ''ل'' کو دوبارہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ عمل سانس لینے کو Relax کرتا ہے۔ لفظ ''اللہ'' کے آخری حرف (ہ) کی ادائیگی کے وقت پھیپھڑوں اور دل کے درمیان ایک تعلق پیدا ہوتا ہے اور یہ تعلق دل کی دھڑکن کو کنٹرول کرتا ہے۔''

درج بالا تحقیق قرآن پاک میں موجود اس صداقت کے ایک جزء کا ادنیٰ سا اظہار ہے:

سَنُرِیْهِمْ آیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (السجدة: ۵۳)

''ہم اُنہیں عنقریب اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذوات میں اپنی نشانیاں دکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔'' (۴۱ : ۵۳)

''بلاشبہ سائنس جوں جوں ترقی کرتی چلی جائے گی' وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو ہی منظرِ عام پر لانے کا موجب بنے گی۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' جولائی 2008' صفحہ 54)

''عجب نہیں کہ آیاتِ آفاقی سے مراد وہ واقعات و دلائلِ خارجی ہوں جو ہر فطرتِ سلیم کو توحید و حکمتِ الٰہی کی طرف لاتے ہیں اور اس کے تحت میں طبیعیات' عنصریات' فلکیات کی قسم کے سارے علوم و فنون آجاتے ہیں۔ اور آیاتِ انفسی سے اشارہ نفسِ بشری کیا اَسرار و حجابات کی جانب ہو اور اس میں نفسیات' اخلاقیات' اجتماعیات کی ساری شاخیں آجاتی ہیں۔۔۔ خارجی و داخلی دونوں قسم کے علم و فن اگر صحیح طور پر مطالعہ کئے جائیں تو دلائل' حکمت و صنعت باری ہی کا کام دے سکتے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۹۶۴' نوٹ: ۵۵)

(۱۳۲) علمِ ادب (LITERATURE) اور قرآن

(الف) لٹریچر قرآن مجید میں (قرآن مجید کے ادبی محاسن)

قرآن مجید شاندار، بیش قیمت اور بے مثل و یکتا فصاحت و بلاغت، ادبی محاسن کا مجموعہ ہے جس کا تصور تک لٹریچر کے بہترین شہ پاروں میں بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مسجع و مقفٰی نثر، اظہارِ بیان میں لفظوں کی کفایت، اور ایجاز وحذف کی دو نمایاں خوبیاں سامع اور قاری دونوں کو ڈر اور ہیبت، خوشی اور سرمستی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ تھرتھرا دیتے ہیں۔ آنے والی سطور میں قرآن مجید کے کچھ منتخب ادبی پہلوؤں کو دکھایا گیا ہے تاکہ ایک طرف اُس کا کلام اللہ ہونا ثابت ہو جائے تو دوسری طرف آخر المرسلین ﷺ کی رسالت کی حقانیت کی توثیق ہو جائے۔

(i) الفاظ : مختلف مقامات پر استعمال شدہ قرآنی الفاظ کا قریبی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سیاق وسباق میں اُن کی خاص اہمیت ہے۔ مثلاً :

(۱) لفظ ''مِصْر'' (سورۃ البقرۃ:۶۱) کا معنیٰ شہر اور ملکِ مصر دونوں ہیں۔ بنی اسرائیل کے احتجاج وشکایت سے ناراض ہوتے ہوئے جو صحرا میں ایک ہی قسم کے کھانے سے تنگ آ چکے تھے، موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے عمدہ کھانے کے مطالبے پر فرمایا:

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ (البقرۃ : ۶۱)

''کسی شہر میں جا اترو، (وہاں) تمہارے لئے وہ کچھ (میسر) ہوگا جو تم مانگتے ہو۔'' (۲ : ۶۱)

غیر معیّن اسم کے طور پر ''مصر'' کا معنیٰ شہر کا ہے جبکہ اسم معرفہ کے طور پر وہ (فرعون کے) ملکِ مصر کا نام ہے۔ آیت میں لفظ ''مصر'' کے استعمال میں دقیق موازنہ ہے اُس سادہ کھانے میں جو وہ صحرائی زندگی کی آزاد فضا میں لیا کرتے تھے اور اُس پُر لطف، مزیدار اور پُر آسائش کھانے کے مابین جو وہ مصر میں بحالتِ غلامی لیا کرتے تھے اور اس طرح اُن کے مطالبے کو سیاسی اور اخلاقی سیاق وسباق میں رکھا گیا ہے۔

(۲) بعض اوقات قرآن مجید ایک بنیادی معنیٰ کے لئے کئی الفاظ استعمال کرتا ہے جبکہ ہر لفظ کے مختلف معانی ہوتے ہیں۔ ایک انتہائی دلچسپ مثال سورۃ الاعراف کے آخر کی ہے جس میں ''دیکھنے'' کے فعل کو تین مختلف الفاظ میں استعمال کیا گیا ہے : وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (الاعراف : ۱۹۸)

''آپ ان (بتوں) کو دیکھتے ہیں کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ (کچھ) نہیں دیکھتے۔'' (۷:۱۹۸)

تینوں الفاظ رَآی، نظر اور بصر کے مابین انتہائی پیچیدہ تعلق کو اہلِ لغت نے اپنے اپنے مقام پر بیان کر دیا ہے۔

(۳) سورہ یونس کی آیت دہم میں فرمایا: هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (وہ وہی تو ہے جس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا)۔ضیاء کا لفظ چکا چوند روشنی اور حدّت و تمازت کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ سورج میں یہ دونوں خاصیتیں موجود ہیں۔ نور کا لفظ ایسی روشنی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو (i) آنکھوں کو طراوت دے اور جو (ii) اُس کی ذاتی نہ ہو بلکہ مستعار ہو (کہ چاند یہ روشنی سورج سے لیتا ہے)۔ظاہر ہے کہ چاندنی میں یہ دونوں خصائص ہیں اور اسی لئے چاند کی روشنی کے لئے لفظ نور استعمال ہوا ہے۔

(۴) سورہ یوسف کی آیت ۷۰ کا لفظ سَرَقَ (چُرانا) پر ایک نفیس لفظی کھیل ہے۔ برادرانِ یوسف پر ناپ تول کے شاہی پیالہ کے چُرانے کا الزام ہے۔ اس میں فی الواقع اُن پر یوسف علیہ السلام کو اُن کے والد یعقوب علیہ السلام سے چُرانے (دُور کرنے) کا الزام صادق آتا ہے۔

(۵) قرآن مجید میں ایک جگہ ایک ہی چیز (ڈنڈے) کے لئے دو لفظ عَصَا اور مِنسَاَۃ استعمال ہوئے ہیں۔ اوّل الذکر یعنی عَصَا کو موسیٰ کے ڈنڈے کے لئے (سورۃ البقرۃ: ۶۰ ؛ الاعراف ۱۱۷ ؛ طٰہٰ: ۱۸ وغیرہ) جبکہ مِنسَاَۃ (سورہ سبا: ۱۴) بوڑھے سلیمان علیہ السلام کے لئے استعمال ہوا جس پر آپ اپنی دنیاوی زندگی کے آخری لمحات میں ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے تھے۔ لفظ مِنسَاَۃ میں سیاق و سباق سے مدد لئے بغیر خود اس بات کا اشارہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے پیرانہ سالی میں اِس دنیا کو خیر باد کہا۔

(۶) شہرِ مدینہ کو جسے قرآن مجید نے ہمیشہ ''مدینہ'' ہی کہا ہے، صرف ایک جگہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۳ میں قبل از ہجرت کے نام سے یعنی ''یثرب'' کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے اہم ہے کہ یَآاَھْلَ یَثْرِبَ کی ندا اُن لوگوں نے کی ہے جو آنے والے ہنگامی حالات میں مسلمانوں کو اکیلا چھوڑ دیں گے اس امید میں کہ اسلام کا جلد خاتمہ ہو جائے گا اور یہ کہ مدینہ اپنے سابقہ کفر کی طرف پلٹ آئے گا اور اس کا نام وہی ''یثرب'' ہی ہوگا۔ اس طرح لفظ ''یثرب'' لوگوں کے ایک خاص طبقے (یعنی منافقین) کی ذہنیت کی عکاس ہے۔

(۷) یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کی مسلسل نافرمانیوں سے ناراض ہوتے ہوئے اُن سے جدا ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کی اس جدائی کے لئے قرآن مجید نے سورۃ الصّافّات کی آیت ۱۴۰ میں اَبَقَ کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ لفظ غلام کا اپنے مالک سے فرار ہونے کے معنیٰ میں آتا ہے (القاموس المحیط لمجد الدین فیروز آبادی، جلد ۳، ص ۲۰۸ ؛ ڈکشنری اینڈ گلاسری آف دی قرآن ـ جان پین رائس بی ۔ اے، صفحہ ۱)۔ اللہ کا پیغمبر اور اُس کے دین کا وفادار بندہ ہونے کے لحاظ سے یونس علیہ السلام کو اذنِ الٰہی کے بغیر اپنی قوم سے جدا ہونا مناسب نہ تھا۔ اس

طرح یونس علیہ السلام کے لئے لفظ اَبَقَ کا استعمال اُن کے ایک سادہ سے ماڈی عمل کو ایک ایسے عمل میں بدل دیتا ہے جس کی کچھ اخلاقی حدود و قیود ہیں۔

(۸) سورۃ النّبا کی آیت ۳۳ میں اہلِ جنت پر الٰہی انعام کے طور پر ''کواعِب'' اور ''اَتراب'' کے دو لفظ آئے ہیں جو تمام لطافتوں اور شرم و حیا و تہذیب کی نفاستوں کو شامل بہت ہی موزوں الفاظ ہیں۔ ''کواعِب'' کا مصدر ''کَعْب'' ہے جس کا معنیٰ زمین کی کسی جگہ کا عام سطح سے کچھ بلند ہونے کا ہے۔ اس معنیٰ کی رُو سے ''کواعِب'' کا معنیٰ اُبھری ہوئی چھاتیوں والی دوشیزگان کا ہے جس میں ارتفاع اور بلندی کے بنیادی معنیٰ پنہاں ہیں۔ ''اَتراب'' کا مصدر ''تراب'' بمعنیٰ مٹی ہے۔ اس طرح ''اَتراب'' کا معنیٰ مٹی میں کھیلتی ہوئی ہمجولیاں ہیں یعنی وہ اپنی عنفوانِ شباب میں ہوں گی جیسا کہ اس عمر میں وہ مٹی سے کھیلتی پائی جاتی ہیں۔ کچھ مترجمین نے اِس کا ترجمہ ''ہم عمر'' سے کیا ہے لیکن یہ صحیح مفہوم کی عکاسی نہیں کرتا کیونکہ ''ہم عمر'' کا اطلاق جوانی اور بڑھاپے دونوں پر ہوتا ہے۔

(۹) برسات کے حوالہ سے قرآن مجید اکثر مقامات پر یہ بیان کرتا ہے:

هُوَالَّذِیٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (النَّحل : ۱۰)

''وہ وہی تو ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے۔'' (۱۰ : ۱۶)

لفظ ''سَماء'' کا مصدر ''سَمُوّ'' ہے بمعنیٰ ارتفاع اور بلندی۔ اِسی مفہوم کے لحاظ سے اس لفظ کو آسمان کے معنیٰ میں لینا درست ہے۔ لیکن اس آیت کے درج ذیل ہر دو معنیٰ لینا بھی مناسب اور صحیح ہیں:

(1) ''وہ وہی تو ہے جو اوپر (بلندی) سے پانی نازل کرتا ہے۔''

(2) ''وہ وہی تو ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے۔''

(ii) <u>مجسمہ طرازی اور نقش گری (Imagery)</u>: (1) سید قطب (م 1966ء) کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کا نمایاں ادبی پہلو کسی تصوّراتی چیز کی تصویر گری ہے جس کی بہترین مثال سورۃ النُّور کی آیت ۳۵ ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور پھر اُس نور کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

(2) درج ذیل قرآنی آیت اُس شدید تباہ کن آخری وقت کے نقش گری پر مبنی بیان کی عمدہ مثال ہے:

وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِہٖ (الزُّمر: ۶۷)

''اور ساری کی ساری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمانی کرّے اُس کے دائیں ہاتھ (یعنی قبضۂ قدرت) میں ہوں گے۔'' (۳۹:۶۷)

آیت کا یہ سارا بیان مجازاً ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ گوشت اور خون سے تشکیل شدہ نہیں ہے کہ جس کے ہاتھ اور انگلیاں ہوں۔ دایاں ہاتھ قوت و عمل کا ہاتھ ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی بہت سی تشبیہات عربوں کی روزمرہ زندگی اور اُن کے اپنے ماحول سے ماخوذ ہیں۔ اہلِ عرب درختوں کے ٹھٹھوں سے خوب واقف تھے جنھیں تیز و تند آندھی نے اکھاڑ پھینکا ہو لیکن وہ مغرور و نافرمان قومِ عاد کے بیان پر حیران ہوئے ہوں گے جنھیں تیز و تند جھکڑ نے صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیا اور جس کا ذکر سورۃ القمر کی آیت ۲۰ اور سورۃ الحاقۃ کی آیت ۷ میں ہوا۔

سورۃ القمر کی آیت ۷ یومِ آخرت کے منظر کا نقشہ پیش کرتی ہے جب لوگ موت کی حالت سے اٹھ کر افراتفری کے عالم میں ''قبروں سے نکل پڑیں گے گویا کہ وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں۔'' یہ آیت اپنے مضمون میں سورۃ القارعۃ کی آیت ۴ کے ہم معنیٰ ہیں جس میں فرمایا گیا: ''جس دن سارے لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔''

پہاڑ جو آج ناقابلِ حرکت دکھائی دیتے ہیں' اُس دن رنگ برنگ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ (سورۃ القارعۃ: ۵ ؛ سورۃ المعارج: ۹)

قرآنی تشبیہات اپنی اُن تشبیہات کی طرح جن میں حرفِ تشبیہ آتا ہے' ایسی عکسی تمثال پیش کرتا ہے جن سے اہلِ عرب بالکل مانوس تھے لیکن قرآن نے اُنھیں ایک نیا رُخ دیا۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۷ نے خاوند اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا جس کا مطلب ایک طرف تو یہ ہے کہ شادی اور نکاح پاکیزگیِ کردار کا تحفظ ہے جبکہ دوسری طرف زوجین میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے سے باوفا رہنے کی نصیحت کی گئی۔

چونکہ بہت سے اہلِ عرب سوداگر تھے اور تجارت سے وابستہ تھے تو بہت سی قرآنی تشبیہات میں خرید و فروخت اور قرض کے لین دین سے متعلقات شامل ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝
''یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدا تو اُن کی تجارت نے اُنھیں کوئی فائدہ نہ دیا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہوئے۔'' (۱۶ :۲)

(۲) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ (البقرۃ: ۱۷۵)
''یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی اور بخشش کے بدلہ میں عذاب خریدا۔''

(۳) مَنۡ ذَالَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً (البقرۃ : ۲۴۵)
''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو (اپنا مال بطور) قرضِ حسنہ دے تو اللہ اُسے بڑھا کر اُس کے لئے کئی گنا کر دے۔'' (۲۴۵ : ۲)

(۴) اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ (التوبۃ : ۱۱۱)
''بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال' اُن کے لئے جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔'' (۱۱۱ : ۹)

(۵) اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ O (فاطر : ۲۹)
''بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے' اُس میں سے پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی خرچ کرتے ہیں' وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی بھی خسارے میں نہیں ہوگی۔'' (۲۹ : ۳۵)

(۶) مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَ لَہٗۤ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ O (الحدید : ۱۱)
''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو (اپنا مال بطور) قرضِ حسنہ دے تو اللہ اُس کے مال کو اُس کے لئے بڑھاتا رہے (اس کے علاوہ) اُسے شاندار اجر بھی ملے گا۔'' (۱۱ : ۵۷)

(۷) یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ O (الصّف : ۱۰)
''مؤمنو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے۔'' (۱۰ : ۶۱)

قرآن مجید کی سبق آموز حکایات (Parables) بالعموم قرآن کے کلیدی خیالات کو عطا کرتی ہیں۔ مختلف التعداد ہونے کے لحاظ سے اُن کے ساتھ بالعموم مَثَلُھُمۡ کا لفظ لگا ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۷' ۱۸ کو لیجئے جن میں منافقین نے ہمیشہ اہلِ ایمان کے ساتھ فریب کاری کی' اپنے نہاں خانہِ دل میں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ یہ وہی ہدایت ہے جس کے وہ عرصہ سے منتظر رہے ہیں:

مَثَلُہُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَہٗ ذَہَبَ اللّٰہُ بِنُوۡرِہِمۡ وَ تَرَکَہُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ O صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ O (البقرۃ : ۱۷' ۱۸)
''اُن کی (عجیب) مثال تو اُن کی سی (عجیب) مثال ہے جنہوں نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے اُن کی روشنی سلب کر لی اور اُنہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہیں۔ (وہ) بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں تو اب وہ واپس نہ ہوں گے۔'' (۱۷' ۱۸:۲)

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۵ میں اس بات کا بیان ہے کہ رضائے الٰہی کی خاطر کئے گئے خیراتی کاموں کا اجر روزِ قیامت ضرور دیا جائے گا۔ ایسے سخی لوگوں کی مثال ''اُس باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو' اُس پر زوردار بارش

ہوتو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر اُسے زوردار بارش نہ ملے تو اُسے ہلکی سی پھوار (شبنم) بھی کافی ہو۔''

(iii) موازنہ وتقابل (Parallelism): جیسے سورہ ہود کی یہ آیت :

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ (ہود : ۲۴)

''(کافر ومسلم) دونوں فریقوں کی مثال اندھے اور بہرے اور (اس کے برعکس) دیکھنے والے اور سننے والے کی سی ہے۔'' (۲۴ : ۱۱)

(iv) دومتوازی فقروں میں سے دوسرے میں پہلے کی ترتیب کو الٹ دینا (Chiasmus):

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ (المؤمن: ۵۸)

''اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے' سو (اسی طرح) جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور بدکار (بھی) برابر نہیں ہیں۔'' (۵۸ : ۴۰)

سورہ فاطر کی درج ذیل آیت میں محولہ بالا (iii) اور (iv) کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا گیا ہے :

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُO وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ O وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُOوَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوٰتُ (فاطر : ۱۹ تا ۲۳)

''اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے' نہ ہی اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں' نہ ہی سایہ اور دھوپ' اور نہ زندہ لوگ اور مُردے برابر ہو سکتے ہیں۔'' (۱۹ تا ۲۳ : ۳۵)

سورہ یوسف میں بیان کردہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں واقعات کے تسلسل کی تشکیل اسی ادبی خاکہ (Chiasmus) پر کی گئی ہے۔ سورۃ کا پہلا نصف حصہ عجیب وغریب واقعات کے تسلسل کی تعمیر میں ہے جنہیں سورۃ کے دوسرے نصف میں الٹ دیا گیا ہے۔

(v) معکوس یا منقلب ترتیب (Hysteron Proteron): قدرتی ترتیب کے برخلاف تقدیم وتاخیر:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (الانبیاء : ۹۰)

''تو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے اُنہیں یحیٰی عطا فرمایا اور اُن کی خاطر اُن کی زوجہ کو (بھی) درست (قابلِ اولاد) بنا دیا۔'' (۹۰ : ۲۱)

یہاں معیّن ترتیب کو الٹ دیا گیا ہے جو یوں ہونا چاہئے تھی: تو ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور ہم نے اُن کی خاطر اُن کی زوجہ کو (بھی) درست (قابلِ اولاد) بنا دیا اور ہم نے اُنہیں یحیٰی عطا فرمایا۔'' اس ترتیبِ معکوس

کا درست ہونا اس طرح ہے کہ دعا فرزند کے لئے تھی نہ کہ اصلاحِ زوجیت کے لئے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ہم نے اُن کی دعا قبول فرمالی اور فرزند دے دیا۔ اگر فَاسْتَجَبْنَا کے بعد اَصْلَحْنَا ہوتا تو بات غلط ہو جاتی اور معنیٰ یہ ہو جاتا کہ ہم نے دعا قبول کر لی کہ بیوی کو درست (قابلِ اولاد) کر دیا یعنی اصلاحِ زوجیت، دعا کی قبولیت بن جاتی حالانکہ یہ تو دعا ہی نہ تھی۔ فَاسْتَجَبْنَا کے بعد وَوَهَبْنَا کا ذکر کرنا، ذریعہ قبولیت بتاتا ہے یعنی ہم نے فرزند اس طرح دیا کہ آن کی بیوی کو قابلِ اولاد بنا دیا۔'' (تفسیر نعیمی -- مفتی اقتدار احمد خان نعیمی، جلد ۱۷، صفحات ۴۶۵، ۴۶۶)

<u>قرآن مجید اور کرداریت(Characterisation)</u>: قرآن مجید میں کرداریت سے متعلق درج ذیل نکات کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے :۔

(1) لوگوں کو اُن کی ظاہری شکل و شباہت کی بجائے اُن کے اعمال و افعال اور کردار کی بناء پر پرکھنا چاہئے۔ شیکسپیئر نے Macbeth میں صحیح کہا تھا: ''ذہنی ساخت کو چہرے پر معلوم کرنے کے لئے کوئی فن اور طریقہ ابھی سامنے نہیں آیا۔'' سورۃ الحُجرات کی آیت ۱۳ میں عزت و توقیر کا معیار بیان کر دیا گیا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔'' (۱۳ : ۴۹)

(2) قرآنی کرداروں کو حق و باطل کے درمیان چپقلش کے عمومی ڈھانچے میں پیش کیا گیا ہے۔ اُن کی اخلاقی ہم آہنگی سے قطع نظر یہ کردار گوشت پوست والے مرد اور عورت کے طور پر رونما ہوتے ہیں اور ایسی خصوصیات کا اظہار کرتے ہیں جو فی الواقع انسانوں کے ہوتے ہیں۔''

(3) قرآن مجید میں نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی کردار بھی ہیں۔ بہت سے مقامات پر (جیسا کہ سورہ ہود میں) قرآن مجید لوگوں کے چھوٹے بڑے طبقات بلکہ قوموں سے خطاب کرتا ہے جیسا کہ وہ ایک ہی شخصیت ہوں جن سے یک آہنگی آواز میں بات ہو رہی ہو۔ برادرانِ یوسف، فرعون کے جادوگر اور سورۃ القلم (۶۸) میں مذکور باغ کے مالک (آیات ۱۷ تا ۳۲) واضح طور پر جانی پہچانی شخصیات ہیں۔

(4) جیسا کہ طبقات افراد کی طرح معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح افراد بھی طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

(5) قرآن مجید اپنے کرداروں میں روزمرّہ واقع ہونے والے واقعات کو شمار میں نہیں لاتا جب وہ کردار اپنے کلام یا عمل کے ذریعے اپنی اصلیت کا اظہار کرتے ہیں یا اپنے نظریات، رویّوں اور رجحانات کا کوئی واضح اشارہ دیتے ہیں۔

(ب) قرآن مجید لٹریچر میں

جس طرح قرآن مجید مسلمان تہذیب میں ذہنی اور فنی سرگرمیوں میں اثر پذیر ہوا' اُسی طرح اُس نے اسلامی لٹریچر کے مختلف میدانوں میں بھی دُور رس اثرات ڈالے۔

(1) قرآن عربی لٹریچر میں : بالخصوص عربی لٹریچر پر قرآن مجید کا اثر انتہائی شدید اور قائم دائم تھا۔ جونہی اسلام اپنی اصل جائے پیدائش سے نکل کر ماوراء علاقوں میں پہنچا تو قرآن مجید نے کئی لسانی اور ادبی ثقافتوں کے ساتھ تعامل (جوابا عمل) کیا۔ یہ صرف اسلام کی آمد کے بعد ہی ہوا کہ عربی زبان نے اظہار کی انتہائی صلاحیت کا حصول کیا اور عربی لٹریچر نے پختگی کے بلند ترین مقام کو پایا۔ دراصل یہ بات کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ کلاسیکی (قدیم) ادب اور مابعد کلاسیکی عربی لٹریچر کی تزیین و تجمیل میں قرآن مجید انتہائی باقوت طاقت رہا ہے۔

ثعالبی (م ۴۲۹/۱۰۳۹) نے اپنی کتاب ''الاقتباس من القرآن الکریم'' میں کہا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا انتہائی خوبصورت اور شاندار کلام ہے جس نے اُس وقت کے انتہائی فصیح و بلیغ ادیبوں کو حیران و ششدر کر دیا تھا اور اُن کے گھٹنے ٹکوا دئے تھے اور اُنہیں اس جیسا کلام لانے میں اپنے عجز کو تسلیم کرنا پڑا اور اُن کا یہ عجز و انکسار نبی آخرالزماں ﷺ کا معجزہ بن گیا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور عیسیٰ علیہ السلام کا مریضوں کو شفایاب کرنا اور مُردوں کو زندہ کرنا معجزہ بنے۔ ثعالبی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ بات قابلِ فہم ہے کہ جس کسی نے قرآن کی نقل کی کوشش کی' اپنی کوشش میں نامراد ہوا۔ ہاں قرآن مجید سے الفاظ مستعار لینا جسے اصطلاحاً ''اقتباس'' کہا جاتا ہے' جائز اور درست ہے۔ ثعالبی کہتے ہیں کہ جہاں قرآن مجید کی نقل کرنا قرآن مجید کی امتیازی حیثیت میں رخنہ اندازی پیدا کرنا ہے' قرآن مجید سے اقتباس لینے سے قرآن مجید اور نبی علیہ السلام کے امتیازی مقام کو تحفظ مل جاتا ہے اور یہ ہر طرح قابلِ عمل بھی ہے اور دانشمندانہ اقدام بھی ہے۔ قرآن مجید نے ادباء کے کلام کی تزیین کی' اُسے خوبصورت بنایا اور اسے زیادہ فصیح' بلند پایہ اور اعلیٰ و برتر بنا دیا۔

اہم میدان جن میں قرآن مجید نے عربی لٹریچر پر گہرا اثر ڈالا' الفاظ کی ادائیگی کا انداز (Diction) اور اُس کا نفسِ موضوع (Theme) ہیں۔ دوسرے میدان تشبیہات' منظر کشی' فنی تخلیق اور رموز و علامات ہیں۔ جہاں تک (Diction) کا تعلق ہے' تو یہ بات بالخصوص یاد رکھنی چاہئے کہ قرآنی الفاظ' محاورات اور اظہار کے تمام ذرائع لٹریچر کے تمام طریقوں میں اس قدر بہ کثرت استعمال ہوئے ہیں کہ اُن کے مکمل ریکارڈ کو احاطہِ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔ قرآن مجید نے اپنے پیغام کے اظہار کے لئے نہ صرف ایک بالکل جدید لسانی انداز پیدا کیا بلکہ اُس نے قدیم اور قبل از اسلام کے الفاظ کو نئے معنیٰ دئے اور انہی معانی نے زبان میں اور بالآخر لٹریچر میں جڑ پکڑ لی۔

۳۴۰۳ (لٹریچر اور قرآن مجید)

قرآنی (Themes) لٹریچر میں کثیر الوقوع ہیں۔ یہ نفسِ موضوع اللہ اور اُس کی قدرتِ کاملہ اور اُس کے رحم و کرم سے متعلق ہیں' قرآن مجید سے اس کے مختلف ناموں کے ساتھ متعلق ہیں' رسالت اور مختلف انبیاء علیہم السلام کی حکایات سے متعلق ہیں' اللہ کا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ اور اُس کے بندوں کا تعلق اپنے اللہ کے ساتھ' سے متعلق ہیں' آدم کی تنزلی سے لے کر آگے تک کے تمام حالات سے متعلق ہیں' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کی ابتدائی تاریخ سے متعلق ہیں اور اخلاقیات' قانون' دینیات' علم الآفاق اور احوالِ حشر و نشر سے متعلق ایسے (Themes) ہیں جنہیں ادباء نے اپنے ادبی کارناموں میں استعمال کیا۔

قرآنی کردار با قوّت علاماتی اقدار کے حامل ہیں مثلاً یوسف علیہ السلام اپنے حسن و جمال میں' ابراہیم علیہ السلام اپنی پختگیِ ایمان میں اور فرعونِ مصر کفر و بے ایمانی کے اِصرار میں' وغیرہ وغیرہ۔ اِن علاماتی کرداروں میں انتہائی قائم و دائم شیطان کا کردار ہے جو نافرمانی اور گناہ کا سرخیل ہے۔ اس کی منظرکشی اکثر واضح طور پر اور بڑی تفصیل سے سیاسی اور دیگر لٹریچر میں کی گئی ہے جن میں عبدالحمید کاتب کا نام خصوصیت کا حامل ہے۔

قرآنی الفاظ' اظہار' آیات کو خواہ جزوی طور پر ہوں یا کلی طور پر' ادبی متن میں داخل کیا گیا ہے بغیر کسی اشارہ کے کہ قرآنِ مجید استعمال کیا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر درجِ ذیل اقتباسات ملاحظہ کیجئے جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم عصر' مشہور شاعرِ دربارِ رسول۔ حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اپنے استعمال میں لائے:

وَجبْرِیْل" اَمِیْنُ اللهِ فِیْنَا۔ رُوْحُ الْقُدُس۔أَرْسَلْتُ عَبْدًا۔شَهِدتُّ بِهٖ۔ رَسُوْلُ اللهِ۔
وَنَعْلَمُ اَنَّ الْمُلْكَ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ'۔وَنَعْلَمُ اَنَّ اللهَ لَا رَبَّ غَيْرَهٗ۔

بعض اوقات شاعر مماثلت (Analogy) کی تکنیک استعمال کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی خاص قرآنی ذریعہ اظہار میں اضافہ کرتا ہے تاکہ متن اپنی مماثلت میں پھیل جائے۔ مثال کے طور پر حسّان (مذکور) رضی اللہ عنہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ نِدًّا وَّاَسْلِمُوْا   وَلَا تَلْبَسُوْا زِیًّا كَزِیِّ الْاَعَاجِمِ

یہ شعر سورۃ البقرۃ کی اس آیت ۲۲ سے لیا گیا ہے:
فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (تم اللہ کے شریک مت ٹھہراؤ)

درجِ ذیل الفاظ و تراکیب بھی شاعر نے قرآن مجید سے بطور اقتباس لئے ہیں:
لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْن (الطور: ۲۴) ؛ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (الدھر: ۱۹)

روزِ محشر میں انسانوں کے دوبارہ جی اٹھنے کا مذاق اڑاتے ہوئے اُبی ابن خلف جُمحی نامی ایک مشرک بارگاہِ نبوی میں ایک گلی سڑی ہڈی لے کر آیا اور ازراہِ تمسخر آپ سے پوچھا: کیا اس خشک ہڈی میں بھی اُس دن جان ڈالی جائے گی؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا جواب ''ہاں'' میں دیا اور مذکورہ واقعہ کے جواب میں قرآن مجید نے سورہ یٰسٓ میں یوں بات کی:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِیَ خَلْقَه' قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْم ''O قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْ اَنْشَاهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْم ''O (یٰسٓ: ۷۸، ۷۹)

''اور وہ ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش (کی حقیقت) کو بھول گیا۔ کہنے لگا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ فرما دیجئے کہ اُنہیں دوبارہ وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جاننے والا ہے۔''

سورہ یٰسٓ کی درج بالا آیت سے تحریک پاتے ہوئے شاعر حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے شاعرانہ انداز میں یوں کہا:

لَقَدْ وَرِثَ الْجَهَالَةَ عَنْ اَبِیْهِ — اُبَیّ'' یَوْمَ فَارَقَهُ الرَّسُوْل'

أَجِئْتَ مُحَمَّدًا اَعْظُمًا رَمِیْمًا — لِتُکَذِّبَه' وَاَنْتَ بِهِ جَهُوْل'

''اُبی ابن خلف نے گمراہی اپنے والد سے ورثہ میں پائی ہے' وہ اُس دن سے مغرور و سرکش ہے جس دن سے رسول ﷺ اُس سے جدا ہوئے۔ (اے اُبی!) کیا تم محمد ﷺ کے پاس اُس بوسیدہ ہڈی کے متعلق پوچھنے آئے تھے تاکہ تو انہیں جھٹلا سکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ (ایسا کرنے میں) تم نے خود اپنے کو احمق ثابت کر دیا ہے۔''

فتحِ مکہ کے موقع پر جنابِ حسّان نے ایک قصیدہ منظوم کیا جس میں وہ کہتے ہیں:

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّ بَنُوْ لُؤَیٍّ — جُذَیْمَةَ اِنَّ قَتْلَهُمْ شِفَاء'

درجِ بالا فَاِمَّا تَثْقَفَنَّ کی ترکیب سورۃ الانفال کی آیت ۵۷ سے ماخوذ ہے۔

جنابِ حسّان کا درجِ ذیل شعر قرآنی آیات اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (سورۃ الاعراف:۵۴) اور سورۃ الفاتحہ کی آیت ۵ وَاِیَّاکَ نَعْبُدُ' سے علی الترتیب ماخوذ ہے:

لَکَ الْخَلْقُ وَالنَّعْمَاءُ وَالْاَمْرُ کُلُّه' — فَاِیَّاکَ نَسْتَهْدِیْ وَاِیَّاکَ نَعْبُدُ'

امیہ بن خلف جمحی نامی ایک کافر کی مذمت میں جنابِ حسّان نے ایک نظم کہی جس کا نفسِ مضمون سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۹ سے لیا گیا:

وَاتُوا بُیُوتَ النَّاسِ مِنْ اَبْوَابِهَا   حَتّٰی تَصِیْرَ وَکُلُّهُنَّ مَحْجُوْب'

قبیلہ بنی ظفر کے ایک آدمی طُعیمہ ابن اُبَیرق نے اپنے کسی ہمسائے کی زرہیں چُرا لیں۔ چور کی مذمت میں سورۃ النساء کی آیات ۱۰۷ تا ۱۱۲ نازل ہوئیں۔ شاعر حسّان بن ثابت نے انہی آیات کی روشنی میں یہ شعر کہا:

وَمَا سَارِقُ الدِّرْعَیْنِ اِنْ کُنْتَ ذَاکِرًا   بِذِیْ کَرَمٍ مِّنَ الرِّجَالِ اُوَادِعُهٗ

جنابِ حسّان کا یہ شعر اُس ہدایت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندان کو اُس وقت کی جب وہ مصر کے مالیاتی وزیر (یوسف علیہ السلام) سے راشن لینے کے لئے اپنے والد سے جدا ہو رہے تھے:

عَمْرُکَ مَا اَوْصٰی اُمَیَّةُ بَکْرَه'   بِوَصِیَّةٍ اَوْصٰی بِهَا یَعْقُوْب'

یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو ہدایت کا ذکر سورہ یوسف میں اس طرح آتا ہے:

یَا بَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ (یوسف: ٦٧)

''اے میرے بیٹو! (شہر میں) ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے (تقسیم ہو کر) داخل ہونا۔'' (۶۷: ۱۲)

ایسے رموز و اشارات اور حوالہ جات کی مثالیں موسیٰ علیہ السلام کا عصا' صالح علیہ السلام کی اونٹنی' یوسف علیہ السلام کا پیرہن' لوط علیہ السلام کی (کافرہ) بیوی' اصحابِ کہف اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے نارِ نمرود ہیں۔

اسی طرح جنابِ حسّان نے سورہ لہب کے خلاصہ مضمون کو یوں باندھا ہے۔

اَبَا لَهَبٍ اَبْلِغْ بِاَنَّ مُحَمَّدًا   سَیَعْلُوْا بِمَا اَدّٰی وَاِنْ کُنْتَ رَاغِمًا

''اے ابولہب! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد ﷺ اپنے مشن میں عنقریب غالب آئیں گے اگرچہ یہ بات تجھے بری لگے۔''

''عربی ادب پر قرآن مجید کا اثر'' کا یہ محض مختصر سا ڈھانچہ ہے۔ اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لئے لکھی گئی کتب کی کمی نہیں ہے' اُن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید کو عربی شاعری کی نسبت عربی نثر میں مختلف طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اپنی ہیئتِ ترکیبی (Form) میں شاعری کے برعکس قرآن مجید نے بالعموم عرب کی ادبی نثر کو متاثر کیا۔ قرآن مجید کی ہر سورت کی طرح نثر کا مخصوص نوعیت کا شہ پارہ قرآنی آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع ہوتا ہے جسے اصطلاح میں بالعموم ''بسملہ'' کہا جاتا ہے۔ نثر کے اُن قطعات کو جن کے شروع میں ''بسملہ'' نہ ہو' کٹوتی اور قطع کئے ہوئے یعنی نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ خط و کتابت کی نثر میں بھیجنے والے اور مکتوب الیہ کا نام لکھنے کے بعد ''بسملہ'' کے بعد ایک اور قرآنی کلیہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لکھا جاتا ہے۔ کچھ خطوط کے آخر میں اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ کے الفاظ بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔

ساخت (Structure) کی سطح پر نثری قطعات اکثر قرآن کے خصوصی اثرات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ خط یا خطبہ ہے جو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ یا سُبۡحَانَ اللّٰہِ سے شروع ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحریر کی دوسری صدی ہجری / آٹھویں صدی عیسوی میں افزائش ہوئی اور یہ ایسی نمایاں اور باقوت صنف تھی کہ اسے ''تحمید'' صنف کا نام دیا گیا۔

اسی طرح وہ خطوط یا عہد نامے جو اُوۡصِیۡکُمۡ بِتَقۡوَی اللّٰہِ (میں تمہیں خدا خوفی کی نصیحت کرتا ہوں) سے شروع ہوں' اس مفہوم میں مرغولہ وار ساخت کے غماز ہیں کہ اُنہیں مسلسل قطعاتِ نصیحت میں کمپوز کیا گیا ہے جو اُس وقت اختتام پذیر ہوتے ہیں جب محرر نے اپنی نصیحتوں کی وکالت مکمل کر لی ہے۔

سٹائل کے لحاظ سے قرآن مجید نے عربی نثر کو خاصا متاثر کیا۔ یہ بات قابلِ فہم ہے کہ عربی نثر کا ایک امتیازی پہلو (Parallelism) ہے جس میں ایک ہی معنیٰ کو ایک یا دو جملوں میں بیان کیا جاتا ہے اور یہ چیز قرآن مجید کے اثر کے تحت پیدا ہوئی۔ غالباً نثرِ مسجع جسے ازمنہ وسطیٰ یا اس سے بعد کے زمانہ میں ترقی ملی لیکن وہ دوسرے اُدوار میں نثر میں مکمل طور پر معدوم نہ تھی' کی جڑیں بھی قرآن مجید میں گڑی ہوئی تھیں۔ سٹائل کے یہ تمام مذکورہ پہلو فقرات کی موسیقائی زیر و بم کا کام دیتے ہیں جو ایسا میدان ہے جس میں قرآن بالخصوص آیات کے اختتام پر سبقت لے گیا۔

نثر کی کچھ اصناف ایسی ہیں اگر قرآن مجید اُن کا روشنی کا مینار نہ ہوتا تو اُن کا وجود نا قابلِ تصوّر رہوتا بالخصوص وہ خطبہ جس کا تمام تر انحصار قرآنی خیالات' کلیات اور قدیم لوگوں کی حکایات پر ہو۔

یہ بات واضح ہے کہ عربی ادب کے تمام شہ پاروں کے پس پردہ قرآن مجید کی غالب قوّت کارفرما ہے جو اُن

کی انتہائی موزوں طور پر الفاظ کی ادائیگی کے انداز' سٹائل' ہیت ترکیبی' خاکہ سازی' علامات' الفاظ' محاورات اور فقرات کی ترتیب اور اُن کی داخلی اور خارجی ساختوں میں راہنمائی کرتے ہیں۔''

(2) ''قرآن مجید فارسی لٹریچر میں : پہلی صدی ہجری رساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایران کی فتح سے ایک نئے لٹریچر کا اُٹھان ہوا جسے نومسلمین نے عربی میں پیدا کیا۔لیکن پہلوی ادبی روایت جوں کی توں برقرار رہی اور پنپتی رہی۔فردوسی (م ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء) کی کوشش کہ اپنے ''شاہنامہ'' میں عربی الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے' ملکی ادبی روایت کی خود انحصاری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔نظامی (م ۶۰۵ھ/۱۲۰۹ء) نے بھی اپنے 'ہفت پیکر'' میں اسی قسم کے رویّہ کو اپنایا ہے لیکن اُس کے 'ہفت پیکر'' میں فردوسی کے کام کے برعکس قرآن مجید کے کئی حوالہ جات اور اشارات ملتے ہیں۔''

''قرآن مجید نے فارسی ادب کو کئی طرح سے متاثر کیا۔قرآنِ کریم کی ادبی نثرِ مسجع کی صنف نے نہ صرف اُن تمہیدات اور تعارف ناموں کو مختلف حیثیتوں سے متاثر کیا جو اُن کے مصنفین نے تحریر کئے بلکہ مصنفین کے عمومی انداز پر بھی وہ اثر انداز ہوئی۔چونکہ اسلامی دَور میں قرآن مجید کا مطالعہ اور اس کا علم کلاسیکل فارسی ثقافت کا اہم جزو تھے اور چونکہ یہ ثقافت سماج کے بے دین اور دینی طبقات میں مشترک تھی' لہٰذا قرآن مجید کے موزوں حوالہ جات اور ان حوالہ جات کا تسلیم کیا جانا عمومی تعلیم کی پختگی کی علامت قرار پائے۔''

''قرآنی حوالہ جات فارسی ادب کی تقریباً تمام اَصناف میں اور تقریباً ہر مصنف کی تحریر میں پائے جاتے ہیں۔ابونصر احمد بن منصور اسدی نے (جس کی وفات ۴۲۳ھ/۱۰۴۱ء سے قبل ہوئی) ''مناظرہ نظم'' ایجاد کی جس میں رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے پر اپنی برتری جتلانے کا دعویٰ کرتا ہے' دونوں ہی نے دلائل کا ایک تسلسل دیا ہے جن کی بنیاد قرآن ہے۔مثلاً رات کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو معراج شب ہی میں نصیب ہوا (بحوالہ سورہ بنی اسرائیل: آیت اوّل) اور لیلۃ القدر شب ہی میں رکھی گئی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے (بحوالہ سورۃ القدر: آیت ۳)۔اس پر دن کا جوابی عمل یہ ہے کہ روزہ دن ہی میں رکھا جاتا ہے' نمازِ جمعہ دن کے اوقات میں ادا کی جاتی ہے اور حشر ونشر دن کے اوقات ہی میں قائم ہوگا (بحوالہ سورہ آلِ عمران: آیت ۳۰ کا افتتاحی لفظ ''یوم'')۔

''عمر الخیام (جس کی وفات ۵۳۰ھ/۱۱۳۵ء سے قبل ہوئی) کوئی مذہبی مصنف نہیں تھا' وہ اپنی رباعیات میں سے ایک رباعی میں شراب نوشی کا جواز پیش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس نے شراب پہ قرآن میں ایک روشن آیت پائی ہے۔''برگردِ پیالہ آیتِ روشن است۔'' ایک اور مقام پر وہ کاسہِ شراب کا موازنہ نوح علیہ السلام کی کشتی سے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کاسہ آدمی کو ''طوفانِ غم'' سے محفوظ رکھے گا۔عمر الخیام کی طرف ایک طنزیہ رباعی بھی منسوب ہے جس کا حوالہ براؤن (Browne) نے اپنی Literary History کی جلد دوم کے صفحہ ۲۵۴ پر دیا ہے جس میں

براؤن کے قول کے مطابق سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۹ کا حوالہ ہے جس میں لوگوں کے ایک طبقہ کو جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہوں میں بتایا گیا ہے۔"

"فارسی تصوّف کی شاعری پر اپنے اصل مادّے اور زبان دونوں میں قرآن کا اثر واضح ہے۔ فرید الدین عطار (۵۱۳۔۶۲۷ھ/۱۱۱۹۔۱۲۳۰ء) کی "منطق الطیر" کا نام سورۃ النّمل کی آیت ۱۶ سے لیا گیا ہے اور حکایت کے پرندوں کی اپنے بادشاہ سیمرغ کی تلاش میں عقلمند ھُد ھُد پرندے کے ذریعے راہ نمائی کی گئی ہے جس کا ذکر اسی سورت کی آیت ۲۰ میں ہوا ہے۔ فرید الدین عطار خطا اور غلطی سے پاک الفاظ کا کھیل پرندے کے عربی نام "ھُد ھُد" کے استعمال پر اور قرآنی تصوّر "ھُدیٰ" پر کرتا ہے جس کا معنیٰ راہ نمائی کا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی "مجالسِ پنجگانہ" قرآنی حوالہ جات سے جُڑی ہوئی ہیں۔ حافظ شیرازی (م ۷۹۱ یا ۷۹۲) کی شاعری دراصل نہ صرف قرآن کے سہل محاورات کو شامل ہے بلکہ قرآنی واقعات اور قرآنی کرداروں کے دقیق و نازک اشارات پر بھی مشتمل ہے:

گر من آلودہ دامنم چہ عجب ہمہ عالم گواہ عصمتِ اوست

"کیا عجب اگر میں (بظاہر) مجرم ہوں تو سارا عالم میری بے گناہی پر گواہ ہے۔"

یہ شعر اپنی وضاحت کے ساتھ ساتھ سورہ یوسف میں بیان شدہ واقعہ پر ایک زبردست موزونیت بھی ہے۔ معصوم یوسف کو دھر لیا گیا جبکہ فوطیفار کی بیوی زلیخا جس نے یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی ناکام کوشش کی تھی، کو کھلی چھٹی مل گئی۔ اِس اشارہ نے حافظ شیرازی کو اپنے شعر میں طنز کے اُس ڈھکے چھپے مفہوم (ایمائیت) کو سمونے کا موقع فراہم کیا جو قرآن کے بیان کردہ واقعہ میں موجود ہے۔

<u>فارسی لٹریچر میں قرآن مجید سے براہِ راست حوالہ جات</u>: فارسی لٹریچر پر قرآن مجید کے اثرات کا منہ بولتا اہم ثبوت جلال الدین رومی کی شاعری ہے۔ رومی نے اپنی شاعری میں قرآنی آیات کا حوالہ دے کر "فارسی لٹریچر پر قرآن کے اثر" کا ثبوت پیش کیا ہے۔ رومی نہ صرف قرآن مجید کے محاورات و آیات کو اپنی شاعری میں داخل کرتا ہے بلکہ اُنہیں نئی وضع دیتا ہے' اُن میں فارسی سوانگ بھرتا ہے اور قرآنی نفسِ مضمون کے دقیق و نفیس نکات پیش کرتا ہے۔ مثنوی کے پہلے دفتر میں قرآن مجید کے تقریباً دوسو (۲۰۰) واضح اور قطعی حوالہ جات موجود ہیں جن میں سے ہم چند ایک کے ذکر پر اکتفا کریں گے:

رضائے الٰہی کے حضور سرِ تسلیم خم کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے رومی فرماتے ہیں:

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

''اپنا سر اسمٰعیل (علیہ السلام) کی طرح اللہ کے حضور پیش کر دو جنہوں نے فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں بخوشی اپنی قربانی دینا منظور کر لی۔''

ایک حکایت میں خرگوش طاقتور شیر کو جال میں پھنساتا ہے اور پھر دوسرے جانوروں کو بتانے کے لئے پھرتی سے جاتا ہے:

سوئے نخچیراں دوید آں شیر گیر　　فَابْشِرُوْا یَا قَوْمِ اِذْ جَاءَ الْبَشِیْرُ

''شیر کا پکڑنے والا جانوروں کی طرف بھاگ کر یہ کہتے ہوئے گیا: اے لوگو! تمہیں مبارک ہو کہ ایک خوشخبری دینے والا تمہارے پاس آ گیا ہے۔''

اَبْشِرُوْا آسمانی مخلوق کا اس دنیا سے جانے والے نیک لوگوں کو سلام ہے (بحوالہ سورہ السجدۃ: آیت ۳۰) جبکہ اِذْ جَاءَ الْبَشِیْرُ میں سورہ یوسف کی آیت ۹۶ کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک قاصد کنعان میں ٹھہرے ہوئے یعقوب علیہ السلام کو اُن کے فرزند یوسف علیہ السلام کی مصر میں بخیر و عافیت ہونے کی خوشخبری لے کر آتا ہے۔

''سماعت کی گفتار پر اہمیت'' پر زور دیتے ہوئے رومی پہلے تو یہ کہتے ہیں کہ سننا کلام تک پہنچنے کا صحیح ذریعہ ہے اور پھر وہ ایک عربی شعر تحریر کرتے ہیں:

اُدْخُلُوا الْاَبْیَاتَ مِنْ اَبْوَابِھَا　　وَاطْلُبُوا الْاَغْرَاضَ فِیْ اَسْبَابِھَا

''گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہوا کرو اور مقاصد کے حصول کے لئے صحیح راہ اختیار کرو۔''

یہ شعر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۹ میں معمولی سی تبدیلی کے ساتھ ہے۔ آیت میں قبل از اسلام حج کی کچھ عملیات پر تنقید کی گئی ہے۔

رومی کہتے ہیں کہ لافانیت (حیاتِ جاودانی) کا حصول اللہ تعالیٰ میں اپنے آپ کو گم کر دینے سے ممکن ہے:

کُلُّ شَیْءٍ ھَالِكٌ'' جز وجہِ اُو　　چوں نئیں دز وجہ او ہستی مجو

''اللہ کی ذات کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ اگر آپ نے اُس کی رضا نہیں پائی تو باقی رہنے کی کوشش مت کیجئے۔''

یہ مضمون سورۂ القصص کی آیت ۸۸ اور سورۃ الرحمٰن کی آیات ۲۶، ۲۷ سے ماخوذ ہے۔

''مثنوی'' کے پہلے دفتر سے لئے گئے مندرجہ ذیل اشعار قرآن مجید کے کسی واقعہ یا محاورہ وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

(۱) عشق جانِ طور آمد عاشقا — طور مست وَخَرَّ مُوسٰی صَعِقاً
(۲) مائدہ از آسماں شد عائدہ — چونکہ گفت اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَۃ
(۳) اَنْتَ مَوْلَی الْقَوْمِ مَنْ لَّا یشْتَھِیْ — قَدْ رَدٰی کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ
(۴) سایہ خواب آرد ترا ہمچوں سَمَرْ — چوں برآید شمس اِنْشَقَّ الْقَمَر
(۵) ایں نفس جاں دامنم برتافتہ ست — بوئے پیراہانِ یوسف تافتہ ست
(۶) بگذر از ظن خطا اے بدگماں — اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْم'' راںخواں
(۷) گر خضر در بحر کشتی راشکست — صد درستی در شکستِ خضر ہست
(۸) وہم موسیٰ با ہمہ نور و ہنر — شد از اں محجوب تو بے پَر مپَر
(۹) حرف ظرف آمد درو معنی چو آب — بحرِ معنی عِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَاب
(۱۰) بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہمعناں — درمیاں شاں بَرْزَخ'' لَّا یَبْغِیَان
(۱۱) کاش چوں اصحابِ کہف آں روح را — حفظ کردے یا چو کشتی نوح را
(۱۲) کَیْفَ مَدَّ الظِّلّ نقشِ اولیاست — گو دلیلِ نورِ خورشید خدا ہست
(۱۳) اندریں وادی مرو بے ایں دلیل — لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن گو چوں خلیل
(۱۴) شکرِ نعمت نعمت افزوں کند — کفرِ نعمت از کفت بیروں کند
(۱۵) بُو دوائے چشم باشد نور ساز — شد ز بوئے دیدہ یعقوبؑ باز
(۱۶) ناقۂ صالحؑ بصورت بُد شتر — پے بریدندش بجہل آں قوم مُر
(۱۷) ناقۂ صالحؑ چو جسمِ صالحاں — شد کمینے در ہلاکِ طالحاں
(۱۸) باز جوی و باز بین و باز یاب — از کہ از مَنْ عِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَاب
(۱۹) با ہوا و آرزو کم باش دوست — چوں یُضِلُّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہ اوست
(۲۰) یوم دیں کہ زُلْزِلَتْ زِلْزَالَھَا — ایں زماں باشد گواہِ حالہا
(۲۱) کو تُحَدِّثُ جہرتا اَخْبَارَھَا — در سخن آید زمین و خارہا
(۲۲) گفت پیغمبرؐ بیک صاحبِ ریا — صَلِّ اِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ یَا فَتٰی
(۲۳) فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اَوْقَدْتُمُوْ — اِنَّکُمْ فِی الْمَعْصِیَۃِ اِزْدَدْتُمُوْ
(۲۴) از برائے چارہ ایں خوفہا — آمد اندر ہر نمازے اِھْدِنَا

(۱) پہلا شعر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۴۳ سے متعلق ہے جس کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر ہلکی سی تجلیِ الٰہی کو دیکھتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑے۔

(۲) دوسرا شعر سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۱۴ سے متعلق ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے مطالبہ پر آسمانی مائدہ (دسترخوان) کے اتارے جانے کا ذکر ہے۔

(۳) پہلے مصرع میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کیا جا رہا ہے جبکہ دوسرا مصرع سورۃ العلق کی آیت ۱۵ سے متعلق ہے جس میں خبردار کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ گستاخیِ رسالت اور دینِ حق کی مخالفت سے باز نہ آیا تو ہم ضرور اُسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔

(۴) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور معجزہ ''شق القمر'' کا ذکر ہے جس میں آپ نے کفار کے مطالبہ پر چاند کو دو لخت کر دیا تھا اور جس کا ذکر سورۃ القمر کی اوّل آیت میں ہے۔

(۵) اس شعر میں یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی خوشبو کی طرف اشارہ ہے جسے اُنہیں والدِ محترم جناب یعقوب علیہ السلام نے تین میل کے فاصلے سے سونگھ لیا تھا (بحوالہ سورہ یوسف: آیت ۹۴)۔

(۶) بحوالہ سورۃ الحُجُرات: آیت ۱۲ جس میں فرمایا گیا کہ بعض ظن گناہ پر مبنی ہوتے ہیں۔

(۷'۸) بحوالہ سورۃ الکہف: آیت ۷۱ جس کے مطابق خضر علیہ السلام نے کشتی میں شگاف ڈال دیا تھا

(۹'۱۰) اُمُّ الكِتٰب (سورة الرّعد: ۳۹)؛ بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (الرّحمٰن: ۲۰)۔

(۱۱) پہلا مصرع سورۃ الکہف کی آیت ۹ جبکہ دوسرا مصرع سورہ ھُود کی آیت ۴۴ سے متعلق ہے۔ اوّل الذکر مصرع میں اصحابِ کہف اور الرقیم کا ذکر ہے جبکہ مؤخر الذکر مصرع میں طوفانِ نوح اور کشتیِ نوح کا ذکر ہے۔

(۱۲) پہلا مصرع سورۃ الفرقان کی آیت ۴۵ سے متعلق ہے جس میں سایہ کے دراز کئے جانے کا ذکر ہے۔

(۱۳) لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ابراہیم علیہ السلام کا فرمودہ ہے کہ ''میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا'' اور یہ سورۃ الانعام کی آیت ۷۶ کا اختتامی حصّہ ہے۔

(۱۴) سورہ ابراھیم کی آیت ۷ کا حوالہ ہے کہ شکرِ الٰہی کرنے سے نعمتوں میں لازماً اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۵) یعقوب علیہ السلام کی بینائی کے لوٹ آنے کی طرف اشارہ ہے (بحوالہ سورہ یوسف: ۹۶)۔

(۱۶'۱۷) صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورہ ھود کی آیات ۶۴'۶۵ وغیرہ میں ہوا۔

(۱۸) اُمُّ الكِتٰب (بحوالہ سورة الرّعد: ۳۹)۔

(۱۹) سورہ صٓ کی آیت ۲۶ کا حوالہ ہے جس میں داؤد علیہ السلام سے فرمایا جا رہا ہے کہ ''خواہشات کی پیروی نہ کرنا ورنہ (یہ پیروی) تمہیں راہِ خدا سے بھٹکا دے گی۔''

(۲۰'۲۱) سورۃ الزلزال کی آیات ۱ تا ۴ کا حوالہ ہے جن میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے۔

(۲۲) اس میں اُن لوگوں کو سرزنش کی گئی ہے جو عبادت نام و نمود کی خاطر اور لوگوں کی نظروں میں نیک بننے کی نیت سے کرتے ہیں۔

(۲۳) پہلے مصرع میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۴ اور سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۱ کا حوالہ ہے جن میں نارِ جہنم سے خوف دلایا جا رہا ہے۔

(۲۴) دوسرے مصرع میں سورۃ الفاتحہ کی آیت ششم کا حوالہ ہے۔

''مثنوی'' کے دوسرے دفتر میں رومی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ہم عصر جادوگروں کا حوالہ دیتے ہوئے آدمی آدمی میں واضح فرق قائم کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :

شُد عصا اندر کفِ موسیٰ عصا گوا   شُد عصا اندر کفِ ساحرھبا

''عصائے موسیٰ' موسیٰ علیہ السلام کے دستِ پاک میں آپ کی رسالت کا گواہ تھا جبکہ جادوگروں کے ہاتھ میں عصا بے کار ثابت ہوا۔''

''مثنوی'' کے دوسرے دفتر میں رومی کے قرآنی حوالہ جات حسبِ ذیل ہیں :

(۱) چوں محمد یافت آں ملک ونعیم   قُرصِ مہ را کرد اندم دونیم

اس شعر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاندار معجزہ ''شق القمر'' کا حوالہ ہے جس کا ذکر سورۃ القمر کی اوّل آیت میں ہوا۔

(۲) در کفِ داؤد کاہن گشت موم   موم چہ بود در کفِ اُوائے ظلوم

اس میں سورہ سبا کی آیت دہم کا حوالہ ہے جس کی رُو سے جناب داؤد علیہ السلام کے لوہے جیسی سخت دھات کو نرم بنا دیا گیا۔

(۳) لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ اُور الائق است   والد و مولود را اُو خالق است

سورۃ الاخلاص کی آیت سوئم کے حوالہ سے اس شعر میں اسلام کے بنیادی عقیدہ ''توحید'' کو بیان کیا جا رہا ہے۔

(۴) فِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ نشنیدہ   اندریں پستی چہ برچسفیدہ

شعر کی ابتداء میں سورۃ الذاریت کی آیت ۲۲ کے ایک حصّہ کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔

(۵) گر تو بر تمییز طفلت مولعی   ایں زماں یا اُمِّ موسیٰ اِرْضِعِیْ

اس میں سورۃ القَصَص کی آیت ۷ کا حوالہ ہے جس کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے اپنے بچے موسیٰ کو اُس وقت تک دودھ پلانا تھا جب تک اُسے مصر کے جابر و ظالم بادشاہ فرعون سے خطرہ نہ ہو

(۶) تا بظاہر مِثْلُکُمْ باشد بشر   با دل یُوحیٰ اِلَیَّ دیدہ ور

اس شعر میں سورۃ الکہف کی آیت ۱۱۰ اور سورہ السجدہ کی آیت ۶ کا حوالہ ہے جن میں پیغمبر اور عام آدمی کے درمیان ناقابلِ تسخیر فرق کو بیان کیا جارہا ہے۔

رومی کا قرآنی آیات ومحاورات وتراکیب کو اپنی شاعری میں داخل کرنے کی چند اور مثالیں ''مثنوی'' کے دفتر سوم اور چہارم سے لی گئی ہیں جوحسب ذیل ہیں :

(۱) بعد ازاں یَمْشِیْ سَوِیًّا مُّسْتَقِیْم   نے علیٰ وجْہِہٖ اَوْ سَقِیْمْ

اس شعر میں سورۃ المُلک کی آیت ۲۲ کا حوالہ ہے جس میں فرمایا جارہا ہے کہ کیا وہ شخص جو منہ کے بل اوندھا چل رہا ہے' زیادہ راہِ راست پر ہے یا وہ شخص جو سیدھی حالت میں صحیح راہ پر گامزن ہے؟

(۲) کُلُّ اِصْبَاحٍ لَنَا شَان'' جَدِیْد   کُلُّ شَیْءٍ مِنْ مُرَادِیْ لَا یَحِیْد

''پہلا مصرع ڈھالا ہوا ہے اور اس میں سورہ رحمٰن کی آیت ۲۹ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز تحرک بخشنے والی قوّت اور تغیر پذیر ہے جبکہ دوسرا مصرع میں سورۃ الرَّعْد کی آیت ۴۱ کا حوالہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو کوئی بھی ٹالنے والا نہیں ہے۔

(۳) امر غُضُّوا غَضَّۃَ اَبْصَارِکُمْ   ہم شنیدی راست ننہادی تو کم

کچھ ترمیم کے ساتھ اس میں سورۃ النور کی آیت ۳۰ کا حوالہ ہے جس میں مومنین کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

(۴) نور ایں دانی کہ حیواں دید ہم   پس چہ کرَّمْنا بود بر آدم

اس میں سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۷۰ کا حوالہ ہے جس کے مطابق بنی آدم کو تمام مخلوقات پر فضیلت دیے جانے کا ذکر ہے۔

(۵) گفت لَاتَاْسَوْا عَلیٰ مَافَاتَکُمْ   اِنْ اَتَی السَّرْحَانُ وَاَرْدیٰ شَاتَکُمْ

اس کے پہلے مصرع میں سورۃ الحدید کی آیت ۲۳ کا حوالہ ہے کہ اُس چیز پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اُس چیز پر نہ اِتراؤ جو اللہ نے تمہیں عطا کی۔

(۶) اندر اَلْھٰکُمْ بیان ایں ببیں   کہ شود علمُ الیقیں' عین الیقیں

اس شعر میں سورۃ التکاثر (۱۰۲) کی آیات ۱، ۵ اور ۷ کا حوالہ ہے کہ تمہیں کثرتِ مال کی ہوس اور فخر نے آخرت سے غافل کر دیا۔ کاش تم مال و زر کی ہوس اور اپنی غفلت کے انجام کو یقینی علم کے ساتھ جانتے تو دنیا میں کھو کر آخرت کو اس طرح نہ بھولتے، پھر تم اُسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔

(۷) اِئْتِيَا كَرْهًا مُہارِ عاقلاں	اِئْتِيَا طَوْعًا مُہارِ بیدلاں

اس میں سورہ فُصِّلَتْ (حٰم السجدہ) کی آیت ۱۱ کا حوالہ ہے جس میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے آسمانی کرّوں سے اور زمین سے فرمایا کہ خواہ باہم کشش و رغبت سے یا ناگواری سے (ہمارے نظام کے تابع) آ جاؤ تو دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۱) گر ز قرآں نقل خواہی اے حروں	خواں جَمِيعٌ هُمْ لَدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ

(۲) مُحْضَرُوْن معدوم نبود نیک بیں	تا بقائے روحہا دانی یقیں

جَمِيعٌ هُمْ لَدَيْنَا مُحْضَرُوْن میں سورہ یٰسٓ کی آیت ۳۲ کا حوالہ ہے کہ وہ سب کے سب ہمارے حضور پیش کئے جائیں گے۔

(۳) ہیں قُمِ اللّیل کہ شمعی اے ہمام	شمع دایم شب بُوَد اندر قیام

خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے اور حوالہ سورۃ المزّمّل (۷۳) کی آیت دوم کا ہے۔

(۴) تیرہ کردی زنگ دادی درنہاد	ایں بُوَد يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَاد

اس شعر میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ سورۃ المائدۃ کی آیت ۳۳ کا حوالہ ہے جس میں زمین میں فساد انگیزوں کو ہولناک انجام سے ڈرایا جا رہا ہے۔

(۵) اوست بر ہر بادشاہے بادشاہ	حکم اورا يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاء

پہلے مصرع میں سورۃ التین کی آیت ۵ کا، جبکہ دوسرے مصرع میں سورۃ ابراھیم کے آخر کا اور سورۃ الحج کی آیت ۱۸ کے آخر کا حوالہ ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی بلا شرکتِ غیرے شہنشاہیتِ مطلقہ کا بیان ہو رہا ہے۔

(۶) ہست ایں رااِيَّاكَ نَعْبُدُ حصر را	در لغت داں از پے نفی ریا

(۷) ہست اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم بہر حصر را	حصر کردہ استعانت را وقصر

اِن دونوں اشعار میں سورۃ الفاتحہ کی آیت پنجم کا حوالہ ہے جس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور صرف اُسی سے مدد طلب کرنے کا اقرار کیا جا رہا ہے۔

قرآن مجید کی مختلف آیات کو یکجا کرنے سے رومی کی ''مثنوی'' بعض اوقات قرآن مجید کی غیر روایتی تاویل پیش کرتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا جناب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں اور میدانِ کارزار میں اُن کی شجاعت و بہادری کے بیان میں ہمیں ''مثنوی'' کے دفتر سوم میں درج ذیل سوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

نَے تو لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی   تَھْلُکَۃ خواندی زپیغام خدا

''کیا تم نے اس آیت کو نہیں پڑھا کہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' (البقرۃ:۱۹۵)

کچھ سطور آگے رومی اِسی لفظ تَھْلُکَۃ کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا تعلق سورہ آلِ عِمران کی آیت ۱۳۳ سے جوڑتے ہیں:

آنکہ مُردن پیش چشمش تہلکہ است   امر لَا تُلْقُوْا بگیرد اُو بدست

آنکہ مُردن پیش او شد فتحیاب   سَارِعُوْا آید مرادرا او خطاب

''جو شخص موت کو دائمی زندگی کا کھلا در سمجھتا ہے' وہی اس آیت کا مخاطب ہے کہ ''ایک دوسرے سے (اپنے رب کی بخشش طلب کرنے میں) آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو۔''

رومی اپنے قارئین کو یہ یقین دلاتے ہوئے قرآن کی طرف بار بار لاتے ہیں کہ اُن کا تعلق قرآن سے کبھی نہیں ٹوٹے گا خواہ وہ تعلق فکری لحاظ سے ہو یا لسانی لحاظ سے۔

فارسی زبان کی بیانیہ نظمیں روایتی طور پر ''حمد'' کی کئی سطور سے شروع ہوتی ہیں جن میں باری تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی گئی ہے۔ دراصل یہ بات بھی اہم ہے کہ فارسی متون کو ''بسملہ'' (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سے شروع کیا جاتا تھا جس کا ماخذ قرآن مجید ہے۔ نظامی نے ''بسملہ'' کی اس روایت کو متن کے اوپر لکھنے کا رواج دیا اور اس روایت کا بعد میں آنے والے شعراء نے تتبع کیا۔ بعض شعراء نے اس کے ساتھ ساتھ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعتِ مبارکہ کو بھی اپنے کلام میں رواج دیا۔

فارسی شاعری میں لفظ ''قرآن'' کثیر الوقوع ہے اگرچہ اس کی طرزِ ادائیگی فارسی طرز پر ہے۔ شعراء حضرات اکثر قرآن مجید کے مخصوص اشعار کا اپنے کلام میں حوالہ دیتے ہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ ''بوستان'' میں فرماتے ہیں:

بسا کس بِرَوز آیتِ صلح خواند   درو شب آمد سپاہ برسرِ خفتہ رَند

''بہت سے لوگ دن کے وقت ''آیتِ صلح'' پڑھتے ہیں لیکن رات کی آمد پر وہ سوتے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔''

اس شعر میں اشارہ سورۃ الحُجرات کی آیت ۱۰ اور سورۃ النساء کی آیت ۱۲۸ کا ہے۔

ناصر خسرو نے "آیتِ بیعت" کے حوالے سے سورۃ الفتح کی آیات ۱۰ اور ۱۸ کو درج ذیل شعر میں سمو دیا ہے:

یک روزہ بخواندم زِ قرآن آیت بیعت   کایزد بہ قرآن گفت کہ بدست من از بر

"ایک دن میری نظر سے قرآن مجید کی آیتِ بیعت گزری کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے کہا کہ (اے حبیب! بیعت کے وقت) میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے اوپر تھا۔"

سورۃ التوبہ کی آیت ۴۰ کے حوالہ سے "یارِ غار" کی ترکیب کو بھی فارسی شاعری میں استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ اقدس ہے جبکہ آپ ہجرت کے موقع پر آنجناب ﷺ کی مصاحبت میں تھے اور غارِ ثور میں پناہ گزیں تھے۔ مثالی دوستی کے بیان میں اس ترکیب کو ضرب المثل کے طور پر فارسی شاعری میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ فارسی شاعر صنائی پہلا شاعر ہے جس نے اپنی شاعری میں کافی حد تک قرآنی حوالہ جات کو سمویا ہے۔ معراجِ نبوی کی بحث کے سیاق میں اُس نے سورۃ الاسراء کی اوّل آیت اور سورۃ النجم کی سترھویں آیت کا سہارا لیا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے "گلستان" میں قرآن وحدیث سے چالیس سے زیادہ مرتبہ استشہاد کیا ہے اور یہ استدلال پیش کیا ہے کہ "قرآن مجید کے نزول کا مقصد عمدہ کردار کا حصول ہے نہ کہ تحریر شدہ الفاظ کی تلاوت کرتے رہنا۔" ("انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن" طبع لیڈن، جلد چہارم، صفحات ۶۴، ۶۵)

"فارسی لٹریچر میں قرآن مجید کے رسمی نمایاں اوصاف اور نقش گری: متمیز، نمایاں خیالات اور خاکوں کو تشبیہات کے تتمہ کے طور پر فارسی لٹریچر میں بالعموم استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً نظامی کا مجنون اپنے آپ کو "کوثر" کی طرح رواں دواں دریاؤں کے ایک باغ میں پاتا ہے جو سورۃ الکوثر میں بیان شدہ "کوثر" کی یاد دلاتا ہے۔ نظامی کا اپنے "اسکندر نامہ" میں اسکندر کی خاکہ کشی قرآن مجید کے ذوالقرنین (بحوالہ سورۃ الکھف: آیت ۸۳) کو بطور محقق یا فاتح کی یاد دلاتی ہے۔ فارسی شاعری میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کا ماخذ قرآن مجید اور اس کی تفسیر، "قصص الانبیاء" کا لٹریچر اور عربی شاعری ہے۔"

"پانچویں صدی ہجری / گیارھویں صدی عیسوی کی فارسی قصیدہ گوئی میں انبیاء علیہم السلام کا شاذ و نادر ذکر ہے سوائے ناصر خسرو کی شاعری کے جس میں اُس نے حضرت علی کرّم اللہ وجھہ، اور فاطمی اماموں کی مدح سرائی کی ہے اور اُس میں حکایاتِ پیغمبراں کے حوالہ جات ہیں۔ عربی "قصص الانبیاء" کی صنف میں فارسی نقالی بالعموم ہے جن میں سے زیادہ ہر دلعزیز ابو اسحاق ابراہیم نیشاپوری کا نثری کلام ہے اگرچہ اس میں کچھ اشعار بھی ہیں۔ اس زمانہ کی تمام کی تمام نظمیں کسی ایک پیغمبر (مثلاً موسیٰ علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام وغیرہ) سے منسوب ہیں۔"

(3) قرآن مجید پنجابی لٹریچر میں: پنجابی صوفی لٹریچر قرآن مجید کے اثرات کے واضح، غیر مبہم علامات

کا مظہر ہے۔روز مرہ کے واقعات اور مناظر کی خاکہ کشی کرتے ہوئے اور عام زمینی زبان استعمال کرتے ہوئے ایک عظیم لیکن ناخواندہ سامعین سے خطاب میں مسلم صوفیاء صاف دل کے ساتھ خدائے قدوس کی عبادت' سادہ اور ایماندارانہ زندگی گزارنے' خشک کتابوں سے حاصل شدہ عقلمندی کی نسبت ارفع واعلیٰ چیزوں سے عقلمندی کے حاصل کرنے' خالی خولی رسم ورواج کے چھوڑنے' غرور وتکبر' حرص اور منافقت کے ترک کرنے پر زور دیتے ہیں اور یہ کہ لوگ موت اور یوم الحساب کو یاد رکھیں۔ یہ اسلام کے وسیع المفہوم موضوعات ہیں لیکن بہت سے مقامات پر ان کی قرآنی بنیاد قطعی اور حتمی ہے جیسا کہ اہم صوفیاء شعراء کے کلام کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا۔''

''بابا بلھے شاہ (م ۱۱۷۲ھ/۱۷۵۸ء) ایک نظم میں اس بات پر حیران ہیں کہ لوگ اللہ کی ذات پر کیوں جھگڑا کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ اُن کے قریب ہے جس میں سورہ ق کی آیت ۱۶ کا واضح حوالہ ہے۔ایک سے زیادہ مقام پر بلھے شاہ کہتے ہیں کہ ہر ایک کو عربی حروف تہجی کے پہلے حرف اور الٰہی نام ''اللہ'' کے پہلے حرف کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔قرآن مجید میں اصولِ الٰہیت کی مرکزیت کو اجاگر کرنے کا یہ سادہ اور ڈرامائی انداز ہے۔لفظ ''اللہ'' کا قرآن مجید میں انتہائی کثیر الوقوع ذکر ہے۔

''نصیحت اور راہنمائی ایک دائمی معصیت پیشہ شخص پر کوئی اثر نہیں کرتے۔سلطان باہو (م ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء) کہتے ہیں کہ بارش کسی سنگدل پر کوئی اثر نہیں کرے گی جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۴ کی یاد دلاتی ہے اور مزید برآں یہ کہ پتھر اُس دل سے بہتر ہے جو خدا کو بھول چکا ہے اور اس میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۴ کا حوالہ ہے۔''

''بابا فرید (۵۶۹۔۶۶۵ھ/۱۱۷۳۔۱۲۶۶ء) کہتے ہیں کہ جس شخص کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہو تو دانشمندی کے الفاظ اور عمدہ سے عمدہ نصیحت بھی اُس پر کچھ اثر نہیں کر پائیں گے اور اس میں سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۶ اور ۱۷ کی طرف اشارہ ہے (اور غالباً سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۵ اور سورۃ المجادلہ کی آیت ۱۹ کی طرف بھی)۔''

''شاہ حسین (م ۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء) کے دنیا کی عارضی فطرت پر اور دنیاوی مسرتوں پر کثیر الوقوع حوالہ جات اپنے اصل میں قرآنی ہیں۔کچھ مقامات پر پنجابی صوفی شعراء مختصر قرآنی محاورات کو خواہ اصل عربی متن میں ہوں یا ترجمہ میں ہوں' بیان کرتے ہیں۔ان شعراء کا محتاط قاری بالخصوص سلطان باہو کا قاری' نفسِ مضمون میں بھی اور لسانی سطح پر بھی پنجابی لٹریچر پر قرآنی اثر کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' (ایضاً' جلد سوئم)

(4) ''قرآنِ حکیم اردو لٹریچر میں: فارسی زبان کی نسبت اردو زبان جواں سال زبان ہے' جس کا باقاعدہ ادبی سفرِ حیات اٹھارویں صدی عیسوی کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے۔بھارت کے مغلوں کی درباری زبان کے طور پر اردو زبان فارسی زبان کے بعد آئی اور وہ مخصوص حالات کے تحت پروان چڑھتی رہی۔دینی اور

اخلاقی جائزے نے اردو کے تشکیلی پہلو پر زبردست اثر ڈالا۔ دراصل اردو کی بطورِ زبان ارتقاء کی تاریخ کا ہندوستان کی اسلامی اصلاحی تحریک کے ساتھ مربوط تعلق ہے۔ اس وسیع اصلاحی تحریک میں کچھ ہستیاں جن کی تحریروں نے اردو کو بطور ادبی زبان کے پروان چڑھانے میں خاص کردار ادا کیا' قرآن مجید کے پہلے اردو مترجمین ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳۔۱۷۶۳) کے فرزندان شاہ رفیع الدین (۱۷۵۰۔۱۸۱۸ء) اور شاہ عبدالقادر (۱۷۵۳۔۱۸۱۳ء)' علیگڑھ تحریک کے بانی سید احمد خاں (۱۸۱۷۔۱۸۹۸ء)' بہت سے سبق آموز ناولوں (جن میں سے ایک ''توبۃ النصوح'' ہے جس کا عنوان سورۃ التحریم کی آیت ۸ سے ماخوذ ہے) کے مصنف ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۱۔۱۹۱۲ء) اور مشہور و معروف نظم ''مدّ و جزر اسلام'' کے مصنف مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷۔۱۹۱۴) کی تحریریں اسلام اور قرآنی نفسِ مضمون کے ساتھ والہانہ وابستگی کی غماز ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے صوفی شاعر خواجہ میر درد (۱۷۲۱۔۱۷۸۵ء) دنیا کے عارضی وجود کی گہری فکر میں ہیں اور بیسویں صدی کے مصلح ابوالکلام آزاد جو اپنے ماہرانہ نثر پاروں میں اپنے دلائل کی حمایت میں اکثر و بیشتر قرآنی حوالہ جات دیتے ہیں اور مسلمانوں کو اپنے فکر و عمل کی بنیاد قرآن پر رکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔''

''قرآن مجید کے حوالہ جات اور اشارات کا آمنا سامنا اردو لٹریچر کے ہر انداز میں پایا جاتا ہے۔ میر حسن (م ۱۷۸۶ء) کی مشہور مثنوی ''سحر البیان'' میں بچہ بادشاہ کو اپنے درباریوں کی جانب سے راہب (تارک الدنیا) بننے سے روکا جاتا ہے۔ وہ اُسے سورۃ الزُّمر (۳۹) کی آیت ۵۳ میں شامل الٰہی حکم کہ ''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوؤ'' کی یاددہانی کراتے ہیں۔''

ایک قصیدہ میں سودا سورۃ النمل میں مذکور سلیمان علیہ السلام اور چیونٹیوں سے متعلق واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک حکمران کی حد درجہ مدح وستائش کرتا ہے۔ ایک غزل میں ابراہیم ذوق (۱۷۹۰۔۱۸۵۴) کہتے ہیں: ''جو شخص دنیا سے محبت کرنے والا کتا نہیں پایا جاتا تو اُس جیسا فرشتوں میں بھی نہیں پایا جائے گا۔'' جس میں اشارہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۶ کا ہے جس میں کتے کی مثال دی گئی کہ اگر تو اُس پر سختی کرے تو وہ زبان نکال دے یا تو اُسے چھوڑ دے' تب بھی زبان نکالے رہے۔ ایک اور شعر میں ذوق کہتے ہیں کہ شیر یا چیتے کو مارنا اتنا عظیم کارنامہ نہیں جتنا کہ نفسِ امارہ کو مارنا ہے اور اس میں سورہ یوسف کی آیت ۵۳ کا حوالہ ہے۔

مرزا غالب (م ۱۸۶۸) نے اپنی شاعری میں کچھ قرآنی حوالہ جات دئے ہیں جن میں سے اکثر خوش طبعی پر بنی ہیں۔ ایک جگہ وہ کہتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے اپنا جلوہ کوہِ سینائی پر دکھایا تو موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے' مرزا از راہِ تنفر یا قنوطیت کہتا ہے کہ مے نوش کو اتنی ہی شراب دی جائے جسے وہ ہوش و حواس گم کئے بغیر لے سکتا ہو۔ وہ اپنے غم بھرے دل کا موازنہ یوسف علیہ السلام کے سنگین قید خانہ سے کرتا ہے جس میں اشارہ سورہ یوسف کا ہے۔ غالب کا ایک شعر اس طرح ہے :

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے　　سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لئے

اس شعر میں سورہ لقمٰن کی آیت ۲۷ کا حوالہ ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تعریف کما حقہٗ نہیں کی جاسکتی اگرچہ دنیا کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سات سمندر روشنائی بن جائیں۔ چند اشعار میں مرزا غالب قرآنی آیات کو لفظ بہ لفظ بیان کر دیتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی اپنے دو اشعار میں قرآنی آیات کا حوالہ دیتا ہے جس میں پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں سورۃ المزمل کی آیت ۵ کا جبکہ دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۷۳ کا حوالہ ہے۔ دونوں اشعار میں معمولی سی تبدیلی کی گئی ہے :

لیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ　　سَنُلْقِیْ عَلَیہِم عَذابًا ثَقِیلاً
نظیر اُس کے فضل وکرم پر نظر رکھ　　فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

شاہی خاندان کی زنانِ مصر کی حکایت کو مدنظر رکھتے ہوئے جیسا کہ سورہ یوسف میں اس کا بیان ہوا، امام احمد رضا خاں بریلوی آف انڈیا (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے آپ کی منقبت سرائی اس طرح کرتے ہیں:

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

اس شعر میں حسنِ موازنہ ومقابلہ ملاحظہ ہو:

حُسنِ یوسف بمقابلہ تیرا نام　　انگشت بمقابلہ سر
زنان بمقابلہ مردان　　مصر بمقابلہ عرب

ایک اور مقام پر امامِ موصوف نبی علیہ السلام کے منصبِ عالی کو قرآن کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے　　یہ گھٹائیں، اُسے منظور بڑھانا تیرا
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا سایہ ہے تجھ پر　　بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا تیرا
مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعداء تیرے　　نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے، نہ گھٹے　　جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

تاہم محمد اقبال (م ۱۹۳۸ء) کی فارسی اور اردو دونوں زبانوں کی شاعری قرآن مجید کی گہری چھاپ کی حامل ہے۔ یہاں اُن کی اردو شاعری زیرِ بحث لائی جائے گی۔ آپ کے بہت سے اشعار

آیاتِ قرآنی سے ڈھالے گئے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اقبال نے ایک سچے مسلمان کی کچھ خوبیاں درج ذیل شعر میں بیان کی ہیں:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

یہی مضمون اُن کے درج ذیل شعر میں آیا ہے جو اردو کے ادبی حلقوں میں جانا پہچانا ہے:

اگر ہو رزم تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر   اگر ہو بزم تو رعنا غزالِ تاتاری

یہ دونوں اشعار سورۃ الفتح کی آیت ۲۹ کی یاد دلاتے ہیں جس میں مؤمن کی خصوصیات کو أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ الانبیاء کی آیات ۶۸، ۶۹ کے حوالہ سے جن کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کو اُس وقت کے بادشاہ نمرود کے حکم سے جلتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا، اقبال ایک سوال کرتے ہوئے اسلام کو درپیش مسائل کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

آگ ہے، ابراہیم ہے، نمرود ہے   کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

سورۃ الکہف کی آیت ۶۵ کے حوالہ سے خضر علیہ السلام سے متعلق اقبال اپنی نظم میں کائنات میں موجود الٰہی سربستہ رازوں کے متعلق یوں بات کرتے ہیں:

کشتیِ مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم   علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں تین دوہری تراکیب ہیں جو سورۃ الکہف کی آیات ۷۱ تا ۸۲ میں بیان شدہ غیر معمولی واقعات کا حوالہ ہیں اور جن کا مشاہدہ حیرت زدہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی مصاحبت میں کیا۔

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۹۸ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اقبال عربی کے الفاظ ''نظر'' اور ''بصر'' کے درمیان فرق قائم کرتے ہیں اگر لغوی لحاظ سے دونوں الفاظ کا ایک ہی معنیٰ ہے:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب   کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

رجائیت کا شاعر ہونے کے لحاظ سے اقبال اکثر اپنے خیالات کو قرآن مجید سے اخذ کرتے ہیں جو فی الحقیقت امید اور نجات کا مینارِ نور ہے۔ اقبال اپنے آپ کو قنوطیت و ناامیدی کے عفریت کے چنگل میں پھنسنے نہیں دیتے کہ اس طرح وہ تاریکیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں۔

۳۴۲۱ (لٹریچر اور قرآن مجید)

اقبال کا مندرجہ ذیل شعر رب تعالیٰ کی بے پایاں اور لامحدود رحمت کی یاد دلاتا ہے جس کا ذکر سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۵، سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۶، سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۰۴، سورۃ الزمر کی آیت ۵۳، اور سورۃ المؤمن کی آیت ۷ اور سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۵ میں ہوا:

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی　　مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

قرآن مجید کے اسی رجائیت پسند پیغام سے تحریک پاتے ہوئے اقبال اپنی قوم کو خوابِ غفلت سے جگاتے ہیں، اُسے عمل و فعل کی تحریک دیتے ہیں تاکہ وہ سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۹ میں بیان شدہ وعدہ خداوندی (غلبہ تم ہی کو ہوگا اگر تم صاحبِ ایمان ہوئے) پر کامل، غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوئے ترقی کر کے وقت کے حالات کا مقابلہ کر سکیں۔ سورہ یونس کی آیت ۱۰۳ میں بھی یہی کہا گیا کہ یہ بات ہمارے ذمہ کرم پر ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچالیں۔ اقبال کے ذیل کے شعر اسی قرآنی پیغام کے عکاس ہیں:

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا　　ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو　　خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

اقبال کی نظم ''طلوعِ اسلام'' کے مندرجہ ذیل شعر درج بالا اشعار کا تتمہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں سورۃ الاحزاب کی آیت ۷۲ کی بھی یاد دہانی کراتے ہیں جس کے مطابق انسان نے بخوشی الٰہی امانت کو اٹھالیا جس کے اٹھانے سے عظیم الہیبت پہاڑوں، آسمانوں اور زمین نے انکار کر دیا کہ کہیں عدمِ تعمیل میں گستاخی نہ ہو جائے:

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے　　یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی　　ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی مکیں آنی ازل تیرا ابد تیرا　　خدا کا آخری پیغام تو ہے، جاوداں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا　　تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے
ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی　　نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

''اللہ اکبر'' ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہ'' (سورہ یوسف: ۶۷) اور ''هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ'' (سورۃ الکھف: ۴۴) کی اقبال نے نقشہ کشی اس طرح کی ہے:

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے　　حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

''بتانِ آذری'' میں سورۃ الانعام کی آیت ۷۴ کا حوالہ ہے اور ''آذر'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بت پرست چچا کا نام ہے۔

اُن لوگوں کے خلاف جنہوں نے اپنی دنیاوی خواہشات اور سفلی جذبات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے' (سورۃ الفرقان: ۴۳ ؛ سورۃ الجاثیۃ: ۲۳) قرآنی نفرت کا اشارہ کرتے ہوئے اقبال اپنے اُن مسلمان بھائیوں کو سرزنش کرتے ہیں جو صراطِ مستقیم کی پٹڑی سے نیچے اتر گئے ہیں :

زباں سے کر گیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل! بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

اقبال کے مندرجہ ذیل شعر سے سورۃ النحل کی آیت ۴ اور سورہ یٰس کی آیت ۷۷ کی خوشبو آتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ ''اُسی نے انسان کو ایک تولیدی قطرہ سے پیدا فرمایا' پھر بھی وہ (اللہ کے حضور مطیع ہونے کی بجائے) کھلا جھگڑالو بن گیا۔''

نقش ہوں اپنے مصوّر سے گلا رکھتا ہوں میں — مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا

اِسی طرح مشہور قرآنی آیت کہ ''ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے'' (آلِ عمران: ۱۸۵؛ سورۃ الانبیاء: ۳۵) کو اقبال نے اس طرح منظوم کیا ہے :

رُعبِ فغفوری ہو دنیا میں کہ شانِ قیصری — ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی
بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور — جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

بعض اوقات اقبال ایک ہی شعر میں ایک سے زیادہ قرآنی آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً درج ذیل شعر کا پہلا مصرعہ ملاحظہ ہو جو سورۃ الحجرات (۴۹) کی آیت ۱۳ کے مضمون کو جبکہ دوسرا مصرعہ سورۃ الاعراف (۷) کی آیت ۱۸۳ اور سورۃ البروج (۸۵) کی آیت ۱۲ کے مضمون کو شامل ہے:

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے — حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

''سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳ (تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ خدا خوفی رکھتا ہے) میں خطاب نہ صرف مسلم سماج سے ہے بلکہ تمام نوعِ انسانی سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نوعِ انسانی مادر' پدر کے ایک ہی جوڑے سے پیدا ہوئی ہے۔ اُن کے قبیلے' نسلیں اور قومیں پہچان کی آسان علامات ہیں جن کے ذریعے کچھ مختلف خصائص معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سب ایک ہیں اور اللہ کے حضور وہ شخص زیادہ معزز ہے جو خدا خوف ہے۔''

''یہ حقیقت ذات پات کے نظام پر ضربِ کاری ہے جس کے مطابق تمام انسان مساوات کی بنیاد پر پیدا نہیں کئے گئے بلکہ روحانی ارتقاء کے مختلف مراحل میں پیدا ہوئے ہیں۔ قدیم ہندو عقیدہ یہ ہے کہ اُس کے تمام دیوتاؤں نے ایک ایسی سماجی حالت کا فیصلہ کیا ہے جس کی چوٹی پر برہمن اپنے تمام حقوق و مراعات کے ساتھ بیٹھا ہے' برہمن کے نیچے

درجہ بدرجہ تین سے چار ہزار گھٹیا ذاتیں ہیں جن میں سے ہر ایک ناگزیر حد تک کارزارِ حیات میں اسی ذات پات کے بندھن میں جکڑی ہوئی ہیں۔ اُن کے نیچے لاکھوں بے چارے' بے بس اور نا امید انسان لوٹنیاں لگا رہے ہیں۔ نوعِ انسانی ایسی گھٹیا پیدا ہوئی ہے کہ اُنہیں کسی قسم کے حقوق حاصل نہیں اور اُن کا سایہ جس چیز پر بھی پڑ جائے' اُسے پلید کر دیتا ہے۔ ایک جدید غیر مسلم فلسفی کے الفاظ میں ''جلد کی رنگت کی کوئی اہمیت نہیں' دل کی عمدگی ہی سب کچھ ہے۔ نسلی یا قومی علامت کا کوئی مقام نہیں بلکہ کردار ہی کا بہر صورت مقام ہے۔'' (تفسیر ماجدی انگریزی' ص ۵۱۸ سی' نوٹ ۳۹۹)

معلوم ہوا کہ خالقِ کائنات نے انسانی آبادی کی تقسیم صرف دو ہی طبقوں میں رکھی ہے: متقی اور غیر متقی۔ اس کے علاوہ اس کے ہاں حقیقی تقسیم نہ امیر و غریب کی ہے' نہ نسلی شریف و نسلی ذلیل کی' نہ گورے اور کالے کی بلکہ صرف متقی اور غیر متقی کی۔ نسل پرستی' قوم پرستی' رنگ پرستی جس میں جاہلیتِ قدیم سے لے کر جاہلیتِ جدید تک ساری قومیں مبتلا رہی ہیں' اُن پر پوری ضربِ کاری سورۃ الحُجُرات کی اس آیت ۱۳ نے لگا دی ہے۔ خَلَقْنٰکُمْ اور جَعَلْنٰکُمْ کے دونوں لفظوں سے صاف طور پر اشارہ اس طرف کر دیا کہ یہ تو جو کچھ کیا' ہم نے کیا ہے۔ ذرا ہوش گوش کے ناخن لو' اس میں تمہارے امتیاز و افتخار کا کون سا پہلو کارفرما ہے؟

اقبالؔ کے درجِ ذیل دو اشعار میں سے ہر شعر میں دو جدا جدا واقعات کی طرف اشارہ ہے جن کا تعلق تاریخ کے دو مختلف ادوار سے ہے۔ پہلا شعر سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے واقعہ سے مربوط ہے جبکہ دوسرا شعر موسیٰ علیہ السلام کے دور سے متعلق ہے:۔

سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیہ اِنَّ الْمُلُوْكَ
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں

اقبالؔ کے نزدیک جس طرح دونوں معجزاتِ موسوی (عصا اور ید بیضا) جسمانی قوّت اور روحانی بصیرت (پیش بینی) کی اہمیت پر استدلالی قوّت ہیں' اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا بہ موقع معراج خلا اور ناقابلِ تصوّر بلندیوں میں سے گزر جانا بھی رب تعالیٰ کی طرف سے دوہرے عطیہ کو شامل ہے: ایک تو انسان کو لامحدود طاقتوں کا مالک بنا دینا اور دوسرے تسخیرِ خلا کی پیش گوئی کرنا۔ اس سلسلہ میں اقبالؔ کہتے ہیں :

کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے

بعض اوقات اقبالؔ تاریخ نگاری کی طرف لپک جاتے ہیں تاکہ وہ اپنے لوگوں کو اُن اقوامِ ماضیہ کی

بدنصیبی کی تصویر دکھا سکیں جن کا ہیبت ناک انجام اُن کی بدعملیوں اور فسق و فجور کا نتیجہ تھا۔ اقبالؔ کے درج ذیل اشعار سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۱ اور سورۃ الدُّخان کی آیات ۲۵ تا ۲۹ کی منہ بولتی تصویر ہیں:

مصر و بابل مٹ گئے' باقی نشاں تک بھی نہیں — دفترِ ہستی میں اُن کی داستاں تک بھی نہیں
آ دبایا مہرِ ایراں کو اجل کی شام نے — عظمتِ یونان وژوما لوٹ لی ایام نے

اقبالؔ کا ایمان ہے کہ صرف کام اور جُہدِ مسلسل ہی فرد اور قوم دونوں کی کامیابی و کامرانی کے ضامن عوامل ہیں جس کے بغیر کسی فوز و فلاح کی آرزو کرنا نادانی اور بچگانہ بات ہے۔ یہ بات اُنہوں نے سورۃ النجم (۵۳) کی آیت ۳۹ کی موافقت میں کی ہے:

زندگی جُہد است' استحقاق نیست — جُز بعلم انفس و آفاق نیست

قدیم یونانی فلسفہ کے برعکس قرآن کا یہ بیان ہے کہ کائنات تغیر پذیر ہے اور ہمیشہ تخلیقی ارتقاء میں ہے جیسا کہ سورہ الرحمٰن کی آیت ۲۹ میں بیان ہوا: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے)۔ اسی قرآنی نظریہ کو اقبالؔ نے اس شعر میں بیان کیا ہے:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید — کہ آرہی ہے دمادم صدائے کُن فَیَکُوْن

کائنات کی تغیر پذیری اور ہمیشہ تخلیقی ارتقاء میں رہنے کو سمجھنے کے لئے سورہ یٰسٓ کی آیت ۸۲ کا یہاں حوالہ دیا جاتا ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ' إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهُ' كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

''اُس کا امرِ تخلیق صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا فرمانا چاہتا ہے تو اُسے فرماتا ہے ہو جا پس وہ فوراً (موجود یا ظاہر) ہو جاتی ہے (اور ہوتی چلی جاتی ہے)۔'' (۳۶:۸۲)

یعنی اُس کی تخلیق زمان و وسائل اور آلات اور کسی قسم کی شرائط کی محتاج نہیں۔ وجود اُس کی رضا' منصوبے یا ارادے کا منتظر رہتا ہے۔ جس گھڑی وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو یہ اُس کا حکم بن جاتا ہے اور وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے۔

یہاں قرآنی کلمات کُنْ اور فَیَکُوْنُ غور طلب ہیں۔ کُنْ فعلِ امر ہے بمعنی ''کسی چیز کو نیست سے ہست میں لانے کا ارادہ کرنا''۔ اُس کی قدرتِ مطلقہ کے تحت اُس کے ارادہ کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ چیز چشم زدن میں معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ فَیَکُوْنُ فعلِ مضارع ہے جس میں اصولی طور پر فعلِ حال اور فعلِ مستقبل کے دونوں زمانے

شامل ہوتے ہیں اور کسی فعل میں دو زمانوں کی موجودگی اُس فعل کے تسلسل اور دائمیت (ہمیشگی) کی مظہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی چیز کے معرضِ وجود میں آچکنے کے بعد تخلیق کا عمل رک نہیں جاتا بلکہ وہ لامحدودیت اور عدم اختتام تک چلا جاتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر ہر معدوم شے اپنا وجود رضائے الٰہی کے تحت پاتی ہے اور پھر جیسے اور جس طرح بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہ اپنے تخلیقی مراحل میں سے گزرتی چلی جاتی ہے۔ اور اسی حقیقت کو اقبالؔ نے اپنے شعر (یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید۔۔۔) میں بیان کیا ہے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔

آئن سٹائن کے نظریہ اِضافیت (Einstein's Theory of Relativity) سے اتفاق کرتے ہوئے اقبالؔ نے درجِ ذیل اشعار میں کائنات کے تغیر پذیر ہونے کے نظریہ کو بیان کیا ہے :۔

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات — تڑپتا ہے ہر ذرّۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود — کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی — فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
دمادم رواں ہے یمِ زندگی — ہر اک شے سے ہے پیدا رمِ زندگی

اقبالؔ کے درجِ ذیل شعر میں سورہ الم السجدہ کی اِس آیت ۱۶ کا اشارہ ملتا ہے :

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ٥

''اپنے پالنہار کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہوئے اُن کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دے رکھا ہے، اُس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں''۔ (۱۶ : ۳۲)

اسی مضمون کو سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۷ کے آخر، سورۃ الزُّمر کی آیت ۹ اور سورۃ الذاریات کی آیات ۱۷، ۱۸ میں بیان کیا گیا ہے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو کہ غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی ☆

اقبالؔ قرآن مجید سے بہت سی اصطلاحات و محاورات مستعار لیتے ہیں یا اُنہیں اپنے الفاظ میں ڈھال لیتے ہیں لیکن اُن کے کلام میں یہ اصطلاحات و محاورات فکرِ اقبال کے لازمی ہتھیار ہیں۔ مثلاً کس خوبصورتی اور عمدگی سے اقبالؔ نے کلمہ طیبہ کے دُوررس مثبت اثرات کو اپنے اِس شعر میں بیان کیا ہے جس کے متعلق قرآن فرماتا ہے :

تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا (سورہ ابراھیم : ۲۵)

''(کلمہ طیّبہ کا) وہ درخت اپنا پھل اپنے ربّ کے حکم سے ہر وقت دے رہا ہے۔'' (۲۵ : ۱۴)

☆ مفسرین کرام نے اس سے نمازِ تہجد مراد لی ہے جو وسطِ شب کے بعد صبح کاذب کے وقت میں بارہ رکعتوں میں ادا کی جاتی ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند　　　　بہار ہو کہ خزاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

مؤلف اپنے آپ کو پیاسا محسوس کرے گا اگر یہاں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا حوالہ نہ دیا جائے جنہوں نے قرآن مجید کی محبت میں اس موضوع پر بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ کام کیا ہے جسے گورنمنٹ کالج شکرگڑھ کے میگزین ''قرآن پاک نمبر'' کے صفحات ۷۸۳ تا ۸۲۵ کی زینت بنایا گیا ہے۔ اپنے معزز قارئین کو کچھ ادبی ذائقہ کا مزہ دینے کے لئے راقم الحروف ڈاکٹر صاحب کے اس باوقار، قابلِ قدر کام کو پیش کرنے میں اپنی عزت سمجھتا ہے:

(۱) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (سورۃ الفاتحۃ: ۶) ہمیں سیدھی راہ دکھا۔

دنیا کی اکثر زبانوں میں یہ استعارہ آتا ہے جس سے بھلائی اور خیر مراد ہے۔ راہِ راست (فارسی)، انگریزی میں (Right Path)، جرمنی میں (Reshta Wig) اور فرانسیسی میں (Bon Chemin) وغیرہ سب ایک ہی معنیٰ اور مفہوم رکھتے ہیں۔

(۲) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ'' (البقرۃ: ۷)

یعنی ''اللہ نے اُن کے دلوں اور اُن کے کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے۔'' یہ اُن کانوں کے متعلق ہے جن کے لئے کفر مقرر ہو چکا اور جو دولتِ ایمان سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ۔

اردو میں ''دلوں پر مُہر'' آتا ہے۔ محمد حسین آزاد نے مان سنگھ کے متعلق لکھا ہے کہ ''بنگال کے سفر میں ایک مقام پر شاہ دولت کے اوصاف و کمالات سنے۔ خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اُس کی پاکیزہ اور سنجیدہ گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور کہا کہ مان سنگھ! مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ اُس نے مسکرا کر کہا کہ ''خدا کی مُہر ہے، بندہ کیوں کر اُٹھائے کہ گستاخی ہے۔'' (دربارِ اکبری)

''مُہر لگ جانا'' بھی آتا ہے۔ حالی کہتے ہیں:

کروں تجھ سے بیاں کچھ دردِ غربت　　　　مگر جوشِ سخن مُہرِ دہن ہے

(۳) ''آنکھوں پر پردہ'' بھی آتا ہے۔ اسی سے ملتا جلتا محاورہ اَلَّذِيْنَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ (سورہ کہف: ۱۰۱) انشاء اللہ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ظفر کا شعر ہے:

کیوں ادھر چشمِ عنایت سے نہیں پڑتی نظر　　　　پردے کیا آنکھوں پر رنج بے سبب میں پڑ گئے

(۴) صُمٌّ '' بُكْمٌ '' عُمْيٌ '' فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۸)

''بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ سو وہ نہیں لوٹیں گے۔'' یہ منافقوں کے متعلق کہا گیا ہے۔

اردو میں صُمٌّ '' بُكْمٌ '' ہی محاورہ بن گیا ہے یعنی خاموش اور دم بخود ہو جانا۔ محمد حسین آزاد نے ذوق کے ایک قصیدے کے متعلق (پیری میں پُر ضرور ہے جامِ شرابِ ناب) لکھا ہے کہ ''صبح کو دربار میں حاضر ہوئے۔ وقتِ معیّن پر ایماء ہوا کہ استاد اپنا قصیدہ عرض کریں۔ اُنہوں نے پڑھنا شروع کیا مگر کیا دیکھتے ہیں کہ تمام دربار دم بخود کئی شعر پڑھ گئے سب صُمٌّ '' بُكْمٌ ''۔

(۵) وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (البقرۃ:۱۴) ''اور جب وہ اپنے شیطانوں سے تنہائی میں ملتے ہیں۔'' یہ خُلُوّ مصدر سے ہے بمعنی کسی سے تنہائی میں ملنا، تخلیہ کرنا۔ اردو میں بھی آتا ہے۔ امیر اللہ تسلیم کہتے ہیں:

دوستوں سے اُنہیں اب ملنے کی فرصت ہی نہیں　　تخلیہ غیر سے دن رات رہا کرتا ہے

سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۱۹ میں اِس طرح ہے: وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ''اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو مارے غصّے کے تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔'' یہاں بھی تخلیہ اور تنہائی مراد ہے۔

(۶) وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (البقرۃ:۱۵) ''اور اُنہیں ڈھیل دیتا ہے اُن کی سرکشی میں (اور حالت یہ ہے) کہ وہ عقل کے اندھے ہیں۔'' سورۃ الحج کی آیت ۴۶ میں ہے: فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ''عَمَہ'' مصدر سے ہے بمعنی ہٹے کا پھوٹا یا عقل کا اندھا ہونا۔ گویا ''عَمِیَ'' آنکھوں کا اندھا اور ''عَمَہ'' عقل کا اندھا۔ اردو میں گانٹھ کا پورا، ہٹے کا پھوٹا بھی مستعمل ہے۔ سرسید مضمون بہ عنوان ''غلامی'' میں لکھتے ہیں: ''یہ ہٹے کے پھوٹے مسلمان اِس بات کو باعثِ افتخار جانتے ہیں اور اس کے مخالف کو لامذہب یا کرسٹان بتاتے ہیں۔'' راسخ کا شعر ہے:

دعا دیتے ہیں وہ یہ میرے دل پر داغ کو لے کر　　الٰہی گانٹھ کا پورا ہو اور آنکھوں کا اندھا ہو

داغ دہلوی کا شعر ہے:

یہ فرمایا اُنہوں نے دیکھ کر تصویر یوسف کی　　اِسے تو مول وہ لے جو کوئی آنکھوں کا اندھا ہو

فارسی میں بھی کوردل آتا ہے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں:

دیدہ کن کوردلان خیال　　سرمہ کش دیدہ ورانِ کمال

(۷) يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ (البقرۃ:۱۹) ''موت کے ڈر سے مارے کڑک کے وہ انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔'' کانوں میں انگلیاں دینا اردو میں مستعمل ہے۔ امیر لکھنوی کا شعر ہے:

ڈر گئے ہیں مرے نالوں سے مؤذن ایسے　　انگلیاں کانوں میں ہنگامِ اذاں رکھتے ہیں

دوسری جگہ سورہ نوح کی آیت ۷ میں ہے: وَإِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْا أَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ ''اور جب بھی میں نے اُنہیں بلایا کہ تو اُنہیں بخشے، تو اُنہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔'' یہاں کانوں میں انگلیاں دینا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ بیزاری اور نفرت کے باعث ہے۔ شوق قدوائی کا شعر ہے:

اے مؤذن چُپ بھی رہ تو پھر چکا اسلام سے　　انگلیاں کانوں میں دیتا ہے خدا کے نام سے

(۸) اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ (البقرۃ:۲۷) جو اللہ کا عہد توڑتے ہیں۔" نَقض بمعنیٰ توڑنا اور "نقضِ عہد" بمعنیٰ عہد و پیمان توڑنا۔ فارسی میں عہد شکنی بھی آتا ہے۔ اردو میں بھی عہد توڑنا مستعمل ہے۔ حسرت موہانی کا شعر ہے:

توڑ کر عہد کرم نا آشنا ہو جایئے   بندہ پرور جایئے' اچھا خفا ہو جایئے

اسی سے عہد ٹوٹنا بھی ہے۔ داغ کہتے ہیں:

یقین ہم کو دلاتے ہیں وہ یوں جھوٹی قسم کھا کر   نہ ٹوٹیں حشر تک یہ عہد' یہ پیماں ایسے ہیں

شبلی کا شعر "تقسیم عمل" میں ہے:

چندے لئے گئے تھے اسی شرط پر تمام   یہ "نقضِ عہد" ہے کہ جو شرعاً حرام ہے

(۹) وَیَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَاللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصَلَ (البقرۃ:۲۷) "اور جن تعلقات کے جوڑے رکھنے کا اللہ پاک نے حکم دیا اُن کو قطع کرتے ہیں۔" یعنی دوستی یا رشتہ داری ختم کرتے ہیں۔ اردو میں بھی آتا ہے۔ غالب کا شعر ہے:

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے   کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

اِسی قطع کے سلسلے میں سورۃ التوبہ کی آیت ۱۲۱ میں ہے: وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً وَلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا "اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا' اور نہ وہ کاٹتے ہیں کوئی میدان" یہاں میدان کاٹنا بمعنیٰ میدان طے کرنا ہے۔ اردو میں بالکل اسی طرح ہے۔ ممنون کا شعر ہے:

کوئی میدان سے میدانِ جنوں کاٹ کے آئے   مرحلے قطع یہ کیا کیا تھے کئے دُور دراز

میدان اور کاٹنا کی رعایت سے بہت سے الفاظ و محاورات اردو فرہنگوں میں موجود ہیں۔

(۱۰) اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ (البقرۃ:۳۰) "کیا زمین میں ایسے شخص کو نائب بناتا ہے جو اُس میں فساد پھیلائے اور خونریزی کرے۔" سفك مصدر ہے بمعنیٰ بہانا' گرانا' خون بہانا' قتل و غارت کرنا' کشت و خون کرنا' جانیں تلف کرنا۔ اردو میں بھی خون بہانا' خون ہونا' خون کا دریا بہنا وغیرہ رائج ہے اور یہ کچھ اس طرح رائج ہے کہ بہت زیادہ کشت و خون کرنا صرف اِسی محاورنے سے زیادہ مناسب ادا ہوتا ہے۔ سالک کا شعر ہے:

قتل قاصد پر گلہ کیا اُس جفا کردار کا   خونِ ناحق روز ہوتا رہتا ہے دو چار کا

جلیل کہتے ہیں:

یہ کہہ کر آج قاتل نے بہایا خون کا دریا   پئے جاتے نہیں اب تو لہو کے گھونٹ خنجر سے

غالب نے شاید ایہام کے طور پر کہا ہے:

محابا کیا ہے؟ میں ضامن' ادھر دیکھ شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا؟

(۱۱) وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ (البقرة:۹۳) ''اور پلائی گئی اُن کے دلوں میں محبت اسی بچھڑے کی بہ سبب اُن کے کفر کے۔'' اُشْرِبُوْا' شراب مصدر سے ہے بمعنی پلانا یعنی خوب پیوست کرنا' جذب کرنا' اتارنا اور اُردو میں بھی یہی معنی ہیں۔ سر میں تیل پلانا' برتن میں سیسہ یا رانگ پلانا وغیرہ مستعمل ہیں۔ جذب کرنے کے معنی میں ظفر کہتے ہیں:

ترے جاں سوختہ کی خاک ہے وہ تشنہ باراں کہ گر یک قطرہ سو دریا کے ہم سر ہو تو پی جائے

پھر پی جانا (خاموش ہو جانا) بھی محاورہ بن گیا۔ آبرو کا شعر ہے:

سخن اوروں کا تشنہ ہو کے سننا اور سب کہنا مگر جب آبرو کی بات کو سننا تو پی جانا

(۱۲) بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (البقرة:۹۵) ''جن کو ان کے ہاتھوں نے پہلے سے بھیجا ہے۔'' یعنی اُن کے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے۔ اردو میں کسی کا ہاتھ لگنا' کسی کا ہاتھ ہونا' ہاتھ سے ہونا' کسی کے ہاتھوں ہونا وغیرہ بکثرت محاورے ہیں۔ میر کا شعر ہے:

غیروں ہی کے ہاتھوں میں رہے دستِ نگاریں کب ہم نے ترے ہاتھ سے آزار نہ پایا

مصحفی کہتے ہیں:

سنتا ہوں شیخ شہر بہت ہے خضاب دوست رہتی ہے اُس کے ہاتھوں سے آفت ارنڈ پر

(۱۳) وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرة:۱۶۸) ''اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔'' تَتَّبِعُوْا' تبع مصدر سے ہے۔ خُطُوٰت جمع ہے خُطْوَة'' کی بمعنی دو قدموں کا درمیانی فاصلہ (کسی کے نشاناتِ قدم پر چلنا) اردو میں ''قدم بقدم چلنا'' بولا جاتا ہے۔ حالی نے مقالاتِ حالی حصہ دوم میں ''سیرۃ النعمان'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اگرچہ اس بزرگ کی لائف کچھ لوگ پہلے لکھ چکے ہیں اور اب ایک نیا مصنف اُنہیں کے ''قدم بقدم'' چلنا چاہتا ہے' اس کو البتہ کچھ دشوار نہیں۔''

(۱۴) وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرة:۱۷۴) ''اور مول لیتے ہیں اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت۔'' يَشْتَرُوْنَ اِشْتِرَاء'' مصدر سے ہے بمعنی مول لینا' خریدنا۔ مطلب یہ ہے کہ محض دنیا کے قلیل نفع کی خاطر یہ لوگ دین میں تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں اور اس طرح دنیا کے فائدے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آگے اِسی رکوع کی آیت ۱۷۵ میں ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ یعنی ''یہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے عوض مول لیا۔ یہاں بھی اِشْتِرَاء (مول لینا) مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں دو چیزوں کا لین دین نہیں ہے کیونکہ ہدایت اُن کے

پاس سرے سے تھی ہی نہیں کہ اُسے دے کر گمراہی خریدتے' یا مغفرت کو دے کر عذاب لیتے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے دین میں دخل اندازی کر کے خود کو عذابِ الٰہی میں مبتلا کیا۔ اردو میں اس قسم کا محاورہ ہے کہ بلا وجہ ایک عذاب مول لینا' خواہ مخواہ جھگڑا مول لینا۔ امیر لکھنوی کا ایک مطلع ہے:

جہاں ہوتا ہے غم ہم اہلِ حرماں مول لیتے ہیں قبائے صبح سے چاک گریبان مول لیتے ہیں

کلیم جبل پوری (شاگرد احسن مارہروی) کا شعر ہے:

مول خود لیتے ہو دردِ سر کلیم پھر کہو گے ہائے میرا سر گیا

(۱۵) أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ (البقرۃ:۱۷۴) ''یہ لوگ نہیں کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں مگر آگ۔'' 'آگ کھانا' حرام مال پیٹ میں ڈالنا کے مترادف ہے۔ حرام مال چونکہ قیامت میں نارِ دوزخ کا سبب بنے گا اس لئے اس کو دنیا کے لئے بھی آگ سے تشبیہ دی ہے۔ اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ 'آگ کھائیں اور انگارے پھانکیں' مشہور محاورہ ہے' جس سے مراد حرام کھانا ہی ہے۔ 'آگ پھانکنا' بھی آتا ہے۔ ذوق کا شعر ہے:

کہے یہ رند کہ او زہد فروش آگ نہ پھانک مانگے گر بادہ نو' زہدِ کہن کی قیمت

(۱۶) هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرۃ:۱۸۷) ''وہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو۔'' زن و شوہر میں انتہائی اتحاد کو ظاہر کرنے کے لئے ایک کو دوسرے کا لباس کہا گیا ہے' اِسی لئے اس کا ترجمہ ''اوڑھنا بچھونا'' بھی آتا ہے۔ نعت میں حالی کا شعر ہے:

قال ترا اور حال نشۂ وحدت میں چُور اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا

مولانا شاہ معین الدین احمد نے معارف (ستمبر ۱۹۶۱) کے شذرات میں لکھا ہے: ''مولوی (عبدالحق) کو اردو سے والہانہ عشق تھا' اُنہوں نے اس کو اپنا 'اوڑھنا بچھونا' بنا لیا تھا۔ اردو میں ایک محاورہ ''چولی دامن کا ساتھ'' ہے جو اِس محاورے سے قریب ہے۔'' ''جامہ پہننا'' بھی ایک محاورہ ہے۔ شوق کہتے ہیں:

بے حیائی کا جامہ پہنا ہے خیر ہے لکھنؤ میں رہنا ہے

(۱۷) وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ (البقرۃ:۲۴۵) ''اور اللہ (رزق) تنگ کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے۔'' اردو میں بالکل اسی طرح مستعمل ہے۔ تنگی' ترشی اور فراخی و فارغ البالی استعمال ہوتا ہے۔ ظفر کا شعر ہے:

خدا جانے ظفر ملکِ عدم کے رہنے والوں کی فراخی سے گزرتی ہے کہ تنگی سے گزرتی ہے

(۱۸) قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (البقرۃ:۲۵۹) ''کہا کہ میں رہا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔'' حضرت

عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے لئے سُلا دیا اور پھر بیدار کیا تو پوچھا کہ آپ کس قدر ٹھہرے؟ عرض کیا کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ یعنی بہت ہی قلیل مدت رہا۔ اردو میں بھی اسی طرح کا محاورہ ہے اور ''ایک آدھ'' دن کہا جاتا ہے اور اس سے قلیل مدت مراد ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ ایک آدھ دن کے لئے ہی آ جائیں۔ ایک آدھ سے قلت مراد ہے۔ داغ کا شعر ہے:

تم نیم اشارے پہ تو آنکھیں نہ نکالو — ایک آدھ خطا کیا جو خطا وار سے ہو جائے

(۱۹) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّـــائَةُ حَبَّةٍ (البقرۃ:۲۶۱) ''مثال اُن لوگوں کی جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک دانہ کی سی ہے جس نے سات بالیاں اُگائیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں۔'' یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اُن کا اجر سات سو گنا تک بڑھتا ہے۔ اُن کے عمل کو ایک بیج کے ساتھ مثال دی ہے جس سے سات سو دانے تک پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بیج میں بہت سے بیج پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اِسی لئے اس سے اس عمل کی تشبیہ دی گئی ہے جو بہت سے نیک اعمال کا پیش خیمہ ہو۔

اُردو میں بھی ''بیج بونا'' ایک سلسلہ چلانے کے مترادف ہے کہ فلاں شخص نے نیکی کا ایسا بیج بویا ہے جس سے بیش از بیش فوائد حاصل ہوتے رہیں گے۔ حالی کا شعر ہے:

یہ نا اتفاقی ہے قوموں کو کھوتی — یہ قومی محبت کا ہے بیج بوتی

حالی لکھتے ہیں: ''ان میں ہمدردی کے بیج بونے اور قومیت کی روح پھونکنے کی از بس ضرورت ہے۔'' (مقالاتِ حالی)

(۲۰) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَه' رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُه' كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ'' فَاَصَابَه' وَابِلٌ'' فَتَرَكَه' صَلْدًا (البقرۃ:۲۶۴) ''مومنو! اپنی خیرات کو باطل نہ کر دو احسان جتانے یا ایذا دینے سے مانند اُس شخص کے جو اپنے مال کو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور نہیں ایمان لاتا اللہ پر اور روزِ قیامت پر۔ اُس کی مثال اُس چٹان کی سی ہے جس پر مٹی ہو۔ پس جب اُس پر پانی پڑے تو اُسے صاف کر دے۔'' پانی پڑنے سے مٹی کا ڈھل کر بہہ جانا بڑی اچھی مثال ہے۔ اردو میں پانی پڑنا سے پانی پھیر دینا محاورہ آتا ہے۔ ظفر کا مطلع ہے:

کیا فقط گریہ سے چشم تر پہ پانی پھر گیا — دیدہ و دانستہ سب کے گھر پہ پانی پھر گیا

اور شعراء نے بھی لکھا ہے:

آسماں اپنی عداوت سے نہ پانی پھیر دے — لے چلا ہے خط ہمارا نامہ بر برسات میں

دیکھ آنسو سے مزاجِ یار جانی پھر گیا — میری کشتِ آرزو پر آج پانی پھر گیا

صبر پر پھیر کے پانی جو وہ محبوب گیا — اِس قدر اشک بہے میرے کہ جی ڈوب گیا

(۲۱) وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ'' فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ (البقرۃ:۲۶۵) ''اور اُن لوگوں کی مثال جو اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے دل جمانے کے لئے خرچ کرتے ہیں' اُس باغ کی سی ہے جو ایک بلندی پر لگا ہو کہ اگر اُس پر بارش ہو جائے تو پیداوار دگنی دے اور اگر بارش نہ ہو تو بھی اُسے شبنم کافی ہے۔'' یہاں مؤمن کے صدقات کو ایک ہرے بھرے باغ سے تشبیہ دی گئی ہے جو مالک کو اور ہر دیکھنے والے کو اپنی سرسبزی سے خوش کرتا ہے۔ اس کا پھلنا پھولنا ظاہر کیا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اردو میں اسی مثال سے پھلنا پھولنا محاورہ بن گیا ہو۔ جرأت کا شعر ہے:

شمع ساں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا ہوں میں وہ نخل جو دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

(۲۲) وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ '(سورہ آلِ عمران:۵۴) ''اور اُنہوں نے مکر کیا اور اللہ نے تدبیر کی۔'' بعض مفسرین نے ترکیب یا ہوشیاری کے معنی بھی لکھے ہیں کیونکہ ''مکر'' اگر عیب ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ ہے۔ دراصل یہ ایک محاورہ ہی ہے' اردو میں بھی آتا ہے کہ ''جیسے کو تیسا'' یا اس طرح بولتے ہیں کہ ''دیکھو مان جاؤ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔'' اسی طرح سورۃ الانفال کی آیت ۱۹: وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ بھی اسی معنی میں ہے کہ اگر تم (جنگ کی طرف) پلٹو گے تو ہم بھی پلٹیں گے۔ ظفر نے بھی ''جیسے کو تیسا'' کا مفہوم پیشِ نظر رکھا ہے:

کیونکہ ہم سے سیدھے سادوں سے بنے اب آپ کی جیسے تم طرّاف ہو' طرّاف تم کو چاہئے

(۲۳) وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا (آلِ عمران:۷۵) ''اور اُن میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اگر تو اُسے ایک دینار امانت دے تو اُسے نہ ادا کرے تجھے مگر جب تک کہ تو اُس پر کھڑا رہے۔'' یہاں نادہندہ شخص کا ذکر ہے کہ کوئی امانت بھی اُس وقت تک واپس نہیں کرتا جب تک کہ اس کے سر پر کوئی سوار نہ رہے اور مسلسل تقاضے کرنا جس کے لئے ضروری ہو۔ اردو میں بھی سر پر کھڑے رہنا' سر پر سوار رہنا آتا ہے۔ داغ کا شعر ہے:

اے داغ دُھن بندھی ہے تجھے کوئے یار کی کم بخت موت ہے ترے سر پر سوار آج

خلیل (شاگرد آتش) کا شعر ہے:

تمہاری زلف کا جاتا نہیں ہے دل سے خیال بلا یہ رہتی ہے ہر دم سوار سینے پر

(۲۴) وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا (آلِ عمران:۱۰۳) ''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اُس نے تمہیں اس سے نجات دی۔'' یعنی عین خطرے میں تھے اور نارِ جہنم کا لقمہ بن جانے والے تھے۔ فارسی میں ''قعرِ مذلت'' وغیرہ آتا ہے۔ اردو میں تباہی کے کنارے لگ جانا' گڑھے میں پڑ جانا ہے۔ سرسید لکھتے ہیں:

''قوم ایسے تاریک گڑھے میں پڑی تھی کہ اِدھراُدھر کی چیزیں تو درکنار وہ اس گڑھے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں پڑی تھی۔'' گور کے کنارے بھی آتا ہے جیسے ظفر کا شعر ہے:

ہوا حاصل تجھے کیا تو کنارِ غیر میں ظالم — کنارے گور کے مجھ کو اگر پہنچا کے جا بیٹھا

(۲۵) یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ '' وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ '' (آلِ عمران:۱۰۶) ''اُس دن کہ بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔'' بعض تفسیری فوائد میں ہے کہ بعضوں کے چہروں پر ایمان وتقویٰ کا نور چمکتا ہوگا اور عزت ووقار کے ساتھ شاداں وفرحاں نظر آئیں گے۔ اس کے برخلاف بعضوں کے منہ کفر ونفاق یا فسق وفجور کی سیاہی سے کالے ہوں گے' صورت سے ذلت ورسوائی ٹپک رہی ہوگی۔ گویا ہر ایک کا ظاہر' باطن کا آئینہ بن جائے گا۔ بعض مفسرین نے غم وخوف کی وجہ سے چہرے کا سیاہ ہونا لکھا ہے۔ بہر حال اِس مناسبت سے (فارسی کی طرح) اردو میں رُوسیاہ' قلبِ سیاہ کار ہونا وغیرہ مستعمل ہیں۔ ظفر کے دو شعر ہیں:

ہے سیہ کار ظفر اس کے سیہ نامے کو — کر سفید آب سے رحمت کے خدایا دھو کے

خانہ دل ہے سیاہ اس کی سیاہی دُور کر — کیا سفیدی سے محل کرتا ہے اپنا تو سفید

اقبال لکھتے ہیں:

نور سے دُور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں — کیوں سیہ روز' سیہ بخت' سیہ کار ہوں میں

چہرے پر دھواں اڑنا البتہ بدحالی کی نشانی ہے۔ ثاقب لکھنوی کا شعر ہے:

شمع کا سر کاٹ کر اچھا نہیں ظالم کا حال — اک دھواں سا اُڑ رہا ہے چہرۂ گلگیر پر

(۲۶) وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ (آلِ عمران:۱۱۱) ''اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو تم کو پیٹھ دیں گے۔'' پیٹھ دینا' پیٹھ دکھانا یعنی بھاگ جانا' میدان چھوڑ دینا' بزدلی دکھانا اردو میں مستعمل ہے۔ ذوق کا شعر ہے:

سینہ سپر جو منہ پہ ہیں تیغ نگاہ کے — دکھلاتے وہ کبھی نہیں آئینہ وار پشت

(۲۷) ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ یعنی اُن پر ذلت ماری گئی وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَۃُ یعنی اُن پر فقیری ماری گئی (آلِ عمران:۱۱۲) اردو میں بھی قریباً اسی طرح ہے کہ فلاں شخص کو مصیبت نے مار رکھا ہے۔ ذوق کہتے ہیں:

ہم نے جانا وہیں اس عشق نے مارا اس کو — تیشہ فرہاد نے جس وقت جبل میں مارا

داغ کا شعر ہے:

دیکھ اے داغ اہلِ دنیا کو — ہوس عز و جاہ نے مارا

(۲۸) وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ (آلِ عمران:۱۱۹) ''اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو

مارے غصّے کے تم پراپنی انگلیوں کی پوریں کاٹتے ہیں۔'' أنامل' أنملة کی جمع ہے بمعنیٰ انگلی کی پور۔اردو میں اس محاورے کے سلسلے میں تھوڑا سا فرق ہے۔غصے میں بوٹیاں کاٹنا اور اپنا جسم دانتوں سے کاٹ کاٹ کھانا مستعمل ہے۔انگلیاں کاٹنا (تاسف کے ساتھ) حیرت زدہ ہونے کی جگہ بولا جاتا ہے۔آتش کہتے ہیں:

منہ آئینے میں جو دیکھے وہ غیرتِ یوسف   اِدھر یہ اور اُدھر عکس انگلیاں کاٹے

(۲۹) وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آلِ عمران:۱۴۰) ''اور یہ دن ہم باری باری سے لوگوں میں پھیرتے ہیں۔'' نُدَاوِلُ نداولة مصدر سے ہے بمعنیٰ دن پھیرنا' حالات بدلنا۔اردو میں یہ محاورہ بالکل اسی طرح مستعمل ہے۔غالب کا شعر ہے:

شاہ کی ہے غسلِ صحت کی خبر   دیکھئے کب دن پھریں حمام کے

جلال کہتے ہیں:

صبح کرنا شبِ غم کا کبھی ممکن ہی نہیں   آ کے دن پھیر دے اپنے وہ کوئی دن ہی نہیں

(۳۰) وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ (سورۃ النساء:۲۳) ''اور تمہاری وہ اولاد جو تمہاری گودوں میں ہے۔'' یعنی تمہاری پرورش اور سرپرستی میں ہے۔حُجُوْر حجر کی جمع ہے بمعنیٰ گود۔اُنیس کا شعر ہے:

بے جاں پڑے ہیں گود کے پالے کوئی نہیں   سب مر چکے ہیں چاہنے والے کوئی نہیں

اردو میں غالباً اسی سے ''کسی کو گود لینا'' کا محاورہ نکلا ہے۔مراد ہے کسی کو منہ بولا بیٹا بنانا' کسی کو حقیقی اولاد کی طرح پالنا۔صرف آغوش میں لینا اور گود میں لینا بھی آتا ہے۔حفیظ جالندھری کے شعر کا ایک مصراع ہے:

لیا آغوش میں پھولوں کی سیجوں نے امیری کو

(۳۱) فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً (سورۃ النساء:۱۰۲) ''پس تم پر یکبارگی جھک جائیں'' یعنی یکبارگی حملہ آور ہوں' ایک دم ٹوٹ پڑیں۔اردو میں جھک پڑنا آتا ہے۔ریاض کا شعر ہے:

گری تھی آج تو بجلی ہمیں پر   یہ کہئے جھک پڑے وہ ہم نشیں پر

داغ کا شعر ہے:

لوگ کہتے ہیں کیا' سنو تو سہی   جھک پڑا اک جہان دشمن پر

(۳۲) بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (سورۃ النساء:۱۳۸) ''منافقین کو بشارت (خوشخبری) دیجئے کہ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' یہ اندازِ بیان طنز کے لئے ہے اور وہی اردو میں بھی آتا ہے۔

جلال لکھنوی کا شعر ہے:

دشمن کے وہ کہنے سے جلال آتے ہیں تو کیا　　کیا رنگ دیا ہے تری اِس خوش خبری نے

(۳۳) اِذْهَمَّ قَوْم" أَنْ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ (سورۃ المائدۃ:۱۱)''جس وقت ایک جماعت نے قصد کیا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ دراز کریں۔''یعنی تم پر حملہ کریں۔اِسی سورۃ کی آیت ۲۸ میں ہے: لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ" البتہ اگر تو میری طرف ہاتھ بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں۔''ہاتھ بڑھانا یہاں قتل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔دست درازی بھی مستعمل ہے اور ہاتھ اٹھانا بھی۔حالی کا شعر ہے:

ہے نہتوں کو رہ گزر میں خطر　　رہزنوں نے کئے ہیں ہاتھ دراز

ظفر نے ہاتھ اٹھانا استعمال کیا ہے:

نہیں اٹھنے کا ہو کر خشک اُس کا ہاتھ اے مجنوں　　جو تجھ پر ساربان ناقہ محمل کا ہاتھ اٹھا

عزیز لکھنوی کا شعر ہے:

میں نے مانا آپ سے تلوار اٹھی خنجر اُٹھا　　رہنا بدن میں روح کو قیدِ فرنگ ہے

درد نے بھی''دل کھلنا''استعمال کیا ہے:

کب دل ملے کسی کا ہم غمزدوں سے کھل کر　　ہے اپنے دل سے لازم جوں غنچہ ساز کرنا

داغ کا ایک شعر ہے:

میں نے دیکھا اُن کی زلفوں کو تو فرمانے لگے　　آپ کا دل کھل پڑا، گم ہو گیا جاتا رہا

محمد حسین آزاد نے''دل کی گرہ کھولنا''استعمال کیا ہے:

خوش حال گھر اور ان میں خوشی بولتی ہوئی　　باتیں کہ غم سے دل کی گرہ کھولتی ہوئی

(۳۴) نَخْشٰى أَنْ تُصِيْبَنَا دَائِرَةٌ" (سورۃ المائدۃ:۵۱)''ہم اس سے ڈرتے ہیں کہ ہمیں پہنچ جائے (گردشِ زمانہ)'' تُصِيْبَنَا اصابہ سے ہے بمعنیٰ پہنچنا۔دَائِرَةٌ''بمعنیٰ گردش، چکر۔اردو میں بھی اسی طرح مستعمل ہے۔

غالب کا شعر ہے:

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں　　ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

داغ کہتے ہیں:

مرنے کی فرصت نہیں اے گردشِ ایام　　آسودہ ہوں کیونکر ترے چکر سے نکل کر

(۳۵) وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ یَدُاللہِ مَغْلُوْلَۃٌ (سورۃ المائدۃ: ۶۴) ''اور یہود نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بند ہیں۔'' مَغْلُوْلَۃ غلاً مصدر سے ہے بمعنی ہاتھ میں ہتھکڑی یا گلے میں طوق ڈالنا۔ ہاتھ کا بند ہونا یعنی تنگ خرچ ہونا' بخل کرنا وغیرہ ہے۔ یہود کے اِس کلمہِ کفر کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوْطَتَانِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ یعنی اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں' وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔'' یعنی اُس کے دینے میں کوئی بندش نہیں اور وہ جس قدر جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ سورۃ التوبۃ کی آیت ۶۷ میں مذکور الفاظ یَقْبِضُوْنَ أَیْدِیَھُمْ کی تفصیل آگے آتی ہے۔

فارسی کی طرح اردو میں بھی ہاتھ بند ہونا' ہاتھ تنگ ہونا' تنگ دستی وغیرہ مستعمل ہیں۔ آتش کہتے ہیں:

ستارہ اپنی گردش میں ہے آتش اس کی گردش سے فلک کی تنگ چشمی سے ہماری تنگ دستی ہے

سالک کا مشہور شعر ہے:

دیکھ کر گردوں پہ خط کہکشاں کہتے ہیں مست آسماں ہے اپنا بہرِ جامِ مے' پھیلائے ہاتھ

صرف فراخی اور تنگی بھی آتا ہے۔ ظفر کہتے ہیں:-

جو ہیں نصیب پہ شاکر سدا' کبھی اُن کو نہ کچھ نشاط فراخی نہ رنج تنگی ہو

ظفر کا ایک اور شعر ہے:

کیوں جام مے کے دینے میں کرتا ہے ہاتھ تنگ ساقی ہے دیکھ عرصہ بزم حیات تنگ

حالی کہتے ہیں:

خرچ سے ہاتھ اک مسلماں کا ہو گر ''اتر'' میں تنگ ہے دکن کی سمت وہ گردن اٹھا کر دیکھتا

(۳۶) کُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَأَھَا اللہُ (المائدۃ: ۶۴) ''جب بھی وہ (کفار) لڑائی کے لئے آگ جلاتے ہیں' اللہ تعالیٰ اُسے بجھا دیتا ہے۔'' یعنی کفار لڑائی کے اسباب پیدا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اُن کی اِس کوشش پر پانی پھیر دیتا ہے۔ آگ لگانا (فتنہ پیدا کرنا) اردو میں بہت مستعمل ہے۔ داغ کے دو شعر ہیں:

آتشِ شوق کو کب دل سے جدا رکھا ہے اس لگی کو تو کلیجے سے لگا رکھا ہے

دل لگی' دل لگی نہیں ناصح! تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں

میر کا شعر ہے:

آنسو تو ڈر سے پی گئے لیکن وہ قطرہ آب اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا

اس طرح ''لگی کو بجھانا'' بھی اردو میں آتا ہے۔ داغ کہتے ہیں:

یارب کوئی آفت تھا محبت کا پتنگا وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

غالب کا مشہور شعر ہے:

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

(۳۷) وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً (سورۃ الانعام: ۲۵) ''اور ہم نے اُن کے دلوں پر غلاف (پردے) ڈال دیئے۔'' اردو میں ''دلوں پر پردہ'' آتا ہے۔ خلیل کا شعر ہے:

نہ سمجھا میں' کیا تجھ سے بتِ عیار سے خلط خدا ہی جانے کیا غفلت کا پردہ پڑ گیا دل پر

''عقلوں پر پردے'' بھی مستعمل ہے۔ مسدس حالی میں حالی کا شعر ہے:

کہ عقلوں پر پردے دیئے ڈال اُنہوں نے ہمیں کر دیا فارغ البال اُنہوں نے

اکبرالہ آبادی کا مشہور قطعہ ہے:

بے پردہ کل جو چند نظر آئیں بی بیاں اکبر زمین میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

میں نے کہا کہ آپ کا پردہ وہ کیا ہوا کہنے لگیں کہ عقل پہ مَردوں کی پڑ گیا

(۳۸) وَلِتَصْغٰی اِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (سورۃ الانعام: ۱۱۳) ''اور تاکہ اس کی طرف اُن لوگوں کے دل جھکیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔'' اسی طرح سورۃ ابراہیم کی آیت ۳۷ میں ہے: فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَيْهِمْ ''پس لوگوں کے دل اُن کی طرف جھکیں۔'' یعنی لوگوں کے دلوں کی اہلِ مکہ کی طرف زیادہ کشش ہو۔ دل جھکنا' مائل ہونا' رغبت کرنا' کسی شے کی طرف میلان ظاہر کرنا وغیرہ اردو میں مستعمل ہیں۔ رشک کا شعر ہے:

معدوم اگر ہوا اثر جذب اے عزیز کیوں سوئے ملکِ مصر دلِ کارواں جھکا

(۳۹) فَمَنْ يُّرِدِ اللهُ أَنْ يَّهْدِيَه' يَشْرَحْ صَدْرَه' لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يُّضِلَّه' يَجْعَلْ صَدْرَه' ضَيِّقًا حَرَجًا (سورۃ الانعام: ۱۲۵) ''پس اللہ جسے ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام قبول کرنے کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ' نہایت تنگ کر دیتا ہے۔'' اسی پارہ (۸) کی سورۃ الاعراف کی آیت ۲ میں ہے: فَلَا يَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ''پس نہ ہو تمہارے سینے میں کوئی تنگی۔'' سینے میں تنگی اور کشادگی کی بجائے اردو میں ''دل کی کشادگی'' مستعمل ہے۔ میر کہتے ہیں:

گیا ہے وہ سو دل کھلتا نہیں ہے پڑا ہے ایک مدت سے یہ گھر بند

جرأت کا شعر ہے:

بند سا کچھ ہو رہا تھا دل جو مدت سے سو آج لگتے ہی سینے پر اس کی ایک ٹھوکر کھل گیا

ظفر نے طبیعت کا بند ہونا لکھا ہے:

اس لئے اُن سے طبیعت ہوئی بند اپنی ہے — کہ پسند اُن کی نہیں وہ جو پسند اپنی ہے

ظفر نے صرف بند ہونا بھی لکھا ہے:

کچھ ایسی بات ہو کہ کھلیں تو سہی ذرا — وہ ہو رہے ہیں جو میری طرف سے ظفر ہیں بند

داغ نے صاف طور پر لکھا ہے:

کھلے الٰہی نہ عقدۂ دل کہ اس سے امید نہ بندھ رہی ہے — عجب نہیں آرزوئیں نکلیں جو دل کی تنگی سے تنگ ہو کر

ناسخ نے دل کی تنگی، پریشانی اور بے زاری کے لئے استعمال کیا ہے:

دل ملکِ انگریز میں جینے سے تنگ ہو گیا — بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اُٹھائے کیوں؟

لیکن اس قرآنی محاورے کو جرأت کے اس شعر میں دیکھئے:

دیکھ مجھ کو اپنے در پر، یوں کہا منہ پھیر کے — یہ دیوانہ کس لئے بیٹھا ہے رستہ گھیر کے

کسی کا شعر ہے:

جانے والے دیکھتا جا، اس طرف منہ پھیر کر — چاہنے والے ترے بیٹھے ہیں رستہ گھیر کر

حالی کہتے ہیں:

نہیں حائل ان کی کوئی رہ گزر میں — سمندر ہے پایاب اُن کی نظر میں

(۴۰) حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا (سورۃ الانعام: ۱۴۸) ''یہاں تک کہ اُنہوں نے ہمارا (دیا ہوا) عذاب چکھ لیا۔'' کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (سورۃ آلِ عمران: ۱۸۵، سورۃ الانبیاء: ۳۵، سورۃ العنکبوت: ۵۷) چکھنا محاورے کے طور پر اردو میں بھی رائج ہے۔ ظفر کا شعر ہے:

ابھی زاہد نہیں آیا ہے میخواروں کے قابو میں — چکھائیں گے مزہ گر آ گیا یاروں کے قابو میں

حالی کہتے ہیں:

مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم — گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب پختہ و خام

(۴۱) قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ (سورۃ الاعراف: ۱۶) ''اس (شیطان) نے کہا پس قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، میں ان مومنین کی سیدھی راہ میں ضرور بالضرور بیٹھوں گا۔'' لَاَقْعُدَنَّ قعود سے ہے یعنی بیٹھنا، راستے اور رہ گزر میں بیٹھنا یعنی مزاحمت کرنا اور راستہ گھیرنا، سیدھی راہ سے پھیرنا مراد ہے۔

غالب کا مشہور شعر ہے:

دَیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

(۴۲) فَلاَ تُشْمِتْ بِیَ الْأَعْدَآءَ (سورۃ الاعراف:۱۵۰) ''پس مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو۔'' شماتۃ مصدر سے ''تُشْمِتْ'' ہے بمعنیٰ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سختی پر احتجاج کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ ہونے دیجئے۔ کسی کی مصیبت یا تکلیف پر خوش ہونا ایک عام اخلاقی مرض ہے۔ فارسی میں ''یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمسایہ'' مستعمل ہے۔ داغ کا شعر ہے:

مری موت خواب میں دیکھ کر ہوئے خوب اپنی نظر سے خوش انہیں عید کی سی خوشی ہوئی رہے شام تک وہ سحر سے خوش

امیر مینائی کہتے ہیں:

شبنم کے اے امیر ملے ہیں تجھے نصیب گل ہنس پڑیں چمن میں جو میں آبدیدہ ہوں

حالی کا شعر ہے:

ہم کو گر تو نے رُلایا تو اے چرخ ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

(۴۳) كَأَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ (سورۃ الانفال:۶) ''گویا وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔'' (یعنی سخت مصیبت میں مبتلا ہیں) یہاں بددین لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ حضور انور ﷺ سے حق کے بارے میں ایسے جھگڑتے ہیں کہ گویا انہیں کوئی موت کے منہ میں دھکیل رہا ہے۔ اردو میں بھی اسی طرح بولتے ہیں۔ داغ کہتے ہیں:

آئی ہے کیا میری شامت آئی ہے کیا میری موت میں کروں اظہارِ دردِ غم تمہارے سامنے

حالی کہتے ہیں:

دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں اب ہم سے منہ میں موت کے جایا نہ جائے گا

(۴۴) تَخَافُوْنَ أَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (الانفال:۲۶) ''تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں۔'' یَتَخَطَّفَكُمْ خطف مصدر سے ہے بمعنیٰ کسی چیز کو اُچک لینا، جھپٹ لینا۔ اردو میں بھی اسی طرح مستعمل ہے مسرور کا شعر ہے:

اُچکا نہیں ہے جو غمزہ ترا مرے دل کو کیونکر اُچک لے گیا

(۴۵) وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال: ۴۶) ''اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔'' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھا رہا ہے کہ تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تم سب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں آجاؤ اور آپس کے جھگڑے یکسر

ختم کردو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا بھرم جاتا رہے گا۔ اردو میں کچھ اسی طرح بولتے ہیں۔ داغ کا شعر ہے:

بگڑی تھی ہوا آہ کی آخر شب وعدہ نکلا مرے نالوں سے بھرم اور زیادہ

ظفر علی خان ''بھارت کی دو بلائیں'' میں کہتے ہیں:

لب پر ہے صدا آزادی کی اور دل میں ہے شوق غلامی کا اکھڑی تھی ہوا انگریزوں کی ان دونوں نے مل باندھی ہے

ہوا اکھڑنا کے خلاف ''ہوا باندھنا'' بھی آتا ہے۔ ''ہوا باندھنا'' غالب کے یہاں بھی ہے:

ترے توسن کو صبا باندھتے ہیں ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

مومنؔ کہتے ہیں:

نالۂ شب نے یہ ہوا باندھی ہو گیا گل چراغ بلبل کا

حالی اپنے مضمون ''حسب نسب'' میں لکھتے ہیں: ''جو خاندان ابھرتا تھا اُس کی ہوا چند پشتوں تک بندھی رہتی تھی۔''

(۴۶) فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (سورۃ التوبۃ : ۵) ''پس چھوڑ دو اُن کا راستہ'' یعنی پھر اُن سے نہ لڑو۔ اردو میں بھی راستہ دے دینا' سروکار نہ رکھنا وغیرہ مستعمل ہیں۔ جرأت کا شعر ہے:

اب جو ملنا نہیں قسمت میں وہاں جانے کو استخارہ بھی ہمیں راہ نہیں دیتا ہے

''رستہ پانا'' بھی آتا ہے۔ ذوق کا شعر ہے:

نکل کر گنبدِ بے در سے کب کے نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا

اسی طرح ''راہ ملنا'' بھی آتا ہے۔ داغ کہتے ہیں:

مرے خرابے میں آکر وہ چوکڑی بھولے کہ پھر نہ خانہ خرابی کو گھر کی راہ ملے

(۴۷) فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ (التوبۃ : ۷) ''پس وہ جب تک تمہارے ساتھ سیدھے رہیں' تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو۔'' اردو میں بھی بالکل اسی طرح مستعمل ہے۔ انشاء کہتے ہیں:

کاٹی ہے ہم نے یونہی اوقات زندگی کی سیدھے سے سیدھے سادے اور کج سے کج رہے ہیں

ظفر کہتے ہیں:

ہے یہی طالع واژوں اگر اپنا اے دل نہ ہوا نہ کبھی ہم سے وہ ہوگا سیدھا

ایک اور شعر ہے:

میری سیدھی بات پر ہوتے ہیں ٹیڑھے اے ظفر جبکہ ٹیڑھی میں نے کی تقریر سیدھے ہو گئے

(۴۸) وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبۃ : ۲۵) ''اور زمین باوجود کشادہ ہونے کے تم پر تنگ ہوگئی۔'' یہی مضمون صیغوں کی تبدیلی کے ساتھ اسی سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۱۸ میں بھی تین خوش بخت صحابہ کرام کے ضمن میں آیا ہے۔''زمین تنگ ہو جانا'' یعنی سخت پریشانی کا وقت ہونا۔ جنگِ حنین کا بیان جاری ہے جبکہ مسلمانوں پر سخت وقت میں اللہ رب العزت نے یاوری فرمائی تھی۔ فارسی میں بھی محاورہ ہے کہ: ''ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست۔'' اردو میں ''زمین سخت ہے۔'' بھی بولتے ہیں۔ میر کا شعر ہے:

کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے　　　زمیں سخت ہے' آسماں دُور ہے

میر حسن دہلوی نے بھی اسی طرح کہا ہے:

جدائی تری کس کو منظور ہے　　　زمیں سخت ہے' آسماں دُور ہے

لیکن محسن کاکوروی کہتے ہیں:

تنگیِ بزمِ جہاں دیکھ کر گھبراتے ہیں　　　گاؤ تکیہ کرہِ ارض کا اُٹھواتے ہیں

(۴۹) اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ (التوبۃ : ۳۸) ''جس وقت تم سے کہا جاتا ہے کہ راہِ خدا میں نکلو تو تم زمین پر بوجھل ہو جاتے ہو۔'' زمین پر بوجھل ہونا' جگہ سے نہ سرکنا' پاؤں جما کر بیٹھ جانا' اردو میں بھی آتا ہے۔ مجروح کا شعر ہے:

اِس گلی میں بسان نقش قدم　　　ہم بھی پاؤں جمائے بیٹھے ہیں

ظفر کا شعر اِس طرح ہے:

آتے آتے وہ اِدھر کیوں آج تھم کر رہ گئے　　　کیا کہیں رستے میں اُن کے پاؤں جم کر رہ گئے

''بارِ زمین بن جاتا'' بھی آتا ہے۔ حالی کہتے ہیں:۔

مگر ہم کہ اب تک جہاں تھے وہیں ہیں　　　جمادات کی طرح بارِ زمیں ہیں

حالی کا ایک شعر ہے:

ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دیے سوارو!　　　ہے لاکھ لاکھ من کا' ایک ایک قدم تمہارا

(۵۰) وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (التوبۃ : ۴۰) ''اور کافروں کی بات کو نیچا کیا اور اللہ کی بات ہی بلند رہی۔'' اللہ کی بات سے اللہ کا دین مراد ہے۔''بات کا نیچا ہونا'' یا ''بلند ہونا'' اردو میں رائج ہے۔''بات نیچی ہونا' بات نیچی رہنا' بات نیچی پڑنا'' مستعمل ہے' جیسے ریاض کا شعر ہے:

ترے عہدِ ستم میں اس کا کیا ذکر　　　فلک کی بات بھی نیچی پڑے گی

بات اونچی ہونا' بول بالا ہونا' قدر منزلت ہونا بھی رائج ہے۔ظفر کہتے ہیں:

سرو بالا کا ترے وصف جو کہتا ہے ظفر　　　سب میں بات اس کی ہے اے غیرت گلشن اونچی

(۵۱) وَيَقْبِضُوْنَ أَيْدِيَهُمْ (التوبۃ : ۶۷) منافقوں کا ذکر ہے کہ وہ بُری باتیں سکھاتے ہیں' اچھی بات چھڑا دیتے ہیں اور خرچ کرنے کے اصل موقعوں پر مٹھی بند رکھتے ہیں۔اردو میں بھی جوڑ جوڑ کر رکھنے کے معنی میں آتا ہے۔ظفر کے دو شعر ہیں:

غنچے کی مٹھی میں زر ہے' پر نہیں دستِ کرم　　　تنگیِ دل اور ہے اور تنگ دستی اور ہے

برنگِ غنچہ' باغِ دہر میں کیا فکرِ زر کیجئے　　　بندھی مٹھی ہے اپنی اور جانا ہاتھ خالی ہے

اِس دوسرے شعر میں استغنا مراد ہے۔مولانا شبلی نے شعر العجم (تخیل کی بے اعتدالی) میں اسی معنی میں ایک شعر نقل کیا ہے:

کسی کے آگے کوئی ہاتھ پسارے کیا دخل　　　مٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تو لدکودک

میر نے راز رکھنے کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے:

ہے کیا تو جیسے غنچہ بندھی مٹھی جا چلا　　　مت گل کے رنگ منہ کو کھلا راز فاش کر

(۵۲) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَاللهُ لَهُمْ (التوبۃ:۸۰) ''اے محبوبِ مکرّم ﷺ! آپ ان منافقین کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش مانگیں تب بھی اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔'' ستر بار سے مراد کثرتِ عدد ہے۔اردو میں بھی کثرت کے لئے یہ عدد استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں ''تم جیسے ستر کو چراتا ہوں۔'' آتش کا شعر ہے :

نکلے پہلو میں ہر ایک نام کے ستر ستر　　　نہ ملی بعد فنا گور میں بھی جا خالی

امیر مینائی نے ''ہزار'' کے ساتھ استعمال کیا ہے:

وہ چہرہ' وہ دہن کہ فدا جس پہ کیجئے　　　ستر ہزار غنچے' بہتر ہزار پھول

غالب نے منشی حبیب اللہ ذکا کو لکھا ہے: ''ستر بہتر اردو میں ترجمہ پیر خرف کا ہے' میری تہتر برس کی عمر ہے پس میں اخرف ہوں۔'' نواب میر غلام بابا کو بھی غالب لکھتے ہیں: ''اب کے رجب کے مہینے سے ستر واں سال شروع ہوگا۔ستر بہتر کا بوڑھا اپاہج آدمی ہوں۔''

(۵۳) وَ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوْامَا يُنْفِقُوْنَ (التوبۃ : ۹۲) ''اس حال میں کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو وہ خرچ کریں۔'' تَفِيْضُ بمعنیٰ اُمڈ کر نکلنا' پھوٹ بہنا۔

وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو راہِ خدا میں خرچ کرنا چاہتے تھے لیکن عدمِ استطاعت کے باعث غمگین تھے' یہاں اُن کا ذکر ہے۔ یہی محاورہ ساتویں پارے کے شروع میں بھی آیا ہے جبکہ حبشہ کے نومسلم عیسائیوں کا ایک وفد بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا تو قرآنِ حکیم سن کر اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے پھوٹ بہیں۔ غم سے آنکھوں کا پھوٹ بہنا اردو میں آتا ہے۔ درد کہتے ہیں :

معلوم نہیں یہ آنکھیں کیوں پھوٹ بہی ہیں — رونے کی طرف کس لئے یہ ٹوٹ پڑی ہیں
اے درد سمجھ سہج نہ اِن آنکھوں کا بہنا — چھاتی کے تئیں دل کو مرے کوٹ بہی ہیں

آتش کا شعر ہے :

پھوٹ بہنے دو انہیں یار کے آگے آتش — دل کا احوال بھی آنکھوں کو بیاں کرنے دو

(۵۴) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا (سورۃ یونس : ۱۲) ''اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا ہوا'' یعنی تمام حالات میں۔ اردو میں بھی اسی طرح آتا ہے۔ ظفر کے دو شعر ملاحظہ ہوں :

کرتے ہیں آہ و نالہ ہم اٹھتے بیٹھتے — الفت کا تیری بھرتے ہیں دَم اٹھتے بیٹھتے
جو بیٹھیں تو رونا جو اٹھیں تو غم — غرض' بیٹھتے اٹھتے ان پر ستم

خلیل (شاگرد آتش) کا شعر ہے :

خود فراموشی میں بھی ممکن نہیں بھولوں تجھے — رہتی ہے اے یار تری یاد اٹھتے بیٹھتے

داغ کہتے ہیں :

یہ تو ان کی دل لگی ہے' یہ تو اُن کی بات ہے — وعدہ اٹھتے بیٹھتے' پیمان ہنستے بولتے

(۵۵) وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ (سورہ یوسف : ۸۴) ''اور غم سے اُن (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔'' اردو میں بھی انتہائی گریہ سے آنکھیں سفید ہو جانا آتا ہے۔ اسیر لکھنوی کا شعر ہے :

ہے یہی گریہ تو پھر کیسی بصارت اے اسیر — ایک دن کر دیں گے آنکھوں کو مری آنسو سفید

غالب کہتے ہیں :

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

میر نے ''انتظار میں آنکھیں سفید ہونا'' لکھا ہے :

رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں بھی اب میری سفید — بس کہ نامے کا کیا یاروں کے میں نے انتظار

(۵۶) یَمحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثبِتُ (سورہ الرعد : ۳۹) ''اللہ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے' ثابت رکھتا ہے۔'' ماقبل سے یہ بیان چلا آ رہا ہے کہ دستِ رسول ﷺ سے معجزہ اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ ہر وعدے کی لکھت پڑھت اُسی کے ہاتھ میں ہے' وہ جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے (لوحِ محفوظ میں) اور جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔ فارسی اور اردو میں نوشتۂ تقدیر یہیں سے رائج ہوا۔ سوز کا شعر ہے :

جواب نامہ تو نے جان کر کھویا نہ اے قاصد ترى تقصیر کیا' اے یار پر لکھا ہمارا ہے

''لکھا'' بمعنی نوشتۂ تقدیر۔

ظفر کا ایک مطلع ہے:

ظفر ہے دانش و تدبیر کا لکھا مٹتا مگر نہیں کبھی تقدیر کا لکھا مٹتا

ظفر کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو :

کہوں کیا ماجرا اے بے ثباتی ہستی کا مٹا جاتا ہے یوں گویا کہ پانی پہ لکھا ہے

(۵۷) جَآءَتهُم رُسُلُهُم بِالبَيِّنٰتِ فَرَدُّوا أَيدِيَهُم فِي أَفوَاهِهِم (سورۃ ابراہیم : ۹) ''اُن کے پاس رسول نشانیاں لے کر آئے' پھر اُنہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ وٗں میں لوٹائے۔'' یہاں مفسرین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے غصے میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ بعض کہتے ہیں کہ فرطِ تعجب سے ہاتھ منہ پر رکھ لئے۔ اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ پیغمبروں کی باتوں پر ہنسی دبانے میں منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اُس کے منہ پر ماری یعنی ''عطائے تو بلقائے تو۔'' اگر یہی محاورہ مقصود ہے تو اردو میں یقیناً اسی طرح آتا ہے۔ منیر شکوہ آبادی کا شعر ہے:

اے طالبِ حق! جیفۂ دنیا سے نہ رکھ میل جو ہاتھ لگے مار اُسے مردار کے منہ پر

جرأت کا شعر ہے :

پڑھ کے ''چھومنتر'' جو کہتا تھا کسی کے منہ پہ میں سو وہ الٹا ہو کے میرے منہ پہ اب ٹوٹا پڑا

(۵۸) مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِم أَعمَالُهُم كَرَمَادِ اشتَدَّت بِهِ الرِّيحُ فِي يَومٍ عَاصِفٍ (ابراہیم : ۱۸) ''اُن لوگوں کا حال جو اپنے رب سے منکر ہوئے' اُن کے عمل ہیں جیسے وہ راکھ کہ اُس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے۔'' یہاں کافروں کے عمل کو ایسی راکھ سے تعبیر کیا گیا ہے جسے آندھی اُڑا لے جائے یعنی بالکل برباد کر دے۔ فارسی اور اردو میں ''برباد کر دینا'' بھی غالباً یہیں سے مستنبط ہے۔ میر نے اپنے انداز میں کہا ہے :

اک گردِ راہ تھا بے محمل تمام راہ کس کا غبار تھا پے دنبالہ گرد تھا

غالباً اقبال نے ''ساقی نامہ'' میں یہیں سے مضمون لیا ہوگا کہ:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے　　　مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

درد کا شعر ہے:

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی　　　جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا

(۵۹) وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ (ابراہیم : ۲۶) ''اور گندی بات کی مثال جیسے گندہ درخت کہ اکھاڑ دیا گیا اُسے زمین کے اوپر سے' کچھ نہیں اُسے ٹھہراؤ۔'' کلمہ کفر کو اُس درخت سے تشبیہ دی گئی ہے جو زمین کی سطح پر قائم ہو اور ذرا سے اشارے سے اکھڑ جائے۔ اسی مثال سے اردو میں ہر کمزور اور لچر بات کو بے اصل بات کہنا رائج ہوا ہوگا۔ ہر وہ چیز جس کی کوئی جڑ بنیاد نہ ہو' بے اصل ہے۔ ظفر کا شعر ہے :

قیامِ ارنڈ کی جڑ سے بھی کم ہے دنیا کو　　　کچھ اس کی اصل نہیں ہے مگر فساد کی جڑ

حالی ''نشاطِ امید'' میں کہتے ہیں :

دونوں جہاں کی بندھی تجھ سے لڑ　　　دین کی تو اصل ہے' دنیا کی جڑ

(۶۰) وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ'' (سورہ ابراہیم : ۴۳) ''اور اِن لوگوں کے دل ہوا یعنی مارے حیرت اور دہشت کے ان کی عقل اور ہوش باختہ ہوں گے' بے تاب و بے اختیار ہوں گے۔'' اردو میں اسی طرح آتا ہے۔ دل اُڑ جانا سخت حیرت زدہ ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ سحر کا شعر ہے :

کنگھی جو زلف میں کی' دل اُڑ چلا نکل کر　　　کہتے ہیں وہ' سحر نے کھویا شکار میرا

''عقل کے طوطے اُڑ جانا'' بھی اسی سے بنا ہوگا۔ ہاتھ کے طوطے اُڑ جانا' ظفر کے یہاں مستعمل ہے :

لوگ باغ سبز دکھلاتے تو ہیں پر اک دن　　　ہاتھ کے طوطے سے ان کے اے ظفر اُڑ جائیں گے

''جی اُڑنا'' بھی آتا ہے۔ داغ کہتے ہیں :

کوچہ دشمن سے یہ آتی نہ ہو یارب کہیں　　　جی اُڑا جاتا ہے کچھ بادِ صبا کو دیکھ کر

(۶۱) وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ (ابراہیم : ۴۶) ''اگرچہ اُن کا مکر ایسا تھا کہ اس سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائیں'' یعنی کافروں کا مکر ایسی شدت رکھتا تھا کہ پہاڑ بھی جس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اردو میں بھی زور اور شدت کے سلسلے میں اسی طرح آتا ہے۔ درد کا شعر ہے :

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے　　　مشکل ہے جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے

امیر مینائی کہتے ہیں :

کیسی بلا جو نام لیا میں نے آپ کا　　　آیا پہاڑ بھی مرے آگے تو ٹل گیا

بحر کا شعر ہے :

ہزار سر ترے پائے ثبات پر صدقے　　　اگر پہاڑ بھی ہوتے تو آج ٹل جاتے

ظفر اس سے کچھ مختلف کہتے ہیں :

دل سنگ ہے گر تیرا تو کیا' ان سے حذر کر　　　یہ نالے وہ ہیں جن سے کہ کہسار گئے ٹوٹ

(۶۲) اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ (سورۃ الحجر : ۱۸) ''مگر جس نے چُرا لیا سننے کو' یعنی جو چوری سے سُن بھاگا۔ اِستراق یعنی چُرانا' اڑانا' چپکے سے لے جانا۔ اِستراقِ سمع بمعنی بات چُرانا' چپکے سے کوئی بات سُن لینا۔ فرشتوں کی باتیں شیاطین چھپ چُھپ کر سن لیتے ہیں' بات اڑا لیتے ہیں۔ اردو میں بھی بات لے اڑنا کہتے ہیں ۔ فارسی میں'' دیوار ہم گوش دارد'' اسی لئے بطورِ احتیاط کہا جاتا ہے کہ جسے ظفر نے باندھا ہے :

مثل سنی نہیں' دیوار بھی رکھے ہے کان　　　نکالو منہ سے سمجھ کر ہر اک مکان میں بات

''خبر لے اُڑنا'' بھی آتا ہے جیسا کہ ظفر نے کہا ہے :

قاصد تو پیچھے خط کو ادھر لے کے اڑ گیا　　　جاسوس پہلے ہی یہ خبر لے کے اڑ گیا

''بات چن لینا'' داغ نے استعمال کیا ہے لیکن قدرے مختلف ہے :

نالہ چن کر دل کی باتیں دل سے باہر لے چلا　　　یہ بشارت' یہ خبر' یہ مژدہ گھر گھر لے چلا

ڈپٹی نذیر احمد خان نے ترجمہ قرآن پاک کے دیباچے میں کہا کہ: ''ہم نے بہتیرا چاہا کہ لوگ ترجمہ کو دیکھیں اور نکتہ چینی کریں۔ کسی نے حامی نہ بھری اور یوں کوئی اڑتی ہوئی سن بھاگا اور چلتی ہوئی سی ایک بات کہہ دی تو گویا ہم نے اس کو بھی رد نہیں کیا مگر دل کی ہوس پوری نہ ہوئی۔''

ڈپٹی صاحب نے آیت مذکور (۱۱۸) کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''مگر چوری چھپے کوئی بات سن بھاگے''

(۶۳) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ الحجر : ۸۸) ''اور مومنین کے لئے آپ اپنا بازو جھکا (بچھا) دیجئے۔'' یعنی نرمی سے پیش آیئے۔ اردو میں پلکیں یا آنکھیں بچھانا' سر آنکھوں پر بٹھانا' سر جھکانا وغیرہ آتا ہے۔ مجاز رودلوی کا شعر ہے :

میں بہت سرکش ہوں لیکن اک تمہارے واسطے　　　دل بچھا سکتا ہوں میں آنکھیں بچھا سکتا ہوں میں

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس جگہ بامحاورہ ترجمہ یہ کیا ہے: ''مسلمانوں سے (گو کیسے ہی غریب ہوں ہمیشہ) جھک کر ملئے۔'' داغ کا مشہور شعر ہے :

داغ ہر شخص سے جھک کر ملئے　　　کچھ عجب چیز ملنساری ہے

سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۵ میں الفاظ کے تھوڑے سے اضافے کے ساتھ یہی مضمون اس طرح آیا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(۶۴) يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ (سورۃ النحل : ۵۹) ''چھپتا پھرتا ہے قوم سے اُس چیز کی برائی کی بنا پر جس کی بشارت اُسے سنائی گئی۔'' تَوَارٰی بمعنی چھپنا۔ شرمنا کی اور پشیمانی کی وجہ سے اگر کوئی آدمی چھپتا پھرتا ہے تو اُس وقت یہ لفظ بولتے ہیں۔ غالب کا شعر ہے:

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

ظفر کہتے ہیں:

ظفر منہ کس کا میدانِ سخن میں منہ چڑھے تیرے کہ جو آتا ہے وہ اپنے چھپاتا منہ کو آتا ہے

کلیم (شاگرد احسن مارہروی) کا شعر ہے:

دمِ آخر کفن میں منہ چھپا لینے سے کیا حاصل کلیم آتی ہے تم کو شرم اب اپنے گناہوں سے

اِسی سے پھر ''منہ دکھانے کے قابل نہ ہونا'' رائج ہوا۔ مجروح کہتے ہیں:

اُس آئینہ رُو کی بد اطواریوں نے نہ رکھا ہمیں منہ دکھانے کے قابل

(۶۵) وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ (سورۃ النحل : ۷۷) ''اور قیامت کا حال پلک جھپکنے جیسا ہے۔'' یعنی اس میں بہت ہی کم مدت ہے۔ لَمْح بمعنی آنکھ جھپکنا' پلک جھپکنا۔ فارسی میں ''چشم زدن'' آتا ہے۔ اردو میں بھی اسی طرح آتا ہے اور اس سے بہت ہی قلیل مدت مراد ہوتی ہے۔ داغ کہتے ہیں:

اُس نے جب آنکھ سے ملائی آنکھ لے گیا دل پلک جھپکنے میں

(۶۶) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا (سورۃ النحل : ۹۲) ''اور اُس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے محنتِ شاقہ کے بعد اپنے کاتے ہوئے کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔'' یعنی اپنی کی کرائی محنت کو برباد کر دیا۔ یہاں مومنین کو قسم کے بارے میں سمجھایا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ بڑی نادانی ہے کہ خود ہی تو اپنی بات کو قسم سے مضبوط کرتے ہو اور پھر خود ہی اُسے باطل کر دیتے ہو۔ تم اُس بڑھیا کی طرح ہو جو خود ہی کاتتی ہے اور جب سوت مضبوط تیار ہو جاتا ہے تو اُسے خود ہی ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔ اردو میں بھی بالکل اسی طرح بولتے ہیں کہ ''اُس شخص نے اتنی محنت کی لیکن اُس کا کاتا کوتا کپاس ہو گیا۔''

(۶۷) فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا (النحل : ۹۴) ''پس پھسل جائے قدم جم جانے کے بعد۔'' عربی کا یہ مشہور محاورہ ہے۔ صرف پاؤں پھسلنا ہی مراد نہیں بلکہ ہر غلطی میں پڑنا پاؤں پھسلنا کہلاتا ہے۔ اردو میں بھی اسی طرح مستعمل ہے۔ بحر کا شعر ہے:

نور برساتی ہے زلفوں کی گھٹا چہرے پر　　　پاؤں اس کوچے میں پھسلے گا مکرر اپنا

''پاؤں بہکنا'' امانت لکھنوی نے لکھا ہے:

بہکے زمین شعر میں پاؤں امانت اپنا کیا　　　جب ہوئی لغزش ذرا' نکلا زباں سے یا علی

امیر مینائی کا شعر ہے:

پھرتی ہے حسرت پابوس دو عالم میں تباہ　　　اک جگہ پاؤں ٹھہرتا نہیں ہر جائی کا

نسیم دہلوی کہتے ہیں:

دارِ فانی مقامِ لغزش ہے　　　کوئی اپنا قدم جما نہ سکا

(٦٨) وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طَائِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ (سورۃ بنی اسرائیل : ۱۳) ''اور ہر انسان کا اعمال نامہ ہم نے اُس کی گردن میں لازم کر دیا۔'' یعنی اعمال نامے سے اُس کی گلو خلاصی ممکن نہیں اور اعمال نامہ ایسا لازم ہو گیا جیسے گردن کے لئے ہار یا طوق جو اُسے نہیں چھوڑتا۔ اردو میں بھی گلے پڑنا' گلے کا تعویذ یا ہار بننا' گلے کا ہار ہو جانا آتا ہے۔ میر کا شعر ہے:

گلے بندھا تھا جو عاشق کی زیست کا جھگڑا　　　اجل سے پوچھو کچھ فیصلہ کیا نہ کیا

(٦٩) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (بنی اسرائیل : ۱۵) ''اور نہیں بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا۔'' یعنی بروزِ قیامت ایک کے گناہوں کی گٹھڑی دوسرے کے سر نہیں رکھی جائے گی۔ کسی کا بوجھ اٹھانا' بوجھ ہٹانا اردو میں بھی مستعمل ہے۔ منیر شکوہ آبادی کہتے ہیں:

لیتا نہیں ہے کوئی یہ گٹھڑی بندھی ہوئی　　　دو گز کفن سے اس کو بدلتے ہیں سرفروش

قلق کے اشعار ہیں:

آپ تم اپنا گھر سنبھالو گے　　　باپ کا سارا بوجھ اٹھالو گے

کہتا ہوں قلق بارِ غمِ ہجر سے دب کر　　　اتنا نہیں کوئی جو مرا بوجھ ہٹالے

اسی طرح بوجھ بن جانا وغیرہ بھی محاورہ بن گئے ہیں۔ مثلاً ظفر کا شعر ہے:

وہ گراں بارِ الم ہوں میں کہ بعد از مرگ بھی　　　گر دمیری خاطر بادِ سحر پر بوجھ ہے

(٧٠) وَاِذَا اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ (بنی اسرائیل : ۸۳) ''اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کریں تو وہ رُوگردانی کرتا ہے اور پہلو بچاتا ہے۔'' پہلو بچانا اردو میں رائج ہے۔ داغ کہتے ہیں:

ہر سخن میں گرچہ سو پہلو بچاتا ہوں میں　　　آرزوئیں ٹپکی پڑتی ہیں مری تقریر سے

جلیل کا شعر ہے:

نکلا تو ساتھ لے نہ گیا دل کو اے جلیل　　　　پہلو میں آ کے تیر بھی پہلو بچا گیا

(۷۱) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ (سورہ کہف : ۶) ''سو کہیں آپ اُن کے پیچھے اپنی جان گھول نہ ڈالیں۔'' آقائے نامدار ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کفار آپ کی بات نہ مانیں تو آپ اُن کے پیچھے اپنی جان کو گھلائیں نہیں۔ اردو میں بولتے ہیں کہ فلاں کے پیچھے کیوں پریشانی اٹھاتے ہو! بحر کا شعر ہے:

کہو بحر ایسی ہی تھی شکل آگے　　　　ہوئی کس کے پیچھے یہ صورت تمہاری

(۷۲) وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ (سورہ کہف : ۱۴) ''اور ہم نے گرہ (ربط اور مضبوطی) دے دی اُن کے دلوں پر۔'' اصحابِ کہف کا ذکر ہے کہ جب وہ طویل نیند سے جاگے تو نیند کے زمانے کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا لیکن وہ ثابت قدم رہے اور اپنی بات صاف کہہ دی کہ ہمارا رب ہے رب آسمان اور زمین کا۔ ''ڈھارس بندھنا'' قریب قریب اِسی قرآنی محاورے کا ترجمہ ہے۔ جرأت کا شعر ہے:

جو آتا ہے تو آ' جینے کا اس کے کیا بھروسہ ہے　　　　کوئی دَم اور بھی ڈھارس ترا بیمار باندھے ہے

(۷۳) وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (سورہ کہف : ۲۸) ''اور (رونقِ حیات کی تلاش میں) تمہاری آنکھیں اُنہیں چھوڑ کر نہ دوڑیں۔'' حضور نبیِ مکرّم ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے کہ آپ اپنے غریب اور شکستہ حال مخلصین کو چھوڑ کر موٹے موٹے دنیاداروں کی طرف نظر نہ اٹھایئے۔ اردو میں آنکھوں اور نگاہوں کا دوڑنا مستعمل ہے۔ ظفر کے شعر ہیں:

تری نگاہیں جو اے فتنہ زماں دوڑیں　　　　تو دل پہ لاکھوں بلا ہائے ناگہاں دوڑیں

اگرچہ آنکھیں تیری پرنیاں ہیں پراے شوخ　　　　شکارِ دل پر مرے جیسے چیتیاں دوڑیں

داغ کہتے ہیں:

ہر طرف مجمع اغیار ہی دیکھا ہم نے　　　　آنکھیں دوڑائیں تری بزم میں کیا کیا ہم نے

(۷۴) فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ (سورہ کہف : ۴۲) ''پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ ملتا اُس مال پر جو اس میں لگایا تھا۔'' ''ہاتھ ملنا'' (کفِ افسوس ملنا) اردو میں مستعمل ہے۔ ظفر کا شعر ہے:

ہاتھ ملتا ہوں کہوں کیا یار جانی کیا ہوا　　　　ہاتھ سے وہ قول کا چھلا نشانی کیا ہوا

داغ کہتے ہیں:

وہ دل لے کے چپکے سے چلتے ہوئے　　　　یہاں رہ گئے ہاتھ ملتے ہوئے

(۷۵) اَلَّذِيْنَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ (سورہ کہف : ۱۰۱) ''جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا' میری نشانیاں دیکھ کر بھی مجھے (یعنی اللہ تعالیٰ کو) یاد نہ کرتے تھے۔'' اسد لکھنوی (شاگرد اسیر) کا شعر ہے :

پڑیں کیوں نہ آنکھوں پہ غفلت کے پردے — کہ ہر دم یہاں سامنا ہے کسی کا!

داغ کا شعر ہے :

کرتا ہے داغ کوچہ قاتل میں تاک جھانک — پردے پڑے ہیں آنکھوں پہ غفلت تو دیکھئے

(۷۶) قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ (سورہ مریم : ۴۷) ''کہا سلام ہو تجھ پر۔'' جب ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے چچا آزر نے سنگسار کرنے کی دھمکی دی اور کہا کہ میرے پاس سے ایک مدّت کے لئے دُور ہو جا' تو ابراہیم علیہ السلام نے رخصت یا متارکت کا سلام کیا۔ اردو میں بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اپنی روش سے باز نہ آئے تو ہمارا سلام۔ ظفر کا مطلع ہے :

دوستی کو بندگی اور اُن کی الفت کو سلام — عشق کو آداب میرا اور محبت کو سلام

داغ کہتے ہیں :

زباں کا وہ تو نگاہوں سے کام لیتے ہیں — اُنہیں سلام جو یوں سلام لیتے ہیں

رخصت یا متارکت کے سلام کے علاوہ محض چھیڑ کے لئے بھی سلام ہوتا ہے۔ مثلاً غالب کا مشہور شعر ہے :

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم — میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے!

مائل دہلوی کہتے ہیں :

یہ کہہ کے چھیڑتے ہیں جوانانِ میکدہ — مائل تمہیں سلام کہا ہے بہار نے

(۷۷) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (سورہ مریم : ۹۰) ''(اللہ رب العزت کی شان میں کس قدر زبردست گستاخی ہے کہ لوگ اُس کے لئے اولاد کی احتیاج ثابت کرنے لگے' بعید نہیں کہ اِس گستاخی پر) ابھی اِس بات سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ہو اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں۔'' اردو میں بددعا کے طور پر کہتے ہیں کہ اللہ کا غضب نازل ہو' آسمان ٹوٹ پڑے' آسمان پھٹ پڑے وغیرہ۔ اسیر کا شعر ہے :

گور پر ساقی نے توڑا آکے جب مینائے مے — ہم یہ سمجھے آسماں ٹوٹا ہماری خاک پر

رند کہتے ہیں :

اجاڑا موسمِ گل ہی میں آشیاں میرا — الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیّاد!

(۷۸) وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ هٰرُوْنَ أَخِي اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِيْ (سورہ طٰہٰ : ۲۹-۳۱) ''(موسیٰ علیہ السلام

نے عرض کیا) اور مجھے میرے گھر سے ایک کام بنانے والا دیجئے یعنی ہارون بھائی اور اُس سے میری کمر مضبوط کیجئے۔'' بھائی کو بندِ کمر بھی کہتے ہیں۔ دبیر کا شعر ہے:

بولے حسین بندِ کمر ٹوٹا جاتا ہے ۔۔۔ دیکھو جوانو! قاتلِ عباس آتا ہے

(مرثیہ: پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی)

(۷۹) بھائی کو قوتِ بازو بھی کہتے ہیں جیسا کہ سورۃ القصص کی آیت ۳۵ میں ہے: قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ یعنی ''اے موسیٰ! ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ذریعے مضبوط کریں گے۔'' اردو میں بھی بھائی کو ''قوتِ بازو'' اسی قرآنی محاورے کی مناسبت سے کہتے ہیں۔ دبیر کے اشعار ہیں:

لشکر میں ہے یہ اکبر و عباس کا وقار ۔۔۔ وہ انجمن میں شمع تو یہ باغ میں بہار

آنکھوں میں وہ نگاہ تو سینوں میں یہ قرار ۔۔۔ وہ بازوؤں میں زور، یہ قبضے میں ذوالفقار

(مرثیہ: ایضاً)

اُنیس نے بھی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کہا ہے:

بازوئے شاہ، جسدِ مرتضیٰ کی جان ۔۔۔ پیروں کا سرپرست، جوانوں کا قدردان

(۸۰) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا (سورہ طٰہٰ:۱۳۱) ''اور مت آنکھ اٹھایئے اُس چیز پر جو ہم نے اِن طرح طرح کے لوگوں کو رونقِ زندگی کے فائدہ اٹھانے کو دی۔'' یعنی دنیا میں کافروں کو جو انواع و اقسام کے سامان عطا کئے، اُن کی طرف آپ کبھی بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھئے۔

اردو میں بالکل اسی طرح مستعمل ہے۔ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا یعنی خاطر میں نہ لانا۔ اسیر کا شعر ہے:

گردوں کو آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے ہیں ہم ۔۔۔ اس جامِ بے شراب کی مٹی خراب ہو

ظفر کہتے ہیں:

بل بے غرورِ حسن نہ دیکھے آنکھ اٹھا کر ایک نگاہ ۔۔۔ پریاں گرچہ باندھیں پر اس رشکِ حور کے رستے پر

داغ کا شعر ہے:

اُو مری نعش اٹھانے والے ۔۔۔ آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جاتا

(۸۱) مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ (سورۃ الانبیاء: ۲) ''اُنہیں اُن کے رب کی جانب سے کوئی نصیحت نہیں پہنچتی مگر اُس کو کھیل میں لگے ہوئے سنتے ہیں۔'' یعنی کھیل میں اڑا دیتے

ہیں، اُسے کھیل تماشا سمجھتے ہیں اور کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اسی طرح کا مضمون سورۃ التوبۃ کی آیت ۶۵ میں منافقین کے ضمن میں آیا ہے: وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ یعنی ''(اے محبوب!) اگر آپ ان (منافقین) سے پوچھیں تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے۔ آپ فرما دیجئے کیا اللہ اور اُس کی آیات اور اُس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے ہو!'' فارسی کی طرح اردو میں بھی اسی طرح مستعمل ہے۔ غالب کہتے ہیں :

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک — اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے

منیر شکوہ آبادی کا مطلع ہے :

رہے اوروں سے گنجفے کا کھیل — جان پر کھیلنا ہے اپنا کھیل

(۸۲) أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ (سورۃ الانبیاء : ۳) ''تو کیا آنکھوں دیکھتے اُس کے جادو میں پھنستے ہو؟'' چند ظالم لوگوں نے حضور نبیِ معظم ﷺ کے خلاف کہا کہ وہ تو تم جیسے انسان ہیں۔ ہو نہ ہو انہوں نے جادو والا کلام پیش کیا ہے، پس آنکھوں دیکھتے کیوں اُن کے جادو میں پھنستے ہو؟ ـــ۔ اردو میں کہا جاتا ہے کہ آنکھوں دیکھے اِس مصیبت میں نہ پڑو۔ آنکھوں دیکھی مکھی نہ کھاؤ، وغیرہ۔

(۸۳) بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (سورۃ الانبیاء : ۱۸) ''یوں نہیں بلکہ ہم [illegible] مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر، تو وہ اُس کا بھیجا نکال دیتا ہے (سر پھوڑ ڈالتا ہے) تو پھر یکا یک باطل رفو [illegible] جاتا ہے۔'' اِس سے مراد باطل کو بالکل تباہ و برباد کر دینا ہے۔ اردو میں بھی یہی معنی مراد لئے جاتے [illegible] منیر شکوہ آبادی کا شعر ہے :

پتھر پڑے تقدیر پر اے جوشِ وحشت — ٹکڑے مرے سر کے ہوئے بھیجا نکل آیا

[illegible] کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو :

راہ سر پھوڑنے کی کس نے بتائی اے دل! — کیا عدم سے خط پیشانی فرہاد آیا

(۸۴) وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً (الانبیاء : ۷۲) ''اور ہم نے (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحٰق اور یعقوب بطورِ انعام بخشے۔'' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے میں بیٹا مانگا تھا اور ہم نے پوتا بھی دے دیا (علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام)۔

اردو میں بالکل یہی اسلوب آتا ہے کہ فلاں چیز تو ملی ہی تھی' فلاں اور انعام منافع (BONUS) میں مل گیا۔

(۸۵) فَاِذَا شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (سورۃ الانبیاء : ۹۷) ''پھر اُس دم منکروں کی آنکھیں اوپر لگی رہ جائیں گی۔'' فوائد میں مولانا شبیر احمد عثمانی رقم طراز ہیں کہ جزا و سزا کا وعدہ جب قریب آ لگے گا تو اُس وقت منکرین اور کذابین کی آنکھیں مارے شدتِ ہول کے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور اپنی غفلت پر وہ دستِ حسرت ملیں گے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے ترجمہ اس طرح کیا ہے: ''کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔'' اردو میں بھی اوپر کو (چھت کو) آنکھیں لگ جانا' فکر و تردّد کے معنی میں آتا ہے۔ مثلاً وزیر کا شعر ہے :

تم رہے بام پہ یاں لگ گئیں آنکھیں چھت سے رات گنتی رہی ہر اک کڑی میری آنکھ

موت کے آثار کے لئے بھی آتا ہے۔ جرأت کا شعر ہے :

گرے یوں بسترِ غم پر کہ آنکھیں لگ گئیں چھت سے نظر آیا تھا جلوہ ہم کو جرات بام پر آگے

(۸۶) یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ (سورۃ الانبیاء : ۱۰۴) ''جس دن (بروزِ قیامت) ہم آسمان کو لپیٹ لیویں جیسے طومار میں کاغذ کو لپیٹتے ہیں۔''

اِسی مثال کے مطابق اردو میں بھی طومار باندھنا اور کھولنا کے علاوہ دفتر بند کرنا' مکتوب لپیٹنا وغیرہ آتے ہیں۔ داغ کا شعر ہے:

اک حرفِ محبت پہ بگڑتے ہیں وہ سو بار اب دفترِ افسانۂ الفت ہی ہوا بند

جلیل کہتے ہیں :

دیکھ کس رنگ سے اٹھی ہے گھٹا تہ کر اب وعظ کا دفتر واعظ

بحر کا شعر ہے :

مثنوی سحر نے لکھی مرے افسانے کی کیوں پڑھا حرفِ محبت جو یہ طومار بند ھے

شاد عظیم آبادی کہتے ہیں :

اے شاد دفترِ غم اُن کو سنا رہا ہوں شکوے شکایتوں کے طومار کھل رہے ہیں

(**بہ شکریہ** :''عزمِ نو۔ قرآن پاک نمبر''۔ مجلّہ گورنمنٹ کالج شکر گڑھ)

(۸۷) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (سورہ الٓمّ السجدہ: ۱۷) ''سو کسی کو علم نہیں جو جو سامان آنکھوں کی ٹھنڈک کا اُن کے لئے (خزانہ غیب میں) مخفی ہے۔'' بلندترین پروازِ تخیل کسی شاعر کا ہی ہو سکتا ہے لیکن جہاں شاعر کے تخیل کی پرواز بھی عاجز آ جائے' وہاں سے آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والی جنت کی یہ نعمتیں شروع

ہوتی ہیں۔ ''تخیل کے لاکھ گھوڑے دوڑانا' مرغِ فکر کی پرواز' دامانِ خیال کو چھوا تک نہیں'' وغیرہ کے محاورات کا محرّک آیت مذکورہ کا ابتدائی حصہ ہی ہوسکتا ہے۔

(۸۸) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ" مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ" مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ خَیۡرًا مِّنۡهُنَّ (الحُجُرات : ۱۱)

''مؤمنو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔'' (۱۱ : ۴۹) اِسی معنیٰ میں کسی کا شعر ہے :

زاہد نگاہِ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ — کیا خبر کہ اُس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند

(۸۹) فَصَبَّ عَلَیۡهِمۡ رَبُّکَ سَوۡطَ عَذَابٍ (الفجر:۱۳) ''تو اُن پر آپ کے رب نے عذاب کا کوڑا بہ قوّت مارا۔'' اِسی سے اردو محاورے خدائی مار' خدائی پھٹکار' اُفتادِ ناگہانی وغیرہ رائج ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن مجید کا اثر قبول کرنے میں اردو کی ادبی نثر کو بھی استثناء حاصل نہیں ہے۔ مذہبی ذہن کے اردو مضمون نگار' ناول نگار' مزاح نگار' طنز نگار اور ناقدین نے اپنے شہ پاروں کو خوبصورت بنانے میں قرآنی اقتباسات کو آیاتِ قرآنی کی اصل حالت میں یا ڈھال کر یا لفظ بہ لفظ داخل کیا۔ درجِ ذیل ایسے چند اقتباسات علی الترتیب خواجہ حسن نظامی' مرزا غالب' ابوالکلام آزاد اور نعیم صدیقی کے ہیں۔

(۱) ''ایک دن اُس مرحوم کو میں نے دیکھا کہ حضرت ابنِ عربی کی ''فتوحاتِ مکّیہ'' میں چھپا بیٹھا ہے۔ میں نے کہا: کیوں رے شریر! یہاں کیوں آیا؟ اچھل کر بولا: ذرا اس کا مطالعہ کرتا تھا۔ سبحان اللہ بھائی' کیا خاک مطالعہ کرتے تھے۔ بھائی یہ تو ہم انسانوں کا حصہ۔ بولا: وہ قرآن نے گدھے کی مثال دی ہے کہ لوگ کتابیں پڑھ لیتے ہیں مگر نہ اُن کو سمجھتے ہیں اور نہ اُن پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ بوجھ اٹھانے والے گدھے ہیں جن پر علم و فضل کی کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے (بحوالہ سورۃ الجمعہ: ۵)۔ مگر میں نے اس مثال کی تقلید نہیں کی۔ خدا مثال دینی جانتا ہے تو بندہ بھی اُس کی دی ہوئی طاقت سے ایک نئی مثال پیدا کرسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان مثل ایک جھینگر کے ہے جو کتابیں چاٹ لیتے ہیں' سمجھتے بوجھتے خاک نہیں۔ یہ جتنی یونیورسٹیاں ہیں' سب میں یہی ہوتا ہے۔ ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے علم کو علم سمجھ کر پڑھا ہو۔ جھینگر کی یہ بات سن کر مجھ کو غصہ آیا اور میں نے زور سے کتاب پر ہاتھ مارا۔ جھینگر پھدک کر دوسری کتاب پر جا بیٹھا اور قہقہہ مار کر ہنسنے لگا' واہ خفا ہو گئے' بگڑ گئے' لاجواب ہو کر لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ لیاقت تو یہ تھی کہ جواب دیتے۔ لگے ناراض ہونے اور دُھتکارنے۔'' (''جھینگر کا جنازہ''۔ خواجہ حسن نظامی)

(۲) ''کل حکیم اشرف علی آئے تھے۔ سر منڈا ڈالا ہے۔ مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ پر عمل کیا ہے۔ میں نے کہا سر منڈوا دیا ہے تو داڑھی ہی رکھو۔ کہنے لگے: دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم۔ واللہ اُن کی صورت دیکھنے کے قابل

ہے۔'' (خط بنام میر مہدی مجروح ۔۔۔مرزا غالبؔ)
نوٹ : مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ سورۃ الفتح کی آیت ۲۷ کا حصّہ ہے۔

(۳) ''اِتنے میں خبر اُڑی کہ ہز آنر کے ہاں ڈنر ہے۔ہم نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔قومی طاقت کے ہزاروں آہنی حربے ایک طرف اور اِن نقرئی چھری کانٹوں کی جھنکار ایک طرف۔حریّت پسندوں سے پوچھا کہ کہئے اِس ناوک کا بھی کوئی جواب آپ کے ترکش میں ہے؟ جواب ملا کہ نہیں' شکست کا اعتراف ہے۔
چشم اگر ایں است وابرو ایں وناز وعشوہ ایں الفراق اے ہوش وتقویٰ' الوداع اے عقل ودیں''
(''حدیث الغاشیہ''۔۔ابوالکلام آزاد)

(۴) ''سچا چغل خور جو معیاری فن کار بن چکا ہو' اُس کے اندر ضمیر نہیں ہوا کرتا۔ضمیر انسانی ترقی میں حائل ہونے کی وجہ سے بڑی خطرناک چیز ہے۔یوں بھی ضمیر کا تصوّر سخت رجعت پسندانہ ہے۔اس ضمیر کے خیالی معشوق پر ہزاروں قیمتی لوگ تاریخ میں قربان ہو گئے اور جان' مال' آزادی اور عزّت لُٹا کر ختم ہو گئے۔اِسی لئے تو انسان کو بنانے والے نے کہا: وَكَانَ الْاِنْسَانُ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' (''محض مشقِ انشاء''۔۔نعیم صدّیقی)

وَكَانَ الْاِنْسَانُ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا میں سورۃ الاحزاب (۳۳) کی آیت ۷۲ کا حوالہ ہے یعنی ''انسان فی الحقیقت بڑا ہی ظالم اور نادان ہے۔

چند ادبی اصطلاحات وتراکیب قرآن مجید کی روشنی میں

(۱) (Abbreviation)۔۔مخفف صورت :عَمَّ (سورۃ النبا: آیت اوّل) اور بِمَ (سورۃ الطارق:۵) علی الترتیب عَمَّا اور بِمَّا کی مخفف صورت ہیں۔

(۲) (Accolade)۔۔خوبی کا اعتراف : مثلاً ایمان والوں صالحین کی تعریف یوں کی گئی :
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (اَلنّحل : ۹۷)
''جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اُسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم اُنہیں اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔'' (۱۶:۹۷)

(۳) قولِ معروف، پُر مغز مقالہ (Adage): اس ضمن میں قرآن مجید میں واقع چند محاورات اور قولِ معروف کی مثالیں حسب ذیل ہیں :

(i) إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" (الحُجُرات : ۱۲)

(ii) لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰىO (النجم : ۳۹)

(iii) هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُO (الرحمٰن : ۶۰)

(iv) إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح : ۵)

(۴) ملتی جلتی آواز سے شروع ہونے والے الفاظ کو کسی عبارت یا مصرعے وغیرہ میں قریب لانا (سر حرفی تماثل پیدا کرنا (Alliteration) جیسے یہ آیات :

(i) وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًاO فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًاO فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًاO (الذّٰريٰت : ۱-۳)

(ii) فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍO وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍO وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍO (الواقعة : ۲۸-۳۰)

(iii) فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِO فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِO (الواقعة : ۵۴، ۵۵)

(iv) وَإِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْO وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْO وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْO (المُرسَلٰت : ۹-۱۱)

(۵) سرسری اشارہ خفیہ یا بالواسطہ (Allusion) : جیسے موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکمِ الٰہی دربارِ فرعون کو جاتے ہوئے باری تعالیٰ سے عرض کیا تھا :

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ" فَأَخَافُ أَنْ يَّقْتُلُوْنِO (الشعراء : ۱۴)

''اور اُن کا میرے اوپر (قبطی کو مار ڈالنے کا) الزام بھی ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔''

(۶) تبادل، اولنے بدلنے کا عمل (Alternation):

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ (لُقمٰن : ۲۹)

''(اے مخاطَب !) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے؟''

(۷) تقلیب یعنی کسی لفظ یا عبارت کے حروف کو لوٹ پھیر کر بنایا ہوا نیا لفظ یا جملہ (Anagram) جیسے :

رُوح اور حُور   قَلْب اور قبل   دَلْو اور وَلَد   جَاوَزَا اور أزواج

(۸) شرح نگاری (Annotation):

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ إِلَيْهِم (النّحل : ۴۴)

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکرِ حکیم نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام و احکام) خوب واضح کر دیں جو اُن کی طرف اتارے گئے ہیں۔'' (۱۶ : ۴۴) ظاہر ہے کہ آپ ﷺ قرآن کے شارح ہیں۔

(۹) متضاد لفظ(Antonym): جیسے

(i) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (النساء:۲)

''اور بُری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو۔'' (۲ : ۴)

(ii) وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ (الکھف:۱۸)

''تو اُنہیں (اصحاب کہف کو) بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔'' (۱۸:۱۸)

(۱۰) Apostrophe یعنی تقریر یا نظم کا وہ حصّہ جس میں کسی (غائب یا وفات یافتہ) شخص کو خطیبانہ انداز میں مخاطب کیا جائے یا کسی شے کو شخصیت مان کر پکارا جائے۔

اس کی مثالیں صالح اور شعیب علیہما السلام کی اپنی قوم کے بدنصیب مُردوں سے خطاب ہے جو اِن مقدّس ہستیوں نے اِن سزا یافتہ مُردوں سے کیا تھا۔ جس کا ذکر علی الترتیب سورۃ الاعراف کی آیات ۷۹ اور ۹۳ میں ہوا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جنگ بدر میں کفار کے مقتولین سے اس طرح کا خطاب فرمایا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مُردے زندوں کا کلام سنتے ہیں۔

(۱۱) آوازیں کسنا(Catcall):

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً [الانفال (۸):۳۵]

''اور بیت اللہ کے پاس اُن کی (نام نہاد) نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

(۱۲) موازنہ(Comparison):

(i) اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِىْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (حٰم السجدۃ:۴۰)

''بھلا جو شخص آتشِ دوزخ میں جھونک دیا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن (عذاب سے) محفوظ و مامون ہو کر آئے؟'' (۴۰ : ۴۲)

(ii) اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O (المُلک : ۲۲)

''کیا وہ شخص جو منہ کے بل اوندھا چل رہا ہے زیادہ راہِ راست پر ہے یا وہ شخص جو سیدھی حالت میں صحیح راہ پر گامزن ہے؟'' (۲۲ : ۶۷)

(۱۳) ایجاز و اختصار(Conciseness): جیسے سورۃ البقرۃ کی یہ آیات ۱۴، ۱۵:

(i) وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ O اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ O

''اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ایمان لا چکے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔ اللہ اُن سے مذاق کرتا ہے اور وہ اُنہیں ڈھیل دے رہا ہے (تو) وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۔'' (۲:۱۵'۱۴)

یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ منافقین کی جانب سے یہاں اسمِ فاعل مُسْتَهْزِءُوْن (ہم مذاق کرنے والے ہیں) کے استعمال اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے فعلِ مضارع يَسْتَهْزِئُ (وہ مذاق کرتا ہے) کے استعمال میں نہایت ممتاز بلیغانہ رخطیبانہ اہمیت ہے۔ عربی نحو (گرامر) کا اصول ہے کہ اسمِ فاعل وقتی اور عارضی ہوتا ہے جبکہ فعل مضارع میں دائمیت (ہمیشگی) ہوتی ہے۔

نحو کی اس لطافت کی روشنی میں زیرِ نظر آیاتِ قرآنی سے جو مفہوم مستفاد ہوتا ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ منافقوں کا استہزاء (ٹھٹھا اور مذاق) عارضی ہے اور منافقوں کے مرنے کے ساتھ وہ مذاق بھی فنا ہو جائے گا لیکن فعلِ مضارع میں اَللّٰہُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کے الفاظ دائمی اور مستقل مفہوم کی شناخت ہیں کہ اُن پر اور اُن کی پیروکار نسلوں پر قہر اور غضبِ الٰہی لامتناہی حد تک ہمیشہ رہے گا۔ (''مُخْتَصَرُ المَعانی'' علامہ تفتازانی' صفحہ ۱۵۸)

استہزا اور تمسخر کی نفسیات: مسلمانوں سے ٹھٹھا اور مخول کرنا بذاتِ خود منافقت ہے جس میں طعنہ زنی اور حقائق کا مسخ کرنا (بگاڑنا) بھی شامل ہیں۔ علامہ زمخشری نے استہزا کا معنیٰ ذلت اور رسوائی کیا ہے (تفسیر ''الکشّاف عن غوامض التنزیل'') کیونکہ استہزا کا مصدر ''ھزا'' ہے جس کا معنیٰ کسی شخص پر ذلت وحقارت کا وار کرنا ہے۔ لہٰذا استہزاء کی اصل غرض دوسرے کی تحقیر ہے۔ ہنسنا محض ایک ذریعہ ہے جس سے تحقیر کی جاتی ہے۔ یہاں منافقین کی مخصوص ذہنیت اور عادت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اُن کے پیشِ نظر مسلمانوں کی تذلیل وتحقیر تھی اور وہ ہر وقت اسی فکر میں لگے رہتے تھے۔ استہزاء اُن کی اسی سوچ کا مظہر تھا۔

(ii) هُنَّ لِبَاس'' لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاس'' لَّهُنَّ (البقرة: ۱۸۷)
''وہ (عورتیں) تمہارے لئے اور تم اُن کے لئے لباس ہو۔'' (۱۸۷ : ۲)

اس ایک جملہ میں گویا کوزے میں دریا کو بند کر دیا گیا ہے۔ اس اختصار وایجاز کی تفصیل ملاحظہ ہو:۔
(i) میاں بیوی کا باہمی قرب واتصال ایسا ہی ہے جیسے جسم اور لباس کا۔
(ii) دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے جیسے لباس اور جسم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔
(iii) دونوں ایک دوسرے کے اسی طرح محتاج ہیں جیسے انسان لباس کا محتاج ہے۔
(iv) دونوں ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی موجبِ تسکین ہیں جیسے لباس انسان کے لئے ہے۔

(v) لباس جسم کے حسن و خوبی کو ابھارتا ہے۔ میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا ہونا چاہئے۔
(vi) بوقتِ جماع دونوں ایک دوسرے سے یوں ملتے ہیں جیسے جسم سے لباس ملتا ہے۔
(vii) نکاح کی وجہ سے میاں بیوی لوگوں کے طعنوں اور الزام تراشیوں سے ایسے محفوظ ہو گئے جیسے لباس کی وجہ سے جسم موسمی اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔
(viii) انسان کے حق میں لباس کا ایک وصفِ امتیازی اُس کی پردہ پوشی ہے جس طرح لباس جسم کے عیوب کو چھپاتا ہے۔ تشبیہ سے خاص اشارہ اِسی وصف کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہئے۔ میاں بیوی کے درمیان جو انتہائی گہرا رشتہ ہوتا ہے' اُس کی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی' اَخلاقی' روحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اُتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو اور نہ ایک کا کوئی راز دوسرے سے چھپا رہ سکتا ہے۔ اس صورت میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے' اُس پر صبر کرے اور اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے۔ اسی طرح مرد کے کمالِ اخلاق کی یہی معراج ہے! ـــــ دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پُر تعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے روزمرّہ کے لطیف و آسان مجاہدات کے ذریعے بتا دیا۔ یہ اُس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی محققین کی نظر میں پست اس لئے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر کی گئی! اس سے بڑھ کر کونسا سخت جھوٹ ہوگا اور اس سے بڑھ کر صریح کونسا اتہام ہوگا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں' عہد عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُن کے سارے دفترِ کتب و اسفار میں زن و شو کے باہمی تعلق' محبت و اعتماد کے باب میں کون سی تعلیم اس درجہ کی ہے؟'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۷۱)

(iii) نِسَآءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأْتُوْا حَرْثَکُمْ أَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْا أَنَّکُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ O (البقرۃ : ۲۲۳)

''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں' سو تم اپنے کھیت میں جس طرح بھی چاہو آؤ اور اپنے حق میں آئندہ کے لئے کچھ کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ تمہیں اللہ سے ملنا ہے اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔'' (۲۲۳ : ۲)

عورت کا مقام متعیّن کرنے میں انسان نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے اور یہ کہ جنس کے معاملہ میں مرد کا عورت کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہونا چاہئے۔ آیا جنس کوئی شرم کی بات ہے یا اسے معمولی سمجھ کر اس سے ہلکے پن کا رویّہ کیا جائے یا جنس میں آدمی اپنی حدود سے بڑھ جائے؟ اِن تمام سوالات کے گرد بُنے گئے جالوں سے قرآن نے انسان کو نجات دی ہے اور کہا ہے کہ جنس' حیاتِ انسانی میں باوقار اور متین حقیقت ہے۔

قرآن مجید نے عورت کا موازنہ کھیتی سے کیا ہے یعنی وہ ایک زمین کی طرح ہے جو بیج لے کر پودے اگاتی ہے

ہے۔ کاشتکار فصل کاٹنے کے لئے بیج اگاتا ہے۔ اس عمل میں وہ اپنے وقت اور کاشتکاری کے طریقے کا انتخاب کرتا ہے۔ وہ نہ تو بے موسمی کاشت کرتا ہے اور نہ ہی اس انداز سے کاشت کرتا ہے جو زمین کے نقصان وخسارے کا موجب ہو۔ وہ دانشمند، روادار اور دوسروں کا خیال رکھنے والا ہے اور بدامنی اور فساد پھیلانے والا نہیں۔

(iv) إِنَّا أَنشَأْنٰهُنَّ إِنشَآءً ٥ فَجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا ٥ عُرُبًا أَتْرَابًا ٥ لِّأَصْحٰبِ الْيَمِينِ ٥
(الواقعۃ:۳۵۔۳۸)

''بے شک ہم نے اُن عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ایسا بنا دیا ہے کہ وہ کنواری رہیں گی اور دائیں والوں کے لئے محبوبہ اور ہم عمر رہیں گی۔'' (۳۵ تا ۳۸ : ۵۶)

عُرُب'' کا واحد عَرُوب'' ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ وہ عورت ہے جو ناز وانداز اور خوش گفتاری سے اپنی محبت کا اظہار اپنے خاوند سے کرے۔ یہ عورت کی ایسی صفت ہے جس میں اس کی نسوانیت کی ساری خوبیاں سمٹ آتی ہیں۔ حسین وجمیل بھی ہو، ناز و ادا والی بھی ہو، خوش گفتار بھی ہو، ہنس مکھ بھی اور اپنے خاوند کو دل سے چاہنے والی بھی ہو اور اپنی چاہت کو چھپانے والی نہ ہو بلکہ اُس کا اظہار کرنے والی ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۹۲)

(v) سورۃ النّبا کی آیت ۳۳ میں اہلِ جنت پر الٰہی انعام کے طور پر ''کواعب'' اور ''أتراب'' کے دو لفظ آئے ہیں جو تمام نفاستوں، لطافتوں اور شرم وحیا وتہذیب کا خیال رکھتے ہوئے بہت ہی موزوں ہیں۔ لفظ ''کواعب'' کا مصدر ''کعب'' ہے جس کا معنیٰ زمین کی کسی جگہ کا عام سطح سے کچھ بلند ہونے کا ہے۔ اس معنیٰ کی رُو سے ''کواعب'' کا معنیٰ ابھری ہوئی چھاتیوں والی دوشیزگان کا ہے جس میں ارتفاع اور بلندی کے موروثی معنیٰ پنہاں ہیں۔ ''أتراب'' کا مصدر ''تراب'' بمعنیٰ مٹی ہے۔ اس طرح ''أتراب'' کا معنیٰ مٹی میں کھیلتی ہوئی ہمجولیاں ہیں یعنی وہ اپنی عنفوانِ شباب میں ہوں گی جیسا کہ اس عمر میں وہ مٹی سے کھیلتی پائی گئی ہیں۔ کچھ مترجمین نے اس کا ترجمہ ''ہم عمر'' سے کیا ہے لیکن یہ صحیح مفہوم کی عکاسی نہیں کرتا کیونکہ ''ہم عمر'' کا اطلاق جوانی اور بڑھاپے دونوں پر ہوتا ہے۔

(۱۴) ہم آواز حروفِ صحیح کی تکرار (Consonance): جیسے

(۱) إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ٥ (الواقعۃ:۴)

(۲) فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ٥ (المدّثّر: ۸)

(۳) وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ٥ (المرسلات:۳)

(۱۵) جملہ معترضہ (Digression): جیسے سورۃ المائدۃ کی یہ آیت ۶۴:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُاللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ" غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (المائدۃ : ۶۴)

''اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (یعنی معاذ اللہ وہ بخیل ہے)' اُن کے (اپنے) ہاتھ باندھے جائیں اور جو کچھ اُنہوں نے کہا اُس کے باعث اُن پر لعنت کی گئی' بلکہ (حق یہ ہے کہ) اُس کے دونوں ہاتھ (جُود وسخا کے لئے) کشادہ ہیں' وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ (یعنی بندوں پر عطائیں) فرماتا ہے۔'' (۶۴ : ۵)

آیت کا خط کشیدہ حصّہ اصل موضوع سے گریز ہے اور جملہ معترضہ ہے۔

(۱۶) Diphthong : دوحروف جول کر ایک آواز پیدا کریں' جیسے:
اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا (الرّعد:۳۱)

(۱۷) تخفیفِ عبارت (Ellipsis): جیسے
وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا (یوسف:۸۲)
''اور اُس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے۔'' (۸۲ : ۱۲)

الْقَرْيَة سے پہلے اَهْل کا لفظ محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے: وَاسْأَلْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ یعنی اس بستی والوں سے پوچھ لیں۔

(۱۸) طلاقتِ لسانی (فصاحت)۔۔ Eloquence: سورہ ھُود (۱۱) کی آیات ۴۲ تا ۴۴ نے مشہور مستشرق سر ولیم جونز اور ڈی ہربلاٹ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور اُنہوں نے بڑی فراخ دلی سے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ آیات فی الواقع فصاحت و بلاغت اور طلاقتِ لسانی کا عدیم المثال نمونہ ہیں:۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ نِ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ O قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ O وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ O (ھُود:۴۲ تا ۴۴)

''اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی (طوفانی) لہروں میں اُنہیں لئے چلی جارہی تھی کہ نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ اُن سے الگ (کافروں کے ساتھ کھڑا) تھا: اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ

سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ وہ بولا : میں (کشتی میں سوار ہونے کی بجائے) ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں' وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر اُس شخص کو جس پر وہی (اللہ) رحم فرما دے۔ اِسی اثنا میں دونوں کے درمیان (طوفانی) موج حائل ہوگئی' سو وہ (پسر نوح) ڈوبنے والوں میں سے ہوگیا۔ اور (جب سفینہِ نوح کے سوا سب ڈوب کر ہلاک ہو چکے تو) حکم دیا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تو تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری اور فرما دیا گیا کہ ظالموں کے لئے (رحمت سے) دُوری ہے۔'' (۴۲ تا ۴۴ : ۱۱)

قرآن کی طلاقتِ لسانی کی بابت مستشرق (Palmer) رقم طراز ہیں :

''عرب کے بہترین فنکار بھی قرآن جیسی چیز پیش کرنے سے قاصر رہے۔'' ...("The Qur'an" Introducation).

(۱۹) حسنِ تعبیر' ملائم پیرائے میں کی جانے والی ناخوشگوار بات (Euphemism): مثالیں ملاحظہ ہوں:

(i) وَمَا مُحَمَّدٌ" اِلَّا رَسُوْلٌ" قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِه الرُّسُلُ (آلِ عمران: ۱۴۴)

''اور محمد (ﷺ) رسول ہی ہیں (نہ کہ خدا)' آپ سے پہلے بھی کئی پیغمبر گزر چکے۔''

آیت میں مَاتَتْ کا لفظ رسالت کے شایانِ شان نہیں تھا' لہٰذا اُسے خَلَتْ سے بدل دیا گیا جس کا معنیٰ بھی مَاتَتْ (فوت ہوگیا) ہی کا ہے۔

(ii) وَقَالَ نِسْوَةٌ" فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَأَةُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰھَا عَنْ نَّفْسِه قَدْ شَغَفَھَا حُبًّا (یوسف: ۳۰)

''اور شہر میں (امراء کی) کچھ عورتوں نے کہنا (شروع) کر دیا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اُس سے مطلب براری کے لئے پھسلاتی ہے' اس (غلام) کی محبت اُس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔''

سیاق و سباق کے دیکھتے ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے لئے عزیزِ مصر کے والہانہ عشق کے مدِّ نظر امید یہی تھی کہ لفظِ ''عشق'' استعمال کیا جاتا لیکن اِس لفظ کے سوقیانہ پن اور بازاری ہونے کے باعث پیغمبر کی عظمت و افضلیت کے مدِّ نظر اس کے استعمال سے گریز کیا گیا اور حُبّ کا نفیس و لطیف لفظ مستعمل ہوا۔

(iii) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ۝ (الحِجر: ۹۹)

''اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو لمحہِ وصالِ حق نصیب ہو جائے۔''

یہاں بھی موت کا لفظ چونکہ نبوت و رسالت کے شایانِ شان نہیں تھا' اس لئے اُسے اَلْیَقِیْنُ سے بدل دیا گیا۔

(۲۰) مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَأَھَا (الحدید : ۲۲)

''کوئی بھی مصیبت نہ تو زمین پر پہنچتی ہے اور نہ ہی تمہاری زندگیوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ میں جو اللہ کے علمِ قدیم کا مرتبہ ہے) اس سے قبل کہ ہم اُن جانوں کو پیدا کریں (موجود) ہوتی ہے۔'' (۵۷ : ۲۲)

انسان کی آزادیِ عمل اور اس کی حدود: کیا زندگی میں اپنی راہ متعیّن کرنے کے لئے ہمیں کھلی آزادیِ عمل حاصل ہے یا ہمارے لئے وہ راہ اُس عظیم و کبیر ہستی نے متعیّن کر دی ہے جس پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ یہ فلسفیانہ مباحثے کا ہر زمانے میں سدا بہار موضوع رہا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ چند اعمال و افعال میں انسان کو آزادیِ عمل حاصل ہے جبکہ کچھ دوسرے اعمال اُس کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ ہمارے جسموں میں اعصابی' انہضامی' تنفس اور دوسرے لاتعداد نظاموں میں سے کتنے ہمارے اختیار میں ہیں اور اگر ہیں تو کس حد تک؟ کوئی شک نہیں کہ کھانا' پینا ہمارے اختیار میں ہے لیکن جونہی کھانا تالو سے نیچے جاتا ہے تو بعد میں ہونے والے عملیات پر ہمارا کس حد تک اختیار ہوتا ہے؟ اسی طرح دو روشن سیارے۔۔ سورج اور چاند ہماری خدمت اور ہمیں فائدہ پہنچانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لیکن کسی کو سورج کے مغرب سے طلوع کرنے' زمین کی گردش کو روکنے یا چاند کے گھٹانے یا بڑھانے کا اختیار نہیں۔ غرض کہ تمام دیگر لاتعداد قدرتی نظام اُس قادرِ مطلق خلاقِ عالم ہی کے دستِ قدرت میں ہیں۔

قرآن مجید کی مختلف آیات کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریت کے قائل (Determinist) اور قدریت کے قائل (Indeterminist) دونوں کے حق میں شہادت موجود ہے۔ جہاں تک جبریت کے قائلین کا تعلق ہے تو اُن کی جانب سے درجِ ذیل آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے:

(i) خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (البقرۃ : ۷)

''اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر' اُن کے کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے۔''

(ii) وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (یونس : ۱۰۰)

''اور کسی شخص کو (از خود) یہ قدرت نہیں کہ وہ اذنِ الٰہی کے بغیر ایمان لے آئے۔'' (۱۰:۱۰۰)

(iii) اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص:۵۶)

''جسے آپ (ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں' اُسے صاحبِ ہدایت آپ خود نہیں بناتے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے' صاحبِ ہدایت بنا دیتا ہے۔'' (۲۸ : ۵۶)

قرآن مجید کے علاوہ حدیث لٹریچر بھی انسانی اعمال کے جبری کاموں سے بہ اذنِ الٰہی پُر ہے۔ احادیثِ نبویہ ہی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیسے انسانوں کی تقدیر بناتا ہے۔ اس سلسلہ میں ''لوحِ محفوظ'' کا تصور اس موضوع کی مناسبت سے ہے۔ قرآن مجید میں ''لوحِ محفوظ'' کے الفاظ صرف سورۃ البروج (۸۵) کی آیت ۲۲ میں ایک ہی دفعہ آئے ہیں۔ لیکن حدیث لٹریچر میں ان الفاظ نے تقریباً ایک ادارہ کی شکل پالی ہے۔ یہی وہ ''لوحِ محفوظ'' ہے جس میں ہر فرد کا لائف پروگرام اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اُس کی پیدائش سے پہلے ہی لکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً کچھ احادیث میں آیا ہے:

(i) ''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار پہلے پیدا شدہ دنیا میں کئے جانے فیصلے لکھ دئے تھے۔''

(ii) ''پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی' وہ قلم تھا۔ اللہ نے اُسے کہا کہ لکھو۔ قلم نے پوچھا: اے رب! کیا لکھوں؟ رب نے فرمایا: تمام چیزوں کی قسمت قیامت تک کے لئے لکھ دو۔ جو کوئی اس (عقیدہ) تقدیر سے اختلاف کرے گا' اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

(iii) ''تم میں کوئی جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ لیکن پھر اُس کا نامہ اعمال اُس سے آگے بڑھ جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے جس میں وہ (بالآخر) پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ لیکن پھر اُس کا نامہ اعمال اُس سے آگے بڑھ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور وہ (بالآخر) اُس میں داخل ہو جاتا ہے۔''

آزادیِ عمل کے حامیوں کے دلائل: انسان کی آزادیِ عمل اور اپنے اچھے برے اعمال کی جوابدہی کے بارے میں قرآنی فرمودات بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں۔ مثلاً فرمایا:

(i) تِلْكَ أُمَّةٌ'' قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ (البقرۃ: ۱۳۴' ۱۴۱)

''وہ ایک امت تھی جو گزر چکی' اُن کے لئے وہی کچھ ہوگا جو اُنہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے۔'' (۲ : ۱۴۱'۱۳۴)

(ii) أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ'' مِّمَّا كَسَبُوا (البقرۃ: ۲۰۲)

''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اُن کی (نیک) کمائی میں سے حصہ ہے۔'' (۲: ۲۰۲)

(iii) وَوُفِّيَتْ كُلُّ مَا نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ (آلِ عمران: ۲۵)

''اور جس جان نے جو کچھ بھی (اعمال میں سے کمایا ہوگا) اُسے اُس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (۳ : ۲۵)

(iv) فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف: ۲۹)

''پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔'' (۲۹ : ۱۸)

(v) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ أَسَآءَ فَعَلَيْهَا (حٰمٓ السجدة : ۴۲)

''جس نے نیک عمل کیا تو اُس نے اپنی ہی ذات کے (نفع کے) لئے کیا اور جس نے گناہ کیا (سو اُس کا وبال بھی) اُسی کی جان پر ہے۔'' (۴۲ : ۴۱)

(vi) وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (الشُّورىٰ : ۳۰)

''اور جو مصیبت بھی تمہیں پہنچتی ہے تو اُس (بدعملی) کے سبب سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہوئی ہوتی ہے۔'' (۳۰ : ۴۲)

(vii) إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُورًا ○ (الدَّھر : ۳)

''بے شک ہم نے اُسے (حق و باطل میں تمیز کرنے کے لئے شعور و بصیرت کی) راہ بھی دکھا دی، (اب) وہ خود شکر گزار ہو جائے یا ناشکر گزار رہے۔'' (۳ : ۷۶)

کچھ احادیثِ مبارکہ میں جبریہ عقیدے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بےعملی (تعطل) کی نفی کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبیِ مکرّم ﷺ نے فرمایا:

''کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کی نشست دوزخ یا جنت میں نہ لکھی گئی ہو۔ کسی صحابی نے پوچھا: تو پھر کیا ہم بے عمل نہ ہو جائیں اور کسی قسم کا کام کرنے سے نہ رک جائیں؟ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، ہر ایک کی مدد کی جاتی ہے۔ پھر آپ نے سورۃ اللیل کی آیات ۵ تا ۷ کی تلاوت فرمائی: ''پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اُس نے (اِنفاق اور تقویٰ کے ذریعے) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کی تصدیق کی، تو ہم عنقریب اُسے آسانی (یعنی رضائے الٰہی) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے۔'' (۵ تا ۷ : ۹۲)

اب قرآن مجید میں وارد آزادیِ عمل اور جبریت کے درمیان تضاد اس طرح باقی رہ جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان دونوں میں موافقت و مصالحت پیدا ہو جائے لیکن یہ بات پختہ طور پر مسلّم ہے کہ ایسا کوئی تضاد نہیں ہے۔ قرآن کی آزادیِ عمل اور جبریت سے متعلق میکڈونلڈ کے اُس غیر ذمہ دارانہ بیان کا کوئی جواز نہیں جو اُس نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ''قدر'' کے مضمون میں کیا اور اسی طرح ایڈورڈ سیل (Sell) کے اعتراض کا بھی کوئی جواز نہیں جو اُس نے اپنی کتاب "The Faith of Islam" میں کیا ہے۔

درج بالا قرآنی آیات اور حدیثِ مبارکہ اس حقیقت کے ثبوت میں ہیں کہ انسان اپنے خالق کے آگے اپنے اچھے برے اعمال کے لئے جوابدہ ہیں۔ اگر انسانی اعمال پہلے ہی سے مقدّر یا طے شدہ ہوتے تو پھر انسان ہر قسم کی جزا و سزا سے خود بخود مستثنیٰ قرار پاتے کیونکہ ذمہ داری کا تصوّر صرف آزادیِ عمل ہی سے قائم ہے۔ آزادیِ

عمل کے بغیر نہ تو ذمہ داری اور نہ ہی جوابدہی کا کوئی تصوّر رہے۔ لوگ اس لئے جوابدہ ہیں کیونکہ وہ اپنے عمل میں بالکل آزاد ہیں اور یہی وہ آزادیِ عمل کا بنیادی اصول ہے جس پر اعمال کی پرکھ اور اُن کا شمار ہوگا جس پر قرآن میں بار بار زور دیا گیا ہے۔ اُن آیات کو جو بہ ظاہر جبریت کی تائید میں ہیں جن کا حوالہ صفحہ سابق ۳۴۶۳ پر دیا گیا ہے، اپنے سیاق و سباق کے حوالہ کے بغیر بالعموم سمجھا گیا ہے۔ سیاق وسباق کو مدّنظر رکھنے سے یہ آیات صاف طور پر ایک طرف تو قوانینِ قدرت اور مختلف اعمال کے باہمی تعلق کا حوالہ فراہم کرتی ہیں تو دوسری طرف اُس کا لازمی نتیجہ بھی اُن سے نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ''لوحِ محفوظ'' میں لکھنے کا مطلب: جب یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں واقع ہوتا ہے، وہ ''قضائے الٰہی'' کے موافق ہوتا ہے یا وہ اللہ کے علم میں پہلے ہی سے ہوتا ہے جس نے اُسے ''لوحِ محفوظ'' (''اُمّ الکتاب''۔ سورۃ الرَّعد: ۳۹ یا ''امام مبین''۔ سورہ یٰسٓ: ۱۲) میں لکھ لیا ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تقدیر میں لکھے گئے عمل کا پابند کر لیا ہے۔ اسی طرح اس اعتقاد سے تقدیر کی جبریت ثابت نہیں ہوتی کہ حکمِ الٰہی کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ ہمہ بیں ہے۔ وہ ہر گزشتہ، حال میں وقوع پذیر واقعہ کو اور مستقبل میں ہونے والے واقعات کو جانتا ہے۔ اب اگر اُسے پہلے ہی سے معلوم ہے کہ مثلاً ایک آدمی نے فلاں موقع پر ایک مخصوص گناہ کرنا ہے تو پھر تو اُس آدمی کو ضرور وہ گناہ کرنا چاہئے اور اس سے کسی قسم کا فرار قطعاً ممکن نہیں۔ آخر اللہ کے علم کے خلاف کوئی جا بھی کیسے سکتا ہے۔ اور اگر اس آدمی کے لئے کوئی اور بدل یا چارہ نہیں تو اُسے آزادیِ عمل سے موسوم کرنا درست نہ ہوگا جس کے نتیجہ میں اُسے اللہ کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی مواقع پر اس نظریہ کی ہیئت کی وضاحت فرمائی ہے اور اسے الٰہی حکم کے ساتھ جوڑا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جُفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لاَ قٍ (صحیح بخاری، جلد ۲)

''اے ابو ہریرہ! قلم نے لوحِ محفوظ میں وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو تم آزادیِ عمل سے کرتے ہو۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مستقبل سے متعلق اعمال کو پہلے ہی دیکھ لیتا ہے جو وہ اپنی آزادانہ رضامندی اور خودمختاری سے انجام دیتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے کہ قلم کے لکھنے (یا قدر) کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ اُن حقائق و واقعات کا ایک سادہ سا بیان ہے جو پہلے ہو چکے اور بعد میں ہوں گے۔ اسی سادہ بیان کا نام ''قضائے الٰہی'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ''قدر'' کی شکل میں ہوتا ہے اور یہ ہر حکمِ الٰہی اور ہر بیانِ الٰہی کے لئے ترغیب وتشویق فراہم کرتا ہے۔

''قضا'' کا معنی حکم کا ہے اور ''قدر'' بہ معنی مقدار، تخمینہ اور تشخیص ہے۔ اس لئے ''قضا'' کا بڑا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور ''قدر'' کا تعلق انسانوں سے ہے۔ ''قدر'' ''قضا'' کا الہامی اور محرک ذریعہ ہے۔ لہٰذا قضا و قدر کا اصول بذاتِ خود انسان کی آزادیِ عمل کی تائید میں ہے۔

اِن دو نظریات کے مابین فرق کو واضح کرنے کے لئے امام راغب اصفہانی نے درجِ ذیل واقعہ کا حوالہ دیا ہے:

قَالَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ لِعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ لَمَّا اَرَادَ الْفِرَارَ مِنَ الطَّاعُوْنِ اِلَی الشَّام: اَتَفِرُّ مِنَ الْقَضَاءِ؟ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ : اَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰہِ (المفردات القرآن لامام راغب؛ مرقاۃ لِمُلّا علی قاری، ج ۱، ص ۱۳۲)

''ابو عبیدہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جب اُنہوں نے طاعون کی وجہ سے ملکِ شام کو جانا چاہا: کیا آپ قضا سے فرار ہو رہے ہیں؟ اس پر حضرت عمر نے جواب دیا: میں اللہ کی قضا سے اُس کی قدر کی طرف حرکت کر رہا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان کسی بھی قدرتی آفت سے بچنے میں انسانی اختیار کا واضح ثبوت ہے۔

لیکن یہ بات بھی واضح رہے کہ انسان کی آزادیِ عمل کی راہ کی منصوبہ بندی اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ اس پہلے سے منصوبہ بندی کا نام ''قدر'' ہے۔ لہٰذا ''قدر'' انسانی آزادی کا حتمی نتیجہ ہے اور ''قضا'' (یعنی اعلانِ الٰہی) کا ہمیشہ اس پر انحصار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ نتیجہ اخذ کرنا منطقی معلوم ہوتا ہے کہ ''قدر'' کی باقاعدہ تشکیل کے بغیر ''قضا'' کا نفاذ ناممکن ہوتا ہے۔

دو صلاحیتوں (الٰہی تخلیق اور انسانی عمل) کو ایک ہی عمل میں جوڑ دینے کا نظریہ مسئلہ کو پیچیدہ نہیں بناتا۔ اسے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً مسلم عقیدہ کے مطابق زمین کا مالک اُس کی تخلیق کے لحاظ سے اللہ ہے لیکن زمین کے استعمال اور قبضہ کے لحاظ سے وہ انسان کی ملکیت ہے۔ زمین کا حوالہ اپنے دونوں پہلوؤں (الٰہی اور انسانی) میں دینا ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسرے کا تتمہ ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے ''شرح عقائد نسفی'' کے صفحہ ۶۶ پر بڑے واضح طور پر اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے:

فَالْفِعْلُ مَقْدُوْرُ اللّٰہِ تَعَالیٰ بِجِھَۃِ الْاِیْجَادِ وَمَقْدُوْرُ الْعَبْدِ بِجِھَۃِ الْکَسْبِ

''انسانی فعل اپنی تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی عملداری میں ہے اور اپنی کارکردگی میں انسان کی عملداری میں ہے۔''

''اس طرح ''خلق'' اور ''کسب'' کے نظریات کا اتحاد کسی قسم کے انتشار کا موجب نہیں اگر اُنہیں اُن کے

آزادانہ تناظر میں دیکھا جائے۔'' ("Islam in Various Perspecives".. Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, pp. 74-76)

بظاہر جبریت کی طرف اشارہ کرنے والی آیات کو اگر اُن کے صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو غلط فہمی کے بادل چھٹ جاتے ہیں :اب ہم صفحہ ۳۴۶۳ پر دی گئی آیات کی وضاحت کرتے ہیں کہ کسی قسم کا ذرّہ بھر شک اس بارے میں نہ رہے کہ وہ جبریت کی تائید میں ہیں :۔

(i) (البقرۃ: آیت ۷) کافروں نے اللہ کی راہ نمائی طلب نہیں کی اور نہ ہی اُنہوں نے اُس کی عطا کردہ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ چونکہ اُنہوں نے خداداد ذہنی صلاحیت سے فائدہ نہیں اٹھایا' اس لئے وہ چوپایوں سے بھی بدتر ہیں (سورۃ الاعراف: ۹:۱۷۹ ؛ سورۃ الانفال: ۲۲' ۵۵)۔ کیا وہ اس بات کا انکار کرسکتے ہیں کہ وہ آیاتِ الٰہی کو دیکھنے' سننے اور مطالعہ کرنے میں آزاد تھے اور خداداد قوّت کے مالک تھے۔ کیا اُنہوں نے بالارادہ ایسا کرنے سے گریز نہیں کیا؟ اُن کی ناقدر شناسی کی فطرت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اُن کے فہم وسماع کی صلاحیتوں پر مُہر لگا دی (یعنی وہ اُن صلاحیتوں کو ختم کر گیا)۔ تمام اعمال وافعال کو اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ وہی اُن کا خالق ہے۔ یہ صورتِ حال اُس نوجوان کے مشابہ ہے جو اپنی جوانی چھروں میں اُڑا دینے کے باعث وقت سے پہلے بوڑھا ہوگیا۔ اب چھرے اُڑانے کا عمل اُس نوجوان کا ہے جو وقت سے پہلے بوڑھا ہوگیا جبکہ بڑھاپے کا لانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اس کا الزام اللہ کو نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اللہ نے جوانی کے سنہرے دَور کو اُس سے اُس کی ناقدری کی وجہ سے چھین لیا۔ لہٰذا جب ہمیں اپنے بالارادہ گناہوں کی سزا ملتی ہے اور ہمارے حواس اچھائی اور نیکی سے غیر جاذب ہوجاتے ہیں تو سزا کو اللہ کے عدل وانصاف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

(ii) (یونس: ۱۰۰) اے محبوب! اگر آپ کا رب☆ چاہتا تو سب کو مؤمن بنا دیتا لیکن اُس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ راہِ حق اختیار کرنے پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔ شرفِ ایمان سے وہی مشرّف ہوسکتا ہے جس کی یاوری توفیقِ الٰہی کرے اور بلاوجہ لوگوں کو نعمتِ ایمان سے محروم نہیں کردیا جاتا۔ فقط اُنہی لوگوں کو توفیق سے محروم کیا جاتا ہے جو فہم وعقل کی خداداد قوّتوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں اور حق وباطل میں تمیز کرنے کے لئے اُنہیں استعمال نہیں کرتے۔

(iii) (القصص: ۵۶) اس آیت میں ربِّ ذوالجلال والاکرام اپنے محبوب علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ہدایت بخشنا تیرا کام نہیں کہ جسے تو چاہے' ہماری مرضی نہ ہو تو بھی اُسے ہدایت دے دے کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کون اس قابل ہے کہ اُس کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں کی جائے اور کس میں اس

☆وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ (اگر آپ کا رب چاہتا) میں کیا ہی لطف ہے! رب تو وہ ساری کائنات کا ہے لیکن ربوبیت کا جو خصوصی تعلق اے یتیمِ مکہ! تیری ذات سے ہے وہ کسی اور سے نہیں۔ نہ عرش سے' نہ کرسی سے۔

نعمتِ جلیلہ کو قبول کرنے کی استعداد ہے۔

جبریت عقیدہ کے قائلین درج ذیل آیت کو بھی اپنے موقف کی تائید میں اِس استدلال کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام طاقتوں کا مالک ہے تو اُس نے تمام لوگوں کو اپنی رضا کا تابع کیوں نہ بنا دیا اور ہمیں شرک کرنے کی طاقت سے محروم کیوں نہ کر دیا؟

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ O
(اَلنَّحل : ۳۵)

''مشرکین کہنے لگے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ کرتے' نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اُس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے۔ ایسی ہی (بے سروپا) باتیں اُن کے پیشرو بھی کیا کرتے تھے۔' (اے سننے والے!) کیا رسولوں کے ذمّہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ وہ صاف طور پر حکمِ الٰہی پہنچا دیں۔'' (۳۵ : ۱۶)

مشرکین کے اس عذرِ لنگ کا یہ مُسکت جواب دیا کہ بے شک ہم بے پناہ قوّتوں کے مالک ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو تمہیں اُس کی توحید کو قبول کرنے پر مجبور کر دیتے لیکن اس طرح ایک گدھے میں اور ایک انسان میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا۔ انسان کو دوسری مخلوقات پر شرف بخشنے کی وجہ یہی تو ہے کہ وہ اپنی راہ منتخب کرنے میں آزاد ہے' اُسے ہدایت و گمراہی کی راہیں بتا دی گئی ہیں اور پھر اُسے کہہ دیا گیا ہے کہ ان دو راہوں میں جس راہ کو چاہو اختیار کر لو۔ انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد یہی تو ہوتا ہے کہ حق و باطل کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیں۔ کسی کو راہِ ہدایت پر چلنے کے لئے مجبور کرنا اُن کی ذمّہ داری نہیں ہے۔ آیت کے آخر میں بتایا کہ تمہارے آباء واجداد نے بھی رضا اور مشیّت کو لازم و ملزوم سمجھ کر ٹھوکر کھائی تھی اور تم بھی اُسی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہو۔

درحقیقت معترضین نے اللہ کی مشیّت اور اُس کی رضا کے مابین فرق نہ کرتے ہوئے ٹھوکر کھائی ہے حالانکہ مشیّت اور رضا دو مختلف چیزیں ہیں۔ اللہ کسی گناہ سے خوش نہیں ہوتا لیکن گناہ کا ارتکاب کرانا اُس کی مشیّت میں ہے جیسا کہ خود قرآن مجید اس پر گواہ ہے:

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزُّمَر : ۷)

''اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر (وناشکری) پسند نہیں کرتا۔'' (۷ : ۳۹)

الغرض اسلام میں قضائے الٰہی کا نظریہ یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر فرد کی فطرت اور رویّہ خلّاقِ عالم' ہمہ بیں اور

ہمہ داں اللہ کے علم میں ہے لیکن اُس کا ہر چیز کو محیط علم آدمی کو کسی بھی طرح کسی چیز یا جرم کے کرنے یا نہ کرنے سے روکتا نہیں ہے۔ نبی آخرالزماں ﷺ نے اپنے زمانہ کے جبریت کا رجحان رکھنے والے کاہل و سُست مسلمانوں کی مذمّت فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اچھا گمان رکھنے کے سوا کچھ بھی نہ کرتے تھے۔

(۲۱) (Homophone) یعنی وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ کا ہم صوت (ہم آواز) تو ہو لیکن ہم معنیٰ یا ہم اصل نہ ہو: جیسے قَانِتِین (تابع فرمان) اور قانِطِین (نا اُمید) ؛ حَمْد (تعریف) اور هَمْد (مذمّت)

(۲۲) تشخیص (Personification): اس سے مراد یہ ہے کہ جو اشیاء زندگی سے عاری ہیں' اُنہیں زندگی سے بہرہ ور کیا جائے۔ بعض اوقات اس زندگی کو ترقی دے کر حیاتِ انسانی کی طرح بنا دیا جاتا ہے۔ مثلاً درج ذیل آیت میں ''صبح'' کو سانس لیتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے: وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ O (التکویر:۱۸) یعنی ''صبح کی قسم جب وہ نمودار ہوتی ہے۔''

اس آیت کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ صبح ایک جاندار چیز ہے جو سانس لے رہی ہے اور یہ زندگی صرف صبح ہی میں نہیں بلکہ اس کی وجہ سے کون و مکان کی ہر چیز میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔

اور دیکھئے رات دن کو تلاش کرنے کے لئے تیزی سے اس کے پیچھے بھاگ رہی ہے مگر اُسے پکڑ نہیں سکتی:

یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُه' حَثِیْثًا (الاعراف:۵۴)

''وہی رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے (درآنحالیکہ دن رات میں سے)
ہر ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے لگا رہتا ہے۔'' (۷:۵۴)

اس آیت میں رات کو چلتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ اس طویل و عریض کائنات میں رات چل رہی ہے اور وہ رات کی دھیمی چال سے مانوس ہو جاتا ہے۔

وَ الَّیْلِ اِذَا یَسْرِ O (الفجر: ۴)

''اور رات کی قسم جب وہ جانے لگے۔'' (۸۹ : ۴)

ارض و سماء کو عاقل تصور کر کے اُن سے خطاب کیا جاتا ہے اور وہ بہت جلد جواب دیتے ہیں:

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَان" فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ O (حٰمٓ السَّجدة : ۱۱)

''پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا تو اُس نے آسمان سے اور زمین سے

فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اُنہوں نے کہا: ہم خوشی سے آتے ہیں۔'' (۴۱:۱۱)

غور فرمایئے کہ آفتاب و ماہتاب اور شب و روز ایک دائمی دوڑ میں مشغول ہیں مگر:

لَاالشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَاالَّيْلُ سَابِقُ النَّهَار (یٰسٓ : ۴۰)

''نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔'' (۴۰ : ۳۶)

شب و روز میں یہ مسابقت اُس زبردست اللہ کی پیدا کردہ ہے جو نہ کبھی تھکتا ہے اور نہ کمزور پڑتا ہے۔ زمین ہی کو دیکھیے کہ وہ خشک اور گا ہے دبی ہوئی ہے۔ اُس پر ابرِ رحمت برستا ہے تو وہ زندہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے:

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍO (الحج: ۵)

''اور (اے دیکھنے والے!) تو دیکھتا ہے کہ ایک وقت میں زمین خشک پڑی ہوتی ہے۔ پھر جب ہم اُس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی ہے اور اُ بھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کے بارونق جوڑے اگاتی ہے۔'' (۵ : ۲۲)

(۲۳) Palindrome: یعنی ایسا لفظ یا فقرہ جسے الٹی طرف سے اگر پڑھا جائے تب بھی وہی رہے، جیسے:

كُلٌّ'' فِيْ فَلَكٍ ؛ تَبَّتْ ؛ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ؛ يَحْيٰى

(۲۴) Pathetic Fallacy یعنی بے جان اشیاء سے انسانی جذبات و احساسات منسوب کرنے کا ادیبانہ انداز۔ جیسے یہ آیات:

فَرَاغَ اِلٰى آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَO مَالَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَO (الصّٰفّٰت: ۹۱، ۹۲)

''تو (ابراہیم) اُن کے ٹھاکروں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تمہیں کیا ہوا تم بولتے ہی نہیں ہو۔'' (۹۱، ۹۲ : ۳۷)

(۲۵) Utopia: یعنی ایک فرضی مقام جہاں ہر شے مثالی اور کامل ہو، جنتِ ارضی: مختلف زمانوں میں مختلف قلمکاروں نے ایسے فرضی مقام کی جو نقشہ کشی کی، وہ سب خیالی اور تصور کے گھوڑے دوڑانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ لیکن قرآنِ حکیم نے اُس Utopian مقام کی جو تصویر گری کی ہے، وہ بلا شک و شبہ حقیقی اور دائمی ہے۔ فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ'' مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَO (السجدة: ۱۷)

''سو کسی کو علم نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا (سامان) اُن کے لئے خزانۂ غیب میں مخفی ہے، یہ صلہ ہے اُن کے (نیک) اعمال کا۔'' (۱۷ : ۳۲)

قرآنِ حکیم کی منظر نگاری: ''قرآنِ کریم کے پیش کردہ مناظر آنکھ جھپکنے میں اتنی تیزی سے گزر جاتے ہیں کہ قوتِ متخیلہ بھی اُن کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ بعض مناظر اس قدر طویل ہوتے ہیں کہ آدمی سوچنے لگتا ہے کہ یہ کبھی نظر سے اوجھل نہ ہوں گے۔ بعض مناظر حرکت سے بھرپور و معمور ہوتے ہیں اور بعض بالکل ساکن و جامد۔ مناظر کی یہ سرعت اور تاخیر اُس خاص مقصد کے تحت ہوتی ہے جو اُس منظر میں پایا جاتا ہے۔ اب اس کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

(۱) قرآن مجید لوگوں کے سامنے اس منظر کو پیش کرنا چاہتا ہے کہ اس دنیا کی مدت کتنی کم ہے جو لوگوں کو اخروی زندگی سے غافل کر رہی ہے۔ وہ اس منظر کو یوں پیش کرتا ہے:

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا○ (الکہف: ۴۵)

''اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے (وہ یہی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی۔ پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اُسے اُڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۴۵ : ۱۸)

یہاں تین جملے ہیں: (i) پانی جو آسمان سے اتارا۔ (ii) زمین کی روئیدگی اس کے ساتھ مل گئی۔ (iii) پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اُسے اُڑاتی پھرتی ہیں۔ اِن تین مختصر جملوں میں یا یوں کہیے کہ اِن تین پیہم مناظر میں دنیوی زندگی ختم ہو گئی۔ افسوس! زندگی کس قدر مختصر ہے!''

''مذکور صدر تعبیر میں اس کے اختصار کے باوجود راست بیانی' دقتِ نظر اور حسن و جمال کے سب عناصر جمع ہو گئے ہیں۔ راست بیانی تو اس بات میں کہ نباتات کے جملہ ادوار و مراحل بیان کر دئے اور ان میں سے کوئی مرحلہ بھی باقی نہیں چھوڑا جس سے دینی مقصد پورا ہوتا تھا۔ دقتِ نظر یوں کہ پوری تصویر پیش کی اور حسن و جمال اس کی حد سے بڑھتی ہوئی سرعت میں ہے جس کی بناء پر قوتِ متخیلہ بھی اپنے فعل کو تیز کر دیتی ہے۔''

''اس منظر کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے کے لئے لفظی نظم و نسق اور فنی وسائل دونوں سے کام لیا۔ چنانچہ فَاخۡتَلَطَ کی فائے تعقیب سے مراحل و ادوار کے پے در پے وقوع پذیر ہونے اور اس منظر کو بہ سرعتِ کمال پیش کرنے کا اظہار ہوتا ہے۔ اس فاء ہی سے ظاہر ہوا کہ ایسا نہیں ہے کہ آسمان سے اترنے والا پانی زمین کے ساتھ ملے اور اس میں روئیدگی پیدا ہو جائے۔ بلکہ عملی طور پر یہ پانی نباتات کے ساتھ ملتا ہے۔ یوں تو یہ حقیقت ہے مگر اسے ایسے انداز میں پیش کیا جا رہا ہے جس سے مطلوبہ سرعت کا اثبات ہوتا ہے۔''

(۲) اسی قسم کی ایک اور آیت بھی ہے جو اسی قسم کے معنی و مفہوم اور رجحان و میلان پر مشتمل ہے مگر ایک

دوسرے کے مقصد کے اظہار کے لئے وہ اس سے قدرے مختلف ہے :۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ "وَّلَهْوٌ" وَّزِيْنَةٌ" وَّتَفَاخُرٌ "بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ" فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُه' ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا (اَلْحدید : ۲۰)

''جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور ظاہری آرائش ہے' اور آپس میں فخر اور خودستائی ہے اور ایک دوسرے پر مال و اولاد میں زیادتی کی طلب ہے۔ اس کی مثال بارش کی سی ہے جس کی پیداوار کسانوں کو بھلی لگتی ہے' پھر وہ خشک ہو جاتی ہے' پھر تم اُسے پک کر زرد ہوتا دیکھتے ہو اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔'' (۵۷ : ۲۰)

اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی کی جو تصویر کھینچی گئی ہے' وہ تقریباً سابقہ آیت سے ملتی جلتی ہے شاید اس لئے کہ کسی کو خیال آئے کہ اس میں کامل تکرار پائی جاتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ دونوں آیات کے درمیان دقیق سا فرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کفار دنیا کو اس لئے طویل خیال کرتے ہیں کہ اس میں کھیل و تفریح اور زیب و زینت موجود ہے' اموال و اولاد میں ایک دوسرے پر اظہارِ فخر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ کفار جس بات پر خوش ہوتے اور اس کی مدّت کو طویل خیال کرتے ہیں' درحقیقت وہ بہت مختصر اور فنا پذیر ہے۔ بارش کا بھی یہی انجام ہوتا ہے کہ کسان☆ اس سے پیدا شدہ روئیدگی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں' پھر وہ لہلہاتی ہے اور بعد ازاں زرد پڑ کر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ دنیا کا بھی یہی حال ہے۔''

<u>تکرارِ آیات کی وجوہ</u> : ''قرآن میں جو آیات بظاہر مکرر نظر آتی ہیں' اُن میں کئی قسم کے نکات اور دقائق پائے جاتے ہیں۔ ہر تکرار میں کوئی بات ایسی ضرور پائی جاتی ہے جو دنیا کے مابین وجہ فرق و امتیاز ہوتی ہے۔ یہ فرق معمولی بھی ہو سکتا ہے اور اہم بھی۔ اس سے تکرار برائے تکرار کے وہم کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ تکرار میں دعوتی مقاصد بھی پنہاں ہوتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ فنی حسن و جمال کی بھی حامل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس دقیق فرق کی وجہ سے جسے ملحوظ بھی رکھا جاتا ہے' اس میں جدّت و تنوّع بھی پیدا ہو جاتا ہے۔''

''سابقہ دونوں مثالوں میں ثانوی مراحل کو حذف کر کے اختصار پیدا کیا گیا تھا۔ ذیل کی مثال میں سابقہ مثالوں ہی کی طرح دنیا کی مدت کا محدود ہونا ظاہر کیا گیا ہے مگر اس میں زیادہ اختصار پایا جاتا ہے۔ اس میں دنیا کے دونوں کناروں (ابتداء و انتہا) کو لے کر ایک لمحہ میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ مگر اس میں یہ بھی <u>ظاہر کیا گیا ہے کہ دنیا کے آغاز و انجام میں کس قدر طول پایا جاتا ہے۔''</u>

☆ عربی زبان میں کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ کَفَرَ کا معنی چھپانے کا ہے۔ اصطلاحی کافر حق کو چھپاتا ہے۔ کسان بھی چونکہ دانے کو زمین میں چھپاتا ہے اس لئے لغت میں اُسے ''کافر'' کہا جاتا ہے۔

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ O حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ O (التکاثر: ۱'۲)
''تمہیں کثرتِ مال کی ہوس اور فخر نے (آخرت سے) غافل کر دیا
یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔'' (۱'۲ : ۱۰۲)

''اِن آیات میں پیش کردہ تصویر ایک طرف تو زندگی کے محدود ہونے کا نقشہ کھینچتی ہے کہ کثرتِ مال سے اُس کا آغاز ہوا اور قبروں تک پہنچ کر ختم ہو گئی۔ آخر زندگی کی مدت کا اس سے محدود تر تصوّر الفاظ میں ہو یا تخیل میں' اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے؟ مگر دوسری طرف اِس منظر سے تصوّر نے بھی جنم لیا کہ کتنی طویل مدت ہے جس میں یہ لوگ دنیا کے آغاز سے لے کر انجام تک لہو و لعب میں مشغول رہے اور حَتّٰى کے لفظ نے اِس مدّت کی درازی پر مہرِ توثیق ثبت کر دی۔ حَتّٰى کے لفظ نے یہ تصوّر بھی دیا کہ یہ لوگ مدّتِ دراز تک لہو و لعب میں منہمک رہے جو عجیب قسم کا تخیل ہے۔ اس سورہ کا مقصد بھی اس حقیقت کی منظر کشی ہے کہ انسانی زندگی کس قدر محدود ہے اور اس میں لہو و لعب میں مشغول رہنے کی مدت کتنی طویل ہے۔ اس مختصر عبارت سے دونوں مقصد پورے ہو جاتے ہیں۔''

(۳) ''یہاں تک منظر نگاری میں اختصار سے کام لیا گیا تھا۔ وہ یا تو درمیانی مراحل کو حذف کر کے لیا گیا تھا یا مراحل کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے۔ اب اختصار کی ایک اور مثال پیش کی جاتی ہے جہاں نقاشِ فطرت نے منظر نگاری میں ایک زود نویس مگر سخت برش سے کام لیا ہے۔ یہ حیرت آفریں اور پُر از اعجاز برش ایک خط یہاں کھینچتا ہے اور ایک وہاں۔ اس کے بعد لوحِ تصویر کو اس طرح لپیٹ کر رکھ دیتا ہے کہ گویا کبھی وہ موجود ہی نہ تھی۔ جونہی قوّتِ متخیلہ لوحِ تصویر کو دیکھنا چاہتی ہے تو اُسے کہیں موجود نہیں پاتی:

وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ (الحج: ۳۱)

''اور جو شخص (کسی کو) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے' پھر اُسے پرندے اُچک کر لے جائیں یا ہوا اُسے کسی دُور کی جگہ میں نیچے جا پھینکے۔'' (۳۱ : ۲۲)

''آیت میں سرعت ملاحظہ ہو کہ ابھی وہ زمین سے گرا' پھر پرندوں نے اُسے اُچک لیا' پھر ہوا نے اُسے کہیں دُور پھینک دیا۔ پھر دیکھیے یہ پورا منظر او جھل ہے اور اس کا کوئی نشان موجود نہیں۔''

''اس اُچک لے جانے والی سرعت میں حکمت یہ ہے کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ مشرک کا بھی کوئی ٹھکانا یا وجود ہوتا ہے اور اُسے بھی دنیا میں اور مہلت حاصل ہوتی ہے۔ مشرک کا حسب نسب کیسا بھی ہو' اُسے کتنی بھی قوّت و شوکت حاصل ہو اور اُس کے کتنے بھی افرادِ خاندان ہوں' وہ نامعلوم مقام سے ایک لمحہ میں آتا ہے اور دوسرے لمحہ میں نامعلوم جگہ چلا جاتا ہے۔ اُسے دنیا میں اِثبات و قرار بالکل نصیب نہیں ہوتا۔''

(۴) ایک اور منظر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کو ایک کھیتی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا :

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح : ۲۹)

''اُن کے اوصاف تورات میں (بھی مذکور ہیں) اور اُن کے اوصاف انجیل میں (بھی مرقوم) ہیں۔ وہ (صحابہ ہمارے محبوبِ مکرّم کی) کھیتی کی طرح ہیں جس نے (سب سے پہلے) اپنی باریک سی کونپل نکالی، پھر اُسے طاقتور اور مضبوط کیا، پھر وہ موٹی اور دبیز ہوگئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی (اور جب سرسبز ہو کر لہلہائی تو) کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی تاکہ اِن کے ذریعے وہ (رسول اللہ ﷺ سے جلنے والے) کافروں کے دل جلائے۔'' (۲۹ : ۴۸)

''اس آیت میں جس کھیتی کا ذکر کیا گیا ہے، نہ تو وہ ریزہ ریزہ ہوتی ہے اور نہ ہوا اُسے اڑاتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور یہ منظر کبھی نگاہ سے اوجھل نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس منظر کا ثبات و بقاء طوالت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔''

یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ آیت میں پیش کردہ عام منظر طوالت کے طریقہ پر مشتمل ہے۔ مگر اس کے ابتدائی اجزاء یکے بعد دیگرے جلد از جلد ختم ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً :

(جیسے ایک کھیتی جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی) پھر وہ مضبوط ہو جاتی ہے، پھر موٹی ہو کر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے۔ دیکھئے وہ تھوڑی سی مدت میں مضبوط بھی ہوگئی اور اپنی نال پر سیدھی کھڑی بھی ہوگئی۔ اس سارے عمل میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ پھر ایک حالت پر ٹھہر گئی اور اُس میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی ابتدائی حالت کا نقشہ کھینچنے کے سلسلہ میں دو ہی چیزیں مطلوب ہیں: ایک یہ کہ اُنہیں اسلام لانے میں زیادہ دیر نہیں لگی اور دوم یہ کہ وہ اس حالت پر قائم و ثابت رہے۔ جب اُن کی نشو و نما تکمیل کو پہنچی تو پھر اُن کی حالت میں کبھی تغیر رونما نہیں ہوا۔''

(''قرآن مجید کا اسلوبِ بیان'' صفحات ۲۰۴۔۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۲ از سید قطب شہید، مترجم: غلام احمد حریری)

قرآن مجید میں فواصل و قوافی ☆ کا نظام : جس طرح موسیقی کی کئی ایک دُھنیں ہوتی ہیں، اُسی طرح فواصل و قوافی بھی مختلف انواع و اقسام پر مشتمل ہیں۔ جہاں تک فواصل و قوافی کے نظام کا تعلق ہے، وہ مختلف سورتوں میں مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ مختلف سورتوں میں فواصل میں جو تنوع پایا جاتا ہے وہ آیات کے چھوٹے بڑے یا متوسط ہونے پر موقوف ہے۔ یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح اشعار کے ایک ہی دیوان میں بعض بحریں چھوٹی ہوتی ہیں اور بعض طویل

☆ فواصل کا واحد فاصلہ ہے۔ کسی آیت کے آخری لفظ کو ''فاصلہ'' کہتے ہیں۔ قوافی کا واحد قافیہ ہے۔ کسی آیت کے آخری لفظ کا جس حرف پر اختتام ہو، وہ قافیہ کہلاتا ہے۔ مثلاً سورہ مریم کی آیت عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا کو فاصلہ کہتے ہیں اور آخری الف قافیہ ہے۔

اِس ضمن میں جو آخری بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ چھوٹی سورتوں میں فواصل غالباً چھوٹے ہوتے ہیں جبکہ طویل یا متوسط سورتوں میں فواصل بھی طویل یا متوسط ہوتے ہیں۔ اگر حرفِ قافیہ کو دیکھا جائے تو چھوٹی سورتوں میں اشعار کے ساتھ مماثلت زیادہ گہری ہوتی ہے اور طویل سورتوں میں اس کی نسبت کم ہوتی ہے۔ قرآنی سورتوں میں جس قدر قوافی پائے جاتے ہیں' ان سب سے کثیر الاستعمال قافیہ نون اور میم اور اِن دونوں سے قبل ''یا'' ''یا'' ''واؤ'' ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ جس طرح موسیقی کے اسالیب متعدد ہیں' اسی طرح مختلف قرآنی سورتوں کے قوافی میں بھی تعدد و تنوع پایا جاتا ہے۔''

ساری سورہ آلِ عِمران میں نون اور میم کا قافیہ جاری رہا جو قرآن کا عام انداز ہے۔ جب سورہ اختتام کے قریب پہنچی اور اہلِ ایمان کے ایک گروہ کی دعاء کا ذکر ہوا تو قافیہ یوں بدل گیا:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِO رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَه' وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍO (آلِ عمران : ۱۹۱'۱۹۲)

فواصل وقوافی میں اس نوع کی تبدیلیاں قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ سورۃ النّٰزعٰت میں موسیقی کے دو اسلوب ہیں جو اس سورہ میں پائے جانے والے مواقع کے متضاد ماحول سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ ان میں سے پہلا اسلوب درجِ ذیل آیات میں اختیار کیا گیا ہے۔ سورہ کا یہ ٹکڑا چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل ہے جن میں غضب کی روانی' حد درجہ کی سرعت اور شدید حرکت پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًاO وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًاO وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًاO فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًاO فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًاO يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُO تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُO قُلُوْب'' يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَة''O اَبْصَارُهَا خَاشِعَة''O يَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِO ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةًO قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّة'' خَاسِرَة''O فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَة'' وَّاحِدَة''O فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النّٰزعٰت (۷۹) : ۱ تا ۱۴)

موسیقی کا دوسرا اسلوب اس سورہ کے درجِ ذیل جزو میں پایا جاتا ہے۔ ان آیات کا اسلوب اُن آیات کی طرح ہے جن میں کوئی واقعہ بیان کیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق ہیں:۔

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰىO اِذْ نَادٰهُ رَبُّه' بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًىO اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّه' طَغٰىO فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰىO وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰىO (النّٰزعٰت: ۱۵ تا ۱۹)

موسیقی کی ایک اور قسم دعاء کے الفاظ میں ہے۔ اس میں بڑا سوز و گداز اور ملائمت پائی جاتی ہے۔ اس موسیقی پر مشتمل آیات قدرے طویل ہیں:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِO رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَه' وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍO رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ O رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلاَ تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَO (آلِ عمران : ۱۹۱-۱۹۴)

نوح علیہ السلام اور اُن کے کافر بیٹے کے مابین مکالمہ سے متعلق جو آیات نازل ہوئیں' اُن میں تموّج کے ساتھ گہرائی اور وسعت بھی پائی جاتی ہے۔ مزید برآں اُن میں دہشت بھی ہے' خوف بھی ہے۔ اس لئے کہ بنیادی طور پر یہ طوفان کی موسیقی ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ' وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَO قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَO وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَO (هُود:۴۲ تا ۴۴)

''اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی (طوفانی) لہروں میں اُنہیں لئے چلی جا رہی تھی کہ نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ اُن سے الگ (کافروں کے ساتھ کھڑا) تھا: اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ وہ بولا: میں (کشتی میں سوار ہونے کی بجائے) ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں' وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر اُس شخص کو جس پر وہی (اللہ) رحم فرما دے۔ اِسی اثنا میں دونوں کے درمیان (طوفانی) موج حائل ہو گئی' سو وہ (پسرِ نوح) ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔ اور (جب سفینۂ نوح کے سوا سب ڈوب کر ہلاک ہو چکے تو) حکم دیا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تو تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری اور فرما دیا گیا کہ ظالموں کے لئے (رحمت سے) دُوری ہے۔'' (۴۲ تا ۴۴ : ۱۱)

''طوفان نے جو ہولناک ماحول پیدا کر دیا ہے' اُس کے ساتھ گہری مماثلت پیدا کرنے کے لئے اِن آیات میں موسیقی کو اِس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ طوفان کی لہروں کی طرح طولاً و عرضاً پھیلتی اور سمٹتی اور کبھی اونچی اور کبھی نیچی ہوتی ہے۔ اِن آیات کی لفظی تکوین میں جو پیہم اور متنوع مدّات پائی جاتی ہیں' وہ اُنہیں طوفانِ نوح کے گہرے اور دہشتناک منظر کے ساتھ مکمل طور پر یک رنگ و ہم آہنگ بنانے میں بڑی حد تک مددومعاون ہیں۔''

سورۃ الفجر کی اختتامی آیات میں موسیقی کے موجزن ہونے کا انداز ملاحظہ ہو مگر یہ حقیقت فراموش نہ ہونے پائے کہ یہاں تموّج کا انداز اور میلان ہو رجحان وہ نہیں جو سورہ ھود کی درج بالا آیات ۴۲ تا ۴۴ میں تھا:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُO ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًO فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْO

وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ٥ (اَلْفجر : ۲۷ تا ۳۰)
''اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت کی طرف خوش ہوتی ہوئی اور خوش کرتی ہوئی چل، پس تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔'' (۲۷۔۳۰:۸۹)

''اِن آیات میں پائی جانے والی موسیقی اور نرم رُو موج دونوں امن وسکون کی فضا کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ اِن آیات میں پیہم ''الف'' کی آواز کو اوپر کی جانب کھینچنے اور ''یا'' کو نیچے کی طرف لے جانے کو بھی اُس تموّج میں دخل ہو جو اِن آیات کی موسیقی میں پیدا ہو رہا ہے مگر صرف اتنی سی بات سے موسیقی کا حُسن پیدا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس سے تو صرف وزن میں ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے، حُسنِ صوت میں نہیں۔ مزید برآں اس سے نغمہ کا خارجی وزن ضرور متاثر ہوتا ہے، داخلی روح پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ داخلی روح کا تعلق دراصل اُن خصوصیات کے ساتھ ہے جو حروف وکلمات کی صوت وجرس کے اندر پنہاں ہیں اور اس کا فہم وادراک صرف وہ شخص کرسکتا ہے جو قرآن کو ذہنِ ثاقب اور چشمِ بیدار کے ساتھ پڑھتا ہے۔'' (''قرآن مجید کا اسلوب بیان''۔۔ سیّد قطب، صفحات ۱۸۲ تا ۱۸۴، مترجم: غلام احمد حریری)

خلاصہ یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کے دوران قاری محسوس کرتا ہے کہ قرآن میں صوتی حسن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس کا ظہور عموماً مختصر سورہ کی آیات میں ہوتا ہے، جہاں اواخرِ آیات قریب قریب ہوتے ہیں یا اُن مقامات پر جہاں کسی کی تصویر وتعیین مطلوب ہوتی ہے۔ لمبی سورتوں میں کسی حد تک یہ ہم آہنگی کھلی نہیں بلکہ چھپی ہوتی ہے۔ تشریعی احکام پر مشتمل آیات گویا اس سے بالکل خالی ہوتی ہیں۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ نظمِ قرآنی کی بناء میں اِسے ہمیشہ ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ النجم کی یہ آیات (۱ تا ۱۸:۵۳) ملاحظہ ہوں:

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی ٥ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰی ٥ وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ٥ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰی ٥ عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰی ٥ ذُوۡ مِرَّةٍ فَاسۡتَوٰی ٥ وَهُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ٥ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ٥ فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ٥ فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی ٥ مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ٥ اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا يَرٰی ٥ وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی ٥ عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی ٥ عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی ٥ اِذۡ يَغۡشَی السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰی ٥ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی ٥ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰی ٥

''مذکورہ صدر آیات کے فواصل (اواخر کلمات) وزن میں تقریباً برابر ہیں۔ حرفِ قافیہ بھی سب آیات میں ایک ہی ہے۔ وزن وقافیہ کے باہم متحد ہونے کی وجہ سے اِن آیات میں موسیقی جیسی ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے۔ چونکہ مذکورہ صدر آیات چھوٹی چھوٹی ہیں اس لئے اُن میں موسیقی کی دُھن بھی چھوٹی ہے۔ سب آیات میں صوتی انداز واسلوب ایک ہی ہے، اس لئے سب آیات ہم آہنگ اور متحد ہیں۔ ان آیات میں حرفِ روی (آخری سے ماقبل کا حرف) کے ایک ہونے کا التزام نہیں رکھا گیا۔'' (ایضاً، صفحہ ۱۶۷)

قرآنِ کریم کا فنی نظم و نسق: حق یہ ہے کہ تصویر کشی اور تخییل و تجسیم کے علاوہ بھی قرآنی بلاغت کے بہت سے آفاق ہیں اور جب تک اُن کی بادیہ پیائی نہ کی جائے' فنی اعتبار سے قرآن کی قدر و قیمت معلوم نہیں کی جا سکتی۔ اس ضمن میں ذیل میں چند قرآنی اقتباسات بطورِ نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

(1) قرآنِ کریم نے قیامت کے لئے جو وصفی نام مشتق کیے ہیں' اُن میں سے ''اَلصَّآخَّة'' (بہرہ کر دینے والی) (سورہ عبس: ۳۳) اور ''اَلطَّآمَّة'' (ہر چیز پر چھا جانے والی) (سورۃ النازعٰت: ۳۴) بھی ہیں۔ اَلصَّآخَّة کے لفظ میں اس قدر گرانی اور شدّت پائی جاتی ہے کہ اُسے سنتے ہی کان کے سوراخ پھٹنے لگتے ہیں۔ یہ لفظ ہوا کو چیرتا ہے اور کانوں میں داخل ہو کر اُنہیں بہرہ کر دیتا ہے۔ اِسی طرح اَلطَّآمَّة کا لفظ زناٹے دار ہے۔ اس کی صوت سے یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ یہ طوفان کی طرح ہر چیز پر چھاتا جا رہا ہے اور اُسے اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔

(2) اسی طرح آیتِ کریمہ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ O (التکویر: ۱۸) میں تنفّس کے نفیس اور روشن لفظ کو دیکھئے اور پھر اس مفہوم کو ادا کرنے والے دیگر الفاظ پر غور کیجئے تو آپ قرآنی اعجاز کے معترف ہو جائیں گے اور آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کا اعجاز حسبِ موقع و مقام بہترین الفاظ کو منتخب کرنے میں مضمر ہے۔

(3) اِذۡ یُغَشِّیۡکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ (الانفال: ۱۱)

''جب اُس نے تمہاری تسکین کے لئے اپنی طرف سے تمہیں نیند (کی چادر اُڑھا دی۔'' (۱۱ : ۸)

اس آیت میں نیند کو النُّعَاس (اونگھ) سے اور نیند کے غلبہ کو ڈھانپ دینے سے تعبیر کیا۔ گویا نیند ایک رقیق و لطیف چادر ہے جو بڑی نرمی اور ملائمت سے حواس کو ڈھانپتی جا رہی ہے۔ اَمَنَةً مِّنۡهُ کے الفاظ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پوری کائنات پر امن و سکون چھایا ہوا ہے۔

(4) کَبُرَتۡ کَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا O (الکھف: ۵)

''یہ بڑی سخت بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔'' (۵ : ۱۸)

یہ آیت بھی موضوعِ زیرِ بحث ہی سے تعلق رکھتی ہے مگر تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔ آیت میں جو چیز مطلوب ہے وہ اس بات کی قباحت و مذمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ اس آیت میں ہر ممکن طریق سے اس عظیم جھوٹ کی قباحت واضح کی گئی ہے مثلاً پہلے کَبُرَتۡ کہہ کر فاعل کو ظاہر نہیں کیا۔ پھر مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ کہہ کر یہ ظاہر کیا کہ یہ کلمات اُن کے منہ سے غیر ارادی اور نادانستہ طور پر نکل رہے ہیں۔ اَفۡوَاهِهِمۡ کے ذریعے نفرت و حقارت میں مبالغہ کی جو فضا پیدا ہوئی تھی' اُسے قائم رکھا گیا۔ اس لفظ کو ادا کرتے وقت واوِ ممدودہ پر منہ کو کھولنا پڑتا ہے۔

پھر آخری میم پر منہ کو بند کرنے سے بمشکلِ تمام پے در پے حلق سے دو (۲) ھا (ھِہِم) کو نکالنا پڑتا ہے۔

(5) بعض دفعہ ایک ہی لفظ میں صوت اور تاثر دونوں جمع ہو جاتے ہیں جیسے یہ آیت :

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؀ (الطّور:۱۳)

''جس دن اُنہیں آتشِ جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جائیں گے۔'' (۵۲:۱۳)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ دَعًّـــا کے معنیٰ زور سے دھکا دینے کے ہیں۔ جسے دھکا دیا جاتا ہے' بسا اوقات اُس کے منہ سے غیر ارادی طور پر ''اُع'' کی آواز نکلتی ہے۔ یہ آواز دعًّا کی آواز سے بڑی حد تک مشابہ ہے۔

مندرجہ ذیل آیت بھی اسی قبیل سے ہے :

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ؀ (الدُّخان: ۴۷)

''(حکم دیا جائے گا کہ) اُسے پکڑو اور کھینچتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ۔'' (۴۴:۴۷)

اس آیت میں لفظ عُتُلّ کی آواز کان میں پڑتی ہے تو اس کا اثر قوّتِ متخیلہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور صوت واثر دونوں مل کر حسّ و وجدان تک اس کا مفہوم پہنچاتے ہیں۔

(6) اسی طرح ذیل کی آیات میں زندوں کو موت سے ہمکنار کرنے کی دو متقابل صورتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے:

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ؀ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ؀ (الٓمّٓ السجدة: ۲۶، ۲۷)

''کیا ان لوگوں کو اس امر سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم اُن سے پہلے بہت سی قوموں کو جن کے مقاماتِ سکونت پہ چلتے پھرتے ہیں' ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں تو وہ سنتے کیوں نہیں؟ کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں' پھر اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے اُن کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں' تو وہ دیکھتے کیوں نہیں؟ (۲۶'۲۷ : ۳۲)

اِن آیات میں موت وحیات کے مابین کس قدر عمدہ تقابل پایا جاتا ہے! پہلے اُن لوگوں کا تذکرہ کیا جو زمین میں زندہ موجود تھے اور اُنہیں ہلاکت سے ہمکنار کیا۔ پھر ایک ہی لمحہ میں مردو اور خشک زمین کو زندہ اور سرسبز و شاداب کرنے پر روشنی ڈالی۔ اس طرح یہاں تقابل ایک حالت اور دوسری حالت کے مابین نہیں بلکہ دو حالتوں (موت وحیات) کا تقابل دوسری دو حالتوں (موت وحیات) کے ساتھ کیا گیا ہے۔

(۱۳۳۳) مویشی بافی (LIVESTOCK)

''مویشی بافی کے لئے انگریزی کا ایک اور لفظ (Animal Husbandry) بھی استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب گھریلو جانوروں اور اُن سے حاصل شدہ پیداوار کی دیکھ بھال' انتظام وانصرام اور اُنہیں ترقی دینے کے فن اور علم کا نام ہے۔ جانوروں کی حضرتِ انسان کے مفاد کی کارستانی تہذیبِ انسانی کی کہانی کا جزوِ لاینفک ہے۔ دنیا کے مختلف علاقوں اور ثقافتوں میں جانوروں کی پیداوار گھریلو جانوروں کی اہمیت کی عکاس ہے کہ وہ خوراک' قوّت وتوانائی' نباتی ریشہ اور کھالوں کا منبع ہیں۔''

''اندازہ لگایا گیا ہے کہ دنیا میں پیدا شدہ مجموعی خوردنی (کھانے کے قابل) پروٹین میں سے تیس فیصد جانوروں کی پیداوار سے ملتا ہے جبکہ بقایا ستر فیصد خوردنی اناج سے حاصل ہوتا ہے۔'' (Academic American Encyclopedia, Vol. II, p. 23) USA 1981.

''جدید مویشی بافی:

''گھوڑے: دنیا میں گھوڑوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی لیکن ایک اندازے کے مطابق اُن کی تعداد ساٹھ (۶۰) ملین ہے۔ مویشی بافی میں قائدین ممالک میں روس' برازیل' چین' ارجنٹائنا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ شامل ہیں۔ بطور قوّت وتوانائی گھوڑے کا استعمال ترقی پذیر ممالک میں زوال پذیر ہو چکا ہے کیونکہ اس کی جگہ وہاں ٹریکٹروں اور دوسری میکانی توانائیوں نے لے لی ہے۔'' (ایضاً صفحہ ۲۴)

''اونٹ: یہ لادو جانور کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے گوشت' دودھ' کھال اور اون بھی حاصل کی جاتی ہے۔''

''بھینسے اور خش گاؤ (Yak): دنیا کے ۳۵ ممالک میں تقریباً ۱۳۰ ملین بھینسے پائے جاتے ہیں۔ روایتی طور پر بھینساؤں کو تین مقاصد یعنی باربرداری' دودھ اور گوشت کے لئے رکھا جاتا ہے۔ گرم' نم آلود' دلدلی زمین' سیلاب زدہ ماحول میں یہ جانور سخت کوشی میں مشہور ہے جبکہ وہ کم معیار کے چارے پر گزارہ کرسکتا ہے۔ جب دودھ کی پیداوار یا باربرداری کی کوئی قیمت نہیں رہتی تو اُنہیں بالعموم گوشت حاصل کرنے کے لئے ذبح کردیا جاتا ہے۔ اس جانور کا گوبر' کھال اور آنتیں وغیرہ بھی استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ (ایضاً' ص ص ۲۴' ۲۵)

''بکریاں: ہمیشہ سے یہ بڑا اہم پالتو جانور سمجھا جاتا ہے اور دنیا کے تمام ممالک میں پایا جاتا ہے۔

۳۴۸۲ (مویشی بانی)

دنیا میں بکریوں کی کل تعداد تقریباً ۴۰۰ ملین ہے۔ اکثر بکریاں دودھ کے لئے پالی جاتی ہیں لیکن کچھ بالوں کے لئے پالی جاتی ہیں۔ چھوٹے قد کی بکریوں میں دودھ کی بہتر فراہمی اور بہت بچے پیدا کرنے کے فوائد ہیں۔ (ایضاً)

''بھیڑیں: وہ تقریباً تمام برِّ اعظموں اور ہر قسم کے موسم میں پالی جاتی ہیں' تمام دنیا میں اُن کی تعداد ایک بلین ہے۔ دنیا کے بہت سے علاقوں میں بھیڑیں دودھ حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہیں اور دنیا کے کچھ علاقوں میں وہ خوراک کی رسد میں دودھ اور پنیر مہیا کرتی ہیں۔ اکثر بھیڑیں اس لئے رکھی جاتی ہیں کہ وہ اون حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ ہیں۔ مغربی ممالک میں بھیڑوں کی پیداوار بالخصوص اون کی پیداوار کے لئے مخصوص ہے۔''

''مال مویشی: وہ دودھ اور گوشت فراہم کرتے ہیں۔ خصی شدہ بیل عمدہ خدمتگار جانور ہوتا ہے۔ مال مویشی تقریباً ۳۰۰ حیاتیاتی میٹیریل کا اہم ذریعہ ہے جن میں اُن کی کھالیں بھی شامل ہیں جو پوشاک' خیموں اور دوسرا سامان بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہیں اور اُن کا گوبر ایندھن اور کھاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ کچھ ممالک میں وہ مبادلہ کا ایک ذریعہ ہیں اور دولت کی علامت ہیں۔'' (ایضاً) قلم کار: سی۔ جے۔ براؤن

درج بالا مضمون کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا قرآن مجید مویشی بانی اور انسان کے لئے اُس کے فوائد کی بابت کیا کہتا ہے:

(۱) وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ (الانعام: ۱۴۲)

''اور اُس نے بار برداری کرنے والے (بلند قامت) چوپائے اور زمین پر بچھنے والے (مویشی پیدا فرمائے)' تم اس رزق میں سے بھی (بطریقِ ذبح) کھایا کرو جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے۔'' (۶:۱۴۲)

(۲) وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النّحل: ۵ تا ۸)

''اور اُسی نے تمہارے لئے چوپائے پیدا فرمائے' اُن میں تمہارے لئے گرم لباس ہے☆ اور (دوسرے) فوائد ہیں اور اُن میں بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو۔ اور اُن میں تمہارے لئے رونق (اور دلکشی بھی) ہے جب تم شام کو چراگاہ سے (واپس) لاتے ہو اور جب تم صبح کو (چرانے کے لئے) لے جاتے ہو۔ اور یہ (جانور) تمہارے بوجھ (بھی) اُن شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر جانکاہ مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے' بے شک تمہارا رب نہایت شفقت والا' نہایت مہربان ہے۔ اور (اُسی نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا) تاکہ تم اُن پر سواری کر سکو اور وہ (تمہارے

☆ گرمی سے بچانے والے لباسوں کا ذکر اسی سورۃ النحل کی آیت ۸۱ میں ہوا۔

لئے باعثِ زینت بھی ہوں اور وہ (مزید ایسی باز ینت سواریوں کو بھی) پیدا فرمائے گا جنہیں تم (آج) نہیں جانتے۔'' (۵ تا ۸ : ۱۶)

جانور کے دودھ کی بابت قرآن مجید فرماتا ہے:

وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ O(اَلنَّحل : ۶۶)

''اور بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے۔اُن کے پیٹ میں جو کچھ گوبر اور خون (کی قسم) سے ہوتا ہے' اُس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں۔'' (۶۶ :۱۶)

''دودھ دینے والے مویشی' بھینس' گائیں' بکریاں وغیرہ جو خوراک کھاتی ہیں آخر کار اُنہی سے دودھ بنتا ہے لیکن جب وہ دودھ بنتا ہے تو اس میں نہ اُس خوراک کی رنگت ہوتی ہے' نہ ذائقہ ہوتا ہے اور نہ بو ہوتی ہے۔یہ عمل کس طرح رُو پذیر ہوتا ہے' قرآن کریم نے اس آیت میں بڑی وضاحت کے ساتھ اُسے بیان کیا ہے اور جس حقیقت سے قرآن کریم نے پردہ اٹھایا ہے' نزولِ قرآن سے پہلے کوئی عالم' کوئی طبیب' کوئی حکیم اس سے آگاہ نہ تھا۔ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ قرآن کریم نے دودھ کو ان غذاؤں سے کس طرح نکال کر انسان کے لئے ایک لذیذ مشروب بنا دیا ہے۔''

''اِس آیت میں دودھ کو فلٹر کرنے کے سارے مرحلے بیان کئے گئے ہیں۔ایک مرحلہ اُس وقت شروع ہوتا ہے جب خوراک معدہ میں جاتی ہے۔اُس کے ہضم ہونے کے بعد اُس کا مائع حصہ جس سے دودھ بنتا ہے' وہ آنتوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔دوسرا مرحلہ: اُن آنتوں میں حکمتِ الٰہی سے چھوٹے چھوٹے بال اُگے ہوئے ہیں۔وہ اس غذائی مواد کو چوستے ہیں اور چوس کر خون میں ملا دیتے ہیں۔فضلات کا حصہ آنتوں میں رہ جاتا ہے جسے وہ باہر پھینک دیتی ہیں۔تیسرا مرحلہ: جو مواد آنتوں نے چوس کر خون میں ملایا تھا' اُس کی صفائی کے لئے غدودِ لیفیہ اپنا کام کرتی ہیں۔اس میں سے جو خون کے ذرات ہیں' اُنہیں الگ کر دیا جاتا ہے۔اس میں سے کچھ مواد اُس مویشی کے جسم کا حصہ بن جاتا ہے اور بقیہ مواد کو اِن فلٹروں سے چھانا جاتا ہے۔اس کے بعد خالص دودھ بن کر اُس مویشی کی کھیری میں چلا جاتا ہے۔اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب اُس فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ نے انسان کی راہ نمائی کے لئے نازل کی ہے جو اِس کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا بنانے والا ہے اور اُس کے تمام اعضاء اور ان کی کارکردگیوں سے آگاہ ہے۔''

ڈاکٹر مارس بوکائل لکھتے ہیں:

''جانور کے دودھ کے بارے میں قرآن کے پیش کردہ نظریہ پر جدید کیمیا اور فزیالوجی میں تحقیق ہو چکی ہے

محمد (ﷺ) کے زمانہ میں کوئی بھی ان حقائق کو نہیں جانتا تھا بلکہ زمانہ جدید میں لوگ ان سے واقف ہوئے ہیں۔ قرآن کے نزول سے تقریباً دس صدیاں بعد دورانِ خون پر تحقیق اور دریافت Harvey نے کی۔"
"The Bible, the Koran and Science"-- Dr. Maurice Bucaille, p . 197)

مویشی بانی کے فوائد کی بابت قرآن مجید کی کچھ اور آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنۢ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَّمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَّجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ (النحل: ۸۰، ۸۱)

"اور اللہ ہی نے تمہارے گھر تمہارے لئے وجہِ سکون بنائے اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے دن اور اپنے قیام کے دن ہلکا پاتے ہو اور اُن کی اون، اُن کی روؤں اور اُن کے بالوں سے تمہارے گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں۔ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ کئی چیزوں کے سائے بنائے اور اُس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں اور اُس نے تمہارے لئے (کچھ) ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور کچھ ایسے لباس جو تمہیں شدید جنگ میں (دشمن کے وار سے بچاتے ہیں۔" (۱۶: ۸۱،۸۰)

(۲) أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ (یٰس: ۷۱ تا ۷۳)

"کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی (مخلوق) میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا کئے تو وہ اُن کے مالک ہیں۔ اور ہم نے اُن (چوپایوں) کو اُن کے تابع کر دیا، سو اُن میں سے کچھ تو اُن کی سواریاں ہیں اور اُن میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں۔" (۳۶: ۷۱-۷۳)

دوسرے فوائد میں چرمی کھالیں، حرارت کے لئے پشم اور بھیڑ کی اون، ٹیکسٹائل یا کمبلوں کے لئے اونٹ کے بال، خوشبو کے لئے مشک وغیرہ وغیرہ شامل ہیں:

اللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ (المؤمن: ۷۹، ۸۰)

"اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے بنائے تاکہ تم اُن میں سے بعض پر سواری کرو اور اُن میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ اور اُن میں تمہارے لئے اور بھی فوائد ہیں اور تاکہ تم اُن پر سوار ہو کر (مزید) اس ضرورت (کی جگہ) تک پہنچ سکو جو تمہارے سینوں میں متعین ہے اور یہ کہ تم اُن پر اور کشتیوں پر سوار کئے جاؤ۔" (۴۰: ۸۰،۷۹)

۳۴۸۵ (مویشی بانی)

قربانی کے جانوروں کے متعلق جنہیں مویشی بانی کے ذخیرہ میں سے باہر لایا جاتا ہے' قرآن فرماتا ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ "فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ (الحج: ۳۶)

''اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگاریں بنا دیا ہے' تمہارے حق میں انہی کے اندر بھلائی رکھ دی گئی ہے' پس تم (انہیں) قطار میں کھڑا کر کے (نیزہ مار کر نحر کے وقت) اُن پر اللہ کا نام لو' پھر جب وہ اپنے پہلو کے بل گر جائیں تو تم خود (بھی) اُس میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھے رہنے والے (محتاجوں) کو (بھی) کھلاؤ۔ اس طرح ہم نے اُنہیں تمہارے تابع کر دیا ہے تاکہ تم شکر بجا لاؤ۔'' (۲۲ : ۳۶)

''یہ حقیقت کہ یہ جانور اپنی جنگلی حالت میں اتنے مضر ہوتے ہیں' لیکن جب اُنہیں پالتو بنایا جاتا ہے تو انسان کے لئے وہ کتنے ہی مفید ثابت ہوتے ہیں' بذات خود اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی اور انسان کے لئے اُس کی توجہ اور نگرانی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مویشیوں کا مفاد پہنچانا بھی بڑا سبق آموز ہے۔ وہ سواری کے کام آتے ہیں' اُن میں سے بہت سے خوراک بنتے ہیں اور مزید برآں وہ کھیتی باڑی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ وہ دودھ یا اون یا بال مہیا کرتے ہیں اور اُن کے مردہ جسموں سے انسان کئی صنعتی استعمالات کے لئے ہڈیاں اور سینگ حاصل کرتا ہے۔ نقل و حرکت اور ٹرانسپورٹ میں اُن کا کردار عظیم ہے۔ ٹرانسپورٹ کے ذریعے یہ انسانی رابطہ ہی ہے جس سے ہم اپنی ثقافت کی اعلیٰ ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ: ۴۴۵۶)

انتہائی اہم پالتو جانور یعنی اونٹ کی طرف قرآن مجید ہماری توجہ اس طرح مبذول کراتا ہے:

أَفَلَا يَنْظُرُوْنَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ۝ (الغاشية: ۱۷)

''تو کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح (عجیب ساخت پر) بنایا گیا ہے؟'' (۸۸:۱۷)

ایک اور مقام پر انسان کی توجہ اِن حقائق کی طرف دلائی:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلٰى طَعَامِهٖ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا۝ فَأَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا۝ وَّفَاكِهَةً وَّأَبًّا۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ۝ (عبس: ۲۴ تا ۳۲)

''سو انسان ذرا اپنے کھانے کی طرف تو دیکھے' ہم نے خوب پانی برسایا' پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا' پھر ہم نے اُس میں غلّہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے اُگائے' تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔'' (۲۴ تا ۳۲ : ۸۰)

۳۴۸۶ (مویشی بانی)

<u>جانوروں کو پالنے میں شراکت داری:</u> مسلم ممالک میں بالخصوص اُن کے دیہاتوں میں جانوروں کو پالنے میں شراکت داری بالعموم رہی ہے۔ ایک حصّہ دار مویشیوں کی کل یا جزوی قیمت برداشت کرتا ہے جبکہ دوسرا حصّہ دار انہیں پالتا ہے۔ پھر یہ دونوں شراکت دار اپنی اجتماعی کوشش سے حاصل کئے گئے نفع میں شریک ہوتے ہیں۔''

''شراکت داری کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے اس کی مختلف شکلوں پر نگاہ دوڑا لینی چاہئے:-

(۱) ایسے کاروبار کی پہلی صورت میں شراکت داری خالصتاً تجارتی مقاصد کے لئے کی جاتی ہے۔ مثلاً بچھڑوں کو گوشت کے لئے اور گائے، بھینساؤں کو دودھ کی پیداوار کے لئے پالا جاتا ہے۔''

''فرض کریں کہ ایک حصّہ دار جانوروں کی قیمت مہیا کرتا ہے جبکہ دوسرے حصّہ دار کی اس میں انتظام اور نگرانی کی شکل میں محنت اور کوشش شامل ہوتی ہے، تو چارے اور خوراک، پانی پلانے اور اس قسم کے دیگر اخراجات میں ایک نہیں بلکہ دونوں حصّہ دار شامل ہوں گے۔ جانوروں کی فروخت پر خوراک کے اخراجات متفقہ تناسب کے ساتھ منافع کی تقسیم سے پہلے کل فروخت شدہ رقم سے منہا کر لئے جائیں گے۔ منافع کی تقسیم کے وقت ایک حصّہ دار کا خوراک کے جملہ اخراجات برداشت کرنا مبنی بر انصاف نہیں ہوگا۔ یہ نکتہ بالکل واضح ہے۔''

(۲) ایسے کاروبار کی دوسری شکل بالکل پہلی شکل کی طرح ہے سوائے اس کے کہ منتظم حصّہ دار جانوروں کی خوراک کے اخراجات بھی برداشت کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں وہ جانوروں کے دودھ سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے یا جانوروں کو کاشتکاری، آبپاشی یا درخت لگانے میں استعمال کرتا ہے تو ایسی صورتِ حال کثیر التعداد جانوروں کی صورت میں پیدا ہوتی ہے اور ایسا معاہدہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگرچہ کوئی شخص خوراک کے اخراجات کو دودھ یا جانوروں سے خدمت لینے کے فائدہ کے مابین توازن قائم کرنے کے قابل نہیں اور اس میں غیر یقینی کا عنصر موجود ہے، پھر بھی ہم اس معاہدہ کو ''حلال'' سمجھتے ہیں۔ خطرے کا عنصر قابلِ فراموش ہوسکتا ہے اور ایسے معاہدوں کی کچھ ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی شریعتِ اسلامی نے اجازت دی ہے۔ رہن رکھنے کی ایک صحیح حدیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رہن شدہ جانور کو سواری کے استعمال یا اُس سے دودھ لینے اجازت دی ہے اور فرمایا:

''رہن شدہ جانور کو وہ شخص بطور سواری استعمال کرسکتا ہے یا اُس کا دودھ دوہ سکتا ہے جو اُس کے چارے اور خوراک کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری، بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

''تاہم اگر شراکت داری ایسے نوعمر بچھڑوں کی ہے جن سے نہ تو خدمت لی جاسکتی ہے اور نہ ہی اُن کا دودھ دوہا جاسکتا ہے، اس لازمی شرط کے ساتھ کہ جانوروں کی قیمت ایک حصّہ دار کے ذمّہ ہے اور اُن کی خوراک کے

اخراجات دوسرے حصّہ دار کے ذمّہ ہیں تو اسلامی اصول ایسے معاہدہ کی اجازت نہیں دیتا۔خوراک کے اخراجات برداشت کرنے والا نقصان میں رہے گا اور اُسے جانور سے خدمت لینے یا اُس سے دودھ لینے میں کوئی فائدہ نہیں ملے گا جبکہ دوسرا حصّہ دار صاف طور پر فائدہ میں ہوگا۔ایسا معاہدہ اُس عدل و انصاف کے خلاف ہے جو اسلام ہر لین دین کے معاملہ میں قائم کرنا چاہتا ہے۔تاہم اگر دونوں شراکت دار جانوروں کی خوراک اور انہیں اُن کی عمر کے اُس وقت تک پہنچنے کے وقت تک پالنے کے اخراجات میں باہم شریک ہوں کہ اُن سے فائدہ لیا جا سکے تو ایسا معاہدہ ہماری نظر میں ''حلال'' ہے۔ (''الحلال والحرام فی الاسلام''۔ڈاکٹر یوسف القرضاوی' صفحات ۲۸۸'۲۸۹ ترجمہ انگریزی)

(۱۳۴) قرض (LOAN) اور اُس کا جواز قرآنِ حکیم کی روشنی میں

انگریزی کے لفظ (Loan) کا مترادف عربی اور زبان میں ''قرض'' ہے جس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

دَفْعُ الْمَالِ الْمُتَمَوِّلِ عَلٰی سَبِیْلِ التَّعَاوُنِ لِیَنْتَفِعَ بِہٖ وَیَرُدَّ مِثْلَہٗ (المُنجد)

''کسی شخص کو اپنا مال بطورِ تعاون دینا کہ وہ اُس سے فائدہ اٹھائے اور بجنسہٖ اُسے واپس لوٹا دے۔''

قرض دینے میں بنیادی نکتہ : مطالعہِ قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرض ایک معاہدہ اور اقرار نامہ ہے۔ وہ بنیادی نکتہ جو اس معاہدہ کو دوسری قسم کے معاہدوں سے امتیازی حیثیت دیتا ہے' اپنے ابنائے جنس سے تعاون کا جذبہ ہے۔قرض دینے کے بعد قرضخواہ کسی قسم کی تلافی کر دینے یا کسی اور قسم کے مفاد کا دعویٰ نہیں کرے گا۔قرض خالصتاً انسانیت نوازی کی بنیاد پر ہوگا تا کہ بھائی کی مدد ہو جائے اور اُس سے تعاون ہو جائے جو اُسے یک مشت یا قسط وار یا کسی اور ذریعہ سے لوٹانے کا پابند ہوگا۔اگر قرض دینے میں کوئی مالی مقصد شامل ہو تو وہ ''قرض'' نہیں کہلائے گا۔

''قرض کے لوازمات :مفسّرین قرآن کے نزدیک قرض کے معاہدہ میں درج ذیل لوازمات کا ہونا ضروری ہے:

(۱) قرض اُس ''مال'' میں سے ہو جسے شریعتِ اسلامی فی الواقع ''مال'' سمجھتی ہو۔

(۲) حاصل شدہ قرض قرضخواہ کو متفقہ مدّت کے اندر واپس کر دینا چاہیے۔

(۳) قرض کا مقصد مقروض کے ساتھ تعاون اور اُسے فائدہ پہنچانا ہو۔

(۴) قرض کا معاہدہ دونوں جانب سے آزادانہ اختیار سے ہو نہ کہ کسی مجبوری یا جبر و اکراہ کے تحت۔

(۵) معاہدہ میں طے شدہ تمام شرائط کی پابندی ہر فریق پر لازم ہوگی۔'' (''احکام القرآن''۔۔ابو بکر الجصاص: تفسیر سورۃ المائدۃ)

شریعتِ اسلامی میں قرض کی حیثیت: کسی فرد یا جماعت کو قرض دینا واجب نہیں بلکہ مستحب فعل ہے

کیونکہ ہر شخص دوسروں کو قرض دینے کی حیثیت میں نہیں ہوتا۔ گویا کہ قرض دینے کا عمل اپنے ابنائے جنس سے ''احسان'' کرنے کا عمل ہے۔ انسانی تعاون کی یہ اعلیٰ و ارفع درجہ کی مثال ہے کہ کوئی شخص اپنے خون پسینے کی کمائی میں سے متعین وقت کے لئے کسی زبوں حال اور ستم رسیدہ کو بے غرضانہ طور پر قرض دے جس میں اُسے کسی قسم کے مفاد یا تلافی کی امید نہ ہو۔ شریعتِ اسلامی میں قرض دینے کا ''ثواب'' خیرات کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔

اسلام کی رُو سے ''مال'' کی تعریف: مفسّرینِ قرآن کے نزدیک ''مال'' ہونے کے لئے درج ذیل تین شرائط کا پایا جانا ازبس ضروری ہے:

(۱) اُس چیز کی اپنی کوئی قدر و قیمت ہونی چاہئے۔
(۲) وہ چیز شریعت کی نگاہ میں حلال اور جائز ہو۔
(۳) اُس چیز پر کسی کا قبضہ ہو۔ بے قبضہ چیز پر ''مال'' کا اطلاق نہ ہوگا۔

درجِ بالا اوّل اور سوم جزئیہ کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی جنگل کے پرندے یا کسی علاقہ کی فضا قرض پر دی جائے تو وہ ''قرض'' نہیں کہلائے گی کیونکہ ہوا اور فضا کی کوئی قیمت نہیں ہوتا اور جنگلی پرندے کسی کی ملکیت نہیں ہوتے اور نہ ہی اُن پر کسی کا قبضہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ''مالِ متولی'' کی تعریف میں نہیں آتے۔

درجِ بالا دوسرے جزئیہ کی وضاحت یہ ہے کہ شریعت میں شراب، خنزیر، خون اور مردار کا گوشت وغیرہ جیسی کچھ چیزیں حرام ہیں۔ اگر اُن حرام چیزوں میں سے کوئی چیز بطور قرض دی جائے تو یہ کوئی معاہدہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ ''مال'' نہیں ہے اور اِسی لئے ایسا لین دین کالعدم قرار پائے گا۔'' (تفسیر سورۃ البقرۃ)

قرض خواہ کے لئے ہدایات: (۱) قرض خواہ دئے گئے قرض پر کوئی مفاد نہیں لے سکتا کیونکہ قرض کا معاہدہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تعاون کے جذبہ کے تحت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں حدیث بالکل واضح ہے:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفِعَةً فَهُوَ رِبًا (''نیل الاوطار'' لشوکانی)
''ہر وہ قرض جس میں کوئی فائدہ شامل ہو، سود ہے۔''

(۲) قرضخواہ اپنے مقروض سے کسی قسم کا ہدیہ یا تحفہ قبول نہیں کرسکتا۔
(۳) قرضخواہ دئے گئے قرض سے زائد وصول نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ اُس کا دعویٰ کرسکتا ہے۔
(۴) اگر مقروض ناگزیر حالات کے تحت مقررہ وقت کے اندر قرض واپس نہیں کرسکتا تو قرضخواہ کو اُسے کچھ مہلت دینے کی نصیحت کی گئی ہے۔ اگر قرضخواہ مالدار اور خوشحال ہو تو اُسے قرض کے بطور خیرات مقروض کے حق میں معاف کردینے کا بھی کہا گیا ہے، اُن ناموافق حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جن سے مقروض دوچار ہو رہا ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں حکم ہوا:

۳۴۸۹ (قرض اور اس کا جواز)

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥(البقرۃ:۲۸۰)

''اور اگر مقروض تنگدست ہے تو اُس کے لئے آسودہ حالی تک مہلت ہے اور اگر معاف کر دو تو تمہارے حق میں (اور بھی) بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔'' (۲۸۰ : ۲)

اسی ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''جس کسی کو یہ بات منظور ہو کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس پر سایہ فگن ہو جبکہ وہاں کوئی سایہ نہ ہوگا تو وہ تنگ دست کے لئے آسانی پیدا کرے یا اُسے اپنا قرض معاف کر دے۔'' (''المعجم الصغیر''طبرانی)

مقروض کے لئے ہدایات : (۱) مقروض کو طے شدہ مدت کے اندر قرض لوٹا دینا چاہیے۔

(۲) اگر مقروض نے قرض سے کوئی فائدہ اٹھایا ہے تو اصل زر سے کچھ زائد قرضخواہ کو دے دینا اچھا عمل ہے تاکہ قرضخواہ کی اس عنایت کی کسی حد تک تلافی ہو جائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِنَّ خَيْرَ النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً (''نیل الاوطار''لشوکانی) ''لوگوں میں بہتر وہ ہے جو قرض سے کچھ بڑھ کر واپس کرتا ہے۔''

فیاضی کا یہ عمل مستحب ہے' واجب نہیں۔لیکن اگر زیادتی مقدار کو قرض کی شق کا جزو بنایا جائے تو یہ حرام ہوگا

قرض خواہ اور مقروض دونوں کو اپنے اپنے مفاد کی خاطر معاہدے کو ضبطِ تحریر میں لانے کی ہدایت کی گئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (اَلْبَقَرۃ : ۲۸۲)

''ایمان والو! جب کسی مدتِ معیّن تک ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو اُسے لکھ لیا کرو۔'' (۲:۲۸۲)

قرض اور دَین میں فرق: مفسرین کے نزدیک ''قرض'' بھی ''دَین'' کی ایک قسم ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ (۱) ''دَین'' کی طرح ''قرض'' تجارتی معاہدہ نہیں ہے۔(۲) قرض خواہ کا قرض دینے کے پس پردہ کوئی مالی مقصد نہیں ہوتا' اُسے صرف انسانی ہمدردی تحریک دیتی ہے اور وہ انسانیت نوازی کی بنیاد پر اثر پذیر ہوتا ہے۔اس کے برعکس ''دَین'' میں قرض خواہ کا لازمی طور پر اُس قرض پر کوئی نہ کوئی مفاد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

متوفی (مرجانے والے) کی جانب سے قرض کی ادائیگی: اگر کوئی شخص مقروض ہو کر مرتا ہے تو کچھ مفسرین کے نزدیک اُس کی نمازِ جنازہ اُس وقت تک نہیں پڑھی جائے گی جب تک کہ اُس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ ایک مقروض مردے کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔اسی طرح ایک حدیث کی رُو سے شہید کے تمام گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔متوفی کے مقروض ہونے کی صورت میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے: (۱) اگر اُس کا کوئی چھوڑا ہوا ترکہ ہے تو اُس کے وارثوں کو اُس کے ترکہ میں قرض ادا کرنا چاہیے۔(۲) اگر اُس کا پیچھے کوئی ترکہ نہیں تو اُس کے ورثاء کو قرض ادا کرنا چاہیے۔(۳) اگر اُس کے وارث اتنے غریب ہیں کہ قرض ادا نہیں کر سکتے تو دوسرے مسلمانوں کو یہ ذمّہ داری قبول کرنی چاہیے۔ حدیث کی رو سے ایسے شخص کو اللہ روزِ قیامت سزا سے بَری کر دے گا۔(۴) درج بالا تینوں شرائط کے پورا نہ ہو سکنے کی صورت میں حکومتِ اسلامیہ کو اُس کے قرضوں کی ادائیگی کا ذمّہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

BIBLIOGRAPHY (Volume – 7)

1. Abdul Hakim, Khalifa — The Prophet ﷺ and his Message.
2. Abdul Halim, Sheikah — Law of Defamation and Malicious Prosecution.
3. Abdul Rahim, Sir — Principles of Muhammadan Jurisprudence.
4. Anwarullah, Dr. — Islamic Law of Evidence.
5. Arnold, T. W. — The Preaching of Islam.
6. Asad, Muhammad — The Principles of State and Government in Islam.
7. Bashir Mahmood, Sultan — Doomsday and Life after Death.
8. Bertram, Thomas — The Arabs.
9. Besant, Annie, Mrs. — The Life and Teachings of Muhammad ﷺ
10. Chapra, Umar M. — The Economic System of Islam.
11. Coulson, N. J. — A History of Islamic Law : Islamic Survey.
12. Dastur — Alcohol : Its Uses and Misuses.
13. Davenport, John — An Apology for Muhammad ﷺ and the Koran.
14. Ebing Krafft — Psychopathia Sexualis.
15. Gaudefroy, Maurice — Muslim Institutions.
16. Gibb, H.A.R. — Islam.
17. Goldziher — Muhammadanische Studien.
18. Hardy, M.J.L. — Blood Feuds and the Payment of Blood-money in the Middle East.
19. Havelock, Ellis — Man and Woman.
20. Hell, Joseph — The Arab Civilisation.
21. Hepple and Matthews — Cases and Materialists.
22. Hitti, P. K. — History of the Arabs.
23. Holland, Edith — The Story of Muhammad ﷺ
24. Ibrahim, A. — Islamic Law in Malaya.
25. Irving, Washington — Life of Muhammad ﷺ
26. Islam, Muhammad, Khwaja — The Spectacle of Death including Glimpses of Life Beyond the Grave.
27. Kerr, M. H. — Islamic Reforms.
28. Kisch — Sexual Life of Woman.
29. Lecky — History of European Morals
30. Liaquat Ali Khan Niazi — Islamic Law of Tort.
31. Macdonald — Religious Life and Attitude in Islam.
32. Majumdar R. C. — An Advanced History of India. (1970 Edn.)
33. Malik, S.K., Brigadier — The Qur'anic Concept of War.
34. Mannan, M. A. — Islamic Economics.
35. Mansuri, Tahir, Dr. — Islamic Law of Contract and Business Transactions.
36. Marx, Karl — The First War of Independence.
37. Muir, William, Sir — Life of Muhammad ﷺ.
38. Muslehuddin, Muhammad — Economics and Islam.

39. Mustafa, Muhammad — Evidence in Criminal Articles of Comparative Law.
40. Najmee, Abul Hasan, Syed — Islamic Legal Theory and the Orientalists.
41. Nemilov — Biological Tragedy of Woman.
42. Palmer — The Qur'an ... Introduction.
43. Phillips, Hood, O. — Constitutional and Administrative Law (London. 1973)
44. Riazul Hasan, Syed — The Reconstruction of Legal Thought in Islam.
45. Rosenthall — Knowledge Triumphant.
46. Salmond, John, Sir — Jurisprudence.
47. Schacht, J. — The Origins of Muhammadan Jurisprudence
48. Schact, J. — Introduction to the Islamic Law.
49. Scott, S. P. — History of the Moorish Empire in Europe.
50. Sell,Edward — The Faith of Islam.
51. Sidis — Psychology of Suggestion.
52. Smith and Hogans — Criminal Law.
53. Stephen — History of Criminal Law of England.
54. Tahir-ul-Qadri, Dr. Prof. — Legal Character of Islamic Punishments.
55. Tanzil-ur-Rahman — The Relationship between Qur'an and Sunnah.
56. Usman Abdul Malik, Al-Saleh — The Right of the Individual to Personal Security in Islam.
57. Wensinck, R. H. — Muslim Creed.
58. Wensinck, R. H. — An Introduction to the Study of Anglo-Muhammadan Law.
59. Westermarck, Dr. — Future of Marriage in Muslim Civilization.

ENCYCLOPAEDIAS

1. An Encyclopaedic Survey of Muslim Culture, Vol. 17.
2. Encyclopaedia Britannica, Vols. 13, 17, 23.
3. Encyclopaedia of Islam.
4. Encyclopedia of the Qur'an, Vol. 3 (Leiden, 2005)
5. Encyclopaedia of Seerah, Vol. 2.
6. Hastings' Encyclopaedia of Religion and Ehics.
7. Hutchinson 20th Century Encyclopaedia (7th Edition).
8. Grolier Academic Encyclopaedia, Vol. 12.
9. The Jewish Encyclopaedia.
10. Shahkar Encyclopedia Qur'aniat, Feb. 2002 (Urdu)

DICTIONARIES

1. Black Law Dictionary.
2. Dictionary and Glossary of the Koran : John Penrice B.A., 1979 Edn.
3. Osborn's Concise Law Dictionary.
4. "Al-Qamoos" : Arabic English Dictionary... Edward William Lane.
5. Oxfod English Urdu Dictionary ...Shanul Haq Haqqi.

ARTICLES

1. The Right of the Individual to Personal Security in Islam... **Dr. Osman Abd-el-Malik** Malik. Cited in "The Islamic Criminal Justice System.
2. "Suicide and Salvation" .. Dr. Mah Jabeen.
3. The Horror of Horrors.
4. "Kadr" in the Encyclopedia of Islam by Macdonald.

RESEARCH PAPER

"Qura'nic Law of Crimes and the Pakistan Penal Code (P.P.C.)" by Abdul Hameed Khan Niazee.

JOURNALS/DAILIES

1. An American Journal of Islamic Social Sciences, Summer, 1993. Vol. 10
2. The Daily "DAWN" Lahore of 21st August, 2000.
3. The Daily "DAWN" Lahore of 9th August, 2002.
4. The Daily "DAWN" Lahore of 10th August, 2002.
5. The Daily "DAWN" Lahore of 25th April, 2003.

TAFSIR LITERATURE

1. Abdul Majid Daryabadi, Maulana, (English, Urdu), Taj Company Ltd,, Lhr;, 1941.
2. Abdullah Yusuf Ali : Translation and Commentary on the Qu'ran .. Maryland, 1983.

(۳) جامع البیان : امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۱ھ)، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۴) احکام القرآن : امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصّاص حنفی (م ۳۷۰ھ)، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ۔
(۵) الکشّاف : علامہ محمود بن عمر زمخشری (م ۵۳۸ھ)، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ۔
(۶) تفسیر کبیر : امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین رازی (م ۶۰۶ھ)، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۷) الجامع لاحکام القرآن : علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی (م ۶۶۸ھ)، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۸) انوار التنزیل : قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی (م ۶۸۵ھ)، مطبوعہ مصر۔
(۹) البحرالمحیط : علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی (م ۷۵۴ھ)، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۱۰) تفسیر القرآن : حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی (م ۷۷۴ھ)، مطبوعہ بیروت ۱۳۸۵ھ۔
(۱۱) الدُّرُّ المنثور : حافظ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)، مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران، ۱۴۲۱ھ۔

(۱۲) جامع البیان : امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۱۳) تفسیر القرآن العزیز: امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی (م ۳۲۷ھ)' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ۔
(۱۴) معالم التنزیل : امام ابوالحسین بن مسعود الفراء البغوی (م ۵۱۶ھ)' دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ۔
(۱۵) احکام القرآن : علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی (م ۵۴۳ھ)' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت۔
(۱۶) التفسیرات الاحمدیہ: ملا احمد جیون جونپوری (۱۱۳۰ھ)' مطبعہ کریمی' بمبئی۔
(۱۷) روح البیان : علامہ اسماعیل حقی حنفی (م ۱۱۳۷ھ)' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱۴۲۱ھ۔
(۱۸) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو۔کوئٹہ (پاکستان)۔
(۱۹) فتح القدیر: شیخ محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' دارالوفا بیروت ۱۴۱۸ھ۔
(۲۰) روح المعانی : علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی (م ۱۲۷۰ھ) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ۔
(۲۱) تفسیر المنار: علامہ محمد رشید رضا (م ۱۳۵۴ھ)' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت۔
(۲۲) خزائن العرفان : سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ)' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور۔
(۲۳) فی ظلال القرآن: سید محمد قطب شہید (م ۱۳۸۵ھ)' مطبوعہ دار التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ۔
(۲۴) ترجمان القرآن : ابوالکلام آزاد۔
(۲۵) تدبّرِ قرآن : شیخ امین احسن اصلاحی' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن' لاہور۔
(۲۶) نور العرفان : مفتی احمد یار خان نعیمی (م ۱۳۹۱ھ) مفتی اقتدار احمد خان نعیمی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' گجرات۔
(۲۷) تفہیم القرآن : سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۳۹۹ھ)' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔
(۲۸) ضیاء القرآن : جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۹ھ۔
(۲۹) تبیان القرآن : علامہ غلام رسول سعیدی' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور' ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء۔

کتب احادیث

(۱) مؤطا امام مالک : امام مالک بن انس اصبحی (م ۱۷۹ھ)' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۲) المصنف : امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (م ۲۱۱ھ)' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ۔
(۳) المسند : امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ۔
(۴) صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۵) صحیح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱ھ)' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ۔
(۶) سنن ابن ماجہ : امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۷) سنن ابوداؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ)' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۸) سنن ترمذی: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ)' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ۔

(۹) سنن ابی داؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ) ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۱۰) سنن ترمذی : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) ' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۱۱) شمائل محمدیہ : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۵ھ۔
(۱۲) سنن دارقطنی : امام علی بن عمر دارقطنی (م ۲۸۵ھ) مطبوعہ نشر السنۃ ' ملتان ۱۴۱۷ھ۔
(۱۳) سنن نسائی : امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی (م ۳۰۳ھ) مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۱۴) الجامع الصغیر : امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی (م ۳۰۳ھ) مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ' ۱۳۹۱ھ۔
(۱۵) مسند ابویعلیٰ : امام احمد بن علی المثنی التمیمی (م ۳۰۷ھ) ' مطبوعہ دارالمامون التراث بیروت ۱۴۰۴ھ۔
(۱۶) صحیح ابن خزیمہ : امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ۔
(۱۷) صحیح ابن حبان : امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ) مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۷ھ۔
(۱۸) المعجم الکبیر : امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
(۱۹) الکنز : امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ) مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ۔
(۲۰) عمل الیوم واللیلۃ : امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی (م ۳۶۴ھ) ' بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۲۱) المستدرک : امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) ' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ۔
(۲۲) حلیۃ الاولیاء : امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (م ۴۳۰ھ) ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۸ھ۔
(۲۳) شعب الایمان : امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ) ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۰۱ھ۔
(۲۴) السنن الکبریٰ : امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ) ' مطبوعہ نشر السنۃ ' ملتان (پاکستان)۔
(۲۵) شرح السنۃ : امام حسین بن مسعود بغوی (م ۵۱۶ھ) ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۲ھ۔
(۲۶) ریاض الصالحین : یحییٰ بن شرف النووی (م ۶۷۶ھ) ' مطبعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ' ۱۳۷۵ھ۔
(۲۷) مشکوٰۃ : امام ولی الدین تبریزی (م ۷۴۲ھ) ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔
(۲۸) جامع المسانید والسنن : حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر (م ۷۷۴ھ) ' مطبوعہ دارالفکر ' بیروت ۱۴۲۰ھ۔
(۲۹) مجمع الزوائد : حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷ھ) ' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ۔
(۳۰) المطالب العالیہ : حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ۔
(۳۱) اسباب ورود الحدیث : حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ' ایران ' ۱۴۲۱ھ۔
(۳۲) الجامع الصغیر : حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ' مطبوعہ دارالمعرفہ ' بیروت ۱۳۹۱ھ۔
(۳۳) الخصائص الکبریٰ : حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ' مطبوعہ دارالمعرفہ ' بیروت ۱۳۹۱ھ۔
(۳۴) منہاج المسلم : شیخ ابوبکر بن موسیٰ جابر الجزائری (اردو ترجمہ از : مولانا محمد رفیق الاثری)۔
(۳۵) کنز العمال : علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری (م ۹۷۵ھ) مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت۔

کتب شروح حدیث

(۱) فتح الباری : حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ۔

(۲) بلوغ المرام : حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ۔
(۳) عمدۃ القاری : حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ)، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر ۱۳۴۸ھ۔
(۴) مرقات : علامہ علی بن سلطان محمد القاری (م ۱۰۱۴ھ)، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ۔
(۵) اشعۃ اللمعات : شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ۔
(۶) نزھۃ القاری : مولانا محمد شریف الحق امجدی (م ۱۴۲۱ھ)، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۱ھ۔
(۷) شرح صحیح مسلم : علامہ غلام رسول سعیدی۔

کتب فقہ

(۱) الام : امام محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴)، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ۔
(۲) المبسوط : شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی (م ۴۸۳ھ)، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ۔
(۳) فتاویٰ قاضی خاں : علامہ حسین بن منصور اوز جندی (م ۵۹۲ھ) مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ۔
(۴) ھدایہ اوّلین و آخرین : علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی (م ۵۹۳ھ) مطبوعہ شرکتِ علمیہ ملتان۔
(۵) الطرق الحکمیہ : علامہ عبد الرحمان جوزی (م ۵۹۷ھ)، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد۔
(۶) بدایۃ المجتھد : قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رُشد مالکی اندلسی (م ۵۹۵ھ)، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔
(۷) المغنی : علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قُدامہ (م ۶۲۰ھ)، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ۔
(۸) الحاوی للفتاویٰ : علامہ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد۔
(۹) الاشباہ والنظائر : علامہ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد۔
(۱۰) الدرُّ المختار : علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی (م ۱۰۸۸ھ)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
(۱۱) التشریع الجنائع : عبد القادر عودہ۔
(۱۲) فتاویٰ عالمگیری : مُلاّ نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ۔
(۱۳) ردُّ المختار : علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ۔
(۱۴) فتاویٰ حمادیہ : قاضی حماد الدین احمد۔
(۱۵) بہارِ شریعت : علامہ امجد علی (م ۱۳۷۶ھ)، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی۔
(۱۶) کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ : عبد الرحمٰن الجزری (اردو ترجمہ)۔
(۱۷) فلسفۃ التشریع فی الاسلام : محمصانی۔
(۱۸) فقہ القرآن : نصاب ایم اے علومِ اسلامیہ۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

کتب اسماء الرجال

(۱) میزان الاعتدال : علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (م ۷۴۸ھ)۔

(۲) المقاصد الحسنۃ : علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی (م۹۰۲ھ) مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت۔
(۳) طبقات الحفاظ: حافظ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ۔

کتب لغت (عربی)

(۱) المفردات القرآن : علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ۔
(۲) لسان العرب : علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ) مطبوعہ نشر الادب الحوزۃ، قم ایران
(۳) القاموس المحیط: علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) مطبوعہ دار التراث العربی بیروت۔
(۴) المنجد: لوئیس معلوف الیسوعی (م ۱۸۶۷ء) مطبوعہ المطبعۃ الغاثولیکہ بیروت ۱۹۲۷ء۔

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

(۱) کتاب السیر والمغازی : امام محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔
(۲) السیرۃ النبویۃ : امام عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۳ھ) مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۳) الطبقات الکبریٰ : امام محمد بن سعد (م۲۳۰ھ) مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ۔
(۴) الشفاء : قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی (م ۵۴۴ھ) مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان، دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۵) اسد الغابہ : علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر (۶۳۰ھ) مطبوعہ بیروت۔
(۶) زاد المعاد: شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیۃ (م۷۵۱ھ) مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۹ھ۔
(۷) السیرۃ النبویۃ : حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی (۷۷۴ھ) دارالفکر بیروت۔
(۸) المواہب اللدنیہ: علامہ احمد قسطلانی (م۹۱۱ھ) مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ۔
(۹) شرح الشفاء: علامہ علی بن سلطان محمد القاری (م ۱۰۱۴ھ) مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۲۱ھ۔
(۱۰) نسیم الریاض : علامہ احمد شہاب الدین خفاجی (م ۱۰۶۹ھ) مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۲۱ھ۔
(۱۱) سیرتِ رسول عربی ﷺ: نور بخش توکلی، مطبوعہ لاہور۔
(۱۲) عمر فاروق رضی اللہ عنہ : محمد حسین ہیکل۔
(۱۳) مناقب عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ : الدکتور السید الجملی۔
(۱۴) الفاروق : شبلی نعمانی۔
(۱۵) السراج المنیر : شربینی۔

کتب متفرقہ

(۱) اِحیاء علوم الدین: امام محمد بن غزالی (م۵۰۵ھ) مطبوعہ دارالخیر بیروت ۱۴۱۳ھ۔
(۲) کتاب الخراج : امام ابویوسف۔

(۳) اَشراطُ السّاعۃ : یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل، مطبوعہ دار ابن الجوزی، جدّہ ۱۴۱۵ھ۔
(۴) حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ : کمال الدین محمد بن موسیٰ الدّمیری۔
(۵) الاحکام السلطانیہ : علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی (م ۴۵۰ھ)۔
(۶) دلائل النبوۃ : امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ)۔
(۷) فضل العلم : ابن عبدالبرّ۔
(۸) التذکرۃ فی احوال الموتیٰ وامور الآخرۃ : امام شمس الدین القرطبی (م ۶۶۸ھ)
(اردو ترجمہ : مولانا غلام نصیرالدین گولڑوی)
(۹) جلاء الافہام : شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ (۷۵۱ھ)، دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۱۷ھ
(۱۰) القول البدیع : علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (م ۹۰۲ھ)، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت۔
(۱۱) نَیل الاوطار : شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)، مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ بمصر ۱۳۵۰ھ۔
(۱۲) التصویر الفنی فی القرآن : سیّد قطب شہید (اردو ترجمہ بہ عنوان : قرآن مجید کا اُسلوبِ بیان از غلام احمد حریری)
(۱۳) البیان والتبیین : جاحظ۔
(۱۴، ۱۵) گلستانِ سعدی، بوستانِ سعدی : شیخ سعدی علیہ الرحمۃ۔
(۱۶) مثنوی مولانا روم۔
(۱۷) شرح مثنوی عبدالرحمٰن جامی۔
(۱۸) طبقات المعتزلہ : ابن المرتضیٰ احمد بن یحییٰ۔
(۱۹) حقوق الانسان بین الشرعیۃ الاسلامیہ : فتحی عثمان۔
(۲۰) جامع بیان الاسلام : خطّابی
(۲۱) دیوان حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ، مطبوعہ مدینہ منوّرہ۔
(۲۲) الحلال والحرام فی الاسلام : یوسُف القرضاوی۔
(۲۳) شعر العجم : شبلی نعمانی۔
(۲۴) حدیث الغاشیہ : ابوالکلام آزاد۔
(۲۵) ضیاء النبی ﷺ : پیر کرم شاہ الازہری۔
(۲۶) حیات النبی ﷺ : ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری۔
(۲۷) انوار العرفان فی اسماء القرآن : قاری ظہور احمد فیضی۔
(۲۸) قصص القرآن : حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔
(۲۹) مقالاتِ سعیدی : علامہ غلام رسول سعیدی۔
(۳۰) آبِ حیات : مولانا قاسم نانوتوی۔
(۳۱) معلم کی شخصیت وکردار : ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم۔
(۳۲) توبۃ النصوح : ڈپٹی نذیر احمد۔
(۳۳) مدّ وجزرِ اسلام : مولانا الطاف حسین حالیؔ۔
(۳۴) مثنوی سحر البیان : میر حسن۔

اشاریہ قرآنی (جلد ہفتم)

[قوسین کے اندر (۔۔۔) کے اعداد صفحہ نمبر کو ظاہر کرتے ہیں۔]

اشاریہ احادیث مبارکہ

(۵۵) لَقَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَحْرِيْمَ الْخَمْرِ (۳۱۹۴)
(۵۶) حُرِّمَتِ الْخَمْرُ قَلِيْلُهَا وَ كَثِيْرُهَا (۳۱۹۴)
(۵۷) لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَبَائِعَهَا وَ (۳۱۹۴)
(۵۸) اَلْخَمْرُ اُمُّ الْخَبَائِثِ وَاُمُّ الْفَوَاحِش (۳۱۹۴)
(۵۹) مَنْ شَرِبَهَا وَقَعَ عَلٰى اُمِّهٖ (۳۱۹۴)
(۶۰) اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ (۳۲۰۰)
(۶۱) اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ فِي الطُّرُقَاتِ (۳۲۱۸)
(۶۲) مَنِ اطَّلَعَ فِيْ بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ (۳۲۲۰)
(۶۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ بِعَفْوِكَ (۳۲۸۱)
(۶۴) اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ" تُحِبُّ الْعَفْوَ (۳۲۸۱)
(۶۵) اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ (۳۲۹۳)
(۶۶) اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا (۳۲۹۳)
(۶۷) مَنْ رَاٰى مِنْ اَمِيْرِهٖ شَيْئًا فَكَرِهَ (۳۳۰۲)
(۶۸) خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ (۳۳۰۲)
(۶۹) بَايَعْنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِيْ (۳۳۰۳)
(۷۰) لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ (۳۳۰۶
(۷۱) صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ (۳۳۰۷)
(۷۲) صَلَاةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ (۳۳۰۷
(۷۳) اِنَّ اَعْظَمَ النَّاسِ اَجْرًا اَبْعَدُهُمْ (۳۳۰۷)
(۷۴) اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ (۳۳۰۷)
(۷۵) مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ (۳۳۰۸)
(۷۶) اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ (۳۳۰۸)
(۷۷) اِنِّيْ لَاَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ مِمَّا (۳۳۰۹)
(۷۸) مَا مِنْ خُطْوَةٍ اَعْظَمُ اَجْرًا مِّنْ (۳۳۰۹)
(۷۹) يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُهُمْ لِكِتٰبِ اللّٰهِ فَاِنْ (۳۳۰۹)
(۸۰) يَا اَهْلَ مَكَّةَ اَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ فَاِنَّا (۳۳۱۱)
(۸۱) خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا (۳۳۱۱)
(۸۲) اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ (۳۳۱۷)
(۸۳) كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ" عَنْ (۳۳۱۹)
(۸۴) خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسُقْمِكَ وَمِنْ (۳۳۳۱)
(۸۵) اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ" مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ (۳۳۳۵)
(۸۶) اِنَّهُمْ يُعَذَّبُوْنَ عَذَابًا تَسْمَعُهٗ (۳۳۳۶)
(۸۷) فَلَوْلَا اَنْ تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ (۳۳۳۶)
(۸۸) لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (۳۳۳۶)
(۸۹) مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ (۳۳۳۷)
(۹۰) مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ (۳۳۵۶)
(۹۱) اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ" فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (۳۳۸۰
(۹۲) مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ (۳۳۸۱)
(۹۳) لَا تَاْكُلُ الْاَرْضُ جَسَدَ مَنْ كَلَّمَهٗ (۳۳۸۱)
(۹۴) مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ فِيْ شَرْقٍ (۳۳۸۱)
(۹۵) حَيَاتِيْ خَيْرٌ "لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ" (۳۳۸۱)
(۹۶) مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ (۳۳۸۱)
(۹۷) مَنْ اَرَادَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ بِسُوْءٍ اَذَابَهٗ (۳۳۸۲)
(۹۸) مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ (۳۳۸۲)
(۹۹) مَثَلُ الَّذِيْ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ كَالْاُتْرُجَّةِ (۳۳۸۷)
(۱۰۰) مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى اٰيَةٍ مِّنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (۳۳۸۸)
(۱۰۱) كَانَتِ الْاٰيَةُ لَهٗ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۳۳۸۸)
(۱۰۲) لَا يَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ" (۳۳۹۰)
(۱۰۳) قِفُوْا عِنْدَ عَجَائِبِهٖ وَحَرِّكُوْا بِهٖ (۳۳۹۱)
(۱۰۴) يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَاْ وَارْقَ (۳۳۹۲)
(۱۰۵) اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَ (۳۳۹۲)
(۱۰۶) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّقْرَاَ الْقُرْاٰنُ كَمَا (۳۳۹۳)
(۱۰۷) جَوِّدُوا الْقُرْاٰنَ وَزَيِّنُوْهُ بِاَحْسَنِ (۳۳۹۳)
(۱۰۸) جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ (۳۴۶۶)
(۱۰۹) اَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللّٰهِ اِلٰى قَدَرِ اللّٰهِ (۳۴۶۷)
(۱۱۰) كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًو (۳۴۸۸)
(۱۱۱) اِنَّ خَيْرَ النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً (۳۴۸۹)

اشاریہ عمومی جلد ہفتم INDEX (General)

(قوسین کے اندر کے اعداد صفحہ نمبر کو ظاہر کرتے ہیں)

قرآنک انسائیکلوپیڈیا

اُردو ترجمہ

جلد ہفتم

مؤلف

پروفیسر اشفاق احمد خان